بسم اللہ الرحمن الرحیم

مضامین شرر

یعنی

مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر لکھنوی

مدظلہ العالی

خوش رقم لاہوری

کے تمام شاعرانہ و عاشقانہ محققانہ و فلسفیانہ، تاریخی و جغرافی، علمی و ادبی مضامین،
دنیا کے مشہور اکابر و نامور خاتونوں کے سوانح عمری، اور کل متفرق تحریریں
جن کی فاضل و محقق موصوف نے ازسرِنو نظرِ ثانی فرمائی ہے

جنھیں

سید مبارک علی شاہ گیلانی مولوی فاضل مزنگ لاہور نے چھپوایا

Moulana Abdul Halim Sharar

1. S. Barkat Ahmed
2. Moulana Abdul Halim
3. S. Mubarak Ali Shah
4. Hakim Sirajul Haq
5. Abdur Rashid

مضامین شرر جلد سوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیر رجال

مجنون عامری

دُنیا کی کسی زبان کا لٹریچر عشق کی چاشنی سے خالی نہین - یون تو تمام اخلاقی و ادبی باتون سے بحث کی جاتی ہے - مگر جہان عشق کا تذکرہ آیا جادو نگارون کے قلم اور جادو بیانون کی زبانین خود بخود زیادہ زور دکھانے لگتی ہین - اگر ہم جستجو کرین تو غالبا کسی زبان کو اس سے مستثنی نہ پائین گے - اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ اخلاقی مضامین مین اگر دلچسپی پیدا کرنا ہوتی ہے تو وہ بھی عشق ہی کے رنگ سے رنگ کے دلفریب بنائے جاتے ہین - اور شعرا تو خواہ ایشیا کے ہون یا یورپ کے - اکثر اوقات عشق ہی کو دین و ایمان سمجھا کیے -

غرض مضمون آفرینون کو اپنے خیالات اور اپنی تحریرون مین عشق کے فرشتے سے مدد لینے کی اکثر ضرورت پڑتی ہے - اور ایسے ہی موقعون کے لیے دو چار ایسے نامور عاشقون کو منتخب کر لیا کرتے ہین جن کے سوانح عمری اتنی دلچسپ اور اس قدر موثر ہوتے ہین کہ چاہے کتنی ہی بار اُن کا تذکرہ کیا جائے مگر سُننے سے کسی کا دل نہین اُکتاتا - اور ہر بار دلون پہ ایک نیا اثر ڈالتے ہین - ہر زبان مین انشا پردازون نے ایسے ہی دو چار عشاق اپنے لیے منتخب کر لیے ہین - سنسکرت کے جادو بیانون نے نل دمن کی رام کہانی سُنائی - شعراے فارس نے شیرین و فرہاد کے بیان

ہے غزل خوانی کی۔ فصحائے عرب نے لیلیٰ و مجنون کے واقعات مین اعجاز سخن کی کرشمہ سازیان دکھائین۔ غرض یون ہی ہر زبان کے انشا پردازون نے اپنے اظہار بیان کے لیے کسی نہ کسی کو منتخب کر لیا ہے۔

اس قسم کے تمام عشاق کے واقعات اسی زبان مین مروج ہین جسکے لٹریچر مین جان ڈالنے کے لیے وہ منتخب کیے گئے۔ لیکن عربی زبان نے چونکہ دنیا کی بہت سی زبانون کو فتح کر لیا اور اس کامیابی سے فتح کیا کہ اُسکے تمام محاورات اور خیالات اُن مفتوحہ زبانون کے رگ وپے مین سرایت کر گئے۔ حتیٰ کہ عربی کی اکثر ضرب المثلین بھی پوری پوری اُن مین مروج ہو گئین۔ لہذا عربی لٹریچر کے عاشقانہ ہیرو مجنون عامری کا نام فارسی و اردو کی نظم و نثر کا بھی ایک زبردست عنصر بن گیا۔ لیکن یہ امر بڑے تعجب کی ہے کہ مجنون کے نام کو عربی۔ فارسی۔ اُردو۔ اور دیگر اسی قسم کی زبانون نے مشہور تو اس حد تک کیا کہ اسلامی دنیا کا کوئی بچہ بھی شاید اس سے ناواقف نہ نکلے گا مگر اُسکے واقعات اور اُسکی زندگی کے حالات صحت و اعتبار کے ساتھ کبھی فارسی مین بیان کیے گئے اور نہ کبھی اُردو مین۔

شاید یہ پچھلا جملہ سُن کے بہت سے لوگ چونک پڑین گے۔ کیونکہ جنھون نے فارسی مین نظامی و ہاتفی کی۔ اور اُردو مین بوش کی وہ مثنویان دیکھی ہین جو "لیلےٰ مجنون" کے نام سے یاد کی جاتی ہین وہ کہین گے کہ ہماری ہی کوتاہی ہے جو ہم نے ان مثنویون کو نہ دیکھا اور الزام دے دیا ورنہ اُردو اور فارسی مین تو بہت کی مستقل نظمین خاص مجنون ہی کا تذکرہ بیان کرنے کے لیے تصنیف ہوئین۔ ہم ان مثنویون کو دیکھ چکے ہین مگر جو اصلی حالات تھے کسی مین نظر نہ آئے لہذا دعویٰ کرتے ہین کہ اس مرحوم عاشق عرب کی لائف مین کوئی کتاب نہین لکھی گئی۔

واقعی یہ حیرت کی بات ہے کہ مجنون کی نسبت ایسی غلط فہمیان پیدا ہوئین اور ایک ایسا بڑا ہجاری قصہ بنا کے اُس کی طرف منسوب کر دیا گیا کہ اگر ہم کہین تو یہ بھی غلط نہین ہو سکتا کہ مذکورہ مثنویون مین جس شخص کا تذکرہ بیان کیا گیا وہ مجنون عامری نہین کوئی اور مجنون ہو گا۔ اور اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ "دیوان لیلیٰ و مجنون" جو عربی مین مروج ہے اور کئی بار چھپ کے شایع ہو چکا ہے

اگرچہ اُس مین اشعار مجنون عامری اور لیلائے عامریہ ہی کے ہین مگر واقعات جو کچھ بیان کیے گئے ہین اکثر بے بنیاد ہین

ہم جہان تک غور کرتے ہین یہی معلوم ہوتا ہے کہ مجنون کی داستان تاریکی مین پڑی ہوئی ہے - اور کوئی نہین جانتا کہ جس مبتلائے عشق کا نام ہر زبان پہ افسوس کے ساتھ آتا ہے اور جسکے جوش و خروش کو آج تک لوگ ضرب المثل کی طرح ہمیشہ عشق کی بتیا بیون اور بیقرار یون کی تشبیہ مین پیش کیا کیے ہین وہ اصل تھا کون؟ اور اُس کی سرگذشت کیا ہے؟ لہذا ہم چاہتے ہین کہ مجنون عامری کے وہ حالات جو مستند مورخین کے ذریعے سے ہم تک پہونچے ہین اُنکو بیان کر دین -

مجنون تو لقب تھا جو عشق کی از خود رفتگیون کی بدولت نصیب ہوا - مگر اصلی نام "قیس" ہے - قبیلۂ بنی عامر کے ایک رئیس و سردار ملوح بن مزاحم کا بیٹا تھا بعض لوگون نے مشہور کر دیا ہے کہ جناب امام حسن علیہ السلام کا رضاعی بھائی تھا - لیکن یہ ایک دھوکا ہے جو شاید نام کے التباس سے ہوگیا - کیونکہ جناب امام حسن علیہ السلام کا رضاعی بھائی ایک دوسرا قیس تھا جو قبیلۂ کنانہ مین سے تھا - اور قیس بن ذریح کے لقب سے مشہور تھا - اور بنی کعب کی ایک لڑکی لبنیٰ بنت حباب کے عشق مین مبتلا تھا لبنیٰ کے مان باپ اپنی بیٹی اُسکے عقد مین دینے سے انکار کرتے تھے لیکن جناب امام حسن علیہ السلام کی سفارش بکار آمد ہوئی - اور دونون ایک زمانے تک ایک دوسرے کے وصل سے کامیاب رہے - مگر کوئی اولاد نہ ہوئی - ذریح نے اپنی بی بی کے اشارے کے بموجب قیس کو دوسرا عقد کرنے پر مجبور کیا - اور کہا لبنیٰ سے اولاد ہونے کی اُمید نہین - اور مجھے خوف ہے کہ تمھاری لاولدی میری نسل کا انقطاع نہ کر دے - قیس باپ کا نہایت ہی اطاعت گزین بیٹا تھا اُس نے عقد کرنے سے تو انکار کیا مگر باپ کو اجازت دی کہ آپ دوسرا عقد کر لیجیے - باپ نے یہ بھی نہ مانا اور آخر قیس کو قسم دلائی کہ لبنیٰ کو طلاق دیدے - اطاعت مندی کے جوش مین اُس نے طلاق تو دیدی مگر یہ حالت تھی کہ شب و روز بیتاب رہتا تھا - گو اب لبنیٰ سے تعلق نہ رہا مگر اُسکے پاس جا جا کے رویا کرتا تھا - یہ امر لبنیٰ کے باپ کو ناگوار ہوا - آخر ذریح نے جناب معاویۃ کے دربار مین جا کے قیس کی شکایت کی -

اور کہا میری بیٹی کو طلاق دے چکا ہے مگر کسی طرح پیچھا نہیں چھوڑتا۔ معاویہ نے قیس کو تو بذریعہ حکام دھمکی دی کہ آیندہ لبنیٰ سے تعلق نہ رکھے اور لبنیٰ کے باپ کو حکم دیا کہ لبنیٰ کا نکاح خالد بن علانہ غطفانی کے ساتھ کر دے۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ اور قیس کی بیتابیاں اور بڑھ گئیں۔ لبنیٰ بھی قیس کے فراق میں بیقرار رہا کرتی تھی۔ لیکن اب جو مفارقت اس درجہ کو پہونچ گئی تو عشق نے شدت کی۔ کڑھتے کڑھتے بیمار ڈال دیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز بیمار رہ کے اس نے جان دی۔ یہ حال قیس بن ذریح کے گوش گذار ہوا تو خاک اڑاتا ہوا اس کی قبر پر پہونچا اور دو شعر پڑھتے پڑھتے غش کھا کے گر پڑا۔ لوگ اس بیہوشی کے عالم میں اسے اس کے گھر اٹھا لے گئے۔ باپ نے بہت کچھ دوا دوش کی لیکن اس نے بھی چند ہی روز بیمار رہ کے جان دی۔ یہ اس دلدادہ قیس کا قصہ تھا جس کے اشتباہ نے قیس عامری کو لوگوں نے سبط اکبر امام حسن علیہ السلام کا رضاعی بھائی بنا دیا ہے۔ اب ہم پھر قیس عامری کے حالات کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

قیس کی معشوقہ لیلیٰ بھی عامریہ ہی ہے۔ عامر کی ایک پاک دامن لڑکی تھی عوام میں مشہور ہے کہ لیلیٰ قیس کے چچا کی بیٹی تھی۔ اسکی بالکل اصلیت نہیں۔ اصل یہ ہے کہ چونکہ اہل عرب کے عشق کا پہلا نشانہ چچا کی بیٹی ہوتی ہے لہذا اکثر اوقات دیکھا گیا ہے کہ تغلیباً ہر عاشق اپنی معشوقہ کو بنت عم یعنی چچا کی بیٹی کہدیا کرتا ہے۔ قطع نظر اسکے تمام قبائل عرب میں ہر قبیلہ کے کل افراد چونکہ ایک دادا کی اولاد سمجھے جاتے تھے لہذا ہر شخص اپنی قوم کے ہر مرد کو ابن عم اور ہر عورت کو بنت عم کہہ سکتا تھا اور کہتا تھا۔ الغرض اگر لیلیٰ قیس کی چچازاد بہن ہو سکتی ہے تو اسی رشتے سے۔

خود قیس کے اشعار بتاتے ہیں کہ وہ لیلیٰ پر بچپن ہی میں عاشق ہوا۔ اور قبل اسکے کہ سن بلوغ دونوں کے کانوں میں عشق کے پر حظ راز پھونکے دونوں ایک دوسرے کے عشق میں مبتلا ہو گئے تھے۔ چنانچہ وہ اپنی ایک پُر جوش نظم میں لکھتا ہے

تَعَشَّقْتُ لَیْلٰی وَہِیَ غِرٌّ صَغِیْرَۃٌ　　وَکُنْتُ ابْنَ سَبْعٍ مَا بَلَغْتُ الثَّمَانِیَا

میں لیلیٰ پر اُسوقت عاشق ہوا جب وہ بھولی بھولی اور چھوٹی سی تھی۔ اور میں سات

برس کا لڑکا تھا - ہنوز آٹھوان برس نہین شروع ہوا تھا -

لیکن صرف اسی بچپن کے عشق نے طرح طرح کے واقعات مشہور کر دیے جو آج عوام کی زبان پر ہین مگر پتہ نہین چلتا کہ انکی اصلیت کہان سے ہے - مکتب کا واقعہ جو قصئہ مجنون تک مین نہایت دلچسپی کے ساتھ دکھایا جاتا ہے وہ کسی معتبر ذریعے سے ہم تک نہین پہونچا ہے - ابھی فی الحال بیروت مین ایک مجموعہ دیوان چھپا ہو جسکی ترتیب بہ نسبت پہلے دیوان کے زیادہ دلچسپ ہے اُس مین ان دونون کے معصومانہ عشق کا ایک بہت ہی موثر واقعہ بیان کیا گیا ہے - وہ یہ کہ لیلی اور مجنون کا مکان پاس ہی پاس تھا - اور دونون گھرون مین یکجہتی کے ایسے گہرے تعلقات تھے کہ ایک دن قیس کے گھر مین کچھ لوگ مہمان آئے - اُس وقت گھر مین مٹکا نہ تھا جسکی مہمانداری کے لیے سخت ضرورت تھی - قیس کی مان نے قیس سے کہا کہ جاؤ لیلی کی مان سے تھوڑا سا مسکا لے آؤ - قیس نے جا کے لیلی کی مان سے کہا تو اُس نے لیلی کو پکارا اور کہا بیٹی قیس کو مسکا دے دو - لیلی مسکے کا برطرت اُٹھا لائی - قیس نے جو ظرف اپنے ہمراہ لایا تھا نیچا کیا اور لیلی اپنے گھر کی ٹھلیا جھکا کے اُنڈیلنے لگی - لیکن اس حالت مین دونون ایک دوسرے کی صورت نہایت ہی محویت کے ساتھ دیکھنے لگے - اور یہ محویت اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ مجنون کا برتن لبریز ہو کے چھلک گیا - اب مسکا برابر زمین پر گر رہا تھا - لیکن ان دونون سادہ دل اور پاکباز عاشقون کی نگاہین ایک دوسرے پر لگی ہوئی تھین - اس حیرت انگیز اور موثر سین کو لیلی کی مان نے دیکھا - اُسکے ٹوکنے سے دونون بچون کو ہوش آیا - مجنون اپنے گھر گیا اور لیلی مسکے کی ٹھلیا رکھنے کے بہانے سے کوٹھری مین جا چھپی - لیکن اس کارروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ لیلی کی مان نے قیس کو اپنے گھر آنے سے روک دیا - اس قصے کی نسبت بھی ہم نہین کہہ سکتے کہ کہان تک سچ ہے -

معتبر ذریعے سے ہم کو جو کچھ ملا ہے وہ یہ ہے کہ میان قیس کو عشق سے پہلے بھی کچھ تھوڑی سی سنک تھی - صورت اور شکل کے لحاظ سے دیکھیے تو بڑے ہی خوشرو اور طرحدار تھے اور اسکے ساتھ لباس کا بھی بڑا شوق تھا - کپڑے ہمیشہ اچھے پہنا کرتے تھے - ایک دن اس دھج سے آپ اپنے گھر سے نکلے کہ دو بھاری اور قیمتی چادرین

ٹھاٹھ کی قبائین بدن مین تھین اور خوبصورت اونٹنی پر سوار تھے۔ یہ وضع عرب کی لڑکیون کے پھسلانے کے لیے بہت کچھ موثر ہو سکتی تھی۔ اور غالبًا آپ نکلے بھی اسی غرض سے تھے۔ جاتے جاتے آپ کا گذر ایک ایسے مقام پر ہوا جہان اطفین کے قبیلے کی ایک عورت کریمہ نامے اپنی چند ہمجولیون کے ساتھ بیٹھی باتین کر رہی تھی۔ لیلیٰ بھی اسکی ہمجولیون مین سے تھی جو اس وقت شریک صحبت تھی۔ قیس کے حسن و جمال اور انکی بانکی وضع کا جادو ان لڑکیون پر چل گیا۔ سبھون نے ان سے درخواست کی کہ آؤ دم بھر ہمارے ساتھ بیٹھ کے باتین کرو۔ یہ تو اس تاک مین نکلے ہی تھے اُتر پڑے۔ اور مزے مین جو آئے تو اپنے ہمراہی غلام کو حکم دیا کہ میری اونٹنی ذبح کر کے پکا۔ غرض اونٹ کے کباب سبھون نے خوب مزے سے کھائے۔ اور دن بھر اُسی پر لطف صحبت مین میان قیس خوش گپیان اُڑاتے رہے۔ وقت آخر ہو چلا تھا کہ ناگہان مُنازل نام ایک شخص جو قبیلۂ بنی عامر ہی کا ایک نوجوان تھا وارد ہوا۔ اور سب لڑکیان اُسکی صورت دیکھتے ہی قیس کو چھوڑ کے اُس سے باتین کرنے لگین۔ یہ امر قیس کو ناگوار ہوا۔ برہم ہو کے اُٹھ کھڑے ہوے اور چند اشعار پڑھتے ہوے چل دیے جن کا مطلب یہ تھا کہ "واہ۔ مین نے اپنی اونٹنی اسی لیے ذبح کی کہ میرے وصل مین مُنازل شریک ہو؟ اُسکی صورت دیکھتے ہی سب کی سب اپنے گھونگھرو بجاتی ہوئی اُدھر چل دین۔ حالانکہ ان گھونگھرؤن کی آواز مجھے سخت ناگوار ہے"۔

اس صحبت مین اور سب باتین تو دل لگی ہی مین ٹل گئین۔ مگر لیلیٰ کے دل پر قیس کے حُسن نے اپنا پورا قبضہ کر لیا۔ قیس کو تو لیلیٰ کا خیال بھی نہ ہوا۔ اور وہ انکی محبت مین پریشان ہو گئی۔ یہ چلے آئے اور اُس کی رات خدا جانے کس بیقراری مین اُلجھتے گذری۔ میان قیس کل کی مزے داریون کو یاد کر کے دوسرے دن ایک دوسری اونٹنی پر سوار ہوے اور وہی شاہانہ لباس پہن کے قبیلۂ بنی عامر کے خیمون مین چکر لگانے لگے۔ پھرتے پھرتے لیلیٰ کے خیمے پر گذرے۔ آج وہ اپنے خیمے مین اپنی دو ایک ہمجولیون کے ساتھ بیٹھی دل بہلا رہی تھی۔ لیلیٰ کی صورت دیکھتے ہی قیس نے اپنی اونٹنی ٹھہرائی اور صاحب سلامت کی۔ لیلیٰ کے اشارے

سے اُسکی ہمجولیوں نے قیس سے کہا "آؤ دم بھر بیٹھ کے لطف صحبت اُٹھائیں اور کیوں جی ایک ایسی عورت سے باتیں کرنے کو تمھارا جی چاہتا ہے جو تم کو چھوڑ کے نہ منازل کی طرف متوجہ ہو اور نہ کسی اور کی طرف؟" قیس اونٹنی پر سے یہ کہتا ہوا اُترا "ہاں ہاں۔ خدا کی قسم یہی چاہتا ہوں"

لیلیٰ ایک عقلمند لڑکی تھی۔ اس ملاقات میں اُس نے اس بات کا اندازہ شروع کیا کہ میرے دل کی جو حالت ہے آیا کچھ اُس کا اثر قیس کے دل پر بھی ہے یا نہیں۔ ہمجولیاں تو مجنوں سے باتیں کرتی تھیں اور وہ بار بار اُنکا ذکر کاٹ کے کسی اور کا ذکر چھیڑ دیتی تھی۔ اور اسکے ساتھ ہی کن انکھیوں سے دیکھتی جاتی تھی کہ اس کا اثر قیس پر کیا ہوتا ہے۔ لیکن عشق کے غمّاز دونوں کی آنکھوں سے ناز و انداز کے سوال و جواب کرتے جاتے تھے۔ عشق کی جڑیں دونوں کے دلوں میں جگہ پکڑ ہی رہی تھیں کہ لیلیٰ نے ایک بہت ہی سخت امتحان لیا وہ یہ کہ اتفاقاً قبیلۂ بنی عامر کا ایک اور لڑکا آگیا۔ لیلیٰ نے صرف قیس کے چھیڑنے کیلیے اُسے الگ لیجا کے دیر تک سرگوشیاں کیں۔ عرصے کے بعد اُسے رخصت کر کے آئی اور قیس کی صورت دیکھنے لگی۔ یہاں آکے جو دیکھتی ہے تو قیس کے چہرے کا عجب حال ہے۔ مارے غصے کے تمتما یا ہوا ہے۔ اور شدت غیرت سے یہ عالم ہے کہ ایک رنگ آتا ہے اور ایک جاتا ہے۔ لیلیٰ کے دل میں تو آتش عشق بھڑک ہی رہی تھی۔ صبر نہ ہو سکا۔ اور خود رفتگی میں اُس کی زبان سے دو شعر نکل گئے جن کا صاف مطلب یہ تھا کہ "ہم دونوں کے دل میں عشق جوش مار رہا ہے اور دونوں نے ایک دوسرے کے سینے میں گھر کر لیا ہے"۔ یہ اشعار سنتے ہی قیس کے رہے سہے حواس غائب ہو گئے۔ غش کھا کے زمین پر گر پڑا لیلیٰ کی ہمجولیاں گھبرا کے دوڑیں۔ منہ پر دیر تک پانی چھڑکا تو قیس کو ہوش آیا قیس و لیلیٰ کے عشق کی یہ ابتدا تھی۔ اور اُنکے درس عشق کا دراصل یہ مکتب تھا وہ نہیں جو عام طور پر مشہور کیا جاتا ہے۔

اسی ایک صحبت نے دونوں کے دل کو گرفتار محبت کر دیا۔ لیلیٰ تو گھر کی بیٹھنے والی اور ایک سنجیدہ اور شریف طینت لڑکی تھی۔ اُس نے دل پر

ہزار کوفت اُٹھائی مگر گھر سے قدم باہر نہ نکالا - مگر قیس پر یہ اثر ہوا کہ مراقبت کا جوش ہوا - ماں باپ - عزیز و اقارب - گھر بار - سب کو چھوڑا اور صحرا کی راہ لی - قبیلۂ بنی عامر کے فرودگاہ کے گرد جو ریگستانی تودے تھے ہمیشہ اُن پر رہا کرتا اور شب و روز لیلیٰ ہی لیلیٰ پکارتا - لباس سے بھی قطع تعلق کیا - اور اُدھر سے گذرنے والے قافلے ہمیشہ اُسے برہنہ پایا کرتے - گو کہ صحرا و ریگستان ہی میں رہتا تھا مگر لیلیٰ کی کشش نے وادی نجد کو مرکز بنا دیا تھا جہاں قبیلۂ بنی عامر کی فرودگاہ و مسکن تھا - اور قیس کو ہمیشہ انھیں تودوں سے علاقہ رہتا تھا جو قبیلے کے قریب قریب تھے - آپ ان تودوں پر رہتے تھے اور ہر آنے جانے والے کو اپنا پیام محبت دیا کرتے تھے کہ لیلیٰ تک پہونچا دے - اگر کوئی پاس جاتا تو اُس سے بات نہ کرتے اور نہ اُس کی بات کا جواب دیتے - ہاں اگر اُس نے لیلیٰ کا ذکر چھیڑ دیا تو اُسے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا - اور اب باتیں بھی ہوش و حواس کی کرنے لگتے -

اس زمانے میں اسلامی حکومت کا یہ قاعدہ تھا کہ جس طرح کفار سے جزیہ وصول کیا جاتا اُسی طرح مسلمانوں سے بھی ایک ٹکس وصول کیا جاتا - جس سے مراد زکوٰۃ ہے اور اس اسلامی ٹکس کے وصول کرنے کے لیے ایک سرکاری عہدہ دار معین کیا جاتا تھا - نوفل بن مساحق نام ایک شخص اُن دنوں تحصیل زکوٰۃ کے لیے بنی عامر پر معین کیا گیا - نوفل جب ادھر سے گذرا تو مجنوں کو ریگستان میں آہ و نالہ کرتے دیکھ کے متعجب ہوا کہ یہ کون ہے اور کیوں روتا ہے ؟ لوگوں نے قیس کا حال بیان کیا - نوفل کو ترس آیا اور چاہا کہ پاس جا کر حال پوچھے - ہمراہیوں نے کہا جب تک لیلیٰ کا تذکرہ نہ کیجیے گا بات نہ کرے گا - نوفل نے مجنوں کے سامنے آکے لیلیٰ کا تذکرہ چھیڑا - مجنوں نے نوفل سے خوب باتیں کیں اور خوب خوب اشعار سُنائے - نوفل نے کہا "اچھا تم یہ چاہتے ہو کہ میں لیلیٰ کے ساتھ تمھاری شادی کر دوں ؟ مجنوں کی اور تمنا کیا تھی - کہا "ہاں ! مگر بھلا یہ کیونکر ممکن ہے ! " نوفل نے مجنوں کو عمدہ کپڑے پہنائے اور اپنے ہمراہ لے کے قبیلۂ بنی عامر کی طرف روانہ ہوا -

جب بنی عامر کو اسکی اطلاع ہوئی تو سب کے سب ہتھیار بند ہو کے لڑنے کو تیار ہو گئے - اور نوفل سے کہا " خدا کی قسم یہ نہ ہوگا کہ مجنوں ہمارے گھروں میں

داخل ہوئے۔ پہلے تو نوفل نے سب کو دھمکایا اور اپنی طرف سے بھی لڑائی کی مستعدی دکھائی۔ مگر جب دیکھا کہ بنی عامر جان ہی دینے پر آمادہ ہیں تو مجنون کی طرف مخاطب ہو کے کہا "بھئی میرے نزدیک تمھارا ناکام واپس جانا صدہا آدمیون کے مارے جانے سے زیادہ اچھا ہے۔ لہذا مین اب مجبوراً ان اور تم کو اجازت دیتا ہون کہ تمھارا جہان جی چاہے چلے جاؤ" نوفل کی یہ تقریر سن کے مجنون بہت برہم ہوا اور غضب آلود لہجے مین کچھ اشعار پڑھتا ہوا اپنے اُنھین ریگستانی ٹیلون پر چلا گیا۔

جب یہان تک نوبت پہونچ گئی اور لیلی کے باپ کو کسی طرح رحم نہ آیا تو مجنون کے باپ نے اپنے تمام اعزا و اقارب کو جمع کیا اور سب کو لیے لیلی کے باپ کے پاس گیا اور درخواست کی کہ خدا کے لیے اب تو مجنون کے حال پر ترس کھاؤ۔ اس عشق نے اُسے بالکل دیوانہ بنا دیا۔ جتنا چاہو مہر لو۔ ہم دینے کو تیار ہین۔ مگر مجنون کے ساتھ لیلی کا عقد کر دو" اس درخواست نے رحم کی جگہ لیلی کے باپ کو اور غضب آلود کر دیا۔ اُس نے کہا میری جو کچھ رسوائی ہو چکی وہ تھوڑی نہین ہے جو اب اس رسوائی کو خود آپ اپنے سر اوڑھ لون۔ اور مین قسم کھاتا ہون کہ چاہے جو کچھ ہو جائے اپنی بیٹی مجنون کو نہ دون گا" مجنون کے واسطہ دار ادھر ناکام واپس آئے اور اُدھر لیلی کے باپ نے اپنی قوم کے ایک شخص کے ساتھ لیلی کا عقدِ نکاح کر دیا۔ یہ خبر مشہور ہوئی اور مجنون کی مایوسیون نے اور ترقی کی۔ اب اسے وہان ریگستان مین بھی کسی طرح چین نہ پڑتا تھا۔

مجنون کی یہ حالت دیکھ کے اُسکے قرابت دارون سے کسی طرح خاموش نہ بیٹھا جاتا تھا۔ آخر سبھون نے مل کے مجنون کے باپ سے کہا "اب تو اُس کی حالت کسی طرح دیکھی نہین جاتی۔ ایک بار موسم حج مین مجنون کو اپنے ساتھ لیجا کے حج کراؤ اور وہان درگاہِ الٰہی مین دعا کرو۔ شاید خدا تمھاری دعا قبول کرے اور اس کی حالت درست ہو جائے" اس مشورے پر بھی عمل کیا گیا۔ اور مجنون جبراً قہراً کپڑے باندھے اپنے باپ کے ساتھ مکہ معظمہ گیا۔ بعد فراغتِ حج شب کو میدانِ منا مین جہان تمام حجاج جمع تھے کسی عورت نے کسی دوسری عورت کو اُس کا نام لے کے

پکارا "یا لیلیٰ"۔ اُس عورت کا نام بھی لیلیٰ تھا۔ اس آواز نے مجنون کے سینے میں آگ لگا دی۔ آواز کے سنتے ہی ایک چیخ ماری کہ لوگون کو خیال ہوا شاید اس چیخ ہی کے ساتھ اُس کا دَم نکل جائے گا۔ اور چیخ مارتے ہی غش کھا کے زمین پر گر پڑا۔ رات بھر بیہوش پڑا رہا۔ صبح کو ہوش آیا تو آنکھ کھولی۔ اور اپنے جذبات دل کے نغمون سے غزلخوانی شروع کردی۔ باپ کو یقین آگیا کہ اب مجنون کے مرض کے لیے کوئی علاج کارگر نہین ہو سکتا۔ حج سے واپس آیا۔ اور پھر وہی مجنون تھا اور وہی نجد کا ریگستان۔

کہتے ہین کہ مجنون کا صحراے نجد مین پھرتے پھرتے ایک بار لیلیٰ کے شوہر کی طرف گذر ہوا۔ مجنون نے اُسے پہچانا تو پاس گیا اور اُسکے سامنے دو پُر درد اشعار پڑھے جن کا مضمون یہ تھا کہ "تجھے اپنے پروردگار کی قسم بتا کہ کبھی صبح کے پیشتر تو نے لیلیٰ کو گلے لگایا ہے؟ یا اُس کے منہ کا بوسہ لیا ہے؟ اور کبھی تیرے جسم پر اُس کی زلفین لہرائی ہین؟" یہ اشعار سُن کے لیلیٰ کا شوہر مارے شرم کے پسینے پسینے ہوگیا اور ندامت کے لہجے مین بولا "اگر تو قسم دلاتا ہے تو ہان ایسا ہوا ہے"۔ یہ جملہ سنتے ہی مجنون طیش مین آیا اور لپک کے دونون ہاتھون مین دو انگارے اُٹھا لیے۔ گوشت کے چرچرا کے جلنے کی آواز لیلیٰ کے شوہر کے کان مین آئی اور اُس نے حیرت سے دیکھا کہ انگارون کے ساتھ مجنون کی ہتھیلیون کی کھال چربی کی طرح بہ کر گر پڑی۔ اور آخر وہ گھبرا کے اُٹھ کھڑا ہوا اور مجنون کے حال پر تاسف کرتا ہوا بھاگا۔

مجنون کے اشعار بہت ہین۔ اور ہر شعر سے اُسکی از خود رفتگی اور اُسکی پاک محبت کی بُو آتی ہے۔ آخر مین اُس کا یہ حال ہوگیا کہ انسانون سے کوئی تعلق نہ رکھتا تھا جیوانات سے ربط تھا۔ وحوش صحرا اُسے اپنا دوست سمجھنے لگے تھے۔ یہ اُن مین پھرا کرتا تھا اور وہ بھاگنا کیسا بھڑکتے نہ تھے۔ سب سے زیادہ اُنس مجنون کو ہرنیون سے تھا جن کی آنکھین اداے معشوقانہ دکھایا کرتی تھین۔ وہ اکثر ہرنیون کو "شبیہ لیلیٰ" یعنی تصویر لیلیٰ کے لفظ سے تعبیر کیا کرتا تھا۔ بلکہ اپنے ایک شعر مین تو وہ صحرا کی ہرنیون کی طرف مخاطب ہو کے کہتا ہے "اے ہرنیو! مجھے خدا کے لیے بتاؤ کہ لیلیٰ تم مین سے ہے یا آدمیون

رہی ہے ؟"

کہتے ہین کہ مجنون اپنے انھین جنون انگیز دلولون مین کوہ و صحرا کی خاک اُڑاتا پھرتا تھا کہ لیلیٰ اُس کے غم مین کُڑھتے کُڑھتے مرگئی۔ لوگون نے دفن کردیا اور مجنون کو خبر بھی نہ ہوئی۔ دو چار روز بعد جب اُسکے گوش گذار ہوا کہ لیلیٰ مرگئی تو بنی عامر کے قبرستان مین پہونچا۔ اور لوگون سے پوچھنے لگا کہ لیلیٰ کی قبر کہان ہے؟ لوگون نے اس خوف سے کہ اس کی بھی جان جائے گی قبر کے بتانے سے پرہیز کیا۔ مجنون نے قبرون کی مٹی اُٹھا اُٹھا کے سونگھنا شروع کی۔ جب لیلیٰ کی قبر کی مٹی اُسکے ہاتھ مین آئی تو اُسے سونگھ کے ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ ہے کہ "لوگ چاہتے ہین کہ اُسکے عاشق سے اُسکی قبر کو چھپائین مگر اُس کی قبر کی مٹی کی خوشبو بتارہی ہے کہ یہ اُس کی قبر ہے" یہی شعر پڑھتے پڑھتے گرا اور مرگیا۔

لیکن یہ واقعہ بھی کسی قابل اعتبار ذریعے سے نہین معلوم ہوا اور جو کچھ ہمین معتبر ذریعے سے ملا وہ یہ ہے کہ مجنون ریگستان کے تودون پر پھرتے پھرتے ایک دن مرا ہوا ملا۔ اُسکی موت کے وقت کوئی شخص موجود نہ تھا۔ ایک وادی مین جہان پتھر کی چٹانین کثرت سے تھین اُس کی لاش پڑی ہوئی ملی۔ جس شخص کی نظر پہلے پہل اُس کی لاش پر پڑی وہ قبیلۂ مرہ کا ایک شخص تھا جو کسی ضرورت سے اس وادی مین ہوکے گذرا۔ مجنون کی لاش دیکھتے ہی وہ بنی عامر مین آیا اور مجنون کے اعزا کو اُس کی موت کی اطلاع کی۔ بنی عامر کے لوگ روتے اور سر پیٹتے اُس مقام پر پہونچے اُس کی لاش کو غسل دیا اور تجہیز و تکفین کرکے دفن کردیا۔ لوگون کا بیان ہے کہ بنی عامر کو کسی نے کبھی اتنا روتے اور ماتم کرتے نہین دیکھا تھا۔ جتنا کہ وہ لوگ مجنون کی تجہیز و تکفین کرتے وقت روئے ہین۔ ایک عام ماتم تھا جس مین مرد بھی شریک تھے اور عورتین بھی۔

لیکن یہ امر یقینی معلوم ہوتا ہے کہ لیلیٰ مجنون سے پہلے مرچکی تھی۔ مجنون سنہ ۸۰ھ مین مرا ہے جن دنون بنی اُمیہ کا دور تھا۔ اور اُن کی سطوت و جبروت کا ڈنکا چار دانگ عالم مین بج رہا تھا۔

یہ تھا وہ مجنون جس کا نام قریب قریب ساری دنیاے اسلام مین ہمیشہ جوش عشق

کے موقع پر لیا جاتا ہے ۔ جسکو ہمارے شعرا کبھی محمل لیلیٰ کے ساتھ دوڑاتے ہین اور کبھی اس سے ملنے کے لیے دشت نجد کی خاک چھاننے پر آمادہ ہو جاتے ہین ۔ جسکی تصویر اُنھین ہر اُڑتے ہوے بگولے مین نظر آتی ہے ۔ اور جس کے نالۂ جان کاہ کی آواز ہر دشت مین وہ سُن لیا کرتے ہین ۔ یہی تھی وہ لیلیٰ جسکے محمل کو ہر شاعر ایک نئی نئی دھوم دھام سے نکالتا ہے ۔ اور جس کی رگ سے مجنون کے خون کے فوارے جاری کرتا ہے ۔ اور یہی ہین وہ عاشق جن کی شادی مین بقول ہماری عورتون کے وہ شخص شریک ہوگا جس کی داڑھی مین کبھی اُسترا نہ لگا ہو ۔

بعض لوگ کہتے ہین کہ لیلیٰ و مجنون دراصل کوئی نہ تھے ۔ صرف شعرانے اپنے خیال سے دو حسن و عشق کے پتلے بنا کے تیار کیے ہین ۔ جن کو ہمیشہ اپنی عاشقانہ ضرورتون کے وقت پیش کر دیا کرتے ہین ۔ لیکن یہ قول چندان قابل تسلیم نہین ہے اس لیے کہ اکثر مورخین پورے پورے واقعات اور زمانہ بتا رہے ہین ۔ اور قطع نظر سب کے ہمارے ہاتھ مین لیلیٰ و مجنون کا دیوان موجود ہے جو ایک خاص ایسے پُرجوش مذاق کی خبر دیتا ہے جو تمام شعراے عرب کے مذاق سے جداگانہ ہے ۔ ہان اس مین شک نہین کہ ان دونون کے نام کو اُنکے مرنے کے بعد دنیا مین شہرت نصیب ہوئی اور اسی وجہ سے غالباً اُن کی موجودگی ایک مشتبہ امر ہو گئی ہے ۔ بہر حال قصہ فرو اور خدا غریق رحمت کرے ۔ اس لیے کہ بقول جناب سرور کائنات علیہ الف الف تحیات (من عشق فعف فمات فہو شہید) ”جو شخص عاشق ہوا اور پاکبازی سے بسر کی اور مر گیا وہ شہید ہے“ دونون شہید مرے ۔

یک شبے مجنون بخلوت گاہ راز	گفت کاے پروردگار بے نیاز
از چرا نامم تو مجنون کردۂ	عشق لیلیٰ در دلم چون کردۂ
کردۂ خار مغیلان بالشم	می بری شبہا بگردون نالشم
تو چہ خواہی زین گرفتاری من	اے خداے من ازین زاری من
ہاتفش گفتہ کہ اے مرد غریب	در محبت کردم این غمہا نصیب
عشق لیلیٰ نیست این کار من است	حُسن لیلیٰ عکس رخسار من است
خوش نماید گریۂ شبہاے تو	ذوق ہا دارم بہ یارب ہاے تو

حاتم طائی

یہ عجیب و غریب بات ہے کہ جن لوگون کے نام شب و روز ہماری زبان پہ رہتے ہین اُنکے حالات سے واقف ہونا درکنار ہم یہ بھی نہین جانتے کہ وہ تھے کون؟ ہر قوم کی سوسائٹی اور ہر زبان کے عام محاورات مین چند ایسے لوگ ہوتے ہین جن کا نام کسی خاص صفت کے موقع پہ ہر خاص و عام کی زبان سے سنا جاتا ہے۔ اور ہر بچہ بھی اُن ناموں کو اُن اوصاف کا ہیرو خیال کرتا ہے جن کے اظہار کے لیے وہ نام بار بار لیے جاتے ہین۔ دیکھو جب عشق کا تذکرہ ہوگا مجنون عامری کا نام کسی نہ کسی پہلو سے یاد ہی آجائے گا۔ حُسن کی تعریف کی جاتی ہوگی تو ممکن نہین کہ یوسفؑ صدیق کا معجز نما حُسن نہ پیش کر دیا جائے۔ اور اسی طرح جب سخاوت کا تذکرہ چھڑے گا تو حاتم کا نام خواہ مخواہ کسی نہ کسی کی زبان سے نکل ہی جائے گا۔ ایسے لوگون کو عموماً قومین اور بڑی بڑی سوسائٹیان اُن اوصاف کا مظہر کامل تسلیم کرتی ہین جن کے ساتھ کہ اُنکے نام کو مناسبت ہے۔ اسی قسم کے لوگ اگلی قومون مین خاص اوصاف کے دیوتا مانے جاتے تھے۔ اور اس مین شک نہین کہ اگر ہمارا مذاق توحید نے بدل نہ دیا ہوتا تو اس قسم کے اُن لوگون کو جو ہماری سوسائٹی مین کسی خاص صفت کے ساتھ مشہور ہین ہم بھی ادیوتا ہی مانتے۔

مگر حیرت کی یہ بات ہے کہ اس قسم کے وہ لوگ جو ہماری سوسائٹی مین مشہور ہین اُن کی شہرت تو اس قدر ہے کہ شاید دنیاے اسلام کا کوئی بچہ بھی اُنکے نام سے ناواقف نہ ہوگا لیکن یہ کتنے بڑے غضب کی بات ہے کہ اُن مین سے شاید ایک ہی آدھ ایسا خوش نصیب ہوگا جسکے حالات زندگی سے ہمین کسی قدر واقفیت ہو گئی ہے۔ ہم مجنون عامری کے حالات پرسے لاعلمی کا پردہ اُٹھا چکے ہین اور آج ہمین حاتم طائی کا نام یاد آیا ہے جس غریب کے سوانح عمری قیس سے بھی زیادہ تاریکی مین پڑے ہوے ہین۔ حاتم طائی کا ایک قصہ اُردو کی ادنیٰ سوسائٹیون مین شائع ہے۔ جو اپنے مقام پہ ایک چھوٹی سی داستان امیر حمزہ ہے۔ اُن حالات کے خلاف نیچرل اور بالکل سہل و بے سرو پا ہونے کے علاوہ قیامت تو یہ کی گئی ہے کہ اُس قصے مین

حاتم کی حالت اور اُسکے کیریکٹر کا بھی پتہ نہین لگتا۔ رومیون اور یونانیون نے اپنے دیوتاؤن کی ستھالوجی (دیو بانی) بیان کرنے مین افترابندی کا وہ کمال نہ دکھایا ہوگا جو مسلمانون نے حاتم کے حالات بیان کرنے مین دکھا دیا ہے۔ بہر تقدیر ہمین افسوس ہے کہ حاتم کا ایسا نامور شخص اور اُسکے اصلی حالات یون لاعلمی کے پردے مین چھپے ہوے ہون۔ اور اسی وجہ سے آج ہم حاتم طائی کے وہ حالات بیان کرتے ہین جو واقعی ہین اور جن کے جاننے کی لوگون کو ضرورت ہے۔

چار آدمی جاہلیت مین ایسے تھے جن سے زیادہ فیاضی کا اظہار اور کسی شخص سے نہین ہوا۔ حاتم بن عبداللہ طائی۔ ہرم بن سنان۔ خالد بن جلیداللہ اور کعب بن مامۃ الایادی۔ اگرچہ ان چارون کی فیاضیون کی دھوم تھی مگر حاتم اور کعب ایسے تھے کہ جود و سخا مین ضرب المثل قرار پاگئے۔ اور گھرون کی بیٹھے والیان تک ان کو مجسم فیاضی قیاس کرتی تھین۔ خاصۃً حاتم طائی کو جو شہرت حاصل ہوئی وہ تو شاید دنیا مین کسی کو بہت کم نصیب ہوئی ہوگی۔ کعب کا واقعہ تو یہ ہے کہ ایک مرتبہ سفر مین پیاس کی شدت تھی۔ اور اس قدر شدت کہ دم نکلا جاتا تھا۔ ایک دوست بھی ساتھ تھا۔ اُس کی بھی یہی حالت ہو رہی تھی۔ اتفاقاً اتنا پانی ایک مقام پر مل گیا جس سے ایک شخص پیاس بجھا سکے۔ کعب نے وہ پانی تو اپنے دوست کو پلا دیا اور خود اُسی تشنگی مین تڑپ تڑپ کے جان دی۔ اس مین شک نہین کہ کعب نے ایسے موقع پر فیاضی کا ثبوت دیا جس وقت شاید کسی سے نہ ہو سکتا۔ لیکن چونکہ اُس کی زندگی کا صرف ایک ہی واقعہ معلوم تھا لہذا اہلِ عرب مین اُسکے نام کی اتنی شہرت نہین ہوئی جتنی کہ حاتم کے نام کی۔

حاتم طائی کا نام سارے عرب مین اس قدر ہردلعزیز تھا کہ ہم قیاس کرتے ہین شاید اُس کے حالات بیان کرنے مین بھی کسی قدر مبالغہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ اُسکی فیاضی کا ایک ایسا نمونہ بتایا جاتا ہے جو بالکل خلاف قیاس ہے۔ مورخ عرب کہتے ہین کہ جب حاتم مرا تو لوگون نے تجویز کی کہ اُسکے بھائی کو سرداری فوج کے لیے منتخب کرین حاتم اور اُس خلیفہ ہونے والے بھائی کی غمزدہ مان ہنوز زندہ تھی۔ یہ تجویز سن کے بہت بگڑی اور کہا بھلا اِسکو (دوسرے بھائی کو) حاتم سے کیا نسبت ہے جو اُسکے

مقام پر بٹھایا جائے؟ خدا کی قسم جب حاتم پیدا ہوا ہے تو اُس نے سات دن تک کسی طرح دودھ نہین پیا - جب مین نے ایک پڑوس کے غریب بچے کو دودھ پلا لیا تب اُس نے دودھ پینا شروع کیا - اور اس کا (دوسرے بھائی کا) حال تھا کہ ایک طرف تو دودھ پیتا تھا اور دوسری چھاتی پر ہاتھ رکھے رہتا تھا کہ کوئی اور نہ پی جائے -

عہد جاہلیت مین اہل عرب مین تاریخ نہ تھی اور نہ اُنکے وہان کوئی سلسلہ تاریخ نگاری کا تھا - اسی وجہ سے اُس زمانے کے لوگون کی تاریخ ولادت و وفات کا پتہ لگانا محال ہے - جاہلیت کی لڑائیان جو ایام عرب کے نام سے نامزد ہین اُن کے مختصر حالات تو معلوم ہو جاتے ہین مگر اُن مین سے ایک کے متعلق بھی یہ پتہ مشکل سے لگتا ہے کہ کس تاریخ اور کس سنہ مین ہوے - لہٰذا ہم نہین بتا سکتے کہ حاتم کس دن پیدا ہوا اور کب مرا - مگر ہان اتنا کہہ سکتے ہین کہ آنحضرت صلعم کے مبعوث ہونے سے پہلے ہی مر چکا تھا - اور اُسکے بیٹے اُسوقت موجود تھے جب عرب نے دین اسلام قبول کیا ہے - حاتم کے بیٹے عدی نے جب آنحضرتؐ کی مخالفت پر آمادگی ظاہر کی تو آپ نے حضرت علی کو مقابلے کے لیے روانہ کیا - لڑائی ہوئی اور عدی شکست کھا کے مع اپنے اہل و عیال کے ملک شام مین بھاگ گیا - اُسکی بہن سفانہ بنت حاتم چھوٹ گئی اور اُسکے ساتھ نہ جا سکی - جسکو جناب علیؓ گرفتار کر کے مدینے مین لائے اور آنحضرت کے سامنے پیش کیا - آپ کے سامنے آتے ہی سفانہ نے کہا "افسوس ابا جان کا انتقال ہو گیا - بھائی نے بھاگ کے اپنی جان بچائی - مناسب ہو تو مجھے چھوڑ دیجیے اور مجھے ذلیل کر کے تمام قبائل عرب کو ذلیل نہ کیجیے - میرے والد سردار قوم تھے - اور مین حاتم طائی کی بیٹی ہون" اسکے ساتھ ہی سفانہ نے حاتم کے تمام اوصاف بیان کرنا شروع کیے - آنحضرت نے سُن کے فرمایا "اے لڑکی - یہ سب تو خاص مسلمانون کے اوصاف ہین" اسکے بعد آپ نے صحابہ کی طرف دیکھ کے فرمایا "کوئی امیر قوم غریب ذلیل ہو جائے تو اُس کی عزت کرو" پھر آپ نے سفانہ کے چھوڑ دینے کا حکم دیا - اور اُسپر بہت کچھ احسان کیا - سفانہ نے عرض کیا مجھے اتنی اجازت دیجیے کہ آپ کے حق مین چند دعائیہ کلمات کہون - آپ نے اجازت دی اور وہ دعائین کیے

رخصت ہوئی اور اپنے بھائی سے جا ملی۔ وہان جاکے اس خوبی کے ساتھ آنحضرت کے محامد بھائی سے بیان کیے کہ دونون بھائی بہن مع اہل و عیال کے حاضر ہوے۔ اور صدق دل سے ایمان لائے۔ سفانہ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ یہ بھی فیاضی مین بالکل اپنے باپ پر پڑی تھی۔ حاتم اپنے اونٹون مین سے چند اونٹ اُسکو دیتا تھا اور وہ ہمیشہ غریبون کو دے دیا کرتا تھا۔ آخر یہ رنگ دیکھ کے ایک روز حاتم نے کہا "بیٹی مال و دولت پر جب دو سخی جمع ہو جائین گے تو اُسے تباہ کر دین گے۔ یا تو تم سخی رہو اور مین بخیل بنون اور یا مین سخی رہون اور تم بخیل ہو جاؤ" اس کے جواب مین سفانہ نے کہا "ابا جان مین نے یہ عمدہ اخلاق آخر آپ ہی سے تو سیکھے ہین" خیر حاتم کی اس نصیحت پر سفانہ تو فطرۃً عمل نہ کر سکتی تھی مگر حاتم کی بی بی اس غرض کے لیے نہایت مناسب تھی۔ جو اُتنی ہی بخیل تھی جتنا وہ فیاض تھا۔ حاتم کی کنیت ابو سفانہ اور ابو عدی تھی۔ اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ دونون اولادون سے اُسے برابر محبت تھی۔ عرب کے معمولی بہادرون کی طرح حاتم کی زندگی بھی لوٹ مار پر بسر ہوتی تھی۔ مگر اپنے مال غنیمت کا چوتھائی حصہ ہمیشہ لازمی طور پر غربا اور معذورین کی نذر کر دیا کرتا تھا۔ اُس کا شمار شعراے جاہلیت مین ہے۔ اسکے ساتھ بہادر اتنا بڑا تھا کہ کبھی کسی سے نہین دبا۔ قول کا اتنا بڑا دھنی تھا کہ جو کہتا تھا وہی کرگذرتا تھا۔ فیاض اتنا بڑا تھا کہ سائل کبھی اُس سے درخواست کرکے محروم نہ رہ سکتا تھا۔ رحمدلی اُس کے مزاج مین اس قدر تھی کہ جس کسی کو گرفتار کرتا فوراً ترس کھا کے چھوڑ دیتا تھا فیاضی نے اس قدر ہردلعزیز بنا دیا تھا کہ جس وادی مین جاکے پڑاوڈالتا تھا فوراً اُس کا مسکن لوگون مین مشہور ہو جاتا تھا۔ جاڑون کی راتون مین اپنے غلامون کو حکم دیتا تھا کہ جابجا مقامات پر آگ روشن کرین تاکہ مسافرون کو معلوم ہو۔ اور آکے اُسکے مہمان بنین۔ یا کوئی راستہ بھول گیا ہو تو آگ کے پاس چلا آئے۔ ماہ رجب کی تمام قبائل مضر مین بڑی تعظیم کی جاتی تھی۔ حاتم کا قاعدہ تھا کہ اس مہینے مین پہلی سے تیسوین تک ہر روز دس اونٹ ذبح کرتا تھا جن سے دُور دُور تک لوگون کی مہمانی کی جاتی تھی۔ مسافر اور محتاج کے سامنے اُسے اپنے تمام مال و دولت مین سے کسی چیز کے ساتھ محبت نہ ہوتی تھی۔ بے تکلف ہر چیز کو دے ڈالتا تھا۔ ہان اُس کے

فیاضی کے ہاتھ سے اگر کوئی چیز محفوظ تھی تو اُس کا گھوڑا اور تمام سامانِ جنگ۔ جو
دراصل اُس کی سپہگری کا زیور اور اُسکے معاش کا آلہ تھا۔

ماویہ بنت عفیر اُس کی بی بی تھی۔ ماویہ کے بھتیجے ملحان نے ایک بار اُس سے
کہا "پھوپھی کچھ حاتم کے حالات بیان کرو"۔ اس پر ماویہ نے کہا کہ اور سب باتین
تو خیر ہوا ہی کرتی تھین مگر مجھے حاتم کے ایک واقعہ پر حیرت ہوگئی۔ ایک سال قحط
پڑا تھا اور ہر طرف بھوک کی شکایت پیدا ہوگئی کہ لوگ اپنے مویشیون کو کھا کھا کے
بھاگ کھڑے ہوے۔ قحط کا اثر ہم پر بھی پہونچا۔ اور ایک دن کھانا نہ نصیب ہوا۔
دن تو جس طرح بنا کاٹ دیا اب رات ہوئی۔ اور بھوک کے مارے یہ حالت تھی کہ
کسی طرح قرار نہ آتا تھا۔ اور سب سے زیادہ آفت یہ تھی کہ دونون بچے عدی اور سفانہ
بلک بلک کے رو رہے تھے۔ آخر ایک بچے کو مین نے گود مین لے لیا اور ایک کو حاتم
نے۔ اُنکو بڑی مصیبتون سے بُھسلا پُھسلا کے سُلایا۔ اور ہم دونون لیٹ کے باتین
کرنے لگے۔ مین جانتی ہون کہ حاتم کو مجھ سے زیادہ بھوک لگی تھی۔ اور اُسکی گرسنگی پہ
مجھے بار بار ترس آتا تھا۔ آخر مین نے خیال کیا کہ اُنکو کسی طرح نیند آجائے تو اچھا ہے۔
مگر وہ باتین کیے جاتا تھا جن سے میری دلدہی مقصود تھی۔ آخر مین مُنہ لپیٹ کے
پڑ رہی۔ تا کہ وہ چُپ ہو اور خموشی مین خواہ مخواہ آنکھ لگ جائے گی۔ حاتم نے دو ایک
بار مجھے پکارا مگر جب مین نہ بولی تو سمجھا کہ مین سو گئی۔ یکایک ایک آہٹ سے
معلوم ہوا کہ کوئی شخص ہمارے خیمے مین آیا ہے۔ حاتم نے اُٹھ کے دیکھا تو ایک
عورت کھڑی ہوئی تھی۔ پوچھا کون؟ عورت نے کہا حاتم مین تمھارے پاس دو
ایسے لڑکون کے پاس سے آئی ہون جن کی مارے بھوک کے بُری حالت ہو رہی ہے
یہ سنتے ہی حاتم نے بلا تامل کہا "اچھا جاؤ اپنے بچون کو لے آؤ"۔ یہ جواب سُن کے
عورت تو اپنے بچون کو لینے گئی اور مجھے اس قدر حیرت تھی کہ ضبط نہ ہو سکا۔ اور
مین نے تکیے سے سر اُٹھا کے کہا "حاتم ہم خود کئی دن سے بھوکے پڑے ہین تم کھلاؤ گے
کیا جو اس عورت کے بچون کو بُلایا ہے؟" حاتم نے کہا "خدا کی قسم مین تمھارے اور اُسکے
دونون کے بچون کو کھانا کھلا دون گا"۔ یہ کہہ کے چھری ہاتھ مین لی اور اپنے گھوڑے
کو ذبح کر ڈالا۔ آگ روشن کی اور گوشت کے ٹکڑے اُس عورت کے ہاتھ مین دیکے

بولا لو بھونو اور کھاؤ۔ پھر مین نے بچون کو جگایا۔ ہم سب آگ کے گرد بیٹھے کھا رہے تھے کہ حاتم نے کہا بھئی یہ تو بڑی بے غیرتی ہے۔ ہم بیٹھے اپنا پیٹ بھر رہے ہین اور سارا قبیلہ بھوکا پڑا ہے۔ یہ کہتے ہی اُٹھا اور قبیلے مین ہر ہر خیمے کے دروازے پر گیا اور کہا آگ کے پاس چل کے کھانا کھاؤ۔ الغرض سارے قبیلے نے اُس گھوڑے کے گوشت مین حصہ لگایا۔ اور خود حاتم صرف بُلانے اور مہمانداری ہی مین مشغول رہا۔ مین قسم کھا سکتی ہون کہ اُس گوشت مین سے ایک ریشہ بھی اُس کے منہ مین نہین گیا۔

اُسکی بی بی ماویہ جس کی زبانی گذشتہ واقعہ بیان کیا گیا۔ اپنے ذاتی بخل کی وجہ سے حاتم کو ہمیشہ لعنت ملامت کیا کرتی تھی۔ مگر حاتم کا قاعدہ تھا کہ سن تو سب کچھ لیتا تھا مگر کرتا وہی تھا جو اُس کی فیاضی کا مقتضا ہوتا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ حاتم تو اپنی بی بی سے تنگ نہین آیا مگر اُلٹے ماویہ ہی اُسکے ہاتھون عاجز آگئی۔ ماویہ کو شکایت پیدا ہو چلی تھی کہ مالک نام اُسکے ایک ہم قبیلہ ذی ثروت نے اُس سے کہا" حاتم کے پاس بڑے پڑے کڑھنے سے فائدہ جو سب ادھر اُدھر لُٹا دیتا ہے اور تمھارے بچون کے لیے کچھ بھی نہین چھوڑتا۔ حاتم کو طلاق دو۔ اور مجھ سے نکاح کرو۔ کہ تمھارے لڑکے ہمیشہ خوش رہین۔ ماویہ نے اُسکے کہنے پر عمل کیا۔ اور حاتم ایک دن پلٹ کے آیا تو دیکھا کہ بی بی نے خیمے کا رُخ پلٹ دیا۔ سمجھا کہ عمر بھر کی رفیقہ سے مفارقت ہوئی۔ اپنے بچون کو لیکے چلا گیا اور ایک وادی مین جا کے اُترا۔ دوسرے روز پچاس سوار ماویہ کے خیمے کے گرد آکے اُترے اس لیے کہ اس خیمے کو وہ حاتم کا خیمہ خیال کرتے تھے۔ ماویہ پریشان ہوئی کہ انکی خبرگیری کیونکر کرے۔ ماویہ نے اپنی لونڈی کو مالک کے پاس بھیجا اور کہا اُس سے کہنا کہ حاتم کے

* جاہلیت مین عورتین بھی مردون کو طلاق دے سکتی تھین۔ اگر وہ اپنے شوہر کو طلاق دینا چاہتین تو اُسکے لیے یہ طریقہ مقرر تھا کہ بالون کے جن خیمون مین رہا کرتی تھین اُن کا رُخ بدل دیا کرتین۔ یعنی جدھر دروازہ ہوتا تھا اُدھر پشت کر دیتین اور جدھر پشت ہوتی تھی اُدھر دروازہ کر دیتی تھین۔ مرد یہ خیمے کا رُخ بدلا دیکھ کے سمجھ جاتا تھا کہ بی بی کا مزاج بدل گیا۔ اور اُس گھر سے علٰحدہ ہو جاتے تھے۔

پچاس مہمان ہمارے ہاں آ کے اُتر پڑے ہیں - کچھ بھیجو کہ ہم اُن کی خبر گیری کریں - اور تھوڑا سا دودھ بھیجو کہ اُنکو پلائیں - اسکے ساتھ ماویہ نے اپنی لونڈی سے کہا "تو یہ کہہ کے مالک کی صورت دیکھنا - اگر وہ بخوشی خاطر اور بشاش چہرے سے یہ چیزیں دے تو لے آنا اور اگر چین بجبین اور برہم و منغص ہو کے دینا چاہے تو جبراً نہ لینا اور خالی ہاتھ واپس آنا - اور ہاں یہ بھی کہہ دینا کہ یہ صرف آج ہی کی رات کے لیے ہے - اس لیے کہ لوگوں کو ابھی یہی خیال ہے کہ یہ حاتم کا خیمہ ہے - پھر ضرورت نہ ہوگی" غرض لونڈی گئی - اور مالک نے یہ پیام سنتے ہی غصے سے اپنا سر پیٹنا شروع کیا اور داڑھی نوچ کھسوٹ ڈالی - اور کہا ماویہ سے میرا سلام کہکے کہنا کہ اسی لیے تو میں نے تم کو صلاح دی تھی کہ حاتم کا ساتھ چھوڑ دو - اور میرے پاس اتنا دودھ نہیں ہے جو حاتم کے مہمانوں کے لیے کافی ہو سکے" لونڈی جب خالی ہاتھ واپس آئی تو ماویہ نے اُسے حاتم کے پاس روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ لوگ جانتے ہیں یہ تمھارا خیمہ ہے اور اس وجہ سے یہاں پچاس مہمان آ گئے ہیں - لہذا ایک اونٹنی بھیجو کہ ذبح کرکے کھلائیں اور اتنا دودھ دو کہ اُن کو پلائیں - لونڈی حاتم کے پاس گئی اور سارا حال بیان کیا - حاتم فوراً دو اونٹنیاں اور بہت سا دودھ لے کے خود آیا اور اطمینان سے بیٹھ کے مہمانوں کو کھلانے لگا - یہ حال دیکھ کے ماویہ خیمے کے اندر سے چلائی "حاتم - میں نے اسی وجہ سے تم کو طلاق دی - تم مہمانوں کے پیچھے دیوانے ہو رہے اور میرے بچے مرے جاتے ہیں - اُن کی کچھ خبر نہیں لیتے" حاتم نے سُن کے کہا "ماویہ - یہ تمھاری غلطی ہے - جس نے پیدا کیا ہے وہ سب کے رزق کا ذمہ دار ہے - ہمارے دینے اور نہ دینے سے کچھ نہیں ہوتا"

حاتم کی ایک اور عجیب و غریب فیاضی مورخین کے ذریعے سے ہم کو معلوم ہوئی ہے جو اپنی وضع پر ان سب باتوں سے زیادہ قابل حیرت ہے - لیکن صرف ایک اُسی قصے سے اُس کی طینت کا حال معلوم ہو سکتا ہے - ایک بار قبیلۂ طے پر عرب کے کسی اور قبیلے نے حملہ کیا - حاتم جو اپنی فیاضی کے برابر ہی جری اور بہادر بھی تھا اسلحے سے آراستہ ہو کے مقابلے کو نکلا - اور اس بہادری سے مقابلہ کیا کہ سب کو مار کے بھگا دیا خاصۃً دشمن کے سرگروہ کے تعاقب میں دور تک بڑھتا چلا گیا - جس وقت یہ اُسکے

تھا تب مین چلا جاتا تھا اُس نے پھر کے کہا" حاتم اپنا نیزہ مجھے دے دو" اتنا سنتے ہی حاتم نے اپنا نیزہ اُس کی طرف پھینکدیا اور نہتا واپس آیا۔ حاتم کی اس کارروائی پر دشمنون کو بھی حیرت ہوگئی۔ جب اپنے لوگون مین واپس آیا تو بھون نے الزام دیا کہ ایسی فیاضی کس کام کی۔ اور جو وہ لوگ مار ڈالتے۔ یہ سُن کے حاتم نے کہا" ہان یہ تو صحیح ہے مگر جب کوئی کہے کہ مجھے یہ چیز دے دو تو اس کا جواب سوا اس کے اور کیا ہوسکتا تھا؟"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حاتم نہین کا لفظ جانتا ہی نہ تھا۔ اور فیاضی اُسکے رگ و ریشہ مین سرایت کرکے اُس کا نیچر ہوگئی تھی۔ اور ایسے شخص کی نسبت یہ کہنا کوئی تعجب کی بات نہین کہ اُس نے بغیر دوسرے بچے کے پلائے اپنی ان کا دودھ نہ پیا۔

بہرحال حاتم نے اگرچہ اسلام کا زمانہ نہین پایا اور مشرکین عرب مین اُس کا بھی شمار ہے لیکن اُس کی فیاضی کی بنا پر اُمید ہے کہ خداوند جل وعلا اسکے دیگر گناہون کو معاف کرے گا۔

محمد بن تومرت المهدی المغربی

دنیا مین کوئی مذہب نہین جس مین یہ نہ بتایا گیا ہو کہ ایک دینی مقدس مقتدا آخر عہد مین پیدا ہوگا جس کی بابرکت کوششون سے ساری دنیا اسی دین کی پابند ہوجائیگی یہ کچھ مسلمانون ہی کے ساتھ مخصوص نہین کہ وہ امام آخر الزمان کے منتظر ہین۔ ہندو۔ آتش پرست۔ یہودی۔ عیسائی۔ سب کسی شخص کے منتظر ہین۔ اس مین یہ فلسفیانہ فائدہ تو ضرور ہے کہ انسان کبھی مایوس نہین ہونے پاتا۔ مگر اُسکے ساتھ ہم دیکھتے ہین کہ بعض اوقات جو نقصان پہونچ جاتا ہے وہ کسی طرح مٹائے نہین مٹتا۔ اگر انصاف کیجے تو اس قسم کی پیشین گوئی اسلام مین بہت ہی ضعیف الفاظ مین کی گئی۔ اور اس مین کوئی شک نہین کہ ایسی روایات کے چمکانے مین بنی امیہ۔ بنی عباس۔ اور بنی ہاشم کی پولیٹکل مخالفتون نے بہت مدد دی۔ مگر اب تو اہل اسلام عموماً اپنے اعتقاد مین امام مہدی کے منتظر ہین۔ تاہم اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ جن ذریعون سے

دیگر مذاہب والے کسی آنے والے ریفارمر کا انتظار کر رہے ہین وہ ذریعے بجائے خود مسلمانون کی روایات سے قوی ہین - لیکن مسلمانون مین خدا جانے کس بے صبری سے انتظار کیا گیا کہ جتنے مدعیان مہدویت انکی تاریخ مین نظر آتے ہین اور کہین نہین نظر آتے -

ہندوستان کی تاریخ مین مُلّا محمد جونپوری موجود ہین جن کے دعوے کی یادگار مین آج تک فرقۂ مہدویہ دکن مین پورے استقلال کے ساتھ قائم ہے - مُلّا محمد جونپوری کو باوجود ہزار کوششون کے پولٹیکل قوت نہ حاصل ہو سکی - لیکن اس مین شک نہین کہ وہ ممالک مشرقی کے زبردست اور کبھی نہ بھولنے والے مدعی مہدویت تھے - اب انکے مقابل مین ہم اُن بزرگ کو دیکھتے ہین جنھون نے ارض مغرب مین مہدویت کا دعویٰ کرکے سارے افریقہ اور اُندلس مین ہل چل ڈال دی تھی - یہ بزرگ محمد بن عبد اللہ بن تومرت تھے - اگر پولٹیکل حیثیت سے دیکھا جائے تو محمد بن تومرت عجیب و غریب قوت و حُسن تدبیر کا شخص تھا - ہم اس شخص کے حالات ذرا تفصیل سے لکھنا چاہتے ہین تاکہ معلوم ہو کہ چالاکیان زہد و اتقا کے دامن مین چھپ کے کس قدر سرسبز ہوتی ہین - محمد بن تومرت اگرچہ مسلمانون مین بحیثیت دین و قدرت کی نظر سے نہ دیکھا جائیگا مگر اُسکے سوانح عمری سے اکثر تجربات حاصل ہون گے جن کی اہل اسلام کو ہمیشہ ضرورت ہونا چاہیے اور خاصةً آج کل ہے -

اکثر مورخین مغرب کا بیان ہے کہ جن دنون امام غزالی بغداد مین درس دیتے تھے اور اُنکے حلقۂ درس مین اطراف عالم کا ایک عجیب مجموعہ مرتب رہتا تھا - اتفاقاً ایک روز وہ بیٹھے درس دے رہے تھے کہ ایک نو عمر بے ریش و بروت طالب علم بغداد کی معمولی وضع کے خلاف ایک سوتی ٹوپی پہنے ہوے مدرسے مین آیا - امام غزالی نے غور سے اُسکی صورت دیکھی اور متحیر ہو کے پوچھا "تم کس ملک کے رہنے والے ہو؟" نوجوان نے کہا "مین ارض مغرب کے شہر سوس اقصیٰ کا رہنے والا ہون" امام غزالی نے کہا "اُفوہ! تو غالباً تم قرطبہ کے مدرسے مین بھی رہے ہو گے جو دُنیا کے تمام مدارس سے عمدہ خیال کیا جاتا ہے؟" طالب علم نے عرض کیا "جی ہان" اسکے بعد امام غزالی قرطبہ کے مشہور علما کے حالات دریافت کرتے گئے اور وہ نوجوان بتاتا گیا - اُسکے جوابات سے

امام نے اندازہ کر لیا کہ بے شک اپنے بیانات میں یہ شخص سچا ہے۔ اور جس سنجیدگی سے اُس نے ہر خیال کو ظاہر کیا اُس سے اُنھوں نے جانا کہ طالب علم ذہین وہ دانا بھی ہے۔ دریافت کیا "تم نے میری کتاب احیاء العلوم بھی دیکھی ہے؟" نوجوان نے کہا "جی ہاں میں اُس کی زیارت کر چکا ہوں۔" امام نے پوچھا "اچھا بتاؤ اُس کی نسبت علمائے قرطبہ کے کیا خیالات ہیں؟" طالب علم نے اس سوال پر سر جھکا لیا اور کچھ جواب نہیں دیا۔ امام نے اُسکے سکوت کو نہایت حیرت سے دیکھا اور کہا "جو بات ہو تم بے خوف آزادی سے بیان کرو۔" امام کے مضطربانہ اصرار پر اُس نوجوان طالب علم نے کہا "اگرچہ اس امر کا عرض کرنا گستاخی ہے مگر اب آپ اصرار فرماتے ہیں تو بحکم الامر فوق الادب عرض کرتا ہوں۔ آپ کی کتاب پر وہاں کفر والحاد کا الزام لگایا گیا۔ علمائے قرطبہ نے اُس پر خوب غور کرنے کے بعد باہم مشورہ کر کے حکم دیا کہ احیاء العلوم علانیہ جلا دی جائے۔ اس کارروائی کے بعد سبھوں نے بادشاہ علی یوسف کو اطلاع دی کہ احیاء العلوم یہاں کثرت سے پھیلتی جاتی ہے اور اُس سے مسلمانوں کے عقائد کے بگڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ کے حکم سے قرطبہ کے بعد مراکش۔ مدینہ فاس۔ قیروان۔ اور مغرب کے اُن تمام شہروں میں جن میں علم ہے احیاء العلوم علانیہ جلا دی گئی۔" نوجوان کا یہ بیان سنتے ہی امام غزالی کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ فوراً اُنھوں نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے۔ اور کانپتے ہوئے ہونٹوں سے خدا کی درگاہ میں اس توہین کی صلاح دینے والے علما اور نیز اُس بادشاہ کے حق میں جسکے حکم سے اُن کی کتاب کی ایسی توہین ہوئی تھی بددعا کی۔ جو لوگ اس موقع پر موجود تھے اُن کا بیان ہے کہ بادشاہ علی بن یوسف کے حق میں امام کی زبان سے یہ الفاظ نکلے تھے "بار الٰہا! جس طرح اُس نے میری کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے برباد کیا ہے اُسی طرح اُسکی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے تباہ کر۔ اُسکی تمام حکومت اور جو کچھ کہ اُسے ورثہ میں ملا ہے سب اُسکے ہاتھ سے چھین لے۔" امام کی اس دعا پر طلبا کے حلقے سے "آمین" کی آواز بلند ہوئی۔ امام غزالیؒ نے ہنوز ہاتھ نیچے نہیں کیے تھے کہ یہ مغربی نوعمر طالب علم آگے بڑھا اور کہا "یا امام اپنی دعا میں اتنا اور اضافہ فرما دیجیے کہ ان باتوں کی تعمیل خاص میرے ہاتھ سے ہو۔" امام نے اپنے ہاتھ دعا میں روک کے کہا "اور خداوندا! اس

دعا کی تکمیل خاص اسی شخص کے ہاتھوں سے ہو۔ اور طلبا نے پھر آمین کہی۔ یہ طالب علم محمد بن تومرت تھا جس نے یہاں سے مغرب میں واپس جا کے دعوے مہدویت کیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد بن تومرت کے جی میں دینی اور دنیاوی دونوں قسم کی حکومت حاصل کرنے کا ایک مضطربانہ شوق تھا۔ وہ اپنے عنفوان شباب ہی سے اسی اُدھیڑ بن میں رہا کرتا تھا۔ جس طرح امام غزالی کا یہ واقعہ اُسکے اس شوق کی خبر دیتا ہے اُسی طرح ایک اور واقعہ ہے جس نے اُسکے ارادوں میں بہت زیادہ قوت دیدی تھی۔ علامۂ ابن خلکان اُسکے حالات میں لکھتے ہیں کہ ایام طالب علمی میں اُسے علم جفر کی ایک کتاب مل گئی۔ اس کتاب کا اُس نے خوب غور سے مطالعہ کیا اور اُسکے احکام سے اُسے معلوم ہوا کہ سوس میں نسل بنی فاطمہ سے ایک شخص پیدا ہوگا جو لوگوں کو خدا کی طرف بلائے گا۔ اُس کا مستقر ایک مقام قرار پائے گا جسکے نام میں حروف ت ی ن م ل ہونگے۔ اُسے ایک اور شخص ملے گا جس کی مدد سے وہ اپنے اغراض میں کامیابی حاصل کرے گا۔ اُس شخص کے نام میں حروف ع ب د م ن ہونگے۔ طالب علمی کے بعد اُس نے اس شہر اور اس نام کے شخص کے ڈھونڈھنے میں اپنی زندگی صرف کرنا شروع کی تاکہ خود اپنے آپ کو وہ شخص ثابت کرے جو سوس میں پیدا ہونے والا ہے۔ اس لیے کہ اطراف سوس میں پیدا بھی ہوا تھا اور نسل بنی فاطمہ سے بھی تھا۔

محمد بن تومرت نسباً امام حسن علیہ السلام کی نسل سے تھا۔ اور کوہستان سوس میں عشرہ کے دن ۴۸۵ھ میں پیدا ہوا تھا۔ پہاڑوں میں نشو و نما پاکے کم عمری ہی میں بغرض طالب علمی وطن سے نکلا۔ پھرتے پھراتے اسپین اور مصر ہوتا ہوا بغداد پہونچا۔ تین برس امام غزالی کی صحبت میں رہا۔ اسی زمانے میں امام ممدوح کے علاوہ کیا ہراسی اور طرطوشی وغیرہ دیگر اساتذۂ بغداد کے فیض درس سے بھی فیضیاب ہوا۔ تحصیل علم سے فارغ ہو کے بغرض حج مکۂ معظمہ گیا۔ مدت تک وہاں مقیم رہا اور علوم دینی میں علماے حرمین سے بھی بہت کچھ فائدہ اُٹھایا۔

ابن تومرت نہایت ہی متقی و پرہیزگار شخص تھا۔ اُسکی دینداری اس حد تک پہونچی ہوئی تھی کہ خود مخالفت شرع ہونا درکنار کسی اور کو بھی کوئی خلاف شرع بات

کرتے نہ دیکھ سکتا تھا۔ اپنے ان جذبات کے ظاہر کرنے میں اس قدر جری اور آزاد تھا کہ نہ کسی بادشاہ کا خوف اُسکے دل پر بیٹھتا تھا نہ عوام کی برہمی سے ڈرتا تھا۔ نہ ایسے موقعوں پر علما و فضلا کا کچھ پاس و لحاظ کرتا تھا۔ یہ آزادی ابتداءً ہی فطرتی طور پر اُس کے مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اب علم و فضل نے اُس میں اور زیادہ جرأت اور ضد پیدا کر دی۔ ذرا سی بات پر بلا تامل علما سے لڑ بیٹھتا تھا۔ اور اسی وجہ سے اکثر شہروں میں اُسے سخت ذلتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مگر اُس نے کبھی اس امر کی پروا نہ کی۔ مکۂ معظمہ سے آخر اسی قسم کی آزادانہ خودسریوں کی بدولت اُسے نکلنا پڑا۔ مکے سے نکل کے مصر میں پہونچا۔ وہاں بھی اسی طرح کی صورتیں پیش آئیں اور وہاں سے بھی نکالا گیا۔ سلطنت نے جبراً و قہراً اُسے شہر بدر کیا۔

یہ آزادیاں اُس سے نبھ بھی خوب جاتی تھیں۔ اس لیے کہ زبان اتنی شیریں پائی تھی اور عربی میں ایسی فصیح و بلیغ بلکہ سحر نما تقریر کرتا تھا کہ جہاں اسکی مخالفت کا شور ہوتا تھا وہاں بہت سے اُس کے طرفدار بھی ہو جاتے تھے۔ دولت دنیا کی اُسے کچھ پروا نہ تھی۔ اور اس سادگی سے سفر کرتا تھا کہ سوا ایک چھڑی اور چھوٹے مشکیزے کے کبھی کوئی چیز اپنے ہمراہ ہی نہ رکھی۔ مخالفت کے طوفان میں پڑکے اُس نے نجات کی یہ آخری تدبیر نکالی تھی کہ سڑی سودائی بنجاتا اور بہکی بہکی باتیں کرنے لگتا۔ قاہرہ سے جب نکلوایا گیا تو اسکندریہ میں جاکے جہاز پر سوار ہوا اور مغرب کے رُخ چلا۔

جہاز والوں میں کم ایسے تھے جو پابند شرع ہوں۔ محمد بن تومرت نے اس بات پر اُن سے لڑنا شروع کیا۔ مگر یہاں اُس کا رعب ایسا بیٹھ گیا کہ کسی کو علانیہ مخالفت کی جرأت نہ ہوئی۔ خفیف ناراضیاں دل ہی میں دب گئیں۔ اور جب یہ مہدیہ کے ساحل پر اُترا تو جہاز میں کوئی نہ تھا جو پابند صلوٰۃ نہ ہو یا کسی دن تلاوت قرآن میں ناغہ کرتا ہو۔ محمد بن تومرت ۵۰۵ھ میں داخل مہدیہ ہوا۔

مہدیہ میں ان دنوں امیر یحییٰ بن تمیم بن معز کی حکومت تھی۔ یہ جاکے ایک مسجد میں اُترا جو شہر کی ایک سڑک کے کنارے پر واقع تھی۔ مسجد کے اُس طرف کہ

بعض وہ سڑک کی طرف بیٹھا گزرنے والوں کو دیکھا کرتا تھا۔ اور جہاں کسی کو کسی خلاف شرع حالت میں دیکھتا فوراً اُتر کے دست و گریبان ہو جاتا۔ وہی تین دن میں جتوں کی ڈھولکیں پھاڑ ڈالیں۔ جتوں کے طبل پاش پاش کیے۔ بیتوں کے طنبورے چھین کے زمین پر دے مارے۔ سیکڑوں شراب کے خم اور دیگر ظروف شراب چکنا چور کیے۔ غرض سارے شہر میں ایک آفت مچا دی۔ ان کارروائیوں سے اُس کی شہرت ہو گئی۔ عام لوگ معتقد ہونے لگے۔ اور دھوم ہو گئی کہ ایک بڑے متبحر عالم وارد مہدیہ ہوے ہیں۔ طلبا نے آکے گھیرا اور سلسلۂ درس شروع ہوا۔ ہوتے ہوتے اُسکی شہرت امیر کے کان تک پہونچی۔ اُس نے دربار میں بُلوایا۔ بڑی قدر و منزلت کی۔ اور بہت کچھ حسن عقیدت ظاہر کرکے رخصت کیا۔

ابن تومرت کو ایک جگہ قرار کیونکر آ سکتا تھا اس لیے کہ وہ اپنے دل میں ایک خاص مشن کے اغراض پورے کرنا چاہتا تھا۔ وہ علم رمل کے بتلائے ہوے رفیق اور شہر کو ڈھونڈھتا پھرتا تھا۔ غرض چند روز کے بعد مہدیہ چھوڑ کے بجایہ میں پہونچا وہاں بھی حسب معمول اپنی آزادانہ خودسریوں کی مشق کرتا رہا۔ اتفاقاً اپنے قیام بجایہ کے زمانے میں ایک مرتبہ ایک گانوں میں گیا۔ جس کا نام ملّا لہ تھا اس گانوں میں راہ چلتے چلتے اُس نے ایک نوعمر اور خوبرو لڑکے کو دیکھا جسکے چہرے پر اُسے ذہانت و ذکاوت کے علاوہ دولت و اقبال کے ستارے بھی چمکتے نظر آئے۔ اس لڑکے کی صورت میں کچھ ایسی دلفریبی تھی کہ محمد بن تومرت اپنے جذبات کو بالکل نہ چھپا سکا۔ بے اختیار اُسکے قریب گیا اور کہا "میاں صاحبزادے تمھارا نام کیا ہے؟" لڑکے نے اپنی فتنہ انگیز آنکھیں اُس کی طرف اُٹھائیں اور کہا "عبد المومن"۔ اس نام کے سنتے ہی وہ بے اختیار چونک پڑا اور دل میں کہہ اُٹھا "میں تمھاری ہی تلاش میں تو مدتوں سے سرگرداں ہوں!" عبد المومن کا نام سنتے ہی محمد بن تومرت کی وہ کیفیت ہوئی جو افریقیہ کے جادوگر کی چین میں علاء الدین کی صورت دیکھ کے ہوئی ہوگی۔ کیونکہ اُسے از غیبی دولت و سلطنت کے ملنے کا یقین ہو گیا۔ پھر محمد بن تومرت نے عبد المومن سے پوچھا "اور تمھارا مکان کہاں ہے؟" جواب ملا "کومیہ میں"۔ دریافت کیا "ارادہ کیا ہے؟" کہا "ارض مشرق میں جاتا ہوں

پوچھا "کیون؟" بتایا "علم کے شوق مین"۔ ابن تومرت نے کہا "علم وفضل دولت
ثروت سب چیزین تم کو خدا نے دین۔ آؤ میرے ساتھ آؤ۔ مین وہ باطنی رموز
تم پر ظاہر کرون گا کہ تم کو میرے ساتھ ہونے کا یقین آ جائے گا۔" اسکے بعد ابن تومرت نے
سارے راز اُس پر ظاہر کر دیے۔ اور یقین دلا دیا کہ وہ ایک بہت بڑا شاہنشاہ
ہونے والا ہے۔ الغرض اُس وقت سے عبد المومن اُسکے ہمراہ ہوا۔

جب یہ دونون شخص ایک دوسرے کے رموز سے واقف ہو لیے تو ایک تیسرا
شخص ہمراہ ہوا اور ایک مضبوط اتحاد ثلاثہ قائم ہو گیا۔ یہ تیسرا شخص جس کا نام
عبد اللہ شرابشی تھا۔ بڑا زبردست فقیہ اور متبحر عالم تھا۔ قرآن مجید اور موطائے
امام مالک کا حافظ تھا۔ اور فصاحت و بلاغت مین ابن تومرت کا ہم پلہ تھا۔
اب ملالہ ہی مین تینون نے مل کے اپنی کارروائی شروع کرنے کی تجویز کی۔ اور پہلی
حکمت عملی یہ قرار پائی کہ شرابشی بالکل گونگا بن جائے۔ اور اپنے تمام علم وفضل اور
فصاحت و بلاغت کو اُس موقع پر یکایک ایک معجزے کی طرح ظاہر کرے جب
اُس کی ضرورت پیش آئے گی۔ یہ تجویز بہت مناسب خیال کی گئی اور شرابشی
ایک گونگے مرید کی طرح ابن تومرت کے ساتھ ہو لیا۔ اب اس بات کی کوشش
کی گئی کہ مریدون کی ایک چھوٹی اور مضبوط جماعت اپنے ساتھ لے۔ ابن تومرت کی
ایک حکمت عملی یہ بھی تھی کہ ایسے لوگون کو مرید بنا کے اپنے ساتھ رکھنے کی کوشش
کرتا تھا جو علم کے اعتبار سے تو معمولی لیاقت کے لوگ ہون مگر خوبصورت ہون
اور ہاتھ پانون کے بہت اچھے ہون۔ اس لیے کہ ایسے لوگ پورے ارادت کیش
بھی ہو سکتے تھے اور لوگون پر اُن کا اثر بھی بخوبی پڑ سکتا تھا۔ الغرض اسی قسم کے
چھ سات آدمی اُس نے چُن چُن کے فراہم کیے جو ہمیشہ اُس کے بارونق جلوس کا
کام دے سکتے تھے۔

اس مختصر دلفریب۔ اور رعب دار جماعت کے ساتھ بجایہ سے نکل کے وہ شہر
مراکش مین پہونچا۔ اور یہی سلطنت تھی جسکو اُس نے اپنا شکار بنانے کی کوشش
کی۔ کیونکہ سارے ارض مغرب مین ان دنون اس سے بڑھ کر کوئی باہیبت قوت
نہ تھی۔ حتی کہ اس عہد کے فرمان روایان اسپین بھی اس سلطنت کے آگے سر

جلائے ہوئے تھے

محمد بن تومرت مع اپنے رفقا کے شہر کے باہر ایک ویران مسجد مین اُترا۔ اپنی عادت کے موافق عوام شہر۔ عہدہ داروں۔ علما و فضلا۔ حتیٰ کہ خود سلطنت پر شرعی نکتہ چینیاں شروع کر دین۔ اور اسکے ساتھ ہی وعظ مین بادشاہ پر جو اصل نہایت ہی نیکدل تاجدار تھا سختی سے لعن وطعن کا دروازہ کھولا۔ یہ خبر ہنوز شہرت کے انتہائی درجے تک نہ پہونچی تھی کہ ایک دن محمد بن تومرت نے ایسی جرأت کر دی کہ سارے شہر مین ہُلّڑ ہو گیا۔

وہان رسم تھی کہ شاہزادیان بہت کم پردے کی پابندی کرتی تھین۔ غالبًا نصارائے اسپین کے اختلاط سے وہان پردہ چندان ضروری نہ خیال کیا جاتا تھا اسی رسم کے مطابق ایک روز بادشاہ ابو الحسن علی بن تاشفین کی بہن اپنی لونڈیون کے ساتھ گھوڑے پر سوار بے نقاب شہر کی سڑکون پر سے گذری۔ محمد بن تومرت کی بے روک طبیعت بھلا اس بات کو کیونکر گوارا کر سکتی تھی۔ اپنے آٹھ مریدون کے گروہ سے عورتون کے غول پر بے تکلف جھپٹ پڑا۔ اور اکثر لونڈیون کو مار پیٹ کے زخمی کر دیا۔ مارتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ "مسلمان عورتین اور یون بے پردہ سیر کرتی پھرین؟" خود شاہزادی کے گھوڑے پر اتنے ڈنڈے مارے کہ وہ انتہا سے زیادہ بھڑکا اور شاہزادی اُسکی پیٹھ پر سے گر کے زخمی ہو گئی۔ عبداللہ بن تومرت تو مار پیٹ کے چلدیا اور لوگ شاہزادی کو اُٹھا کے محل سرائے شاہی مین لے گئے۔ یہ خبر سارے شہر مین پھیلی اور لوگ ان لوگون کی اتنی بڑی جرأت و دلیری پر تعجب کرنے لگے۔

اس واقعے کے بعد جمعے کا دن آیا اور محمد بن تومرت مع اپنے مریدون کے مسجد جامع مین پہونچا۔ اور سب ہمراہی تو ادھر اُدھر بیٹھ گئے مگر خود خاص اُس جگہ پر جا کے کھڑا ہوا جہان بادشاہ نماز پڑھا کرتا تھا۔ وہ عہدہ دار جس کے ہاتھ مین مسجد کا انتظام تھا اُس نے قریب آکے کہا "کیا آپ کو معلوم نہین ہے کہ یہ جگہ صرف بادشاہ اسلام کے لیے مخصوص ہے؟ اُسکے سوا یہان اور کوئی نہین کھڑا ہو سکتا؟" اس پر محمد بن تومرت نے نہایت ہی بڑہی کے ساتھ اُس کی طرف گھور کے دیکھا اور سنجیدگی

کے بیچ میں کہا " اِنَّ المَساجِدَ لِلّٰہِ " (مسجدیں صرف اللہ کی ہیں) لوگ اس دلیری پر حیرت کرنے لگے اور اُس نے اُنکی طرف متوجہ ہو کے خلاف شرع امور کی تردید میں ایک پُرجوش تقریر شروع کر دی - یہ تقریر ہو رہی تھی کہ بادشاہ آگیا اور لوگ حسب عادت چاروں طرف سے آداب شاہی بجالانے لگے - محمد بن تومرت بادشاہ کی جگہ پر جہاں تھا بیٹھ گیا - اور سلام کرنا کیسا اُلٹے بادشاہ کی طرف سے منہ پھیر لیا - بادشاہ ابوالحسن واقعی نہایت ہی نیک نفس شخص تھا اُس نے اس بات کی پروا بھی نہ کی اور دوسری جگہ کھڑے ہو کے نماز پڑھ لی - بعد نماز جیسے ہی امام نے سلام پھیرا محمد بن تومرت کھڑا ہو گیا - اور بادشاہ کی طرف متوجہ ہو کے پہلے تو " سلام علیک " کہا اور پھر کہنے لگا " اے بادشاہ رعایا پر جو مظالم ہو رہے ہیں اُنکی خبر لے - مانا کہ اُنکی آواز تیرے کان تک نہیں پہونچی - مگر خدا کے ہاں جب جواب دہی کرنا ہوگی تب تو یہ کہ کے نہ چھوٹ سکے گا کہ مجھے خبر نہ تھی - غریبوں کے جان و مال کی حفاظت کا تو ذمہ دار ہے " بادشاہ نے اس کا کچھ جواب دیا اس لیے کہ اُس نے محمد بن تومرت کا کچھ حال ابھی تک نہیں سُنا تھا - اس کی اس وقت کی تقریر سے اُس نے خیال کیا کہ شاید یہ کوئی عالم ہے اور کچھ غرض رکھتا ہے - اس خیال سے جاتے وقت بعض لوگوں سے کہتا گیا کہ اس شخص سے دریافت کرو اگر اسکی کوئی غرض اٹکی ہو تو پوری کر دی جائے " - محمد بن تومرت کو جب بادشاہ کا یہ پیام پہونچایا گیا تو بولا " اُس سے کہدو میری غرض دنیا نہیں ہے میں صرف مسلمانوں کی بھلائی چاہتا ہوں "

اب اس واقعے کے بعد بادشاہ کو محمد بن تومرت کے تمام حالات معلوم ہوے کہ سلطنت کی مخالفت کرتا ہے - اور شاہزادی کو اسی نے زخمی کیا - تو اُس نے تمام علماے دربار سے کہا اس سے میرے سامنے بُلا کے مناظرہ کرو - آخر معلوم تو ہو کہ اس کی غرض کیا ہے - اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی اور محمد بن تومرت دربار شاہی میں حاضر ہوا - بادشاہ کی طرف سے قریہ کے قاضی محمد بن اسود نے تقریر کی اور کہا " کیا یہ صحیح ہے جو مشہور ہو رہا ہے کہ تم بادشاہ کو بُرا بھلا کہتے پھرتے ہو؟ اور بادشاہ بھی کون جو نیک نفس - پرہیزگار - خواہشات نفسانی کا دشمن - اور احکام شرعی کا پابند ہے " اسکے جواب میں محمد بن تومرت نے بادشاہ کے سامنے جرأت و فصاحت

کے ساتھ کہا "یہ جو آپ پوچھتے ہین کہ بادشاہ کے خلاف کلمات مین نے کہے یا نہین۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہان مین نے کہے اور بیشک کہے۔ باقی رہا یہ کہ بادشاہ متقی۔ پرہیزگار اور خداترس ہے اس کی نفی مین بس اسی قدر کافی ہے کہ اُس نے تمھاری باتون پر اعتبار کر لیا۔ اور جو تم سب کہدیتے ہو اُسی کو سچ جانتا ہے۔ حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ وہ سلطنت کی تمام خرابیون کا جوابدہ ہے۔ خدا کے سامنے یہ کہکے چھوٹ نہ جائے گا کہ مجھے اس کی اطلاع نہین ہوئی۔ قاضی صاحب کیا آپ نے نہین سنا کہ مسلمانون کی آبادی مین سوٗر مارے مارے پھرتے ہین؟ شراب علانیہ بک رہی ہے؟ اور یتیمون کے مال پر دست ستم دراز ہے؟" یہ تقریر اس قدر موثر اور دل مین چبھتی ہوتی تھی کہ بادشاہ نے آبدیدہ ہو کے نہایت ندامت سے سر جھکا لیا اور دل مین کہا "بے شک یہ سچ کہتا ہے" تمام فقہا نے عرض کیا "حضور اس شخص کی باتون سے بوے بغاوت آتی ہے۔ اس سے مطمئن نہ ہونا چاہیے" اور سب سے زیادہ اس بات پر علامہ مالک بن وہیب نے زور دیا جو بادشاہ کے مزاج مین بہت دخل رکھتے تھے۔ اور کہا "اگر اس کا قتل خلاف مصلحت ہے تو کم سے کم یہ ہونا چاہیے کہ یہ حراست مین رکھا جائے اور اسکے مصارف کے لیے ایک دینار روزانہ مقرر کر دیا جائے۔ مجھے ڈر ہے کہ اس ایک دینار کے عوض مین اس کا ہاتھ سارے شاہی خزانے تک نہ پہونچ جائے"۔ مگر بادشاہ کے ایک وزیر نے کہا "یہ لوگ روٹیون کو تو محتاج ہو رہے ہین سلطنت کو کیا ضرر پہونچا سکین گے؟ بس انکی سزا کے لیے یہ کافی ہے کہ خارج البلد کر دیے جائین"۔ بادشاہ نے آخری رائے سے اتفاق کیا۔ اور روٗش حکم سے کہا "مین تو ایسے صاحب علم ناصحون پر ایسا ظلم نہین گوارا کر سکتا"۔ غرض شاہی حکم کے مطابق محمد بن تومرت مع اپنے ہمراہیون کے شہر مراکش سے نکال دیا گیا۔

یہان سے نکل کے یہ لوگ مراکو کے ایک چھوٹے شہر اغمات مین پہونچے۔ وہان عبدالحق بن ابراہیم جو اس شہر کا ایک باثر عالم تھا انکے حق مین بہت ہی بکار آمد مشیر اور دوست ثابت ہوا۔ اُس نے محمد بن تومرت سے کہا "اگر بادشاہ کے ملک مین رہ کے تم آزادی سے اُس کی مخالفت کرنا چاہو تو تم کو شہر اغمات مین نہ رہنا چاہیے اس لیے کہ یہ شہر تمھاری حفاظت نہ کر سکے گا۔ ایسی کارروائیون کے لیے سب سے

زیادہ مناسب اور موزون مقام ایک کوہستانی قصبہ ہے جو پہاڑون کے دشوار گزار درون مین واقع ہے اور یہان سے ایک دن کی راہ ہے۔ اُس گانون کا نام تینمل ہے " تینمل کا نام سنتے ہی محمد بن تومرت مارے خوشی کے اُچھل پڑا۔ اس لیے کہ یہی وہ نام تھا جو اُسے جفر کے فرشتے نے بتایا تھا۔ اب اُسے اپنی کامیابیون کا بالکل یقین ہوگیا۔ فوراً عبدالحق سے رخصت ہوا اور تینمل کی راہ لی۔

اہل تینمل نے انھین علما اور طلبا کے لباس مین دیکھ کے بڑی تعظیم و تکریم کی بڑی عزت سے اُتارا۔ اور انکے رہنے کو اپنے اچھے اچھے مکان خالی کر دیے۔ ابن تومرت نے یہان چندہی روز کے بعد سے بادشاہ کے خلاف وعظ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ کوہستان کے تمام لوگ جوق درجوق آتے اور اُس کی زیارت کو موجب برکت خیال کرتے۔ ہر آنے والے سے یہ بادشاہ کی مخالفت کا کلمہ پڑھواتا۔ اور جو لوگ اُس کی رائے سے اتفاق کر دیتے اُن کو اپنے مخصوصین مین شامل کرتا۔ ایک یہ بھی اصول تھا کہ توانا و تندرست نوعمرون اور مالدارون کو زیادہ عزیز رکھتا۔ کوہستان کے ذی عقل اور صاحب اثر لوگ، اگرچہ اُسکے بالکل مخالف تھے۔ مگر عوام مین سے اکثر کو اُس نے تھوڑے ہی عرصے مین اپنے موافق کر لیا۔

اسی اثنا مین محمد بن تومرت کو اپنے اغراض پورے کرنے کا ایک نہایت عمدہ موقع مل گیا۔ وہ یہ کہ اہل کوہ کو اکثر دیکھتا تھا کہ وہ تو سانولے تھے مگر اکثر لڑکے زرد اور بھورے رنگ کے تھے۔ ایک دن اُس نے لوگون سے اس کا سبب پوچھا جسکے جواب مین اُنھون نے سکوت کیا اور ندامت سے سر جھکا لیے۔ ابن تومرت کے زیادہ اصرار پر اُنھون نے بیان کیا کہ "ہم لوگون سے خراج سلطنت وصول کرنے کے لیے ہر سال شاہی غلام آیا کرتے ہین جو عموماً رومی۔ یونانی۔ اور افرنجی ہین۔ اگرچہ بادشاہ کو اس کی خبر غالباً نہ ہوگی مگر وہ لوگ ہماری بڑی رسوائی کرتے ہین۔ آتے ہی ہمین ہمارے گھرون سے نکال دیتے ہین اور ہماری عورتون کو بے عزت کر ڈالتے ہین۔ جب تک وہ لوگ یہان رہتے ہین ہم پر یہی ظلم رہتا ہے۔ اور اسی وجہ سے ہماری عورتون کی اکثر اولادین اُنکے رنگ پہ ہوتی ہین"

محمد بن تومرت نے نہایت طیش دلانے والے لہجے مین کہا "خدا کی قسم ایسی زندگی

سے موت اچھی ہے!" سبھون نے کہا "بے شک"۔ پوچھا "بھلا اگر اس بارے مین کوئی تمھارا ہی وادرسی کرنا چاہے تو اُس کا ساتھ دوگے؟" سب نے بالاتفاق کہا ساتھ دینا کیسا ہم اُسکے حکم پر اپنی جانین نثار کرنے کو موجود ہو جائین گے"۔ یہ وعدہ لے کے ابن تومرت نے کہا "تو اچھا۔ اب کی مرتبہ جب وہ غلام آئین تو حسب معمول اُنکو اپنی بیبیون سے ملانا اور اُنکو خوب شراب پلانا"۔ اہل تینل نے کہا "بہتر"۔ چند روز کے بعد وہ زمانہ آگیا۔ شاہی غلام آئے اور ابتداءً بڑی خاطرداری کے ساتھ گھرون مین اتارے گئے اور شرابین پلا پلا کے بدمست کر دیے گئے۔ یہ کام پورا کرکے لوگون نے ابن تومرت کو خبر کی۔ اُس نے فوراً قتل عام کا حکم دیدیا۔ اور سب غلام مار ڈالے گئے۔ صرف ایک غلام جو اتفاقاً اپنی فرودگاہ سے باہر گیا ہوا تھا باہر ہی خبردار ہو گیا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ دوسرے دن گھاٹیون سے نکل کے بادشاہ کے دربار مین پہونچا اور غلامون کے قتل ہونے کا حال بیان کیا۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ وہان محمد بن تومرت سب کا سردار بنا ہوا ہے۔ اور اُسی کے حکم سے یہ کارروائی ہوئی۔

بادشاہ کو یہ سُن کے بڑی فکر پیدا ہوئی۔ اور سمجھنے لگا کہ ابن تومرت کے بارے مین بے شک مالک بن وہیب ہی کی رائے ٹھیک تھی۔ اس خون ریزی کے انتقام کے لیے دس ہزار سوار روانہ کیے گئے جو فوراً مراکش سے چل کے تینل کی گھاٹیون مین گھُسے۔ محمد بن تومرت اس نتیجے کو پہلے ہی سے سمجھ چکا تھا۔ اور جانتا تھا کہ بادشاہ کی فوج ضرور آئے گی۔ اُس نے تمام پہاڑ والون کو درّون مین دونون طرف پہاڑون پر بٹھا دیا تھا اور حکم دیدیا تھا کہ جیسے ہی بادشاہ کی فوج آئے تم اوپر سے پتھر لُڑھکانا اور مارنا شروع کر دو۔ یہ حکمت نہایت بکارآمد ثابت ہوئی۔ دس ہزار سوار دن بھر کی کوہستانی منزل مین پتھرون کے نیچے کچل کچل کے اور چوٹ کھا کھا کے تباہ ہو گئے۔ اسی حالت مین رات ہو گئی۔ جس کے اندھیرے مین باقیماندہ سوار بالکل درہم برہم ہو کے بھاگے۔ جب یہ آفت رسیدہ لشکر مراکش مین پہونچا اور بادشاہ کو اسکی اطلاع ہوئی تو بہت پریشان ہوا۔ اور مجبوراً فیصلہ کر لیا کہ تینل والون سے اب کوئی مزاحمت نہ کی جائے۔ آخر کب تک بغاوت کرتے رہین گے۔

اب محمد بن تومرت کو اس بات کی ضرورت معلوم ہوئی کہ اپنی جماعت کو اور زیادہ قوی کرے۔ کیونکہ اپنی حفاظت تو وہ بہت اچھی کامیابی کے ساتھ کرچکا اور اب وقت آگیا کہ پہاڑون سے نکل کے بادشاہ کے شہرون پر حملہ آور ہو۔ یہ ضرورت یون پوری ہوئی کہ ایک روز صبح کو نماز کے وقت شرابشی نے کہا "مین کچھ کہنا چاہتا ہون"۔ ابن تومرت پہاڑوالون کے سامنے چونک پڑا۔ اور دیکھنے لگا کہ ایک گونگے شخص کا بات کرنا بالکل عجیب بات ہے۔ فوراً اُس نے تمام لوگون کو بلوا بھیجا۔ جب سب آگئے تو ابن تومرت کی اجازت سے عبداللہ شرابشی منبر پر جاکے کھڑا ہوا اور سب کی طرف خطاب کرکے کہنے لگا "یا معاشر المسلمین آج تک مین گونگا تھا لیکن الحمدللہ کہ آج خدا نے مجھے تمام جسمانی و روحانی نقصانات سے پاک کردیا۔ رات کو ایک فرشتہ آسمان سے اُترکے میرے پاس آیا۔ اس نے میرا سینہ شق کرکے ساری بُرائیان اور سارے نقصانات نکال ڈالے۔ اور مجھے بالکل فرشتون کی طرح معصوم بناکے میرے دل مین ایمان وعلم کو بھردیا۔ یہی سبب ہے کہ مین جو کل ایک جاہل اور گونگا تھا آج ایک زبردست عالم۔ حافظ قرآن و موطا مبارک ہون۔ اور اس فصاحت سے کھڑا تقریر کررہا ہون"۔ اس معجزے نے سب کے دل مین بڑا جوش پیدا کیا اور ہر شخص صدق دل سے اُس پر ایمان لایا۔ محمد بن تومرت نے اُٹھ کے کہا "الحمدللہ کہ خدا نے آپ کو ہمارے لیے ایک معیار بنادیا۔ اور آپ کے ذریعے سے ہمین معلوم ہوسکتا ہے کہ ہم مین کون کیسا ہے۔ فرمائیے ہم لوگون کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے؟" شرابشی نے کہا "تم مہدی قائم بامراللہ ہو۔ جو کوئی تمھاری پیروی کرے وہ ناجی ہے اور جو مخالفت کرے وہ ناری ہے"۔ شرابشی کے اس جملے سے یہ فائدہ اُٹھایا گیا کہ پہاڑ پر جتنے لوگون کی نسبت مخالفت کا گمان تھا عام اس سے کہ وہ عالم و فاضل ہی کیون نہ ہون سب قتل کرڈالے گئے۔ اور تینمل مخالفون سے بالکل خالی ہوگیا۔

اسی وقت سے ابن تومرت نے لڑائی شروع کردی۔ اور دس ہزار کوہستانیون کی ایک فوج عبدالمومن اور شرابشی کے ہمراہ کرکے مراکش روانہ کی۔ اس لڑائی کا نتیجہ ایسا اُلٹا ہوا کہ یقیناً سارا بنابنایا کھیل بگڑ گیا ہوتا مگر مہدی کی ہوشیاری

اپنا پورا کام کر گئی - لڑائی میں فوج کو بڑی شکست فاش ہوئی - شیرانشی مراکش کی دیواروں کے نیچے مارا گیا - اور عبد المومن چند رفقا کے ساتھ ناکام و شکستہ دل واپس آیا - عبد المومن تنیل تک پہونچا بھی نہ تھا کہ قضا نے ابن تومرت کا کام تمام کر دیا - ابن تومرت کو مرتے وقت اس شکست کی خبر معلوم ہو گئی تھی اس نے تمام موجودہ لوگوں کو بلا کے کہا "میں تو تم سے رخصت ہوتا ہوں مگر میرا یہ پیام عبد المومن کو پہونچا دینا - میرے بعد دین کی تقویت کے لیے خدا نے اُسی کو میرا جانشین بنایا ہے - میری طرح اب اُسکی اطاعت سب پر فرض ہے - لڑائی میں شکست ہوئی تو کوئی مضائقہ نہیں - معرکہ ہائے جنگ میں ہمیشہ یوں ہی ہے آج کوئی غالب رہے اور کل کوئی اور - مگر ہاں انجام میں عبد المومن ہی کو کامیابی ہوگی - اس لیے کہ خدا کی مرضی یہی ہے - جو کام شروع ہوا ہے عبد المومن سے کہہ دینا کہ اُس کے لیے برابر پامردی سے کوشش کرتا رہے"۔

یہ کہہ کے اُس نے دنیا سے مفارقت کی - اگرچہ عبد المومن نے ابن تومرت کے مرنے کی خبر سن کے بڑا اصرہ اُٹھایا مگر اُس کی وصیت پوری کرنے پر آمادہ ہو گیا - اور اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ چند ہی روز بعد عبد المومن سے بڑا کوئی بادشاہ سرزمین مغرب میں نہ تھا - اگر انصاف سے پوچھیے تو عبد المومن کے لیے وہ سب سامان تیار کر گیا تھا - لیکن یہ حسرت دل میں لے گیا کہ اس سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی اس سے خود بالکل نفع نہ اُٹھا سکا ابن تومرت ۵۲۴ھ میں مرا -

سعید بن مسجح

شاعری اور موسیقی دونوں فن فطری جذبات کے تابع ہیں اور ہر سرزمین اور ہر ملک میں خود بخود طور پر پیدا ہو جایا کیے ہیں - یوں تو ہر فن اور دنیا کی ہر ترقی فطرت کے تابع اور نیچر کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے ہے - مگر ان فنون کو فطرت اور قدرتی جذبات انسانی سے بلا واسطہ اور بہت قریبی تعلق ہے - لیکن باوجود اس کے ہم حیرت سے دیکھتے ہیں کہ عرب کے ابتدائی دور اور جاہلیت کے سادے زمانے میں جس قدر ترقی شاعری کو ہوئی تھی موسیقی کو نہیں نصیب ہوئی - اس سے انکار نہیں کیا

جا سکتا کہ عربیہ عورتین اکثر خوشی کے موقعون پر دف بجا بجا کے گاتی تھین۔ یا غم کے محل پر اپنے صدمات دلی ظاہر کرتے یا اپنے جگر خراش صدمات دلی ظاہر کرنے کے لیے خود اپنے تصنیف کیے ہوے مرثیون کو نہایت سوز و گداز کے سُرون مین گا گا کے سنایا کرتی تھین۔ مگر نہین۔ جس چیز نے ذوق شاعری بڑھا کے نابغۂ ذبیانی اور امرء القیس کے ایسے باکمال شعرا پیدا کیے وہ چیز موسیقی کی دنیا مین نہ تھی۔ کہ جاہلیت مین ایک بھی ایسا موسیقی دان پیدا ہو جاتا جس کا نام آج تک زندہ اور باقی رہتا۔ یا فنا موسیقی جس کے کمالات نے اسلام کے ابتدائی دور اور خلافت کے باوقعت و بارو مین رونق پکڑی۔ جس کی بدولت اسحٰق موصلی کے ایسے صاحب کمال نے بغداد مین اور زریاب کے ایسے مجتہد فن نے قرطبہ مین مقبولیت عامہ حاصل کی اُس کا پتہ جاہلیت کے زمانے مین نہین لگتا۔ اور اس کا مجتہد یہی نامور شخص ہے جس کا نام ہمارے اِس مضمون کی پیشانی پر اپنے زندۂ جاوید ہونے کا ثبوت دے رہا ہے۔

سعید بن مسجح ایک مکی نژاد شخص تھا۔ ابو عثمان کنیت تھی۔ اور اُن خوش نصیب غلامون مین تھا جو ابتداءً تو شرفاے عرب کی خدمتگذاری کو لائے گئے تھے مگر آخر مین ترقی کر گئے اور شہرت حاصل کر کے خود اپنے آقاؤن کے لیے موجب فخر و ناز بن گئے۔ عربی تاریخ مین یہ خاص بات ہے کہ ابتداءً تو جب ترقی کے جوش مین وہ اُٹھے تو دنیا کے بڑے بڑے معزز لوگون کو اپنا غلام بنا لیا۔ مگر اس جوش کے فرو ہونے کے بعد جب وہ اطمینان سے بیٹھے تو تمام لیاقتین اور اکثر کمالات اُنھین غلامون مین تھے۔ اور آخر ایک دن ایسا آیا کہ اپنی ذاتی مستعدی و محنت کی بدولت وہی غلام اُنکی قسمت کے مالک بھی ہو گئے۔

سعید کو قسمت نے کس قبیلۂ عرب کا غلام بنایا؟ اس مین اختلاف ہے بعض بنی جمح کو بتاتے ہین۔ بعض بنی نوفل بن حارث بن عبد المطلب کو۔ اور بعض بنی مخزوم کو۔ مگر جو قبیلہ یا اُن مین سے جو شخص ہو تھا بڑا خوش نصیب کہ ایسا غلام ملا جس کا نام قیامت تک نہ مٹے گا۔

عرب کے اس نامی گرامی اور پہلے مغنی کی نسبت کہتے ہین کہ بچپن مین ایک خوش رو شخص تھا۔ چہرے کی رنگت زرد تھی جو رنگ کہ عربون کو بہت پسندیدہ تھا۔

مگر اُسے بعض لوگ سیاہ فام اور حبشی بتاتے ہین۔ خیر رنگت چاہے جیسی ہو خدا نے ذہن بہت اچھا دیا تھا۔ واقعی وہ نہایت ہی دانا۔ ذکی۔ اور طبیعت دار شخص تھا۔ انھین اوصاف کے لحاظ سے آقا کو اُس سے بڑی محبت تھی۔ اور بچپن ہی مین اُس کی طبع خداداد کے جوہر دیکھ دیکھ کے اکثر کہا کرتا تھا "اس لڑکے کی یقیناً کوئی خاص شان ہونیوالی ہے۔ اور اسی وجہ سے مین اسے آزاد نہین کرتا۔ اگر زندہ رہا تو اس کے ذریعے سے ناموری حاصل کرون گا اور اگر مر گیا تو ابھی سے کہے دیتا ہون کہ میرے مرتے ہی یہ آزاد ہے"۔ چند روز بعد اتفاقاً اُس نے اپنے اس ہنرمند غلام کو ابن رقاع عاملی کے یہ شعر گاتے سُن پایا۔

أَلِمْ* عَلَى طَلَلٍ عَفَا مُتَقَادِمِ بَيْنَ الْمُكَيْكِ وَ بَيْنَ غَيْبِ النَّاعِمِ
لَوْلَا الْحَيَاءُ وَ اِنَّ رَأْسِيْ قَدْ عَفَا فِيْهِ الْمَشِيْبُ لَزُرْتُ أُمَّ الْقَاسِمِ

فوراً پاس بُلا کے کہا "ہان ذرا پھیر تو گاؤ"۔ سعید نے اب جو گایا تو پہلے سے بھی زیادہ سنبھال کے اور زیادہ بے داری کے ساتھ۔ پوچھا "اس فن کو تم نے کیونکر اور کہان سیکھا؟" جواب دیا "ان عجمیون کو مین نے فارسی شعر گاتے سنا تھا اُن کی دُھن بھلی معلوم ہوئی۔ لہذا اُسے کوشش کر کے مین نے ان عربی اشعار مین قائم کیا"۔ یہ جواب سنتے ہی نیکدل آقا نے کہا "یہ وہی بات ہے جس کی مین اکثر پیشین گوئی کیا کرتا تھا۔ خیر اب اسوقت سے تو آزاد ہے۔ اور تجھے اختیار ہے کہ جو چاہے کرے۔ اور جہان چاہے رہے"۔

ابن مسجح کو عجمیون کا گانا سننے کا کب اور کیونکر موقع ملا؟ اسکے متعلق دو روایتین بیان کی جاتی ہین۔ ایک تو یہ کہ جناب معاویہؓ بن ابی سفیان نے اپنے مکے کے مکانات از سر نو تعمیر کرانے چاہے۔ ان مکانات کا پورا احاطہ رقط کے نام سے مشہور تھا۔ جو راستہ خانۂ کعبہ کی مسجد سے حضرت عمرؓ کے مسکن کو گیا ہے اُسی کے کنارے بائین جانب یہ عمارتین واقع تھین۔ جن مین سب سے پہلا مکان دارالبیضا کہلاتا تھا اور دارالحمام پر جا کے یہ عمارت ختم ہو گئی تھی۔ جناب معاویہ کو مسند خلافت اور

*مین مقام لکیک اور غیب الناعم کے درمیان منہدم آثار اور کھنڈردن پر آکے فروکش ہوا ہون اور اگر شرم اور سر کے بہت سے بالون کا سفید ہو جانا مانع نہ ہوتا تو ام قاسم (معشوقہ) کا جلوہ دیکھنے کو جاتا

نیز ورض شام کی سکونت نے یہ موقع دے رکھا تھا کہ ان خاندانی مکانون کی تعمیر کے لیے جیسا اہتمام چاہین کرین - چنانچہ حدود عراق کے فارسی معمارون کو اس کام پر مامور کیا تاکہ اس جدید عمارت کی خوشنمائی مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہو - ان کاریگرون کا معمول تھا کہ کام کرتے جاتے تھے اور گاتے جاتے تھے - اور اسی وجہ سے مکے مین انکے نغمون نے ابن مسیح کو بھی موسیقی کی طرف توجہ کرنے کا موقع دیا -

مگر دوسری مشہور اور زیادہ مستند روایت یہ ہے کہ عبداللہ بن زبیر نے جب خانۂ کعبہ کو از سر نو تعمیر کیا ہے تو اس مقدس و متبرک کام کے چھڑتے وقت ابن مسیح کو موسیقی کا شوق کرنے اور عجمیون سے دلچسپ و دلکش دُھنین حاصل کرنے کا موقع ملا -

خانۂ کعبہ کی اس تعمیر کا واقعہ یہ ہے کہ جن دنون شام والون کی فوجین خانۂ کعبہ کا محاصرہ کیے ہوے تھین اور عبداللہ بن زبیر محصور تھے - ایک رات کو کچھ شور و ہنگامہ ہوا اور مشہور ہو گیا کہ اہل شام نے یورش کر دی - رات اندھیری تھی - ہوا کا زور و شور تھا ابر گھرا ہوا تھا - بادل گرجتا تھا اور بجلی چمکتی تھی - ایسی حالت مین اس افواہ نے لوگون کو بد حواس کر دیا - آخر اس امر کے دیکھنے کے لیے کہ شامی سپاہی کدھر سے آرہے ہین ایک جلتی ہوئی مشعل نیزے کی نوک مین باندھ کے بلند کی گئی - اتفاقاً ہوا کا ایک جھٹ ہی تیز جھونکا آیا - اور وہ مشعل نیزے سے نکل کے غلاف کعبہ پر جا پڑی - اُس کا گرنا تھا کہ غلاف نے اور پھر خود عمارت کعبہ نے آگ پکڑ لی - اور شعلے بلند ہوے - ہر طرف سے لوگ دوڑے کہ جس طرح بنے آگ کو بجھائین - مگر بالکل بے سود ہوا - اور رات بھر مین کعبے کی عمارت جل کے مسمار ہو گئی - اس خوفناک واقعے کا جو اثر مسلمانون کے دل پر پڑا ہوگا بیان سے باہر ہے - لوگ ڈرے اور سہمے ہوے تھے کہ دیکھیے کیا غضب الٰہی نازل ہوتا ہے - خود ابن زبیرؓ کی یہ حالت تھی کہ سجدے مین پڑے ہوے تھے اور کہہ رہے تھے "بار الہا! مین نے جو کچھ کیا جان کے نہین کیا - اپنے بندون کو ہلاکت سے بچا" خیر اسکے بعد جب ذرا دہشت کم ہوئی تو ابن زبیر نے تعمیر کا اہتمام کیا - آنحضرت صلعم نے ایک مرتبہ عبداللہ ابن زبیر کے سامنے فرمایا تھا کہ قریش نے تعمیر کعبہ کے وقت اصلی عمارت مین بہت سے تغیرات کر دیے ہین - الغرض آپ نے اصلی عمارت کعبہ اور خاص ابراہیمی خانۂ خدا کی جو

نشانیاں اور مدین بتائی تھیں اُن کا پورا پورا لحاظ کرکے خانہ کعبہ کو از سر نو بنا کے کھڑا کر دیا - اس تعمیر میں زیادہ تر رومی و فارسی معمار تھے - جو غالباً پہلے سے یہان موجود تھے ۔ اور انھین کی دلچسپ تانین سُن کے ابن مسجح نے اپنے ذوق اجتہاد سے عربی موسیقی مین اصلاح کی -

گر صاف ظاہر ہے کہ ابن مسجح نے اسوقت تک جو کچھ ترقی کی تھی خود رو طور پر اور بے اصولی سے - گر اب آزادی مل گئی تو شوق ملے آم اسکے وخیر ابکی اور ارض شام مین جا کے بڑے بڑے یمی مغنیون سے ملا رومی زبان کی دھنیں سیکھیں قدیم رومیوں کے اصول موسیقی مین مہارت حاصل کی - بربط و چنگ بجانے مین دستگاہ پیدا کی - اور اچھی طرح اطمینان حاصل کر لینے کے بعد ارض عراق کی راہ لی - اور ایران مین آیا - یہان کے با کمال ماہرین موسیقی کی شاگردی کی - اُن کا مذاق موسیقی معلوم کیا - اُنکی لے اور اُنکی دھنیں اپنے گلے مین اُتارین - اور جب گانے بجانے مین پورا کمال حاصل کر لیا تو اپنے بادیہ پیما اونٹ کی گردن وطن اور ارض حجاز کی طرف پھیری - اور پھر مکہ معظمہ مین آکے سکونت پذیر ہو گیا -

اس وقت تک ابن مسجح کی ترقیون کا تعلیمی زمانہ تھا - یعنی مروجہ اور مختلف اقوام کی موسیقی اور اُنکی پسندیدہ دُھنوں کو حاصل کر رہا تھا - اور معلومات کا ذخیرہ وسیع کرتا جاتا تھا - گر اب مکے مین آکے اُسکے کمالات کا دوسرا عہد یعنی اجتہادی ترقی کا زمانہ شروع ہوا - اب وہ یہ کر رہا تھا کہ جن دُھنون کو عربون کے مذاق اور اُن کی طبیعت کے موافق پاتا عربی اشعار مین قائم کرتا - اور اس دلکشی سے ادا کرتا کہ لوگ حیرت مین رہ جاتے اور عش عش کرنے لگتے -

اب اہل مکہ اور خصوصاً جوانان حجاز کو ابن مسجح کے نغمات مین اس قدر انہماک ہو چلا تھا کہ ہر جگہ اُس کی دھوم تھی - اور ہر صحبت اُس کی تانون کے بغیر بے مزہ ہوتی - حتیٰ کہ چارون طرف مشہور ہو گیا کہ یہ صاحبِ کمال گویا مکے کے خاندانون اور قریش کے نوجوانون کو تباہ کیے ڈالتا ہے - ہوتے ہوتے یہ خبر دارالخلافت دمشق اور وہان بھی خاص عبدالملک بن مروان کے کانون تک پہونچی جو بنی اُمیہ مین سب سے بڑا اولوالعزم اور بیدار مغز خلیفہ تھا - عبدالملک نے فوراً اپنے عامل مکہ و عثمان اشقر کے نام فرمان بھیجا

کہ ابن مسجح کی تمام جائداد اپنے قبضے مین کرلو۔ اور اُسے میرے پاس بھیجو" فوراً ابن مسجح کی تمام جائداد پر سرکاری قبضہ ہوگیا۔ اور وہ مجرمون یا فریادیون کی حیثیت سے ملک شام کو روانہ ہوا۔ شہر دمشق مین پہونچ کے مسجد جامع مین اُترا۔ اور لوگون سے دریافت کیا کہ "امیرالمومنین کے پاس کن لوگون کی زیادہ آمد و رفت ہے؟ اور کون کون لوگ اُن کے مزاج مین درخور رکھتے ہین؟" لوگون نے چند معزز و صاحب اثر اموی و قریشی رئیس زادون کے نام بتا دیے۔ اتنا پتہ پاتے ہی وہ سیدھا اُنکے دروازون پر جا پہونچا۔ اور صاحب سلامت کے بعد پوچھا "ایک حجازی غریب الوطن کو اپنا مہمان بنانے مین آپ کو تامل تو نہ ہوگا؟"

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ صدہا بلکہ ہزارہا اہل حجاز اپنی غرضین لے لے کے دمشق پہونچا کرتے تھے۔ لہذا کسی اجنبی نو وارد کو وہان ایک معزز صاحب مرتبہ میزبان مل جانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ خصوص ابن مسجح کے سے حقیر صورت شخص کو جو بچپن کے خلاف اب نہایت ہی کم رُو واقع ہوا تھا۔ اور دیکھنے والے کے دل مین اُس کی کچھ بھی وقعت نہین قائم ہوسکتی تھی۔ اسپر طرہ یہ ہوا کہ جن تین قریشی رئیس زادون سے اس کم سنی نے مہمانی کی آرزو کی وہ اُس روز برق الافق نام دمشق کی ایک مشہور گانے والی کے وہان ایک پُرلطف صحبت عیش مین مدعو تھے۔ دو کو تو یہ درخواست ناگوار ہوئی مگر تیسرے شخص نے مہمان کو پھیرنا بُرا جان کے حامی بھر لی۔ اور اپنے دونون دوستون سے کہا "اب برق الافق کے وہان آپ ہی جائیے۔ مین تو اس مہمان کے ساتھ گھر پر رہون گا۔" اُن دونون نے کہا "کوئی مضائقہ نہین تم بھی چلو اور اپنے مہمان کو بھی لیتے چلو۔" اس طرح محض اتفاقی طریقے سے ابن مسجح جس روز دمشق مین پہونچا اُسی روز ایک صحبت رقص و سرود مین شریک ہوا۔

برق الافق کے گھر مین پہونچ کے ابن مسجح نے کہا "مین ایک حقیر اور کالا کلوٹا آدمی ہون۔ شاید لوگون کو میرے ساتھ بیٹھنا ناگوار ہو۔ لہذا مین الگ جوتون کے پاس بیٹھا جاتا ہون۔ اور وہین مجھے کھانا بھی دے دیجیے" یہ عجیب درخواست نہ مانی جاتی مگر اُس کے اصرار سے مان لی گئی۔ اور وہ نہایت ذلیل حیثیت سے اور ذلیل مقام مین بیٹھ گیا۔ جب کھانے پینے سے فراغت ہوچکی اور دَور شراب چلنے لگا

تو وہ خوبصورت عورتیں درمیان میں ایک چوکی پر آکے بیٹھیں اور گانے لگیں۔ جب وہ گا بجا چکیں تو ایک اور نہایت ہی حسین و نازنین عورت اُس چوکی پر آکے بیٹھی پہلی وہ دونوں گانے والیاں نیچے اُتر کے اسکے داہنے بائیں زمین پر بیٹھ گئیں۔ ابھی اُس نے گانا نہیں شروع کیا تھا کہ ابن مسجح نے وہیں جوتوں کے پاس بیٹھے بیٹھے اُس کے حُسن کی تعریف میں ایک شعر پڑھا۔ اس پر وہ بہت بگڑی۔ اور بولی "اب میں ایسی گئی گذری ہوئی کہ ایسا ذلیل و بیہودہ غلام میری تعریف میں شعر پڑھتا ہے!" ابن مسجح کی اس حرکت کو اور لوگوں نے بھی ناپسند کیا اور سب نے اُس پر تیز اور ناگواری کی نظریں ڈالیں۔

اب اُس نازنین نے ایک چیز شروع کی۔ اور گلے بازی کا لطف دکھا رہی تھی کہ آپ نے پھر زبان کھولی۔ اور اُسی جگہ اور اُسی وضع سے بولے "واہ! کیا خوب گاتی ہو!" یہ سنتے ہی برق دلافروز اُس نازنین کی مالک اور گھر کی میزبان تھی اُسکے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ جھنجھلا کے بول اُٹھی "ایسے غلام اور ذلیل لوگ میری اس دلربا لڑکی کی تعریفیں کریں گے تو بھلا میری کیا اصل و حقیقت رہ جائے گی؟ میں تو شریفوں سے ملنے کے قابل نہ رہوں گی؟" آخر اُس شخص نے جو آپ کو ہمراہ لایا تھا مجبور ہو کے کہا "واہ حضرت! آپ نے تو سب لطف بے مزہ کر دیا۔ بس اب مہربانی کر کے اُٹھیے اور میرے گھر پر تشریف لیجا کے ٹھہریے۔ تھوڑی دیر میں میں بھی آتا ہوں۔" خاص اپنے میزبان کی زبان سے یہ کلمہ سُنتے ہی آپ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور جانے لگے کہ سب نے روکا۔ اور کہا "نہیں ایسی بے مروتی ہم لوگوں سے نہیں ہو سکتی۔ نہیں حضرت آپ شوق سے بیٹھیے۔ مگر ہاں ذرا آداب صحبت کا خیال رہے۔" سب کو اصرار کرتے دیکھ کے آپ پھر بیٹھ گئے۔ مگر اُسی جگہ پر۔

اب اُس نازنین نے پھر گانا شروع کیا۔ وہ ہی چار تانیں سینے پائی ہوگی کہ آپ نے چلا کے کہا "غلط! بالکل بُرا۔ حرامزادی یوں نہیں یوں۔" یہ کہہ کے آپ نے جو اُس چیز کو گایا تو وہ نازکبدن گھبرا کے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور بولی "اور کسی میں یہ بات نہیں ہو سکتی۔ خدا کی قسم یہ ابو عثمان سعید بن مسجح ہیں۔" لوگوں نے حیرت سے انکی صورت دیکھنا شروع کی۔ اور پوچھا "کیا حقیقت میں ایسا ہی ہے؟" آپ نے کہا "ہاں ہوں۔

تو وہی شخص جس کا اس نے نام لیا۔ مگر اب یہان نہین ٹھہر سکتا۔" یہ کہکے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اب کیا تھا۔ لوگ گرویدہ ہوگئے۔ اور چارون طرف سے خوشامدین ہونے لگین۔ جتنے لوگ شریک صحبت تھے اُن مین سے ہر ایک نے تمنا کی کہ میرے ہان قیام ہو جیسے۔ مگر ابن مسجح نے انکار کیا۔ اور کہا "مین تو اُس کا مہمان ہوچکا جو تم سب کا سردار ہے۔" سب نے کہا "اچھا یہ تو بتایئے کہ یہان آنے کا کیونکر اتفاق ہوا؟" اُنھون نے ساری سرگذشت بیان کی اور اپنی مظلومی کی داستان کہہ سنائی۔

اسکے بعد اس قریشی شخص نے جس کے مہمان تھے کہا مین آج ہی رات کو امیر المومنین کی صحبت مین جاتا ہون۔ اور میرا مکان امیر المومنین کے محل کے محاذی واقع ہوا ہے۔ اگر اُنھین شگفتہ و خوش مذاق پاؤن گا تو آپ کو بلواؤن گا۔ اِنھون نے کہا "بہتر۔" چنانچہ وہ گیا۔ اور عبد الملک کو خوش طبع اور بشاش پا کے اِنکے پاس آدمی بھیج دیا۔ یہ گئے اور محل کے نیچے کھڑے ہوکے حُدی خوانون یا ساربانون کی دھن مین چند اشعار گائے جو خلیفہ کی مدح مین تھے۔ عبد الملک نے چونک کے اُسی قریشی شخص سے پوچھا "یہ کون شخص ہے؟" اُس نے کہا "ایک حجازی شخص ہے جو میرے یہان آکے ٹھہرا ہے۔" عبد الملک نے کہا "تو اسے یہان بلواؤ۔" فوراً حاجبون اور چوبدارون نے ابن مسجح کو لے جاکے بادشاہ کے سامنے کھڑا کر دیا۔ عبد الملک نے اپنی فرمایش سے کئی دُھنین سُنین اور ایک دفعہ وجد مین آکے اور جھوم کے بولا۔ "مین قسم کھاتا ہون کہ لوگون مین تو خاص مرتبہ رکھتا ہے۔ مگر یہ تو بتا کہ تو کون ہے؟" اب ابن مسجح کے لیے پورا موقع تھا۔ جواب دیا "وہ مظلوم جس کا مال ضبط ہوا۔ اور وہ خانمان برباد جو وطن سے محروم کر دیا گیا۔ یعنی سعید بن مسجح۔" عبد الملک نام سُنتے ہی ہنسا اور کہا "خیر۔ یہ تو صاف معلوم ہوگیا کہ جوانان قریش جو اپنی دولت تیرے حوالے کیے دیتے ہین اس مین کہان تک اور کس قدر معذور ہین۔" یہ کہہ کے فوراً والی مکہ کو حکم بھیجا کہ اس کا مال و اسباب چھوڑ دے۔ اور خود اپنی طرف سے بہت کچھ دے دلا کے رخصت کیا۔

ابن سریج جو خلافت کے ابتدائی دور کا بہت بڑا نامور مغنی گذرا ہے۔ ابن مسجح کا شاگرد رشید تھا۔ اور بعض لوگ کہتے ہین کہ وہ بھی ابن مسجح کے آقاہی کا غلام تھا۔

ابن سمج کی نسبت یہ امر صاف طور پر نہیں معلوم ہوتا کہ کب تک زندہ رہا اور کس سنہ میں مرا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ ولید بن عبدالملک کے دور میں زندہ تھا۔ جبکہ اُس کی آخر عمر میں سعید نے اُس کی شاگردی کی عزت حاصل کی۔

ابو الصلت اُمیّہ بن عبدالعزیز

زمانے کے کہنہ اوراق اور تاریخ کے بوسیدہ اجزا میں بہت سے ایسے نام ہیں جن کی ہم جس قدر عزت کریں اور جن کے کمالات پر جتنا فخر و ناز کریں کم ہے۔ مگر افسوس قدر و منزلت تو بعد کی چیزیں ہیں اُن میں سے بہت کم ہیں جن کو ہم جانتے بھی ہوں ابو الصلت اُمیّہ بن عبدالعزیز کا نام ہمارے دوستوں میں سے بہت کم لوگوں نے سنا ہوگا۔ یہ اسلام کے عہد اولین میں سرزمین سپین کے ایک بہت بڑے زبردست اور نامی گرامی طبیب۔ دقیقہ رس وحقیقت شناس فلسفی۔ جادو نگار اور فصیح البیان ادیب و شاعر۔ اور دلوں کو موم کر دینے والے اور روح انسانی پر اپنی ساحرانہ حکومت قائم کرنے والے موسیقی دان گذرے ہیں۔ ہمارے ہم وطن ایک عالی مرتبہ حکیم و فلسفی۔ ریاضی دان و مہندس۔ اور ادیب و شاعرکو پا سُن کے چونک پڑیں گے۔ مگر کوئی چونکنے کی بات نہیں جب کسی قوم میں ترقی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں تو اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔

ابو الصلت ۴۶۰ھ کے قریب شہر دانیہ میں جو اندلس کے مشرقی اضلاع میں اور مشہور و معروف شہر اشبیلیہ کے قریب واقع تھا پیدا ہوے۔ اور خوش نصیب تھے کہ سواد وطن ہی میں نشو و نما پایا۔ جب علم و حکمت کا شوق ہوا تو دانیہ کے قاضی ابو الولید وقشی کی شاگردی اختیار کی۔ اور علم و فضل میں نمایاں ترقی کرنے لگے۔ علامۂ ابو الولید کے بعد دیگر اساتذۂ وطن کی صحبت فیض سے بھی بہرہ یاب ہوے۔ آخر چند روز میں ہر علم و فن میں یہ کمال حاصل کر لیا کہ اُنکے مورخ کہتے ہیں "طب میں جو پایہ اُنکو حاصل ہوا اطباے اندلس میں سے بہت کم کسی کو نصیب ہوا تھا۔ ریاضی و ہندسہ میں فرید عصر شمار کیے جاتے تھے۔ ادب و شاعری کے اعتبار سے وہ مقبولیت عامہ حاصل تھی کہ شعراے اسپین میں سے بہت کم باکمال گذرے

ہین جو اُن کے ہم پایہ بنائے جا سکین - بذلہ سنج اتنے بڑے تھے اور کلام ایسا فصیح و بلیغ اور معنی خیز ہوتا تھا کہ وہان کی اُن دنون کی نکھری صحبتون مین عموماً لوگ انکی جادو بیانی سننے کے مشتاق رہتے - ان فنون کے علاوہ علم موسیقی مین ایسی واقفیت اور مہارت پیدا کی تھی کہ عرب کے تمام مغربی گویّون کا نام مٹ گیا تھا - صرف علم نہین عملی طور پر اس فن کے بہت بڑے اور مستند اُستاد تھے - سرود جیسا اُنھون نے بجایا کوئی نہین بجا سکا تھا - افریقیہ کی تمام مروجہ دُھنین اُنھین کی قائم کی ہوئی تھین - یہان تک کہ علامہ مقری جو اس نامی گرامی فیلسوف و مغنیِ عرب کے پانچ چھ سو برس بعد ہوے ہین اپنی کتاب نفح الطیب مین لکھتے ہین کہ "بلاد افریقیہ مین آج تک جتنی دھنین مروج اور مقبول ہین سب ابو الصلت اُمیہ کی قائم کی ہوئی ہین"۔

آخر وہ زمانہ آگیا کہ دانیہ اور بلاد اندلس اُنکے لیے اور اُن سے بڑھے ہوے اُستاد نہ پیش کر سکتے تھے تب اُنھون نے سفر کا ارادہ کیا - اور ارض مصر کو روانہ ہوے - مان کی محبت نے گوارا نہ کیا کہ ایسے لایق و یکتاے عصر بیٹے کو اتنے بڑے سفر پر تنہا جانے دین - چنانچہ وطن اور اعزاے وطن کو خیرباد کہکے وہ بھی لخت جگر کے ساتھ مشرق کی طرف روانہ ہوئین - بعض مورخین کا بیان ہے کہ انکی عمر ساٹھ برس کی ہوئی - جو تین مساوی حصون پر تقسیم ہوگئی - ابتدائی بیس برس اپنے وطن شہر دانیہ مین بسر ہوے - بیس برس افریقہ یعنی بلاد الجزیرہ میں جہان ملوک صنہاجین کے دربار مین اُنکی بڑی قدر و منزلت ہوتی تھی - اور بیس برس مصر مین۔ مگر جو تاریخین اُنکے سفرون وغیرہ کے متعلق بتائی گئی ہین اُن سے اس تقسیم کی تصدیق نہین ہوتی -

الغرض اُنیسوان سال اور شباب کا زمانہ تھا کہ مادر مشفقہ کی محمل کے ساتھ ساتھ عین عید الضحیٰ کے دن ۴۸۹ھ مین وارد اسکندریہ ہوے - اور قاہرہ کی راہ لی - جو مصر کا دار السلطنت تھا - مصر اُن دنون حوادث زمانہ کی آماجگاہ بنا ہوا تھا - بنی فاطمۂ مصر کا دور تھا - اور تقدیر اُس معزز و باسطوت خاندان کو زوال و ادبار کی طرف لیے جاتی تھی - دو سال پیشتر خلیفۂ المستنصر باللہ فاطمی جس کے ہاتھ پر حسن بن صباح نے حاضر ہو کے بیعت کی تھی جام فنا پی چکا تھا - اور اگرچہ اپنے بیٹے نزار

کو ولیعہد کر گیا تھا مگر قسمت نے اُس سے دشمنی کی اور اہل قاہرہ نے دوسرے بیٹے مستعلی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور سبب یہ ہوا کہ مستنصر کے آخر عہد میں ایک ارمنی نو مسلم بدر الجمالی بڑھتے بڑھتے وزیر جنگ اور ساری فوجی قوت کا مالک ہو گیا تھا اور عام طور پر وزیر الجیوش کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ یہ امیر الجیوش مستنصر کی زندگی ہی میں مرگیا اور خلیفہ نے اُسکی جگہ اُسکے بیٹے افضل کو وزیر جنگ کے عہدے پر ممتاز کیا۔ افضل چند روز بعد سلطنت کے تمام سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ اور یہ نوبت پہونچی کہ افضل تو ملک الافضل کہلاتا اور خلیفہ مستنصر بیکار ہو کے محل میں پڑا عشرت پرستیاں کیا کرتا تھا۔ اسی زمانے میں اتفاقاً ایک دن نزار کی سواری نکلی۔ سامنے سے ملک الافضل آرہا تھا۔ گلی میں اس قدر اندھیرا تھا کہ افضل کو خبر بھی نہ ہوئی۔ اور نزار نے پاس آکے ڈانٹا "اے ارمنی کتے گھوڑے سے اُترا" نزار کو معمولی شاہزادوں کی طرح ولیعہدی کا غرور تھا۔ اور یہ نہ خیال کر سکا کہ اسوقت ساری قوت افضل کے ہاتھ میں ہے۔ بس اسی گھڑی سے افضل نزار کا دشمن تھا۔ اور جیسے ہی مستنصر باللہ آغوش لحد میں لیٹا افضل نے نزار کو نالائق بنا کے الگ کر دیا۔ اور مستعلی کے ہاتھ پر خود بھی بیعت کر لی۔ اور سارے قاہرہ کو بھی اُسکا مطیع اور فرمان بردار بنا دیا۔ نزار بھاگ کر اسکندریہ پہونچا۔ وہاں کچھ لوگ اُس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوے تھے اور حملے کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ افضل فوج لے کے آپہونچا کئی لڑائیاں ہوئیں۔ اسکندریہ کے بہت سے نامی گرامی لوگ مارے گئے۔ اور مستعلی کے حکم سے نزار گرفتار کیے جانے کے بعد ایک دیوار میں زندہ چنوا دیا گیا۔ آخر اسی میں گھٹ گھٹ کے اُس غریب نے جان دی۔ اور تمام مملکت مصر میں افضل کا طوطی بولنے لگا۔

الغرض یہ فتنے اور ہنگامے اور یہ ہولناک تماشے تھے جنھیں دیکھتے ہوے علامہ ابو الصلت قاہرہ میں پہونچے۔ وہاں کے امرا و علما سے ملے۔ قدردانوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور انھیں موقع ملا کہ ایک زمانے تک اپنے کمالات کو بڑھاتے رہیں۔ مگر یہ ایسا نازک زمانہ تھا کہ شاید انھیں کبھی افکار و آلام سے نجات نہ ملی ہوگی۔ اس لیے کہ ان کے ورود کے چوتھے ہی برس ۴۹۲ھ میں پہلی کروسیڈ کا ہنگامہ برپا ہوا۔ بطرس راہب اور گاڈفرے وغیرہ بڑھتے بڑھتے ارض مقدس پر قابض ہو گئے۔ اور دنیا مسجد اقصی کی زمین ستر اسی ہزار مسلمانوں کے خون سے رنگی گئی۔

اس مصیبت کو دو تین برس گذرے تھے کہ مستعلی مرگیا - اور آمر باحکام اللہ خلیفۂ مصر ہوا جو ہنوز پانچ برس کا بچہ تھا - اب اس زمانے مین افضل گویا خود ہی بادشاہ مصر تھا - اس نابالغ خلیفہ کا عہد شروع ہوے تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا کہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا - اور ہم حیران ہین کہ اُسے علامۂ ابو الصلت کی بدنصیبی پر محمول کرین یا خوش قسمتی پر؟ ایک تاجرانہ جہاز تانبے کی کھیپ لادے ہوے مصر آتا تھا کہ بندرگاہ اسکندریہ کے قریب پہونچ کے ڈوب گیا - اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس جہاز کے غرق ہو جانے سے تجار اسکندریہ کے ساتھ دولت مصر کا بھی بہت کچھ نقصان ہوا تھا - جس نے خود افضل کو بہت پریشان کردیا تھا - جب یہ حال علامۂ ابو الصلت نے سُنا جو اُس عہد کے یکتاے زمانہ مہندس وریاضی دان تھے تو اُنھون نے غور کرنا شروع کیا اور اپنے کمال علمی کے زور سے چند تدبیرون کا مسودہ ذہن مین قائم کرکے ملک افضل سے ملے اور کہا "اگر آپ روپیہ صرف کرنے پر آمادہ ہون اور جس سامان اور جن آلات کو مین کہون فراہم کرا دین تو وعدہ کرتا ہون کہ غرق شدہ جہاز کو قعر دریا سے نکال دون گا"

افضل کو یہ سن کے حیرت ہوگئی - فوراً پورے مصارف کا متکفل ہوگیا - بلکہ خزانہ خالی دیکھا تو کچھ رقم قرض لی - اور جو چیزین علامۂ ابو الصلت نے کہین اُنھین کی نگرانی اور اُنھین کے اہتمام سے بننا شروع ہوگئین - جب سب سامان فراہم ہو چکا تو اُنھون نے اپنے ایجاد کیے ہوے آلات کو ایک اور بڑے اور مضبوط جہاز پر اپنے اصول انجنیری کے مطابق اور مناسب ترتیب سے قائم کیا - یا یون کہنا چاہیے کہ جر ثقیل کی ایک بڑی بھاری کل بنا کے کھڑی کردی جس مین زبردست گراریان لگی ہوئی تھین - اور تھوڑی انسانی قوت سے زیادہ کام لینے کا بندوبست کیا گیا تھا - جب ان سب چیزون کو چلا کے دیکھ لیا گیا کہ بخوبی کامیابی ہوگی تو اُس جہاز کو لے کے اُس مقام پر پہونچے جہان تانبے کا جہاز غرق ہوا تھا - جہاز کو ٹھہرایا - اور غوطہ خورون کو پانی مین اُتارا کہ ریشم کے مضبوط اور زبردست رسّے غرق شدہ جہاز کے اطراف مین باندھ دین اور نکل آئین - جب اس امر کی بھی تعمیل ہوگئی تو وہ رسّے گراریون پر چڑھائے گئے اور کل چلنا شروع ہوئی - ابھی تک تو لوگ اس نئے اسلامی انجنیر کو اپنے ذہن مین بے وقوف خیال کررہے تھے - لیکن اب گراریان آہستہ آہستہ پھرنا شروع ہوئین اور جہاز اُبھرنے اور اوپر آنے لگا

تو گھبرا گھبرا کے اُس کی صورت دیکھنے لگے کہ یہ حکیم ہے یا جادوگر۔ مہندس ہے یا معجزہ دکھانے والا پیغمبر!

تھوڑی ہی دیر کی محنت و زور آزمائی میں جہاز سطح آب کے برابر آگیا۔ اس کے کونے پانی سے نکلے۔ لیکن اب یکایک گراریاں رُک گئیں۔ اور لاکھ کوشش کرتے ہیں جہاز اس سے زیادہ نہیں اُبھرتا۔ ابو الصلت نے یہ خیال کیا تھا کہ پانی کے اندر ہر چیز کا وزن بہت کم محسوس ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اُس کے اُبھارنے میں خود پانی بھی اپنی قوت صرف کرتا ہے۔ لیکن اب جہاز اُس حد تک آگیا تھا جس سے آگے پانی کی قوت کچھ کام نہ دے سکتی تھی۔ بدنصیبی سے ہمارے عالی مرتبہ مہندس نے اپنے اس پہلے تجربے میں اس بات کا خیال ہی نہ کیا تھا کہ اوپر لانے کے بعد کیا کارروائی کی جائے گی۔ کاش اسی وقت پانی اُچھالنے کے تانبے کے نکالنے کی تدبیر شروع کر دی جاتی تو شاید کچھ زور چل سکتا۔ مگر نہیں۔ ابو الصلت نے غلطی سے اور اُبھارنے اور زیادہ زور لگانے کا حکم دے دیا۔ جس کے ساتھ ہی رسّے ٹوٹ گئے۔ اور وہ جہاز پھر تہ میں جا لگا۔

اس ناکامی کے بعد اگر غور کرنے کا موقع ملتا اور سلطنت مدد دینے پر آمادہ ہوتی تو ہمارے علامہ ابو الصلت دوبارہ کوشش میں یقیناً کامیاب ہوتے۔ مگر معاملہ دگرگون ہو گیا۔ افضل اس ناکامی کی خبر سنتے ہی برہم ہوا۔ اور جب اپنے نقصان اور قرض لیے ہوئے روپے کے ڈوب جانے کا خیال کیا تو اُسکے غصے کی کوئی انتہا نہ تھی۔ ابو الصلت مایوسی و پریشانی کے ساتھ اُس کے دربار پر آئے تو بجائے اسکے کہ کوئی دلدہی کرکے حوصلہ بڑھاتے حکومت کے فرمان سے گرفتار ہوئے اور قاہرہ کے کتب خانے میں قید کیے گئے۔

افسوس یہی چیزیں اور ایسے ہی اسباب تھے جن کی وجہ سے اُس قدیم زمانے میں علم انجنیری اور کلیں بنانے کے فن کو کامیابی نہ ہو سکی۔ یہ یقینی بات ہے کہ ناکامیوں ہی سے کامیابی ہوتی ہے۔ اور جن امور کو تجربے سے تعلق ہے اُن میں جب تک انسان بہت سی اور متواتر ذکتیں نہ اُٹھا لے اپنی ہمت و محنت کا صلہ نہیں پا سکتا۔ موجودہ گورنمنٹیں ایسے مجتہد فن اور دقیقہ رس فاضل کا حوصلہ بڑھاتیں اور آخر تک اُس کی مدد

کرتین - مگر افسوس جو برکت کوئن وکٹوریہ کے دور مین ہے اُس عہد مین نہ تھی اور واقعی اس حیثیت سے اُس زمانے کو جس قدر تاریک زمانہ کہیے زیبا ہے۔

اب علامہ ابو الصلت قیدی اور اسیر بلا تھے۔ نہ کہین جا سکتے نہ کہین آ سکتے۔ نہ کوئی اُن سے مل سکتا۔ رات دن کتب خانے کے ایک کمرے مین بند پڑے رہتے۔ دو جب جی گھبراتا مطالعۂ کتب کرنے لگتے۔ اور اسی کتب بینی کی وجہ سے یہ قید اُنکے حق مین ایک رحمت بن گئی۔ اس لیے کہ چندہی روز مین وسعت نظر اس درجے کو پہونچ گئی کہ اُنکے کمال علمی اور اُنکی معلومات کو کوئی معاصر شخص نہ پا سکتا تھا۔ بلکہ اکثر علما کا خیال ہے کہ اسی اسیری دگرفتاری نے ابو الصلت اُمیّہ کو علامہ ابو الصلت بنا یا۔

تاہم گرفتاری بُری چیز ہے۔ ایک جگہ اور ایک حال مین پڑے پڑے زندگی سے عاجز آ گئے۔ اور یہان تک تنگ ہوے کہ افضل کے چند معتمد علیہ امرا کی شان مین قصیدے لکھ کے بھیجے۔ اُن سے مدد مانگی۔ اور آخر اُنھین کی سفارش سے آزادی حاصل کی۔ ابن صیرفی جو اُس زمانے مین موجود تھے لکھتے ہین کہ شیخ ابو الصلت نے قید خانے سے مجھے ایک رقعہ لکھا اور اُسکے ساتھ دو قصیدے بھیجے۔ اور رقعۂ وقصائد دونون مین ایسا کمال انشا پردازی دکھایا تھا کہ نہ اُس نثر سے بہتر نثر ہو سکتی ہے اور نہ اُس نظم سے بہتر نظم۔ مین بار بار پڑھتا تھا اور ہر بار پڑھنے مین نیا مزہ آتا تھا۔ یہی قصیدے امراے دربار افضلی کی شان مین تھے۔ اور یہی اُنکی نجات کا سبب ہوے۔

مگر افضل ان سفارشون پر بھی اُن سے صاف نہین ہوا۔ اگرچہ قید سے آزادی دے دی مگر قاہرہ مین رہنے کی اجازت نہ دی۔ اس طرح سے ۵۰۵ھ مین اپنے علمی قید خانے کو چھوڑ کے اسکندریہ کی طرف گئے۔ اور گو کہ ممانعت تھی مگر ایک سال تک یہ حالت رہی کہ کبھی کبھی اسکندریہ مین آتے اور چلے جاتے۔ دوسرے برس ۵۰۶ھ مین اُنھون نے قلمرو مصر کے چھوڑنے کا ارادہ کیا۔ اسکندریہ سے نکل کے مغرب کی طرف روانہ ہوے۔ اور چند روز کے سفر نے شہر مہدیہ مین پہونچا یا جو اُن دنون الجیریا کا مرکز حکومت اور فرمان روایان بنی صنہاج کا دار السلطنت تھا۔ موجودہ حکمران علی بن یحیی بن تمیم نے بڑی قدر و منزلت کی۔ اپنا مہمان بنا یا۔ اور نہایت خاطر

وداد ات سے پیش آیا۔
علی بن یحیی کی قدردانی سے مہدیہ مین کچھ ایسی دلچسپی پیدا ہوئی کہ یہین ٹھہر گئے۔
اور اسی شہر کو اپنا وطن بنا لیا۔ یہ بالکل پتہ نہین چلتا کہ والدہ جنھین اندلس سے ہمراہ لائے تھے اُن کا کیا حال ہوا۔ غالباً سرزمین مصر کے کسی قبرستان مین آرام کر رہی ہونگی مگر انھون نے خود اپنی خوابگاہ شہر مہدیہ ہی کو بنایا۔ جہان دوشنبہ کے روز غرۂ محرم ۵۲۹ھ مین دنیاے فانی کو رخصت کیا۔ اور کنج لحد مین لیٹ کے خواب مرگ کی بے فکریون کا مزہ لینے لگے۔
اُن کا کلام کتب ادبیہ مین کثرت سے موجود ہے۔ بڑے بڑے پُر زور قصیدے کہے ہین۔ اور کوئی شعر نہین جس مین کوئی خاص لطف نہ ہو۔ جب مرض موت مین مبتلا ہوے۔ اور یقین ہو گیا کہ سفر آخرت کا وقت آگیا تو یہ چند شعر کہے اور وصیت کر دی کہ قبر پر کندہ کر دیے جائین۔

سَکَنْتُکِ یَا دَارَ الفَنَاءِ مُصَدِّقاً ۔۔۔ بِاَنِّی اِلٰی دَارِ البَقَاءِ اَصِیْرُ

اے دار فنا مین تجھ مین مقیم رہا مگر یقین تھا کہ دار بقا کی طرف کوچ کرون گا۔

وَ اَعْظَمُ مَا فِی الْاَمْرِ اَنِّی صَائِرٌ ۔۔۔ اِلٰی عَادِلٍ فِی الْحُکْمِ لَیْسَ یَجُوْرُ

اور اس معاملے مین سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اُس عادل حکمران کے پاس جاتا ہوں جو کبھی ظلم نہین کرتا۔

فَیَا لَیْتَ شِعْرِی کَیْفَ اَلْقَاهُ عِنْدَهَا ۔۔۔ وَزَادِی قَلِیْلٌ وَ الذُّنُوْبُ کَثِیْرٌ

مگر افسوس وہان جا کے کیونکر ملون گا (کیا مُنہ دکھاؤن گا) اس لیے کہ زادراہ کم ہے اور گناہ بہت ہین۔

فَاِنْ اَکُ مَجْزِیّاً بِذَنْبِی فَاِنَّنِی ۔۔۔ بِشَرِّ عِقَابِ الْمُذْنِبِیْنَ جَدِیْرٌ

اگر اپنے گناہون کی سزا پاؤن تو گنہگارون کے لیے جو سخت سے سخت سزا ہو اُس کا سزاوار ہون۔

وَ اِنْ یَکُ عَفْوٌ مِنْهُ عَنِّی وَرَحْمَةٌ ۔۔۔ فَثَمَّ نَعِیْمٌ دَائِمٌ وَ سُرُوْرٌ

لیکن اگر وہ رحم کرے اور مجھے معاف کر دے تو (پھر کیا ہے) سرمدی نعمتین اور مسرتین ہون گی۔

علامۂ ابو الصلت بہت سی تصنیفین چھوڑ کے مرے تھے جو شاید ممالک افریقیہ وغیرہ مین کثرت سے موجود ہون گی۔ ایک کتاب مصر و قاہرہ کے حالات مین ہے ایک وہان کے شعرا و اطبا اور منجمون کا تذکرہ ہے۔ ایک کتاب ادویۂ مفردہ پر ہے جس مین دواؤن کو اعضاے انسانی کی ترتیب سے بیان کیا ہے۔ اور کہتے ہین کہ اس کتاب کی ترتیب نہایت مناسب عمدہ اور بے مثل ہے۔ حنین بن اسحاق کی تردید مین بعض علما نے کچھ لکھا تھا اُن کی تردید اور حنین کی تائید مین ایک کتاب ہے۔ ایک شعراے اندلس کا تذکرہ ہے۔ ایک رسالہ علم موسیقی مین ہے۔ ایک علم ہندسہ پر۔ ایک مین اصطرلاب سے کام لینے کی ترکیب بتائی ہے۔ ان تصانیف کے علاوہ ایک نایاب رسالہ علم منطق پر بھی ہے۔

افلاطون الہٰی

ہماری سوسائٹی مین جو مقبولیت اور وقعت اس قدیم یونانی حکیم و فیلسوف کو حاصل ہے شاید کسی حکیم کو بہت کم نصیب ہوئی ہوگی۔ یونان کی حکمت ہماری کہانیون مین ایک پیمبر کے معجزے کی شان سے دکھائی جاتی ہے۔ اور وہان کے فلسفے کو ہمارے عوام طلسمون کا عجیب و غریب خزانہ تصور کر رہے ہین۔ اور اسی کے ساتھ اس نامی گرامی حکیم و فیلسوف کی لائف بھی خدا جانے کیسے کیسے خلاف وہم واقعات کا مجموعہ خیال کی جاتی ہے۔ ان باتون نے اگرچہ اس حکیم کے نام کو جو یونان کے فلسفے کا رکن اعظم اور سب سے بڑا نامی گرامی مجدد و محقق تھا بہت کچھ مشہور کیا مگر اس کے ساتھ اُس کے اصلی حالات پر پردہ بھی ڈال دیا۔ اور بہت کم لوگ ایسے ملین گے جو افلاطون کے اصلی حالات سے واقف ہون۔

اسی پر منحصر نہین۔ یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ جن لوگون کو ہندوستان کی سوسائٹی مین عام مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ جن کے نام بچے بچے کو یاد ہین۔ اور جو بات بات پر یاد آتے ہین۔ ان مین سے بہت کم ہین جن کے صحیح صحیح اور سچے حالات زندگی لوگون کو معلوم ہون۔ اس سے پیشتر چند ایسے نامور لوگون کے حالات دلگداز کے صفحون پر شایع ہو چکے ہین۔ لیکن اب ہم التزام سے کوشش کرنا چاہتے ہین کہ ایسے تمام ناموران

عالم کے سوانح عمری سے اپنے ملک کے لوگون کو بخوبی آگاہ کر دین تاکہ جن کا نام بار بار لیا کرتے ہین اُنھین پہچان بھی جائین کہ کون تھے کیا تھے اور کیسے تھے؟-

یہ نامی گرامی حکیم جس کے نام سے عنوان نے رونق پائی ہے یونان کا سب سے زیادہ مستند اور نہایت ہی مقبول و مشہور فلسفی تھا۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ۹۹۹ سال پیشتر یونان کے دار السلطنت شہر ایتھنز مین جسے عرب لوگ "اثینیا" کہتے ہین پیدا ہوا۔ ان دنون دولت فارس کی شوکت و عظمت ساری دنیا پر غالب تھی - اور کیانیون کا مشہور بادشاہ دارا ب تخت شاہنشاہی پر جلوہ افروز تھا جسکے عہد مین ملک داری و ملک گیری کے عوض عشرت پرستی دربار ایران مین اپنا جلوہ دکھانے لگی تھی۔ یونان و روم سب اُسکے مطیع فرمان تھے - اسکندر اعظم کا باپ فلپ جسے ایرانی فیلقوس کہتے ہین دولت عجم کی ماتحتی مین مقدونیہ پر حکومت کر رہا تھا۔ اور یونان کے قدیم آزاد و خودسر شہرون اثینیا اور اسپارٹا کی قوت اسی فیلقوس کی کوشش سے ٹوٹ رہی تھی)۔

افلاطون کے باپ کا نام ارسطون تھا اور دادا کا نام ارسطوقلیس۔ جس طرح عرب مین رواج تھا کہ اکثر پوتے کا نام دادا کے نام پر رکھا جاتا اسی طرح افلاطون بھی پیدا ہوتے ہی دادا کے نام ارسطوقلیس سے نامزد کیا گیا۔ ماں باپ کوئی معمولی خاندان کے لوگ نہ تھے۔ دونون بہت قدیم زمانے کے حکیم اسقلیبیوس کی نسل سے تھے خصوص ماں کے سلسلۂ نسب مین تو نامی گرامی فیلسوف سولن شامل تھا جس کا یونان ہمیشہ احسانمند رہے گا۔ اور جو یونان کا سب سے پہلا مقنن ہے۔

ہوش و حواس سنبھالنے کے بعد سب کے پہلے اُس نے دیونوسیوس نام ایک مشہور اُستاد کی شاگردی اختیار کی جو اپنے عہد کا مقبول و مستند نحوی تھا - چند روز یونانی زبان کی فصاحت و بلاغت سیکھ کے افلاطون کو ورزش جسمانی کا شوق ہوا - جس کا اُن دنون یونانیون مین بہت ہی چرچا تھا - اور ہر سال ایتھنز کے اُس تھیئٹر مین جو اُلمپیا کہلاتا تھا اس قسم کے تماشے بڑے شوق اور بڑی عزت سے دیکھے جاتے تھے۔ اس فن مین جسے آج کل جمناسٹک کہتے ہین اُس نے ارسطون نام ایک مشہور کشتی زن کی شاگردی اختیار کی - اور اسی ورزش کے اُستاد نے اُسے "پلاتو" کا خطاب دیا -

پلاطو یونانی مین اُس شخص کو کہتے ہین جس کا بدن خوب گٹھا ہوا ہو اور شانے بڑے اور چوڑے ہون - چونکہ اس مشہور فلسفی یونان مین یہ وصف نمایان اور غیر معمولی درجے پر نظر آتا تھا لہذا اُستادون نے اُسے "پلاطو" کہنا شروع کیا - اور آخر یہی اُس کا نام پڑ گیا جسے عربون نے اپنی زبان کی خراد پر چڑھا کے فلاطون اور افلاطون بنا لیا ہے -

اب اسکے بعد اُسے موسیقی اور شاعری کا شوق ہوا - یہ پتہ نہین چلتا کہ ان فنون مین وہ کن اُستادون کا شاگرد تھا - مگر اُس کا کمال اس درجے کو ضرور پہونچ گیا تھا کہ المپیا مین گانے جانے کے لیے اُس نے چند غزلین کہین اور اُن مین آپ ہی دلکش دھنین بھی قائم کین - اُس کے ان گیتون کو شہرت ہو چلی تھی کہ ایک دن سقراط کو وعظ کہتے سُنا - اور اُسکے پند و نصائح کی ایک طولانی تقریر نے دل پر کچھ ایسا اثر کیا کہ اُسی وقت جا کے جتنی نظمین اور گیت تصنیف کیے تھے سب کو آگ لگا دی - اور سقراط کی شاگردی اختیار کی - اور اکثر اوقات اُسی کی صحبت مین رہنے لگا -

فلسفۂ الٰہیات جس مین افلاطون اِسوقت تک بے مثل اور سب سے بڑا با کمال مانا جاتا ہے اُس کے متعلق اُس نے جو کچھ سیکھا سب سقراط کی تعلیم کی برکت سے تھا - اگرچہ ہم بعد چل کے بتائین گے کہ ان خداشناسی کے خیالات مین اُسے بہت کچھ تعلیمین درس گاہ نبوت سے بھی ملی تھین - اس باب مین اسکی تعلیم صرف عقلی اور قیاسی نہ تھی بلکہ عملی تعلیم تھی - اور اُس نے ریاضت و نفس کشی کر کے رموز باطن کو حل کیا تھا - آخر سقراط سلطنت یونان اور پُرانے مذہب بُت پرستی کا مجرم قرار پایا اور اُسے سزاے موت دی گئی - جس سزا کو سقراط نے بڑے تحمل اور غیر معمولی مضبوطی و اطمینان سے برداشت کیا - اور افلاطون نے توحید و خدا پرستی کی یہ ظالمانہ سزا اپنی آنکھون سے دیکھی - سقراط کو اُسوقت بھی دیکھا جب وہ ارکان سلطنت کے سامنے جوش و خروش اور صبر و استقلال سے اپنی برأت ثابت کر رہا تھا - اور اُس حالت مین بھی دیکھا جب اُس سچے خدا پرست کے ہاتھ مین جام زہر دیا گیا تھا کہ پیے اور دنیا کو چھوڑ دے -

الغرض ولادت محمدی سے ۹۹۹ سال پیشتر جبکہ فلاطون کی عمر تیس سال کی تھی اُسکے اُستاد سقراط نے سفر آخرت کیا - اور افلاطون وطن کی کارروائیون اور اہل وطن

کی سرد مہریوں سے کچھ ایسا برخاستہ خاطر ہو گیا تھا کہ گھر بار کو خیرباد کہی۔ اور علم و فضل کی تلاش میں مارا مارا پھرنے لگا۔ یہ سچی اور دلی جستجو اُسے بہت دور دور لے گئی۔ افریقہ کے سواحل پر اُتر کے طرابلس الغرب کے پرانے شہر قیروان میں پہونچا اور وہاں کے مشہور اُستادوں سے مل مل کے علم ریاضی حاصل کیا جس کا وہاں اُن دنوں بہت چرچا تھا۔ پھر وہاں سے سفر کرکے فراعنہ کی سرزمین یعنی مصر میں آیا جو اُس زمانے میں کمالات انسانی کا مبدأ و مرکز اور تمام علوم و فنون کا مرجع مانا گیا تھا۔ یہاں پورے تیرہ برس رہ کے تمام مذہبی مقتداؤں اور علم و فضل کے اُستادوں سے مل کے مختلف علوم حاصل کیے۔ اور جب اطمینان ہو گیا کہ یہاں کے علما جو کچھ اور جس قدر بتا سکتے تھے بتا چکے تو پھر جہاز پر سوار ہو کے یورپ کی راہ لی۔ لیکن ابھی تک گھر کی یاد شوق علم پر غالب نہیں آئی تھی۔ مصر سے چلا تو یونان نہیں گیا۔ بلکہ ایطالیہ کے سواحل پر پرانے شہر تارنتوم میں اُترا۔ اور چند روز قیام کرکے ارطوس اور ارخیطاس سے راہ و رسم پیدا کی۔ ارخیطاس فیثاغورث کا آٹھواں جانشین تھا۔ نہایت ہی وسیع معلومات اور بڑے علم و فضل کا شخص تھا۔ اور علاوہ فلسفے کے اُسے صناعی کا بھی اس قدر شوق تھا کہ بعض کلیں بھی ایجاد کی تھیں۔ اور اُس عہد قدیم میں زمانے کو موجودہ مذاق ایجاد و اختراع کی طرف لانا چاہتا تھا۔

ان دونوں بزرگوں کے فیض صحبت اور اُن کے علم و فضل سے فائدہ اُٹھا کے افلاطون پھر جہاز پر سوار ہوا۔ اور جزیرۂ صقلیہ (سسلی) کی راہ لی۔ اور محض اس غرض سے کہ وہاں کے عجائبات سے تجربہ حاصل کرے۔ علی الخصوص کوہ اٹنا جس کی چوٹی پر ہر وقت شعلے اُٹھتے رہتے ہیں اُس کے دیکھنے کا اُسے بے انتہا شوق تھا۔ ان چیزوں سے اپنے معلومات کے ذخیرے کو اُس نے مملو کیا۔ اور عام قدردانی نے اُسکے نام کو یہاں تک چمکایا کہ صقلیہ کے دارالسلطنت شہر سیراقوسہ کے فرمانروا دیونیسیوس سے ملاقات ہوئی۔ مگر اسی کے ساتھ یہ خرابی بھی پیش آئی کہ دیونیسیوس ایک ظالم و خودپسند بادشاہ تھا۔ اور افلاطون ایک بے پروا اور آزاد مشرب فیلسوف ایسی دو مختلف و متضاد طبیعتوں کا خاصہ ہے کہ متفق نہیں ہو سکتیں۔ افلاطون سے

اور اُس سے بگڑ گئی۔ اور ایسی بگڑی کہ بیچارے لاچار فلسفی نے وطن واپس آنے کا ارادہ کر دیا۔ اتفاقاً انھین دنون اسپارٹا کا سفیر صقلیہ سے یونان کو واپس جاتا تھا اُسی کے جہاز پر افلاطون نے بھی قصد سفر کیا۔ مگر دیونیسیوس کے دل مین اس قدر بغض بھرا ہوا تھا کہ سفیر مذکور کو سمجھا بجھا کے یا ڈرا دھمکا کے اس بات پر آمادہ کر دیا کہ افلاطون کو لیجانے کو تو ساتھ لیجائے۔ مگر ضرور ہے کہ اُسے راستے مین کسی جگہ غلامون کی طرح بیچ ڈالے۔ نا قدر اور ظالم سفیر نے یہی کیا۔ اور جیسے ہی جہاز ایجینا مین پہونچا اُس نے اُس عہد کے اس نامی گرامی فلسفی کو زبردستی پکڑ کے فروخت کر ڈالا۔ اور اب افلاطون کے جان و مال کا مالک ایک اور شخص تھا لیکن غنیمت یہ ہوا کہ مول لینے والا رحم دل اور قدردان تھا۔ اور اسپارٹا کے سفیر یا صقلیہ کے بادشاہ کی طرح نا قدر شناس اور ظالم نہ تھا۔ اُس نے افلاطون کا علم و فضل دیکھ کے اور غالباً اُس کی مظلومی کی سرگذشت سُن کے یون ہی آزاد کر دیا۔ اس طریقے سے آزادی حاصل کر کے اور غلامی سے نجات پا کے افلاطون پھر یونان اور اپنے وطن شہر ایتھنز مین آیا۔

ایتھنز مین پہونچ کے اُس نے دو درس گاہین قرار دین جو اقادیمیا یا اکاڈمی نام ایک عمارت کے باغ مین تھین۔ اور اسی وجہ سے اُس کا فلسفہ اکیڈمک کہلاتا ہے۔ اور اکاڈمی کے لفظ نے یہ وقعت حاصل کی کہ آج تک اعلیٰ علمی درس گاہون کو اکاڈمی کہتے ہین۔ ان درس گاہون نے اُسکو ہموطنون مین شہرت دی۔ اور لوگ اُسکے معتقد اور پیرو ہونے لگے۔

چند روز مین صقلیہ کے فرمان روا دیونیسیوس کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اور اب اُس کا بیٹا چھوٹا دیونیسیوس تخت حکومت پر تھا اور اُسکے چچا ڈیون کو افسوس تھا کہ اُسکی قلمرو مین افلاطون کے ایسے خدا شناس اور دقیقہ رس حکیم پر اتنا بڑا ظلم ہو گیا نہایت ہی استمالت و اصرار سے اُسے بُلوایا۔ افلاطون نہ جاتا مگر اُسکے اصرار نے مجبور کر دیا۔ اور ایک دفعہ پھر اُسے سرزمین یونان کے باہر قدم نکالنا پڑا۔ اُسکی جو سیراقوسہ مین داخل ہوا تو نہایت ہی شان و شوکت اور جوش و خروش سے استقبال کیا گیا۔ اور لوگون نے خاطر و مدارات مین کوئی دقیقہ نہین اُٹھا رکھا۔

گر پھر بھی یہ دشواری پیش آئی کہ نیا نوعمر فرمان روا بھی خود سر و خود پرست تھا اور اُس کا بھی وہی مذاق تھا جو اُس کے باپ کا تھا - افلاطون نے جب دیکھا کہ فرمان روا اُس کی نصیحتوں اور ہدایتوں پہ کان نہیں لگاتا تو پھر ناراض ہو کے ایتھنز میں چلا آیا -

اب کی وطن میں اُسے بہت سے شاگرد اور پیرو مل گئے - جو اُس کی عزت کرتے - اُس کے علم و فضل کی قدر کرتے - اور اُس کے اتباع کو اپنا فخر خیال کرتے تھے - تاہم اُسے سیراقوسہ کا ایک اور تیسرا سفر کرنا ہی پڑا - جس کے بعد ایتھنز میں پھر یا نوں توڑ کے بیٹھا تو بس مر ہی کے نکلا - باقیماندہ زندگی اُس نے علمی مشاغل اور فلسفیانہ جستجو میں صرف کی -

اس زمانے میں ایتھنز کی حکمران جماعت نے ارادہ کیا کہ اسے اپنے طلقے میں لے اور وہ مشیران سلطنت میں شریک کیا جائے - مگر اُس نے قطعًا انکار کیا - جس کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ اپنے اُستاد کے مارے جانے کا تماشا دیکھ چکا تھا - جانتا تھا کہ عام ارکان سلطنت عمومًا میری رائے کے خلاف ہیں - اور جس نظام سے میں چاہتا ہوں سلطنت کبھی نہ چلائی جائے گی -

علم و فضل نے اُسے اخلاق کے اتنے بڑے اعلیٰ درجے پہ پہونچا دیا تھا کہ شاید نیکی و شرافت نفس میں اُن دنوں کوئی اُس کے مثل نہ ہوگا - غریبوں کی مدد کرتا - عزیزداروں کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کرتا - اور نیکوکاری کا ایک بے مثل نمونہ بنا ہوا تھا -

اگرچہ اس معزز و مقبول عام فیلسوف کو مرے ہوے تقریبًا ساڑھے بائیس سو برس گذر گئے لیکن اُس کا نام آج تک زندہ ہے اور رہتی دنیا تک باقی رہیگا - لہذا ہمیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے جمال کے شائقین کو اُس کی جیتی جاگتی تصویر بھی دکھا دیں - وہ اپنے خیال کی آنکھیں کھول کے دیکھیں کہ اُنکے سامنے ایک حلیم و بُردبار شخص کھڑا ہوا ہے - چہرے سے اعلیٰ درجے کی متانت پائی جاتی ہے - رنگت گندم گوں ہے - قد میانہ ہے - چہرہ خوبصورت اور دلکش واقع ہوا ہے - خط و خال خوب اُبھرے ہوے اور نمایاں ہیں - داڑھی اچھی اور خوش قطع ہے -

رخساروں پر بال قدرت نے اُگائے ہی نہیں کہ خط کی ضرورت ہو۔ آنکھیں شربتی ہیں مگر اُنکی سفیدی خوب براق ہے۔ ٹھڈی پر بائیں جانب ایک تل ہے۔ بانہیں لمبی اور کشادہ ہیں۔ اکثر خاموش رہتا ہے۔ اور بولتا ہے تو پست آواز سے۔ اسکی باتوں میں دلکشی و دلچسپی ہے۔ خلوت و تنہائی کو پسند کرتا ہے۔ زیادہ زندگی خوف الٰہی میں روتے گذرتی ہے۔ اور جہاں ہوتا ہے اُسکے رونے کی آواز سُن کے لوگ دُور ہی سے جان جاتے ہیں کہ یہاں افلاطون ہے۔

الغرض اس صورت سے اور ان اخلاق کے ساتھ ایتھنز میں نوعمروں اور شایقین علم کو درس دے رہا تھا کہ پیام مرگ آیا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ۹۱۶ سال پیشتر اُسے سفر آخرت کیا۔ اور اُسی خدا کے پاس گیا جس کی جستجو اور جس کے رموز دریافت کرنے میں اپنی بیاسی سال کی عمر کا بہت زیادہ حصہ صرف کر دیا تھا۔

یہ تو اُس کی زندگی کے حالات تھے۔ اور اس امر کی سرگذشت تھی کہ ایسے گراں پایہ حکیم کو دُنیا اور دُنیا والوں سے کیا سابقہ پڑا۔ کیونکر پیدا ہوا۔ کیسی زندگی بسر کی۔ اور کس حال میں مرا۔ مگر یہ بتانا باقی ہے کہ اُس کا فلسفہ کیا تھا اور کیسا تھا؟ اور عام دنیا پر اُس کے خیالات کا کیا اثر پڑا۔

امور عامہ اور الٰہیات کے مسائل میں زیادہ مشغول رہنے کی وجہ سے اُسے لوگ افلاطون الٰہی کہتے ہیں۔ روحانیات کا وہ بہت بڑا معرف اور نقیب تھا۔ عالم جسمانی کو ہیچ اور رموز تصوف کو اصل حقیقت و معرفت خیال کرتا تھا۔ اور اسی وجہ سے مسیحیین کا دعوے ہے کہ اس بارۂ خاص میں اُسے انبیا و رسل اور خاصتہً دین موسوی کے رموز خداشناسی سے سبق ملا تھا۔ اُس کا مصر میں آنا اور اسی سرزمین میں رہ کے اپنے علم و فضل کو کمال کے درجے پر پہونچانا اسکے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہی بے شک یہ امر قرین قیاس ہے۔ اور کیا عجب کہ یہود کی کتابوں نے یا اُنکے اُس اثر نے جو مملکت فراعنہ پر پڑ رہا تھا۔ افلاطون کو اُنکے علم سے فائدہ اُٹھانے کا موقع دیا ہو۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ شریعت موسوی کے عقائد سے افلاطون کے خیالات کو

کوئی نسبت اور علاقہ نہین ہے۔ عیسائیون کو یہ کہنے کی ضرورت صرف اسوجہ سے لاحق ہوئی ہے کہ وہ تثلیث کے معتقد ہین۔ اور جہان تک پتہ لگا یا جاتا ہے تثلیث کا پہلا موجد افلاطون ہے۔ موسوی مذہب والون کا خدا شخصیت کی شان رکھتا تھا وہ آسمان سے پہاڑون پر نزول کرتا تھا۔ اُس کے لیے ایک گھر مخصوص تھا۔ وہ پیغمبرون سے مل کے باتین کرتا تھا۔ وہ روشنی اور نور کی شان سے نمایان ہوتا تھا۔ بخلاف اسکے افلاطون کا خدا واجب الوجود۔ ایک ذات مطلق۔ منزہ عن الصفات تھا۔ اور لیحاظ ذات وصفات وزندگی اُس کی تین حیثیتین تھین۔ یہی خدا ہے جسے عیسائیون نے افلاطون کے فلسفۂ الٰہی سے لے کے اپنا بنایا۔ اور حیرت معلوم ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہین کہ اُسی قرض لیے ہوے خدا کی بابت اُلٹا افلاطون مقروض بتایا جاتا ہے۔

افلاطون کے خیالات نہایت ہی عالی اور وسیع ہین۔ وہ اپنے فلسفہ کے نشہ مین آپ کو اتنے بلند اور اعلیٰ تخت پر پاتا ہے کہ ساری دنیا اُسے ذلیل ہیچ اور لاشے محض نظر آتی ہے۔ وہ کہتا ہے دنیا مین صرف وہی چیزین کام کی ہین جن سے روشن خیالی۔ کلیات علمی۔ اور الٰہیات مین مدد ملے۔ ایسی چیزون کے سوا کسی اور دنیاوی چیز کی طرف خیال لیجانے کو وہ حکیم وفیلسوف کی ذلت۔ پست خیالی۔ بلکہ مادی جہالت خیال کرتا ہے۔

وہ خاص چیز جس کے لحاظ سے افلاطون دیگر علماے روحانیین سے جداہی اُس کے مُثل ہین۔ اللہ جل شانہ کے علم کے وسیع وحاوی کرنے کی غرض سے اُس نے یہ راے قائم کی ہے کہ جس طرح ایک یہ سامنے کا عالم حسّی ہے جسے ہم آنکھون سے دیکھتے اور اُس مین چلتے پھرتے اور زندگی بسر کرتے ہین اُسی طرح ایک دوسرا عالم مثال بھی ہے۔ جس کی مثال بالکل آئینے کی ہے۔ ہر چیز کا عکس جیسے آئینے کے مقابل ہوتے ہی شیشے مین پیدا ہو جاتا ہے۔ اُسی طرح اس عالم مین جو کچھ ہوتا اور گذرتا ہے اُس کا عکس اُس عالم مثال مین قائم اور موجود ہوتا ہے۔ اور یہان کوئی اور چیز اور کوئی بات نہین ہوتی جو وہان نہ ہوتی ہو۔ ایسے ایک عالم مثال کو عقل وذہن مین تمام فلسفی مانتے ہین مگر افلاطون قائل

ہے کہ صرف ذہن مین نہین بلکہ وہ عالم مثال نفس الامر مین موجود ہے - اور اُس کو بھی ویسی ہی واقعیت حاصل ہے جیسی کہ اس عالم مادی مین پائی جاتی ہے - باوجودیکہ اس عالم مثال کے لیے وہ آئینے کی مثال پیش کرتا ہے مگر پھر بھی فرق ہے - اس لیے کہ آئینے مین ہر چیز کا عکس اُسی وقت تک رہتا ہے جب تک وہ چیز موجود اور آئینے کے سامنے رہے بخلاف اسکے اُس کے عالم مثال مین جتنے عکس اور جتنی صورتین ہین سب بالذات قائم ہین - ہمیشہ سے ہین مستقل ہین اور اصلی چیزون کی حرکت سے انکو حرکت نہین ہوتی - بلکہ اُن کی حرکت سے اس حسی عالم کی چیزین حرکت کرتی اور منقلب ہوتی ہین - جس کا یہ نتیجہ ہے کہ گویا آئینہ یہی عالم حسی ہے کہ یہان کی ہر صورت اور ہر چیز اُسوقت حرکت کرتی اور تغیرپذیر ہوتی ہے جب اُس کا عکس اُس عالم مثال مین حرکت کرتا اور تغیر اختیار کرتا ہے - اور اُسی عالم مثال مین اُسکے مذہب کی بنا پر جو عکس ہین اُن کو مثل افلاطون کہتے ہین - باوجودیکہ اس مذہب کی تردید تمام بعد کے فلسفیون نے کی مگر سچ یہ ہے کہ مذہب اور خصوص مذہب اسلام اسکی پوری پوری تصدیق کر رہا ہے - اس لیے کہ افلاطون کا عالم مثال اور لوح محفوظ کوئی جدا جدا چیز نہین ہین -

ہر تقدیر توحید - خالص روحانیت - مذاق رہبانیت - اور بہت ہی اعلی درجے کا تصوف افلاطون کا مذہب اور اُس کا فلسفہ ہے - وہ قائل ہے کہ روحین جسمون کے تعلق سے بیشتر بھی تھین اور بعد بھی رہین گی - اور اسی لحاظ سے روحون کو اگرچہ باعتبار تخلیق خدا کے بعد کہتا ہے مگر ازلی وابدی مانتا ہے - تمام موجودات کو وہ تین حصون مین تقسیم کرتا ہے - وہ چیز جس مین کسی قسم کا انقلاب و تغیر نہین ہے - وہ چیز جس مین تغیر و انقلاب ہے اور باقی نہین رہتی - اور وہ چیز جو بالفعل ہے اور ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہے گی - پہلی چیز سے اُس کی مراد ذات باری تعالی ہے - دوسری چیز سے مراد یہ عالم کی تمام چیزین ہین جو منقلب ہوتی رہتی ہین - اور تیسری چیز سے مراد تمام بسیط اور غیر مرکب عناصر ہین جو ہمیشہ قائم رہتے ہین -

افلاطون کے بعد دو شخص اُس کے فلسفے اور اُسکے خیالات کو لوگون مین پھیلانے لگے - یہ دونون اُس کے شاگرد تھے - ایک توکسا نوقراطیس جو خاص اثینز مین درس

دیتا تھا۔ اور دوسرا ارسطوطالیس جس نے حوالی اتھنز مین لوقین نام ایک مقام کو مرکز و مرجع علم و فضل بنا دیا تھا۔ اگرچہ ارسطو نے بہت سے اختلافات کر کے اپنا جدید فلسفہ قائم کر دیا۔ مگر افلاطون کے فلسفے کو جو مقبولیت عامہ حاصل ہو چکی تھی کسی کے مٹائے نہ مٹ سکی۔ مصر کے مدارس پر مدتون اُسکی حکومت رہ چکی تھی کہ عربون اور مسلمانون کا دَور دورہ شروع ہوا۔ اور اُنھون نے اپنی کوشش سے اور زیادہ چلا دے دی۔

افلاطون کے پیرو ریاضت و مراقبہ اور نفس کُشی و ترک دُنیا سے زیادہ کام لیا کرتے تھے۔ اور چونکہ اُن کی ساری کوشش اپنے ضمیر کے روشن کرنے اور دل کی آنکھین کھولنے مین صرف ہوا کرتی تھی لہذا اُنھین فلسفے کی دنیا مین اشراقین کا لقب دیا گیا جس کا پہلا بانی افلاطون ہے اور دوسرے مجدد شیخ الاشراق شیخ شہاب الدین سہروردی مانے جاتے ہین۔ یہ وہ بزرگ نہین ہین جو سہروردیہ خاندان مشائخ کے سرتاج تھے۔ بلکہ اُنھین کے ایک عزیز ہین جنھون نے فلسفۂ افلاطون مین اس قدر ترقی کی کہ ناموری کے اُسی شہ نشین پر خود بھی جا بیٹھے جس پر افلاطون تھا۔ زمانے نے مساعدت کی تو ہم شیخ الاشراق کے حالات زندگی سے بھی کبھی اپنے ناظرین کو مطلع کرین گے۔

افلاطون کے تصانیف کی تعداد علامۂ ابن ابی اُصیبعہ چھپن بتاتے ہین۔ اور اُنکا بیان ہے کہ اُن مین سے بعض کتابین بڑی ضخیم ہین۔ ایک تو وہی مشہور کتاب ہے جس مین اُس نے بتایا ہے کہ سقراط نے اہل اتھنز کے سامنے اپنی برات مین کیا کیا باتین پیش کی تھین۔ ایک کتاب نفس انسانی کے بیان مین ہے۔ ایک سیاست مدُن پر ہے۔ ایک کتاب وہ ہے جو طیماؤس روحانی کے نام سے منسوب کی گئی ہے۔ اس مین افلاطون نے بتایا ہے کہ اصل مین تین عالم ہین۔ ایک عالم ربوبیت۔ دوسرا عالم عقل اور تیسرا عالم نفس۔ اور چونکہ وحدت وجود کے سلسلے مین یہ تینون عالم ایک ذات سے وابستہ ہو گئے ہین لہذا اُس کے اسی خیال سے عیسائیون کو اپنی تثلیث کے ثابت کرنے یا افلاطون کو اپنا شاگرد بتانے کا موقع ملا۔ اسی طرح اور کتابین ہین جن کو باعتبار اُنکے مضامین کے اُس نے مختلف فلاسفۂ یونان کے

ناموں کی طرف منسوب کیا ہے - ان کتابوں کا ترجمہ مختلف علماے اسلام نے عربی میں کیا تھا - مگر افسوس کہ عربی میں اصلی ترجمے اب نایاب ہیں - انگریزی - جرمن اور فرینچ زبانوں میں اُس کی کتابوں کے ترجمے آج کثرت سے موجود ہیں - اور ضرورت ہے کہ ہمارے علما جو افلاطون کا نام جانتے ہیں اور اُسکے تصانیف سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے یا تو خود ہی یورپین زبانیں سیکھ کے اُن کو پڑھیں یا کوشش کریں کہ اُن کے ترجمے پھر مشرقی ممالک اور مشرقی زبانوں میں شایع ہوں -

ارسطوطالیس

یونان کا نامی گرامی حکیم جسے انگریزی میں ارسٹاٹل اور ہمارے یہان عرف عام میں ارسطو کہتے ہیں "ارسطو" اُس کے نام کا اختصار ہے جو کثرت استعمال سے عربی فارسی اور اُردو مصنفین میں مشہور ہو گیا - لیکن عرب کے مشہور اور قدیم مصنفین جنھوں نے خود یونانی علوم کو ترجمہ کیا تھا اسکے نام کو ہر جگہ "ارسطوطالیس" ہی لکھتے ہیں - جیسا کہ ہم نے عنوان میں قائم کیا ہے - یونانی میں لفظ ارسطوطالیس کے معنے "کامل الفضل" کے ہیں - یعنی وہ شخص جسے علم وفضل میں کمال حاصل ہو - اور واقعی اُسے علوم فلسفیہ اور دیگر علوم میں ایسا کمال حاصل تھا کہ یہ نام اُسکے لیے پوری طرح زیبا تھا - زبردست فلسفی - گران پایہ عالم - داناے روزگار فاضل اجل - جادو بیان خطیب - حاذق طبیب - اُس کی نسبت جو کہیے سزاوار ہے - علم طب میں یگانۂ عصر مانا جاتا تھا - مگر باوجود اسکے فلسفہ اُس کے مذاق پر حاوی تھا - اور سب سے زیادہ اُس کی توجہ اسی جانب مشغول تھی کہ قدرت کے رموز اور عالم کے اسرار حکمی دریافت کرے -

ولادت حضرت سرور کائنات سے ۹۵۴ سال پیشتر مملکت یونان میں علاقۂ خالقیس کے شہر اسطاغیرا میں پیدا ہوا - باپ کا نام نیقوماخس تھا جو بجاے خود ایک معزز فلسفی تھا - اصول فیثاغورث کی پیروی کرتا تھا - اصول ارثماطیقی (ارتھمٹیک) میں اُس کی ایک کتاب یونان میں مشہور تھی اور آج تک موجود ہے - افسطیا اُس خوش نصیب عورت کا نام ہے جس کے بطن سے ارسطوطالیس کا سا زندۂ جاوید فیلسوف پیدا

ہوا۔ ان باپ دونون سلسلۂ نسب مین یونان کے پُرانے فلسفی حکیم اسقلیبیوس کی نسل سے تھے۔ اور دربار شاہی سے بھی خاندانی تعلق تھا۔ اس لیے کہ باپ نیقوماخس سکندر کے دادا شاہ امنطس کے دربار کا طبیب تھا۔ علامۂ شہرستانی لکھتے ہین کہ ارسطوطالیس تاجدار ایران شہنشاہ اردشیر بن دارا کے جلوس کے پہلے سال پیدا ہوا۔ مگر اُن کا یہ بیان صحیح نہین معلوم ہوتا کہ سترہ برس کی عمر مین فاضل و علم دوست باپ نے بیٹے کو افلاطون الٰہی کی خدمت مین لا کے حاضر کیا۔ اس لیے کہ اکثر روایتون سے ثابت ہوتا ہے کہ ارسطوطالیس کے ماں باپ اُس کے بچپن ہی مین سفر آخرت اختیار کر چکے تھے اور وہ بہت کمسنی مین یتیم ہو گیا تھا۔ اب اگرچہ اسکے باپ کا مختار۔ اور غالباً وصی برقسانس تھوڑی بہت نگرانی کرتا رہتا تھا۔ مگر اُس نے کچھ ایسی فضول زندگی بسر کی کہ چند ہی روز مین باپ کی ساری دولت اُڑا دی اور مفلس و نادار ہو گیا۔ تب برقسانس نے سترہ برس کی عمر مین اُسے لا کے افلاطون سے ملایا۔ اور درخواست کی کہ اس نادار یتیم کو اپنی تربیت مین لے۔ افلاطون نہایت ہی نیک نفس شخص تھا۔ برقسانس کی درخواست منظور کی۔ اور ارسطو اُس کے حلقۂ درس مین شریک ہونے لگا۔

علامہ ابن ابی اُصیبعہ حُنین بن اسحاق کی کتاب نوادر الحکما سے نقل کر کے لکھتے ہین کہ فرمان روایان یونان کا معمول تھا کہ ایک خاص طریقے سے اور نہایت ہی اہتمام کے ساتھ اپنے لڑکون کو علوم فلسفیہ کی تعلیم دلایا کرتے تھے۔ اور یقیناً یہی وجہ تھی کہ فلسفے مین یونانیون نے ایسی نیکنامی اور شہرت دوام حاصل کی جو کسی اور قوم اور کسی اور ملک والون کو نصیب نہین ہوئی۔ کنڈرگارٹن یعنی بغیر رسم خط اور تحریر کے سکھائے صرف کھیل تماشے کے ذریعے کل علوم فلسفۂ طبعی اخلاقی و ادبی کی تعلیم دیدینا جس کا فی الحال یورپ اور جرمن مین بہت رواج ہے اس کی ابتدا سلاطین یونان کے طرز عمل سے ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ وہان عموماً شاہزادون کی تعلیم کے لیے ایک نہایت پُرتکلف مکان تعمیر کیا جاتا۔ اُس مین سنہرے نقش و نگار بنائے جاتے۔ عمدہ عمدہ مورتین قائم کی جاتین۔ جا بجا مختلف قسم کی تصویرین لگائی جاتین۔ اور شبانہ روز نقرہ و طلائی انگیٹھیون مین عود و لوبان سلگتا رہتا۔ ایسے مکانون مین شب و روز

رہ کے شاہزادے کسی کامل و یگانۂ عصر اُستاد سے تعلیم پاتے۔ اور جب تعلیم ختم ہو لیتی
تو ایک مذہبی عید کے موقع پر اور جدید سامانوں سے وہ مکان آراستہ کیا جاتا۔
خود بادشاہ آتا۔ تمام امرائے دربار۔ معززین شہر اور علماء و فضلا آ کے جمع ہوتے۔
شاہزادہ نہایت پُرتکلف کپڑے اور مرصع تاج پہنا کے دولہا بنایا جاتا۔ مذہبی
عبادت کے بعد وہ ایک طلائی شہ نشین پر جا کے بیٹھتا۔ اور ایک تقریر یا خطبے کے
ذریعے سے مجمع عام مین اور باپ اور اُستاد کے سامنے اپنے علم و فضل اور تعلیم و
تربیت کا ثبوت دیتا۔ جس کے بعد اُس کی عزت کی جاتی۔ اور ملک مین وقعت
حاصل کرتا۔

اس دستور کے مطابق شاہ روفسطانیس نے جو افلاطون کا ہم عصر تھا اپنے
بیٹے نطافورس کے لیے ایک نہایت ہی پُرتکلف بیت الحکمت آراستہ کرایا۔ اور
افلاطون کو اُس کی تعلیم کا ذمہ دار قرار دیا۔ افلاطون روز آ کے علوم فلسفیہ پر لکچر
دیتا۔ اور خیال کرتا کہ نطافورس بخوبی سمجھ لیتا ہے۔ اور اُسکے بتائے ہوے مسائل
اُسے اچھی طرح یاد ہین۔ ان صحبتون مین ارسطوطالیس بھی شریک رہتا۔ مگر اس
طرح الگ الگ کہ افلاطون کو کبھی خیال بھی نہ گذرا کہ اُس کے ان لکچرون سے وہ
بھی کچھ فائدہ اُٹھا رہا ہے۔ آخر ایک مدت کے بعد امتحان کا وقت آیا۔ عید کا دن
تھا کہ وہ شاہی بیت الحکمۃ آراستہ کیا گیا۔ ہر طرف انگیٹھیون مین عود و لوبان سلگایا
گیا۔ شمعین روشن ہوئین۔ بادشاہ اور امرائے دولت آ کے اپنے قرینے سے بیٹھے۔
نطافورس دولھا بنایا گیا۔ عبادت سے فراغت ہوئی۔ اور نطافورس شہ نشین پر
جا کے بیٹھا کہ اپنے علم کا امتحان دے۔ لیکن سب کی امید کے خلاف وہ کچھ نہ کہہ سکا۔
اور سب پر ظاہر ہو گیا کہ تعلیم نے کسی قسم کا اثر نہین کیا اور شاہزادہ ویسا ہی جاہل
کا جاہل ہے۔ یہ حالت دیکھ کے افلاطون کو بڑی ندامت ہوئی۔ سب کے سامنے
معذرت کرنے لگا کہ مین نے کبھی اس کا امتحان نہین لیا۔ اور دل مین سمجھتا تھا کہ جو
کچھ بتاتا ہون یہ ازبر کر لیتا ہے۔ تاہم اس کا کچھ ثبوت نہ تھا کہ افلاطون نے شاہزادے
کو کچھ بتایا بھی تھا یا نہین۔ اور بتایا بھی تھا تو کیا بتایا تھا؟ تمام طلبہ کی طرف دیکھ کے
بولا "اور کوئی طالب علم ہے جو اس شہ نشین پر آ کے میری تعلیمات کا ثبوت دے؟

سنتے ہی ارسطوطالیس اُٹھ کھڑا ہوا - اور بولا "مَین" - مگر افلاطون سننے کو خیال
بھی نہ تھا کہ اس یتیم لڑکے نے کسی قسم کی علمی ترقی کی ہے - اُسکے دعوے کو فضول
تصور کرکے پھر لکارا "بھلا اور کون طالب علم اس شہ نشین پر آکے میری تعلیمات
کا ثبوت دے گا؟" پھر اُس کی اُمید کے خلاف ارسطوطالیس نے اُٹھ کے کہا "مَین"
اب افلاطون کو انکار کی کوئی وجہ نہ تھی - کہا "اچھا آؤ" - اشارہ پاتے ہی ارسطو
طالیس اپنے پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوے شہ نشین پر جا بیٹھا - اور ایک فصیح و بلیغ
تقریر کے ذریعے سے اُن تمام علوم و مسائل کا خلاصہ بیان کردیا جو افلاطون نے
نقافورس کو سکھائے تھے - ہر طرف سے "واہ واہ" کی آوازین بلند ہوئین اور
اس شکستہ حال یتیم کی لیاقت دیکھ کے سب لوگ عش عش کرگئے - خود بادشاہ
بروقسلاتیس کو اگرچہ اپنے بیٹے کی نالائقی کا بڑا افسوس تھا مگر ارسطوطالیس کی
جادو بیانی نے اُسے اس قدر محظوظ و مسرور کیا کہ حکم دیا "ارسطوطالیس کو بے تکلف
خلعت و تاج پہنائے جائین - اور جو اعزاز و اکرام آج شاہزادے کا کیا جاتا
اس ہونہار یتیم کا کیا جائے" افلاطون کی مُردہ امیدین بھی یکایک زندہ ہوگئین
اور سب کی طرف دیکھ کے بولا "یہی وہ سب علوم ہین جو مین نے نقافورس کو سکھائے
تھے - مگر قسمت سے لاچار ہون - اُس نے محرومیِ قسمت سے بھُلا دیے - اور ارسطوطالیس
نے یاد کرلیے جس کی طرف کبھی میرا خیال بھی نہین گیا تھا"

یہ تو اُن لوگون کا بیان ہے جو ارسطوطالیس کی نسبت کہتے ہین کہ وہ بچپن ہی
مین یتیم ہوگیا تھا - مگر جو اُس کے یتیم ہونے کے قائل نہین - بیان کرتے ہین کہ ارسطو
طالیس آٹھ سال کا تھا اور ہنوز بچہ ہی تھا کہ علم دوست باپ اُسے بلاد ایتھنز (ایتھنز)
مین لے آیا - اور مقام لوقین مین قیام کرکے ہونہار بیٹے کو مشہور اساتذۂ زبان
سے ملایا - جن کی صحبت مین تربیت پاکے اُس نے چند ہی روز مین علم نحو - بلاغت
اور شاعری مین اچھی لیاقت حاصل کرلی - نو سال تک اُن لوگون سے فیض اُٹھا چکنے کے
بعد اُس نے خواہ باپ کے ذریعے سے یا اپنے باپ کے وصی برقسانس کی رہبری سے یا اپنے
ذاتی شوق سے علوم اخلاق طبیعی - تعلیمی - الٰہی - اور سیاسی یعنی پولٹکس کی طرف توجہ کی
اور یہی زمانہ ہے جب سے افلاطون کا شاگرد بنا - اور اُس کی بارگاہ فیض سے فیضیاب ہو

ہونے لگا - مذکورہ بالا واقعے مین شاہزادہ نقانورس کے مقابل مین جوہر لیاقت دکھا
اور قابلیت ظاہر کرنے کے بعد افلاطون کو اُس سے بہت محبت ہوگئی تھی - اور جس
طرح ہر متبحر عالم کو ذکی اور محنتی طالب علم کی طرف خاص توجہ ہوا کرتی ہے اُسی طرح
افلاطون اُس کا بہت کچھ پاس و لحاظ کرتا تھا - چنانچہ معمول تھا کہ جب تک ارسطو
طالیس نہ آلیتا افلاطون تدریس کا سلسلہ جاری نہ کرتا - طلبہ اصرار بھی کرتے تو کہہ دیتا
ابھی لوگون کو آنے دو - بلکہ بعض اوقات اُس کی زبان سے نکل جاتا کہ ابھی وہ شخص
تو آیا ہی نہین جو علم مجسم یا سراپا عقل ہے " اور جہان ارسطو طالیس آجاتا فوراً تعلیم شروع
کردیتا اور پھر کسی کا انتظار نہ کرتا -

اس طرح اس نمود اور اس قدر و منزلت کے ساتھ ارسطو طالیس تیس سال تک
افلاطون کے علم و فضل سے فائدہ اُٹھاتا رہا - اور آخر اُس نے افلاطون کے دل مین
ایسی جگہ پیدا کرلی تھی اور اُسے اپنی ذہانت و لیاقت کا ایسا معترف بنا لیا تھا کہ
افلاطون نے جب دوسری دفعہ جزیرۂ صقلیہ کا سفر کیا تو اکادیمیا (اکاڈمی) مین تعلیم
دینے کے لیے اُسی کو اپنا قائم مقام اور اپنا جانشین بنا کے چھوڑ گیا تھا - اسکے بعد جب
افلاطون نے واپس آکے آکادیمیا کی تعلیم خود اپنے ہاتھ مین لی تو ارسطو طالیس نے
مقام لوقیون (لیسیم) مین ایک جداگانہ درس گاہ قائم کی - یونان مین ایک نئی تعلیم گاہ
قرار دی - اُس جدید حکمت کی بنیاد ڈالی جو حکمت مشائی کہلاتی ہے - اور اُس فلسفے کا آغاز
ہوا جو آج تک فلسفۂ الٰہی پر غالب ہے -

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ارسطو طالیس نے اپنے جدید فلسفے کی ترویج افلاطون کی
زندگی ہی مین شروع کردی تھی - اور فلسفۂ مشائی اُس نامی گرامی حکیم الٰہی کے سامنے
ہی قائم ہوگیا تھا - کیا عجب کہ اس نئی درس گاہ کے قائم ہونے کے ساتھ ایک نئے
فلسفے اور نئے اصول کا بھی جاری ہو جانا افلاطون کے مزاج کے خلاف گذرا ہو -
علی الخصوص جبکہ اُس نئے فلسفے کی بنیاد خاص اُسی کے شاگرد اور اُسی کی درس گاہ
کے ایک طالب علم کے ہاتھ سے پڑی تو یقین کیا جا سکتا ہے کہ افلاطون کی ضرور دلشکنی
ہوئی ہوگی - غالباً اسی وجہ سے بعض مورخین کہتے ہین کہ ارسطو طالیس نے اپنے اُستاد
افلاطون کے ساتھ اچھا سلوک نہین کیا - مگر یہ علم و تحقیق کا معاملہ تھا جس مین ایسی آزادیان

بجاے معیوب ہونے کے مستحسن ہین۔ اور اگر کسی غلط مسئلے کے تحقیق ہو جانے کے بعد بھی وہ سکوت کرتا تو بجاے اسکے کہ اُس کی تعریف کی جاتی اس حدیث کا مصداق بنتا کہ "اَلسَّاکِتُ عَنِ الْحَقِّ الشَّیْطَانُ الْاَخْرَسْ" جیسا کہ ہمارے زمانے کے بعض تقلید کی زنجیرون مین جکڑے ہوے علما کا حال ہے۔

افلاطون کے مرنے کے بعد ارسطو طالیس اترنوس کے بادشاہ ہرمیاس کے پاس گیا اور شہر نیسیا مین قیام پذیر ہوا۔ ہرمیاس کو اس فیلسوف یونان کے ساتھ جیسی محبت تھی اور اُسکے دربار مین ارسطو طالیس کی جیسی قدر و منزلت کی جاتی تھی اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ خاص ہرمیاس کی بہن اور اترنوس کی شاہزادی سے اُسکی شادی ہوئی۔ اور بادشاہ کا بہنوئی بن کے قوت و اثر کے ساتھ ملک مین علم و فضل کو ترقی دینے لگا۔

چند روز بعد جب ہرمیاس نے بھی آغوش لحد مین آرام لیا تو ارسطو طالیس پھر اثینیہ مین واپس آیا۔ اور اہل یونان کو حکمت مشائی کی تعلیم دینے مین مشغول ہو گیا اب فیلقوس کا زمانہ تھا۔ اور یونان کے تمام شہر اپنی پُرانی آزادی سے محروم ہو ہو کے فیلقوس کے آگے سر اطاعت جھکاتے جاتے تھے۔ فیلقوس نے اپنے ہوشیار بیٹے اسکندر کی تعلیم کے لیے ارسطو طالیس کو مقدونیہ مین بُلایا۔ اور ارسطو طالیس کو انکار کرنے کی کوئی وجہ نہ ہو سکتی تھی۔ گیا اور خوش نصیب شاہزادے کی تربیت مین مشغول ہو گیا جو آیندہ زمانے مین دنیا کا سب سے بڑا فاتح ثابت ہونے والا تھا۔ ارسطو طالیس نے اُس اُلوالعزم شاہزادے کو ایسی تعلیم دی کہ اُس کے عدل و انصاف نے اُسے دنیا کے اُن ممالک تک پہونچا دیا جہان تک کوئی فاتح بادشاہ درکنار شاید کوئی خانہ بدوش سیاح بھی اُس زمانے تک نہ پہونچ سکا ہوگا اور چاہے صاف طور پہ اقرار نہ کیا جائے مگر واقعات بتا رہے ہین کہ اسکندر کو اسکندر اعظم اور وہ زبردست فاتح صرف ارسطو طالیس نے اور اُس کی تربیت نے بنا دیا۔

اُس کی اچھی تعلیم کا پورا ثبوت اس ایک واقعے سے مل سکتا ہے کہ جب اسکندر کو تحصیل علم سے فراغت ہو گئی تو ارسطو طالیس نے ایک دن بُلا کے امتحان لیا۔ مختلف مسائل پوچھے۔ ذہین و طباع شاگرد نے سب سوالون کے بہت صحیح و برجستہ جواب

دے دیے۔ مگر ارسطوطالیس نے اس پر بھی اُس کو بیگناہ و بے قصور مار دا اور ایسا مارا کہ اسکندر کو بہت زیادہ تکلیف ہوئی۔ جو لوگ اس تماشے کو دیکھ رہے تھے انھون نے پوچھا "اس بےموقع اور غیر ضروری تادیب و سزادہی کی کیا ضرورت تھی؟" کہا "یہ ایک دن بادشاہ ہونے والا ہے۔ خدا کی بہت سی خلقت کی قسمت اس کے ہاتھ مین ہوگی۔ لہذا مجھے مناسب معلوم ہوا کہ اسے ایک دفعہ ظلم کی صورت دکھا دون اور مظلومی کا مزہ چکھا دون"

الغرض جب تک اسکندر بادشاہ ہو کے اور تاج شہریاری سر پر رکھ کے اپنی قلمرو پر حکومت کرنے لگا۔ ارسطوطالیس اُس کے ساتھ تھا۔ اور ہمیشہ ہر موقع پر اُسے نصیحت کرتا اور عمدہ مشورے دیتا تھا۔ مگر جب اسکندر نے اُلوالعزمی کے جوش مین ملک گیری کا ارادہ کیا اور فوجین مرتب کر کے ایشیا کی طرف چلا تو اُس نے ارسطوطالیس سے بھی ساتھ چلنے کی درخواست کی۔ ارسطوطالیس نے اپنے علمی مشاغل چھوڑ کے جانے سے انکار کر دیا۔ اور اپنے ایک عزیز قالتھینس کو اپنی طرف سے بادشاہ کا ہمدم و ہمراز اور مشیر باتدبیر بنا کے اور اُسے اپنی جگہ مقدونیہ مین چھوڑ کے دارالعلم اتھینیہ مین چلا آیا اور حسب سابق لوقیون (لیسیم) مین بیٹھ کے بڑے زور و شور سے اپنے فلسفۂ مشائی کی تعلیم دینے لگا۔ اس وقت یہان اپنی درس گاہ مین بیٹھنے کے بعد دس سال تک برابر مقیم رہا۔ اسی زمانے مین اُس نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا۔ اور اُسکے معرکۃ الآرا اور ہمیشہ زندہ رہنے والے تصانیف اُسی وقت کے لکھے ہوے ہین۔ تصنیف و تالیف اور تعلیم و تدریس کے ساتھ ہی ساتھ وہ اپنے نیک اخلاق اپنی فیاضی اور اپنے عمدہ مشورون سے سارے شہر اتھینیہ کو بھی فائدہ پہونچا رہا تھا۔ جہان تک بنتا لوگون سے بھلائی کرتا۔ ضعیفون کی ہمدردی کرتا۔ محتاجون کا حاجت روا بنتا۔ بیواؤن کے نکاح کراتا۔ یتیمون کی خبر گیری کرتا اُنھین تعلیم دلاتا۔ اور جو طلبہ شوق علم مین آتے اُنکی مدد کرتا۔ اور اپنی درس گاہ مین شریک کرنے کی عزت دیتا۔ اس کے علاوہ عام اہل شہر کو بھی وہ فیاضی اور خوش اخلاقی پر آمادہ کرتا رہتا۔ اور یہی نہین اُنھین امور تمدنی اور پالٹکس مین بھی پوری مدد دیتا۔ ادب و اخلاق کی یہ حالت تھی کہ چھوٹے بڑے قوی و ضعیف

غرض ہر شخص سے نہایت ہی لینت و خاکساری سے پیش آتا - اور دوستون کے لیے اُس سے اچھا کوئی دوست اور ہمدرد نہین نصیب ہو سکتا تھا - اسی وقت نہین بلکہ اس سے پیشتر بھی جب وہ فیلقوس کے دربار مین تھا اہل اثینیہ کی ہمدردی اور مدد کو تیار رہتا تھا - اپنی قوت بھر اُن کو نفع پہونچانے مین کوئی دقیقہ نہین اُٹھا رکھتا تھا - ظاہر مین تو وہ شاہزادۂ اسکندر کو تعلیم دے رہا تھا مگر اُسوقت بھی خاص فیلقوس سے اصرار کر کے اثینیہ والون کے ساتھ بڑی بڑی رعایتین کرا دی تھین - اور سارے اثینیہ مین کوئی نہ تھا جو اُس کا شیفتہ اور اُسپر جان فدا کرنے کو تیار نہ ہو -

مگر اس پر بھی دنیا حسد سے خالی نہ تھی - بعض لوگون کو اور خصوص اُن لوگون کو جو لکیر کے فقیر اور پرانی رسمون کے دلدادہ تھے اُس ہمیشہ زندہ رہنے والے فیلسوف سے عداوت ہو ہی گئی - اور وماؤن نام ایک کاہن جو فرقۂ کمرینین سے تعلق رکھتا تھا - اُس کا دشمن ہو گیا - اُس پر کفر و بے دینی کا الزام لگایا - اور مشہور کر دیا کہ جن بتون اور دیوتاؤن کی فی الحال پرستش کی جاتی ہے ارسطو طالیس اُن کی کما حقہ تعظیم و تکریم نہین کرتا - اور سبب یہ تھا کہ دماؤن کے دل مین اُس کی طرف سے ایک پرانا بغض تھا - جس کی بنا پر مذہب کی آڑ پکڑ کے اُس نے ارسطو کو ملزم ٹھہرایا - یہ الزام اتنے درجے تک ترقی کر گیا تھا کہ ارسطو طالیس کو سقراط کی طرح ایک معذرت نامہ لکھ کے مجسٹریٹون کے سامنے پیش کرنا پڑا مگر وہ دل کا اتنا مضبوط نہ تھا جتنا کہ سقراط تھا - سقراط الزام دیے جانے کے بعد بھی نہایت استقلال کے ساتھ اثینیہ ہی مین ٹھہرا رہا - اور موقع پانے پر بھی اُس نے کہین جانے کا قصد نہین کیا تھا - بخلاف اسکے ارسطو طالیس یہ معذرت نامہ پیش کرتے ہی اثینیہ چھوڑ کے تراقیہ (تھرلیس) کے شہر خلقیدیقی مین جسے اب خالقیس کہتے ہین چلا گیا - اور کیون نہ جاتا - الزام کا نام سنتے ہی سقراط کی تصویر اُس کی آنکھون کے سامنے پھر گئی جسے ادب آموزی - اخلاق نیک - اور خدا پرستی کے الزام پر سزائے موت دی گئی تھی -

اس دفعہ اثینیہ سے جانے کے بعد ارسطو طالیس کو پھر اُس شہر مین واپس آنا نصیب نہ ہوا - باقی ماندہ زندگی اُس نے خلقیدیقی ہی مین بسر کی - اور وہین

رہتے رہتے رہ گرائے عالم تھا ہوا۔ اُس کی موت کی نسبت مورخین مختلف ہین۔ بعض کہتے ہین زہر کھاکے اپنی زندگی کا چراغ خود ہی گل کر دیا۔ بعض کہتے ہین آبنائے اَریپوس مین ڈوب کے جان دی۔ اور بعض کا بیان ہے کہ نہین وہ معمولی موت مرا۔ بہرحال جو کچھ ہو حضرت رسالت سے ۹۸۴ سال پیشتر اُس دوسرے ابدی عالم مین جاکے مقیم ہوا جہان سے اپنی علمی برکتین آج تک دنیا مین پہونچاتا ہے اور قیامت تک پہونچاتا رہے گا۔

آخر عمر مین باوجود بعض خفیف مخالفتون کے اُس نے نہایت ہی عزت سے زندگی بسر کی۔ جہان جاتا ہاتھون ہاتھ لیا جاتا۔ معاصر بادشاہ اور فرمان روا بہت تعظیم و تکریم کرتے۔ جس کی زیادہ تر یہ وجہ تھی کہ ایک فلسفی ہونے کے ساتھ وہ ایک بہت بڑا پالیٹشن بھی تھا۔ اور اکثر معاملات مین سلطنت اور رعایا کے درمیان مین واسطہ قرار پایا گیا تھا۔ اور غالباً اسی وجہ سے دنیا کے دیگر فلسفیون کی طرح وہ مفلس و نادار نہین مرا۔ بلکہ بہت کچھ دولت وحشمت عزت و حرمت اور لونڈی غلام چھوڑ گیا جن کی وارث صرف دو اولادین تھین۔ ایک بیٹا اور ایک بیٹی۔ ان دونون کی تعلیم و تربیت اور اپنی جائداد متروکہ کے متعلق وہ مرتے وقت ایک بہت طولانی وصیت نامہ لکھ گیا جس کی رو سے تمام متعلقین اور غلامون تک کو کچھ نہ کچھ ضرور دیا ہے۔

ارسطو طالیس کے مرنے کے ایک مدت بعد اہل اسطاغیرا یعنی اُس کے وطن کے لوگ اُس کی ہڈیون اور خاک کو ایک تانبے کے صندوق مین بھر کے اپنے شہر مین لے گئے۔ اور اُس جگہ دفن کر دیا جو مدت ہائے دراز تک ارسطو طالیس کے نام سے مشہور رہی۔ چند روز مین وہ جگہ مرجع عالم بن گئی۔ اکثر لوگ سیر و تفریح کے لیے وہان جایا کرتے تھے۔ اور اُسی کی قبر پر بیٹھ کے اپنے معاملات کے متعلق مشورہ کرتے مگر سب سے بڑھ کے یہ حسن عقیدت تھا کہ علم و حکمت کا کوئی مُغلق و اہم مسئلہ پیش آتا تو اُسی کی قبر پر آکے باہم مباحثہ کرتے۔ اور اُس فیلسوف بے ہمتا کی روحانی برکت سے وہ مسئلہ حل ہو جاتا۔ یونانیون کا عموماً یہ اعتقاد تھا کہ ارسطو طالیس کی قبر پر آنے سے ذہن صاف اور دماغ صحیح و لطیف ہو جاتا ہے۔ اور انسان اُن

مشکل رموز کو حل کر سکتا ہے جن کو یون نہین حل کر سکتا۔

ارسطوطالیس کے شاگردون کا شمار بہت ہے۔ اُن مین صرف معمولی طبقے کے لوگ نہین بلکہ امرا اور رؤسا اور سلاطین و فرمان روا تک ہین۔ سب سے بڑا نامی بادشاہ فاتح اسکندر رجیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے اُس کا شاگرد تھا۔ اُسکے علاوہ تاؤفرسطس۔ اودیوس۔ ارمینوس۔ اسخولوس وغیرہ اُسکے ارشد اور صاحب اثر تلامذہ مین ہین۔ ان مین سے پہلا یعنی تاؤفرسطس اُس کا خالہ زاد بھائی بھی تھا۔ اور یہی وہ شخص تھا جس نے ارسطوطالیس کے بعد اُسکی مسندِ اُستادی پر بیٹھکے لوگون کو درس دیا۔ اور وہی ارسطو کی ایجاد کی ہوئی علمتِ مشائی کا سب سے بڑا رواج دینے والا اور داعی بنا۔ جس کام مین ارمینوس اور اسخولوس اُسکے مددومعاون تھے۔ ان لوگون نے صرف یہی نہین کیا کہ ارسطوطالیس کی درس گاہ کو آباد رکھا بلکہ اصول مشائی کے متعلق کتابین تصنیف کین اور دُنیا کو بتا دیا کہ ارسطوطالیس کیسا اور کس پائے کا حکیم تھا۔

یہ حالات سُن کے تمھارے دل مین ارسطوطالیس کی صورت دیکھنے کا شوق پیدا ہوا ہوگا۔ آؤ ہم اُس کی تصویر دکھا کے تمھین اُس سے انٹروڈیوس بھی کرا دین۔ خیال کی آنکھین کھول کے دیکھو کہ کوئی شخص تم سے ملنے کو آیا ہے۔ یہ ایک خوش رُو آدمی ہے۔ گورا دُبلا۔ چندیا مین بہت سے بال گر گئے ہین۔ قد میانہ اور خوبصورت ہے۔ بڑی بڑی اور چوڑی چوڑی ہڈیان۔ گھنی داڑھی۔ چھوٹی چھوٹی اور شربتی آنکھین۔ اوپر کو اُبھری ہوئی خمدار ناک۔ چھوٹا سا دہانہ۔ اور چوڑا سینہ۔ اس حُلیے کے ساتھ اُس کی شان یہ ہے کہ جب تنہا ہوتا ہے تو بہت تیز چلتا ہے اور جب کسی کے ساتھ ہوتا ہے تو اُسکے آرام دینے اور اُس کی صحبت سے فائدہ اُٹھانے کے لیے بہت آہستہ آہستہ۔ شب و روز کتب بینی اور مطالعے مین زندگی بسر کرتا ہے۔ بیہودہ لفظ کبھی زبان سے نہین نکالتا۔ ہر بات سُن کے رُک جاتا ہے۔ سر جھکا لیتا ہے۔ اور خوب غور کر لینے کے بعد جواب دیتا ہے۔ اور پھر وہ جواب بھی نہایت ہی مختصر ہوتا ہے۔ اکثر صبح کے اوقات مین تم اُسے سیر و تفریح مین مشغول۔ اور مرغزارون۔ صحراؤن۔ اور نہرون

کے کنارے قدرت کے باغ سے لطف اٹھاتے پاؤگے - سماع اور موسیقی کا نہایت ہی شائق ہے - ہر نغمہ اور ہر سُریلی آواز اُس کے دل پر اثر کر جاتی ہے - باطنی قوت بڑھانے والون اور اہل ریاضت اور نفس کُشی کی صحبت کو پسند کرتا ہے - اور نیز اُن لوگون کی صحبت کو جو مُنہ پھٹ ہین اور خود اُس کے اقوال و افعال پر نکتہ چینی کرتے ہین - بحث و مباحثہ مین مخاصم کے قول کے ساتھ ہمیشہ انصاف کرتا ہے - اپنے دعوے کے خلاف فیصلہ کرنے پر فوراً آمادہ ہو جاتا ہے - اور اپنی غلطی تسلیم کر لینے مین اُسے ذرا تامل نہین ہوتا - لباس مین اور کھانے پینے مین ہمیشہ اعتدال سے کام لیتا ہے اور اکثر دیکھوگے کہ اُسکے ہاتھ مین اصطرلاب ہے جس سے وہ دولے کے علم ہیأت کے دقائق حل کر رہا ہے -

اہل اثینیہ اُس کا اس قدر احسان مانتے تھے اور اُس کی خوبیون کے ایسے گرویدہ تھے کہ اُسکے مرنے کے بعد سب نے جمع ہو کے اور باہم مل کے اپنے اُس واجب محسن کی یادگار مین شہر کے ایک بلند مقام پر ایک بلند ستون قائم کرایا اور اُس مین یہ عبارت کندہ کرا دی "ارسطو طالیس بن نیقوماجس متوطن اسطاغیرا اپنی نیکیون احسانون اور ہمدردیون کی وجہ سے اور علی الخصوص اُن مہربانیون کی وجہ سے جو اُس نے فیلقوس بادشاہ کے پاس رہنے کے زمانے مین اہل اثینیہ کے حال پر وقتاً فوقتاً کین اس بات کا مستحق ہے کہ اہل اثینیہ اُسکے شکر گذار ہون اُسکے فضل اور اُس کی بزرگی کا اعتراف کرین - اس طرح کہ اُنکی یہ احسانمندی ہمیشہ نسلاً بعد نسلٍ یادگار رہے"

اتفاقاً حاسدون مین سے اَیکاراؤس نام ایک شخص کو اہل اثینیہ کا یہ فعل پسند نہ آیا اس لیے کہ وہ مدت سے ارسطو طالیس کا دشمن تھا - اور اُس کی اس قدر و منزلت کو نہ دیکھ سکتا تھا - ایک دن سب کی آنکھ بچا کے وہ اُس ستون کے قریب گیا - اور میدان خالی پا کے اُسے کھود کے گرا دیا - اس کا حال معلوم ہوتے ہی اہل اثینیہ مین اس قدر جوش پیدا ہوا کہ انطینوس نام ایک شخص نے بے اختیار ہو کے اَیکاراؤس کو قتل کر ڈالا - اور اصطفانوس نام ایک سردار نے سب کو جمع کر کے حسب سابق وہ ستون دوبارہ تعمیر کرا دیا تو لوگون کو چین آیا - جس مین اب ارسطو طالیس کے احسانات

اور اُس کی تعریفوں کے ساتھ ایاز اُس کی وہ حرکت - قوی گمراہی - اور ناشکری بھی ہمیشہ کے لیے یادگار بنائی گئی -

ارسطو طالیس نے مرتے وقت وصیت کردی تھی کہ اُس کے مقبرے کی عمارت اندر سے ہشت پہل بنائی جائے - اور اُسکے ہر پہلو پر یہ آٹھ کلمات اس ترتیب سے لکھ دیے جائیں -
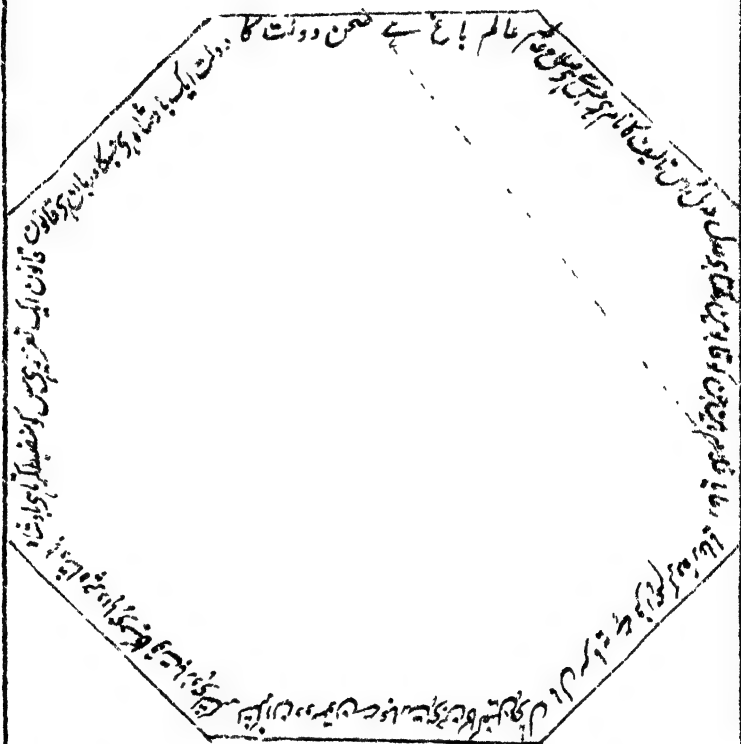
یہی فلسفی یونان کا سب سے پچھلا حکیم ہے جس کے بعد سے رومیوں کے اقبال کے مقابلے مین یونان کا تنزل شروع ہوا۔ اور ایسا تنزل کہ پھر یونان کو اُس پائے کے حکیم اور فلسفی نہین نصیب ہوے - لیکن اسکے ساتھ باوجود آخری حکیم ہونے کے وہ اس رتبے کا شخص تھا کہ اُسے خاتم الحکما کہیے تو زیبا ہے - اور اسی وجہ سے اہل حکمت نے خصوص فلاسفۂ اسلام نے اُسے معلم اول کا خطاب دیا ہے جس کا ہمرتبہ اسلام مین صرف ابونصر فارابی تھا جس نے علم فلسفہ کو یونان سے ترجمہ کرکے اپنی طباعی و خوش فکری کے ایسے ایسے کمالات

دکھائے کہ معلم ثانی کہلاتا ہے۔

ارسطو طالیس علم منطق کا موجد تسلیم کیا جاتا ہے۔ جسکے معنی دوسرے الفاظ میں یہ ہوے کہ طریقۂ استدلال کو اُسی نے ایجاد کیا۔ مگر ایسا خیال کرنا غلطی ہے۔ اس لیے کہ جب سے انسان ہے اُس وقت سے استدلال بھی ہے۔ دلیل لانا اور اپنے دعوے کی توجیہ کرنا انسان کی ایجاد کی ہوئی چیز نہین بلکہ فطرت کی تعلیم ہے۔ بات یہ ہے کہ افلاطون اور اُس کے ہمخیال حکماے روحانیین کیفیت واثر کو دیکھتے تھے اور اُس چیز کے دلدادہ تھے جسے ہماری اصطلاح مین حال کہتے ہین۔ بخلاف اُنکے ارسطو طالیس نے قال کی طرف توجہ کی۔ استدلال کے طریقے منضبط کیے۔ اور وہ اشکال اربعہ مدون کیے جن کی پابندی مین انسان کسی دعوے کے ثابت کرنے کے لیے نہایت خوش اسلوبی سے دلیل لا سکتا ہے۔ اور یہی طریقۂ استدلال اُس کی وہ حکمت مشائی ہے جس کا مسلمانون مین بہت شہرہ تھا۔ اور جس کی پیروی آخر تک تمامی فضلاے اسلام کرتے رہے۔ ہم اُس کے فلسفے کو زیادہ وضاحت سے بیان کرتے مگر افسوس نہ اُس مین دلچسپی ہوگی اور نہ دلگداز مین اتنی گنجایش ہے۔

سقراط

سقراط یونان کا سب سے زبردست۔ سب سے عالی خیال۔ اور سب سے زیادہ نیک نفس فلسفی ہے۔ اور واقعی اگر اس حیثیت سے دیکھا جائے کہ فلسفہ و حکمت نفس انسانی پر کیسا اچھا اثر ڈالتے ہین تو شاید سقراط سے زیادہ مکمل نمونہ ساری دنیا نہ پیش کر سکے گی۔ فلسفیون مین اکیلا ہی شخص ہے جس مین پیمبری کی شان پائی جاتی ہے۔ اور حقیقت مین اصول اسلامیہ کے مطابق اگر اُس کی پیمبری کا دعوے کیا جائے تو کسی کو انکار کی کوئی وجہ نہین ہو سکتی۔ اُس کی شان و حالت حضرت خلیل اللہ ابراہیمؑ سے ملتی جلتی ہے۔ اور اگر فرق ہے تو بس اتنا کہ جناب خلیل اللہ خدا پرستی کی سزا سے بچ کے ارض کنعان مین چلے آئے۔ اور بے چارہ سقراط جان بچا نہ ہو سکا۔

سقراط کو یونانی سقراطیس کہتے تھے۔ جس کے معنی اُن کی زبان مین "عدل پرور"

گے تھے۔ یونان کے دارالسلطنت اثینیہ مین سفرونیقس نام ایک بُت تراش تھا۔ اُسی کو سقراط کا باپ ہونے کی عزت حاصل ہے۔ مگر ویسی ہی عزت جیسی کہ آذر بُت تراش کو حضرت ابراہیم کے باپ ہونے سے حاصل ہوئی تھی۔ ہوش سنبھالتے ہی سقراط نے بھی خاندانی صنعت حاصل کرنی شروع کی۔ جس کی اُن دنون یونان مین بہت قدر تھی۔ صرف قدر ہی نہین۔ بُت پرستی وہان کا عام مذہب ہونے کی وجہ سے یہ پیشہ موجب ثواب وبرکت خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن اسی اثنا مین قریطو نام ایک دولتمند فلسفی نے اُس کی طباعی وذہانت کا اندازہ کرکے اُسے تحصیل فلسفہ کی طرف متوجہ کیا۔ اس طرح سقراط نے آبائی کام چھوڑ کے مسائل الٓہی اور رموز حکمی دریافت کرنے کی طرف توجہ کی۔ علامہ ابن ابی اُصیبعہ لکھتے ہین کہ ان دنون یہ مشہور ومعروف فیلسوف یونان فیثاغورث کی شاگردی کررہا تھا۔ اور ینبدقلیس نام ایک قدیم حکیم یونان کے اصول کا پیرو تھا۔

اس زمانے مین اُس نے ایک جوان یانہ سپاہی کی حیثیت سے فوجی خدمات بھی سرانجام دیئے۔ اور اپنے وطن کی حمایت کا ثواب کمایا۔ مگر اس واقعے کو عربی محققین نے اس عنوان سے لکھا ہے کہ لوگ یونان فلسفیون اور حکیمون کی ایسی ہی قدر کرتے تھے جیسی کہ دیوتاؤن اور مذہبی مقتداؤن کی کی جاتی ہے۔ لہذا اکثر لڑائی کے موقعون پر بھی اُنھین تبرکاً وتیمناً فوج کے ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ اسی رسم کے مطابق یونان کا فرمان روا ایک مرتبہ سقراط کو اپنی فوج کے ساتھ میدان جنگ مین لے گیا۔ مگر سقراط بجائے سپاہیون مین رہنے اور اُن سے ملنے جلنے کے ایک خلوت کے مقام مین بیٹھا رہتا۔ اور جب آفتاب نکلتا تو دھوپ کھانے کے لیے باہر آبیٹھتا۔ ایک دن اتفاقاً بادشاہ اُس طرف سے گذرا جہان سقراط بیٹھا دھوپ کھارہا تھا۔ اُس کی صورت دیکھتے ہی بادشاہ نے کہا "آپ میرے پاس کیون نہین آتے؟" جواب دیا "فرصت نہین ہوتی۔" پوچھا "آخر آپ کیا کیا کرتے ہین؟" کہا "صرف وہی کام جس سے زندگی قائم ہے۔" بادشاہ نے حیرت سے کہا۔ "یہ کون بڑی چیز ہے؟ یہ تو آپ کے لیے میرے پاس ہروقت موجود ہے۔ جب اور جس وقت آیئے حاضر کردون گا۔" سقراط نے کہا "اگر یہی امید ہوتی تو مین کبھی آپ کا

دروازہ نہ چھوڑتا"۔ اب بادشاہ نے یہ بات چھوڑ کے پوچھا "اور ہاں میں نے سنا ہے کہ آپ کہتے ہیں بت پرستی سے نقصان پہونچتا ہے؟" سقراط بولا "نہیں یہ تو میں نے نہیں کہا"۔ پوچھا "پھر کیا کہا؟" بولا "میرا تو یہ قول ہے کہ بت پرستی بادشاہ کے لیے مفید ہے۔ اور سقراط کے لیے مضر۔ اس لیے کہ بادشاہ اسی مذہب کے ذریعے سے رعایا کا انتظام کرتا ہے۔ اور خراج حاصل کرتا ہے۔ بخلاف اس کے سقراط کو یقین ہے کہ بت پرستی سے نہ کوئی نفع ہو سکتا ہے اور نہ کوئی ضرر پہونچ سکتا ہے۔ اُسے تو ایک خالق مطلق کا اعتقاد ہے جو اُسے روٹی دیتا ہے۔ اور ہر بُرے بھلے کام کا اُسے بدلہ دے گا"۔ یہ سُن کے بادشاہ نے کہا "اچھا یہ فرمائیے کہ آپ کو کسی چیز کی حاجت تو نہیں ہے؟" کہا "جی ہاں ہے۔ بس اسی قدر کہ گھوڑے کی باگ موڑ کے چلے جائیے اور میری دھوپ چھوڑ دیجیے"۔ اب بادشاہ نے اُس کی اس بے نفسی پہ عش عش کر کے خلعت فاخرہ اور کچھ مال و دولت منگوا کے دینا چاہا۔ مگر سقراط نے انکار کیا اور کہا "بادشاہ۔ تو نے تو اُس چیز کے دینے کا وعدہ کیا تھا جس سے زندگی کو قیام ہو۔ حالانکہ دے وہ چیز رہا ہے جس سے موت کو قیام ہے۔ سقراط کو زمین کے پتھروں (جواہرات) گھاس کے ریشوں (کپڑوں) اور کیڑوں کے لعاب دہن (ریشمی کپڑوں) کی ضرورت نہیں ہے۔ اور جس چیز کی اُسے واقعی ضرورت ہے وہ چاہے جہاں اور جس جگہ ہو اُس کے پاس رہتی ہے"۔ اس جواب نے بادشاہ کو ایسا لاجواب کیا بجز اس کے کہ چپکے واپس چلا جائے اور کچھ نہ بن پڑی۔

سقراط نے بہت دنوں تک طیماتاؤس نام ایک زبردست فلسفی کی شاگردی کی۔ اور اپنے فلسفیانہ مذاق میں زیادہ تر اُسی کے نقش قدم پہ چلتا تھا۔ تعلیم دینے کے زمانے میں طیماتاؤس اُسے کچھ لکھنے کی اجازت نہ دیتا تھا بلکہ مجبور کرتا تھا کہ ہر چیز کو زبانی یاد کر لیا کرے۔ ایک دن سقراط نے اُس سے کہا "آپ مجھے لکھنے کی اجازت کیوں نہیں دیتے؟" طیماتاؤس بولا "علم الٰہی اور رموز حکمت کا مُردار جانوروں کی کھال پر رہنا اچھا یا انسان کے زندہ دل پر؟ اگر راستے میں کوئی شخص تم سے کوئی مسئلہ پوچھ بیٹھے تو کتاب دیکھنے کے لیے گھر دوڑے جاؤ گے؟" یہ بات اُس کے دل میں جم گئی۔ اور اسی وجہ سے وہ اپنے تمام شاگردوں کو لکھنے اور تصنیف و تالیف سے منع کرتا تھا۔

اپنے علمی ذوق میں اس قدر ڈوبا ہوا تھا اور علم و حکمت کی شرافت کو اس پایہ پہ مانتا تھا کہ ان مسائل کا چمڑے یا حریر (ان دونوں کا غذ نہ تھا) پر لکھنا اسکے خیال میں بے ادبی و گستاخی میں شامل تھا۔ وہ کہتا اور دعویٰ کرتا ہے کہ حکمت پاک اور مقدس چیز ہے۔ نہ اس میں کوئی خراب چیز ہے اور نہ اس میں کسی قسم کی نجاست ہے۔ لہذا اس کی شان اس سے اعلیٰ وارفع ہے کہ اسکے مضامین لوح دل کے سوا کسی اور چیز پر ثبت کیے جائیں۔ اور اسی وجہ سے اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ اس نے بجاے فائدہ پہونچانے کے علم و فضل کو ضرر پہونچا دیا کیونکہ سوا پڑھا دینے اور شاگردوں کو سکھا دینے کے نہ کبھی کوئی مضمون اس نے خود لکھا اور نہ اپنے باغ کے خوشہ چینوں میں سے کسی کو لکھنے دیا۔ تاہم دنیا میں حکمت و فلسفہ کا جہان تھا و جس قدر رواج ہوا ہے سب اسی کی برکت ہے۔ اس لیے کہ افلاطون و ارسطوطالیس جو فلسفے کے زبردست ارکان اور پہلے مروج تسلیم کیے جاتے ہیں دونوں نے اپنے چراغ علم ہی کے چراغ سے روشن کیے تھے۔

افلاطون سے بھی زیادہ تر خدا پرستی اور علوم روحانیہ میں منہمک رہنا سقراط کی زندگی کا طرز عمل تھا۔ دولت و حشمت کو وہ ذلیل و ہیچ خیال کرتا تھا۔ اور فخر و نخوت کو انسان کا سب سے بڑا عیب۔ آخر اسی تصوف کے دریا میں غوطے لگاتے لگاتے اور الٰہیات کے آسمان پر عروج کرتے کرتے اس درجے کو پہونچ گیا کہ بے اختیار ہو کے صدائے توحید بلند کی۔ ملک اور قوم میں ہر طرف بت پرستی کا رواج تھا اور صنم پرستی یونانیوں کا عام مذہب بنی ہوئی تھی۔ سقراط نے ایک پیغمبر کی شان سے بے خوف و خطر کہنا شروع کیا کہ ان بتوں کی پرستش چھوڑو جو پتھرے کاٹ کاٹ کے بنائے گئے ہیں۔ نہ بول سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں۔ نہ ان میں کسی قسم کی حس و حرکت ہے "ماہذہ التماثیل التی انتم لہا عاکفون"۔ عبادت صرف اس ایک خدائے واحد بزرگ کے لیے ہے جو پاک و صاف ہے۔ سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ حلیم و دانا ہے۔ جسے ہر بات کی قدرت ہے۔ اور ہر چیز اسکے اختیار میں ہے۔ لہذا اسی کی پرستش کرو۔ نیکی کرو۔ برے کاموں سے بچو۔ اور اپنے فحش و غیر مہذب حرکات سے توبہ کرو۔

یہ خبر جیسے ہی مشہور ہوئی یونانیوں کا مذہبی مقتدا۔ بڑے بڑے بت خانوں کے

بچاری۔ اور سلطنت کی کونسل کے تمام ارکان بگڑ گئے۔ ہر طرف سخت برہمی پیدا ہوئی۔ اور آخر اثینیہ کے قاضیون اور مجسٹریٹون نے بالاتفاق اُس کے واجب القتل ہونے کا فتوے دے دیا۔ فرمان رواے اثینیہ کو اگرچہ یہ فتوی نہایت ہی ناگوار تھا۔ مگر مجبور تھا اور اُس کے اختیار سے باہر تھا کہ کونسل کے فتوے کو مسترد کر دے۔ تاہم اُس نے اتنی مہربانی ضرور کی کہ سقراط سے پوچھا "آپ جس طرح قتل ہونے کو پسند کرین وہی طریقہ عمل مین لایا جائے"۔ سقراط نے زہر پی کے جان دینے کو پسند کیا۔ اور یہی طریقہ منظور کیا گیا۔ ان دنون معمول تھا کہ ہر سال ایک جہاز یونانیون کی نذرین اور چڑھاوے کی چیزین لیکے اپالو کے مندر کو جایا کرتا۔ اپالو یونانیون کا سب سے بڑا دیوتا تھا جو دنیا مین سورج کا مظہر خیال کیا جاتا تھا۔ یہ جہاز جبتک وہان سے واپس آ لیتا اور جبتک نذرونیاز کی چیزون کے قبول ہو جانے کا یقین نہ ہو لیتا اُس وقت تک کسی مجرم کو موت کی سزا نہ دی جاتی۔ موسم خراب ہونے اور سمندر مین تلاطم ہونے کی وجہ سے اس زمانے مین جہاز کی روانگی لین بہت دیر ہو گئی۔ جس کی وجہ سے بیچارہ سقراط واجب القتل ٹھہرائے جانے کے بعد بھی کئی مہینے تک قید خانے مین پڑا رہا۔ قید مین وہ نہایت ہی استقلال و بامردی سے موت کا انتظار کرتا تھا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ اُسکے شاگردون اور عزیزون کو اجازت تھی کہ جب اور جس وقت چاہین اُس سے آکے مل جائین۔

اب جہاز کے آنے کو دو ہی چار روز رہ گئے تھے۔ اور اُس کے شاگرد اور قدردان سہمے ہوے تھے کہ قیامت کی گھڑی سر پر آیا چاہتی ہے۔ انھین دنون اُس کا شاگرد رشید اقریطون قید خانے مین اُس سے آکے ملا۔ اور بولا "جہاز آج ہی کل مین آیا چاہتا ہے۔ پھر اُسکے آجانے کے بعد کوئی تدبیر نہ بن پڑے گی۔ مین نے داروغہ محبس کو راضی کر لیا ہے کہ چار سو روپیہ لے کے آپ کو نکل جانے کا موقع دے دے۔ آپ بس اتنا کیجیے کہ رات کو چپکے سے نکل کے روم مین چلے جائیے۔ جہان آپ آزادی سے رہین گے۔ اور کوئی آپ کا بال بیکا نہ کر سکے گا"۔ سقراط نے کہا "اقریطون۔ تم جانتے ہو کہ مین چار سو درہم کا بندوبست کسی طرح نہین کر سکتا نہ اتنا روپیہ نقد میرے پاس موجود ہے۔ اور نہ اتنا اسباب رکھتا ہون کہ اُسے بیچ باچ کے فراہم کر سکون"۔ اقریطون بولا "میرا مطلب یہ تھا کہ آپ روپے کی

فکر کیجیے - اس کا بند وبست مین کر لون گا - آپ صرف اس کا اقرار کیجیے کہ قید خانے
سے نکل کے چلے جائیے گا" اس کا جواب سقراط نے یہ دیا کہ" یہ سزا جو مجھے دی
گئی ہے خود اپنے وطن اور اپنی قوم کی طرف سے دی گئی ہے - تم دیکھ رہے ہو کہ ان
لوگون نے مجھے قید کیا - اور قتل کرنا چاہتے ہین - اور پھر یہ بھی جانتے ہو کہ مین اس
سخت سزا کا مستحق نہین ہون - نہ مین نے کوئی جرم کیا ہے نہ کسی کا کچھ بگاڑا ہے بلکہ
میرا جُرم صرف یہ ہے کہ ظلم وطغیان کی مخالفت کرتا ہون - اور لوگون کو کفر والحاد
او خدا کی ناشکری سے روکتا ہون - بُت پرستی کو بُرا کہتا ہون وہ شرک کی بُرائیان
ظاہر کرتا ہون - میری حالت کسی طرح بدل نہین سکتی - جہان جاؤن گا اور
جب تک زندہ رہون گا اسی اصول پر قائم رہون گا - اور یونہین لوگون کو
ہدایت کرنے کی کوشش کرون گا - پھر روم مین کیا ہے؟ جہان جاؤن گا یہی
حال ہوگا - اور جس سرزمین پر ہون گا یہی فساد اُٹھ کھڑا ہوگا - اور اس کی سزا
جب اہل وطن اور دوستون سے یہ ملی ہے تو غیر قوم والے تو اس سے بھی سخت
سزا دین گے - انھین تو ہم وطنی کا تھوڑا بہت پاس ولحاظ بھی ہوگا مگر غیرون
سے اتنی اُمید بھی نہین کی جا سکتی" یہ سن کے اقریطون بولا" اگر آپ کو اپنے
اوپر ترس نہین آتا تو اپنے اہل وعیال اور بال بچون پر تو ترس کھائیے" سقراط
نے کہا" اس حیثیت سے بھی میرا روم جانا نہین مناسب ہے - وہان میرے بعد
اُن کا نہ کوئی حامی ہوگا - نہ پُرسان حال - اور یہان تم لوگ موجود ہو جن سے ہر طرح
لطف وشفقت کی امید ہے" آخر اقریطون لاجواب ہو کے خاموش ہو رہا - اور نہایت
حسرت واندوہ کے ساتھ قید خانے سے چلا آیا -

اسکے تیسرے دن وہ قیامت کی گھڑی آگئی جبکہ سقراط دنیا سے رخصت ہونے
والا تھا - صبح ہوتے ہی قید خانے کے باہر تمام شاگردون کا ہجوم ہوگیا - وہ لوگ
ہجوم کیے ہوے تھے کہ قید خانے کا داروغہ دروازہ کھول کے اندر سقراط کے
پاس گیا - پھر دولت کی کونسل کے گیارہ ارکان آئے - اور چند لمحہ اُسکے پاس
ٹھہر کے چلے گئے اب سقراط کے پیرون سے زنجیرین کھول دی گئین جنھون نے ایام
اسیری مین وہ عجیب جکڑ رکھا تھا - اور شاگردون اور عزیزون کو اجازت

دی گئی کہ اپنے اُستاد و عزیز کا آخری دیدار دیکھ لیں - اجازت پاتے ہی یہ سب لوگ اندر گئے - اور سقراط کے آس پاس بیٹھ گئے - ان لوگوں کو دیکھ کے وہ بے نفس حکیم یونان تخت سے اُتر کے زمین پر بیٹھ گیا - اپنی رانیں کھول دیں - اُن پر ہاتھ پھیرا بعض بعض جگہ اُنھیں ملا اور دبایا - اور حاضرین کی طرف دیکھ کے کہا " خدا کی بھی کیا حکمت ہے کہ ایسی ایسی چیزوں کو جمع کر دیا ہے جو باہم ایک دوسرے کی ضد ہیں - کوئی راحت نہیں ہوتی جس کے بعد کوئی الم نہ ہو - اور کوئی الم نہیں ہوتا جسکے بعد کوئی راحت نہ ہو" اس وقت تک سب لوگ خاموش بیٹھے نہایت حسرت سے اُسکی صورت دیکھ رہے تھے - یہ جملہ اُس کی زبان سے نکلتے ہی ایک بحث چھڑ گئی - اور جو جس کے دل میں آئی کہنے لگا - چنانچہ سیمیاس اور قیدیون نے افعال نفس کے متعلق سوال کیا - اور سقراط نے اس اطمینان - کشادہ خاطری - اور خندہ جبینی کے ساتھ جواب دیا کہ گویا اُسے موت کی خبر ہونا درکنار یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ قید خانے میں ہے - سقراط نفس انسانی پر ایک نہایت ہی دقیق و معنی خیز اور محققانہ لکچر دے رہا تھا اور لوگ حیرت سے اُس کی صورت دیکھ رہے تھے کہ یہ دل کا کتنا مضبوط ہے اور کس قدر بے خوف ہے کہ موت کی ذرا بھی پروا نہیں کرتا - اور ایسی نازک گھڑی میں بھی اس درجہ ثابت قدم ہے کہ معمولی اخلاق و عادات میں بھی کسی قسم کا تغیر نہیں ہوا -

آخر سیمیاس سے ضبط نہ ہو سکا - بولا " افسوس آپ سے نہ کچھ پوچھتے بنتی ہے اور نہ نہ پوچھتے - پوچھتے ہیں تو آپ سے چھوٹنے کے خیال سے دل بھر آتا ہے - اور نہیں پوچھتے ہیں تو حسرت رہی جاتی ہے کہ ان رموز الٰہی کو آپ کے بعد پھر کس سے پوچھیں گے؟" سقراط نے کہا " سیمیاس جو کچھ پوچھنا ہو شوق سے پوچھو - تمھارے ان سوالوں سے میں خوش ہوتا ہوں - اور میرے نزدیک تو اس حال اور اس زندگی میں اور اُس دوسرے حال اور دوسری زندگی میں کوئی فرق نہیں ہے - یہ تغیر کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کا خیال میرے ذوق علم پر غالب آجائے - اگرچہ اس انقلاب سے یہ ہوتا ہے کہ ہم بہت سے نیک - فاضل - اور لائق دوستوں اور رفیقوں سے جدا ہو جاتے ہیں - مگر اُن کو چھوڑ کے ہم اُن سے بھی اچھے - اُن سے زیادہ

فاضل و لائق دوستوں اور بھائیوں سے جا ملتے ہیں۔ میں اب یہاں سے
جا کے اسلاؤس۔ ایارس اور اقلیس سے ملوں گا۔ اور اسی طرح اور نامی گرامی
فلسفیوں اور محققوں کے نام لیے۔ نفس کا بحث ختم ہونے کے بعد شاگردوں نے
عالم کی ہیأت اور آسمانوں کی حرکت کے متعلق سوال کیا۔ اور پوچھا کہ عناصر
اربعہ کی ترکیب کیونکر ہے" ان مسائل پر بھی بحث کر کے سقراط نے سب کا اطمینان
کر دیا۔ پھر دیر تک علوم الٰہی اور اسرار ربانی کے بہت سے رموز بیان کرتا رہا۔
اور جب اچھی طرح سب کی تسلی و تشفی ہو گئی تو بولا "اب میں جانتا ہوں وقت
آ گیا کہ میں غسل کر کے جہاں تک ممکن ہو عبادت کر دوں۔ اور کسی کو اپنی میت کے
غسل دینے کی تکلیف نہ دوں۔ مجھے ارتاماتی نے بلایا ہے اور زؤس کے پاس
جانے والا ہوں۔ (یہ بھی قدیم مشہور یونانی ناموروں کے نام ہیں) اور تم بھی
اپنے اہل و عیال کے پاس واپس جاؤ گے" یہ کہتے ہی اُٹھا۔ ایک کمرے میں
جا کے نہایا۔ اور غسل کے بعد دیر تک وہیں مصروف عبادت رہا۔ اس وقت
وہ تو عبادت کر رہا تھا۔ اور دوسرے کمرے میں اُس کے شاگرد اور پیرو بیٹھے باہم
افسوس کر رہے تھے۔ اور بار بار اُن کی زبان سے نکلتا تھا کہ "افسوس کتنا بڑا
حکیم اجل اور پدر شفیق چھوٹا جاتا ہے۔ اس کے بعد ہم سب یتیم ہو جائیں گے"۔

اب سقراط عبادت کے کمرے سے نکل کے آیا۔ اپنے بچوں اور بیوی کو بلوایا۔
ایک بڑا بیٹا تھا اور دو ننھے ننھے بچے تھے جنھیں سامنے بلا کے اُس نے رخصت
کیا۔ کچھ سمجھایا بجھایا۔ اور کہا "بس اب جاؤ" اس وقت موقع پا کے اقریطون
نے کہا "آپ ان بچوں اور اپنی بیوی کے متعلق ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ اور خود
ہمارے لیے کیا فرماتے ہیں؟" جواب دیا "کچھ نہیں۔ جو ہمیشہ کہتا رہا کہ اپنے نفسوں
کی اصلاح کرتے رہو وہی اب بھی کہتا ہوں۔ اگر تم نے اس نصیحت پر عمل کیا تو
مجھے بھی خوش کرو گے اور اُن تمام لوگوں کو بھی جو میرے ہم خیال ہیں" یہ کہہ کے
خاموش ہو گیا۔ اور سب شاگرد بھی خموشی سے اُس کی صورت دیکھتے رہے۔

اتنے میں ممبران کونسل کا ایک خادم یا یوں کہیے کہ عدالت کا چپراسی آیا اور
اُس حکیم اجل کی طرف دیکھ کے بولا "اے سقراط۔ آپ جانتے ہیں کہ میں آپکی موت کا

باعث نہین ہون - آپ کے لیے یہ حکم ان گیارہ ممبرون نے نافذ کیا ہے جو عدالت فوجداری کے رُکن ہین - اور مجھے اُس کی تعمیل کرانے کا حکم دیا گیا ہے جس کے بجا لانے پر مجبور ہون حالانکہ اقرار کرتا ہون کہ آپ تمام لوگون سے افضل و اعلیٰ ہین لہذا اس جام زہر کو لے کے پیجیے - اور اسکے پینے وقت جو بیتابی و بیقراری کی حالت طاری ہو اُس کو ضبط و صبر کے ساتھ گوارا کیجیے" چپراسی کہنے کو تو اتنا کہہ گیا - مگر ساتھ ہی آنکھون مین آنسو بھر آئے - اور بے اختیار روتا ہوا اُلٹا پھرا - سقراط نے اُسی استقلال، شگفتگی و بے نفسی سے کہا "مین تمھارا کہنا مانون گا - اور تم کو الزام نہین دیتا" یہ کہہ کے چند لمحے سقراط خاموش رہا - پھر اقریطون کی طرف متوجہ ہوکے پوچھا "یہ شخص تو چلا گیا - میرے لیے شربت مرگ کب لائے گا؟" اور ایک نوجوان سے کہا "اُسے بُلاؤ تو" نوجوان نے پکارا - اُس کی آواز کے ساتھ ہی سرکاری چپراسی آیا - اور اب اُس کے ہاتھ مین زہر کا جام تھا - سقراط نے ہاتھ مین لے کے بلا تامل بغیر کسی بیتابی کے - اور نہایت بے پروائی کے ساتھ منہ سے لگا لیا - گران پایہ اُستاد کو جام زہر پیتے دیکھ کے شاگردون مین ضبط کی تاب نہ رہی - زار و قطار رونے لگے - اور ہر طرف سے نوحہ و بکا کی آواز بلند ہوئی - اب سقراط نے پورا جام پی کے اُن کی طرف توجہ کی اُن کو اس آہ و زاری سے روکا - اور سمجھانے لگا کہ "اس طرح بے صبر نہ ہو جانا چاہیے - مین نے عورتون کو اسوقت صرف اسی وجہ سے ہٹا دیا تھا کہ اُن سے ضبط نہ ہو سکے گا" الغرض ایسی باتین کین اور ایسا حوصلہ بندھایا کہ سب لوگون کو اپنے اس فعل پر ندامت ہوئی - اور خاموش ہو رہے - اب سقراط اُٹھ کھڑا ہوا اور ادھر اُدھر ٹہلنے لگا - گویا کسی تکلیف کو دبا اور ٹال رہا تھا - تھوڑی ہی دیر ٹہلا ہوگا کہ پیرون کی طاقت سلب ہو گئی - اور اُسی سرکاری آدمی کی طرف مخاطب ہوکے بولا "اب میرے پاؤن بوجھل ہو گئے - اور مجھ مین چلنے کی قوت نہین ہے" اُس نے کہا "تو لیٹ جائیے" سقراط بلا تامل لیٹ گیا - اور ایک نوجوان شخص پیر دبانے لگا - دباتا تھا اور بار بار پوچھتا تھا "میرا دبانا آپ کو محسوس ہوتا ہے؟" جواب دیا "نہین" تب اُس نے بہت زور سے پیر کو دبایا اور وہی سوال کیا اور پھر وہی جواب ملا کہ "نہین" اب کمر تک بدن ٹھنڈا سرد اور بے جان ہو گیا -

سرکاری آدمی بولا "بس یونہین یہ حالت قلب تک پہونچے گی تو ختم ہو جائین گے"
اب اقریطون بیتابی کے ساتھ پکارا "اے امام حکمت۔ یہ کیا بات ہے کہ آپ کے
حواس اور آپ کی عقل بھی ویسی ہی ہے جیسے کہ ہماری ہے۔ اس بارے مین کچھ ارشاد
ہو" اب سقراط مین بات کرنے کی تاب نہ تھی۔ مگر زور کرکے بولا "مین تم سے وہی
کہتا ہون جو کچھ کہہ چکا ہون" یہ کہہ کے ہاتھ بڑھایا اور اقریطون کا ہاتھ لے کے اپنے
گال پر رکھ لیا۔ اقریطون نے کہا "جو کچھ فرماتے ہون فرمائیے"۔ اس کا جواب بالکل
نہ دے سکا۔ بلکہ اب آنکھین پتھرا گئین۔ مگر پھر بھی اتنا ایک جملہ اور اُس کی زبان
سے نکلا "مین اپنی جان اُس خدا کے سپرد کرتا ہون جو حکیمون کی روحین قبض کیا
کرتا ہے" بس اسی جملے کے ساتھ اُس حکیم گرانپایہ۔ اُس فلسفی خداشناس۔ اور
اُس غواص دریاے معرفت کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔

افسوس زمانے! تو نے کیسے کیسے لوگون پر اور کیا کیا ظلم کیے ہین۔ مبارک موت
یہ موت ہے کہ دشمن اور قاتل تک کھڑے رو رہے ہین۔ یونان نے یہ ایسا فعل کیا
ہے جس سے زیادہ شرمناک فعل اُس سے کبھی سرزد نہ ہوا ہوگا۔ اور کیا عجب کہ اسکے
انتقام مین اسی گھڑی سے اُس قدیم۔ متمدن۔ اور زبردست قوم کا تنزل شروع
ہو گیا ہو۔ کیونکہ چند ہی روز کے بعد سے ہم دیکھتے ہین کہ یونان کی سطوت خاک مین
مل گئی۔ اُس کی آزادی ہمیشہ کے لیے چھن گئی۔ اور وہ رومیون کی ماتحتی مین ذلت
و غلامی کی تکلیفین برداشت کر رہا ہے۔ افلاطون اس وقت بیمار تھا۔ اور اسی وجہ
سے سقراط کی دینداری و شرافت کی موت کا تماشا نہین دیکھ سکا۔ جس کی اسے زندگی
بھر حسرت رہی ہوگی۔ سقراط کے فیض عام کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس
وقت اُسے زہر دیا گیا ہے اُس وقت اُس کے بارہ ہزار شاگرد ارض یونان مین
موجود تھے۔

سقراط کی نیک نفسی۔ پاک باطنی۔ اور اپنے نفس پر قابو حاصل کرنے کا اس
سے زیادہ کیا ثبوت ہوگا کہ یونان کے اس معمول کے مطابق کہ علماء فضلا کو قوم
شادی پر مجبور کرتی تھی تاکہ اُن کی نسل اور یادگار باقی رہے۔ جب سقراط نکاح پر
مجبور کیا گیا تو اُس نے خاص کوشش سے ڈھونڈھ کے اور تلاش کرکے ایسی عورت

سے شادی کی جو سارے اثینیہ مین بد مزاج - بیہودہ - اور بد مزاج مشہور تھی - اور اس انتخاب سے غرض یہ تھی کہ اُس کی جہالت پر صبر کر کرکے اور اُسکی بدخلقیان برداشت کر کرکے اپنے نفس کو اس قابل بنائے کہ عوام کالانعام اور خود پرست اُمرا کی بدتمیزیان اور سرکشیان برداشت کی جا سکین - شاید نفس کشی کا اس سے زیادہ مکمل اور سخت نمونہ دنیا مین کوئی اور شخص نہ دکھا سکا ہوگا -

افسوس وہ مر گیا - اُس کے کارنامے ہمارے لوح دل پر لکھے ہوے ہین - اور ان مذکورہ واقعات کی تصویر ہماری آنکھون کے سامنے پھر رہی ہے - مگر ناظرین اتنا ہی نہین مین چاہتا ہون کہ اُس خداپرست حکیم کی تصویر بھی آپ کی آنکھون کے سامنے پھرنے لگے - ذرا متوجہ ہو کے اس مظلوم موحد کی تصویر دیکھیے - ایک متوسط القامت شخص آپ کے سامنے کھڑا ہوا ہے - گورا چٹا - سرخ و سفید - آنکھین کرنجی - ہڈیان بڑی بڑی اور چوڑی - اگرچہ چہرہ خوبصورت نہین بلکہ بدصورت کہنا چاہیے - مگر داڑھی خوب گھنی ہے - سینہ چپٹا ہے - دونون شانون مین فاصلہ بھی کم ہے - اُسکے جسم کو بہت دیر مین حرکت ہوتی ہے - مگر بات جلدی کرتا ہے - اور پھر یہ بھی ہے کہ کوئی سوال کیجیے تو پہلے سر جھکا کے غور کرے گا تب جواب دے گا - جواب مین الفاظ بہت تھوڑے ہوتے ہین لیکن ایسے معنی خیز کہ انسان کی تشفی ہو جاتی ہے - اور پھر کچھ پوچھنے کی ضرورت نہین باقی رہتی - گفتگو نہایت ہی فصیح اور بے لغزش ہوتی ہے - خلوت اور تنہائی کو پسند کرتا ہے - کھاتا پیتا بہت کم ہے - لباس کی طرف سے بھی بے پروا ہے - زیادہ زندگی عبادت الٰہی مین صرف ہوتی ہے - موت کو اکثر یاد کیا کرتا ہے - اور ریاضت و نفس کشی مین منہمک رہتا ہے -

سقراط کی عمر مین اختلاف ہے - زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ اُس کی ستر سال کی عمر ہوئی - اس لیے کہ شربتِ مرگ پینے سے چند ہی روز بیشتر اُس نے جو معذرت نامہ مجسٹریٹون کے سامنے پیش کیا تھا اُس مین یہی عمر بتائی ہے - اگرچہ بعض مورخین اسّی برس کی اور بعض کچھ اوپر سو برس کی بتاتے ہین بہر تقدیر جس سن اور جس عمر مین ہو اُس نے نہایت ہی قابل فخر اور ہمیشہ یاد رہنے والی شہادت بڑھاپے مین حاصل کی - حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا -

فیثاغورس

یہ عالی مرتبہ اور گران پایہ حکیم اُن فخر روزگار اور ہمیشہ زندہ رہنے والے یونانی فلسفیون مین سے ہے جو یونان کے دَورِ اولین مین تھے۔ جنھون نے دنیا کی خاک چھان کے اور مختلف بلاد و امصار سے علوم و فنون کو سیکھ کے یونان کا نام زندہ کیا۔ اور یونان کو وہ یونان بنایا جس کا ہر ملک و ہر قوم مین ادب کیا جاتا ہے۔ اور جس کی عظمت کا سکہ ہر دل مین بیٹھا ہوا ہے۔ سقراط جس کی زندۂ جاوید خدا پرستی اور قابل فخر شہادت کا حال ہم گذشتہ نمبر مین بیان کر چکے ہین اُس کی ولادت سے ایک سو دو سال پیشتر اور حضرت ختم المرسلین صلعم جب توحید و خدا پرستی کی حجت ختم کرنے اور حق تبلیغ و رسالت پورا کر دینے کے لیے عرصۂ وجود مین آئے ہین اُس وقت سے تقریباً گیارہ سو چالیس سال پہلے اس حکیم نکتہ دان نے عرصۂ عالم مین قدم رکھا۔ ارض یونان کے مغربی پہلو مین ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے ساموس۔ اُسی جزیرے کی خاک کو فیثاغورس کے ایسے زبردست فلسفی کے پیدا کرنے کا فخر حاصل ہے جس کا نام زبان یونان مین کئی مختلف لغوی اختلافات کے ساتھ مشہور تھا۔ بعض فوثاغوراس کہتے تھے اور بعض فوثاغوریا۔ لیکن زیادہ مشہور یہی نام ہے جسے ہم نے زیب عنوان کیا۔

عرب کے مستند مورخون کا بیان ہے کہ منیسارخوس نام ایک متوسط الحال شخص صور نام کسی یونانی شہر مین رہتا تھا۔ اور ساموس کی ایک شریف زادی جس کا نام فوثانیس تھا اور اجقابوس نام ایک شخص کی بیٹی تھی اُس کے عقد نکاح مین تھی۔ اس نیک خاتون سے خدا نے اُسے تین بیٹے دیے تھے جن مین سے بڑے کا نام انوسطوس تھا۔ منجھلے کا نام طوریذس۔ اور چھوٹا جو ابھی بہت ہی کم عمر تھا فیثاغورس کہلاتا تھا اتفاقاً تین قومین جو یمنون۔ یمقرون۔ اور سقورون کہلاتی تھین شہر صور پر حملہ آور ہوئین اور قسمت نے ایسا پولٹیکل انقلاب دکھایا کہ یہی قومین صور کی مالک ہو گئین۔ اُنھون نے کمال تندی و جور کے ساتھ اہل شہر کو جلا وطن کرنا شروع کر دیا۔ جن مین بیچارہ منیسارخوس بھی تھا جو اپنی بیوی بچون کو لے کے ع "رخصت سلے اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہین"

کہتا ہوا گھر سے نکلا - پہلے چند روز دریا کنارے مقیم رہا - پھر اپنی سسرال والوں سے مدد ملنے کی امید کرکے ذرائع معاش ڈھونڈھتا ہوا شہر ساموس میں پہونچا - جہاں اُس کی رفیق سفر بیوی کا میکا تھا - یہاں کی حکومت و سرداری اُن دنوں ایک نیک مزاج اور رحم دل شخص کے ہاتھ میں تھی جو اندروقلوس کہلاتا تھا - اندروقلوس اور مینسا خورس میں تھوڑے ہی عرصے میں کچھ ایسا ربط و ضبط بڑھا کہ اندروقلوس نے اپنے غریب الوطن دوست کے نوعمر بیٹے فیثاغورس کو جو سب سے چھوٹا تھا اور نہایت ہی ذکی و ذہین معلوم ہوتا تھا اپنا متبنّٰی اور بیٹا بناکے پالنا شروع کیا اور تعلیم دلائی - چنانچہ ابتداءً اُسے ادب - اخلاق - زبان - اور موسیقی وغیرہ کی تعلیم دی جانے لگی - ان چیزون میں جب اُسے دستگاہ حاصل ہوگئی تو اُسے شہر لسبطون میں وہاں کے ایک مقبول و مستند حکیم اناکسی مانڈروس کے پاس بھیجدیا کہ اُس سے علم ہندسہ مساحت ہیأت اور نجوم کو حاصل کرے - اناکسی مانڈروس کی شاگردی کے بعد فیثاغورس میں خود بھی علم و حکمت کا ذوق و شوق پیدا ہوگیا - اور اب وہ اپنے ذاتی جوش شوق سے علم و فن کا دیوانہ تھا - ہنوز ابتدائے عمر کا زمانہ تھا کہ ذوق علم نے اعزا و اقارب اور اپنے خاص مربی سے چھڑا کے علاقۂ سوریا کے شہر ولیون میں پہونچایا - جہاں وہ فاراقودس انہی کی خدمت میں پہونچا - اور اُسکے علم و فضل اور تجربہ و کمال سے فیضیاب ہونے لگا - فاراقودس نے چند روز بعد سفر شروع کیا - اور طلبا کا جو ہجوم اُس کے ساتھ ساتھ بادیہ پیمائی کرتا ہوا چلا اس میں نوجوان و نوعمر عاشق علم فیثاغورس بھی تھا - راستے میں حکیم فاراقودس بیمار رہا - بیماری نے طول کھینچا - اور آخر میں حالت ہوگئی کہ سارے بدن میں کیڑے پڑگئے - اور لوگ پاس بیٹھنے سے احتراز کرتے تھے - مگر قدردان و لائق شاگردون نے ساتھ نہ چھوڑا - عالی دماغ و نکتہ رس اُستاد کو جس طرح بنا شہر افسوس میں لے گئے - یہان پہونچ کے مرض میں اور زیادتی ہوئی اور اہل افسوس کے برتاؤ سے بھی ظاہر ہوا کہ ایسے بیمار کا ٹھہرانا انھیں ناگوار ہے تو خود حکیم فاراقودس نے جو اپنے شاگردون کے ہاتھ میں تھا اہل افسوس سے کہا "آپ لوگ کیون تکلیف اُٹھاتے ہین؟ مجھے اپنے شہر سے نکال دیجئے - الغرض خود اپنی درخواست کے مطابق وہان سے بھی نکالا گیا تو اب شاگرد اُسے شہر ماغانیسیا

(منفیسیہ) مین لٹ گئے۔ اب خدا کی مشیت مین تھا کہ اُس کی تکلیف ختم ہو۔ جس کی غرض سے اُس نے قفس عنصری کو خالی کیا۔ اور فیثاغورس نے نہایت ہی افسوس و اندوہ سے دیگر تلامذہ کے ساتھ اپنے اُستاد کی لاش کو خاک منفیسیہ کے نیچے دبا کے علم و فضل کی جستجو شروع کی۔

یہ شوق اب اُسے بہت دُور دُور لے گیا۔ حکمت و فلسفہ اور رموز علمی کی تلاش مین اُس نے صدہا شہرون اور ملکون کی خاک چھانی۔ مصر مین گیا۔ اور جو کچھ حاصل ہو سکا بخوبی حاصل کیا۔ مصریون اُن دنون تین قسم کے خطوط مروج تھے۔ ایک تو عام خط تھا جس مین سب لوگ خط و کتابت کرتے تھے۔ ایک بادشاہ کا خط تھا جو فراعنۂ مصر کے لیے مخصوص تھا۔ ایک خط کُض کاہنون اور مذہبی مقتداون کے لیے جو اُس دور مین الٰہیات کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ان تینون قسم کے خطون کو اُس نے سیکھا اور شام مین آیا۔ وہان ایک زمانے تک شمع علم کا پروانہ بنا رہا۔ سُریانی زبان کے علما سے ملا اور ان کی تحقیقات علمی سے فائدہ اُٹھایا۔ اور اسکے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ یہان اُس کی عزت بھی بہت زیادہ کی جاتی تھی۔ کیونکہ شہر ہرقلہ مین وہان کے بادشاہ سے بہت ربط و ضبط رکھتا تھا۔ آخر جب یہان کے تمام علمی چشمون سے سیراب ہو لیا تو ارض بابل کی راہ لی۔ جہان کلدانیون یا خلدانیون کا دور دورہ تھا۔ ستارہ شناسی و ہیأت مین وہ لوگ اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ انہین کا مذہب اُنھین کا ایجاد کیا ہوا تھا۔ اور ہر جگہ ارض بابل کے نجومیون اور کاہنون کا بہت اعتبار کیا جاتا تھا۔ یہان ان لوگون کی شاگردی اختیار کر کے فیثاغورس نے اپنی معلومات اور اپنے تبحر کا دائرہ اور وسیع کیا۔

الغرض اس طرح اُس نے اُس وقت کی مہذب دنیا کا ذخیرۂ علمی پورے کمال کے ساتھ اپنی ذات مین جمع کر لیا۔ اور نہایت اطمینان و فارغ البالی سے گھر کی راہ لی۔ مگر شوق علمی کی حیثیت سے دیکھا جائے تو ہنوز روز اول تھا۔ اس لیے کہ گھر مین آنے کے بعد بھی یہان اُسے ایک بڑا نامی تجربہ کار حکیم مل گیا جو آرمودا انطلیس کہلاتا تھا۔ اسکی شاگردی اختیار کی۔ اور اُسکے حلقۂ فیض مین شریک ہونے لگا۔ اس حکیم کا نام اگرچہ یہی تھا جو ہم بیان کر چلے۔ مگر وہ زیادہ تر فراؤ فلیو کے لقب سے مشہور تھا۔ اور

الٰہیات کا بہت بڑا رمز شناس اور دریاے معرفت کا شناور تھا۔ اس سے فائدہ اٹھانے کے چند روز بعد اُسے ایک اور حکیم مل گیا جو ارہوڈامنیس اور افرد قویم کے نام سے شہرت رکھتا تھا۔

اتنے دنون مین تحصیل علم کرنے اور ایسے ایسے دانشور حکیمون سے ملنے کے بعد بھی اُس کا ذوق علمی کم نہین ہوا تھا۔ دل مین آرزو تھی کہ کسی طرح مصر کے علماے الٰہیات کے رموز الٰہی و حکمی دریافت کرے۔ اور خرابی یہ تھی کہ علماے مصر اپنے رموز خدا شناسی کو کسی غیر شخص اور اجنبی طالب علم پر نہین ظاہر کرتے تھے۔ گذشتہ سفر مصر مین اس نے رسم خط اور اور بھی بہت سی باتین سیکھ لی تھین۔ مگر اصلی علم حکمت کا دروازہ اپنے اوپر بند پایا تھا۔ اتفاقاً قیام وطن کے زمانے مین اُس سے ساموس کے مذہبی مقتدا اور سب سے بڑے بیوپاری فولوقراطیس سے ملاقات ہو گئی۔ اور چند روز مین بہت راہ و رسم بڑھ گیا۔

فولوقراطیس اور فرعون مصر سے بہت گہرے تعلقات تھے۔ لہذا ایک دن فیثاغورس نے اُس پر اپنی یہ آرزو ظاہر کی کہ کسی طرح مین کاہنان مصر اور دربار مصر کے علما سے علم و حکمت حاصل کرتا۔ فولوقراطیس نے فوراً اُسے ایک سفارشی خط دے کے فرعون مصر اماسیس کے پاس بھیجا۔ فیثاغورس فوراً وطن چھوڑ کے مصر مین پہونچا اور اماسیس سے ملا۔ فرعون نے اُس کی طباعی دیکھ کے اور اُس کو ذکی و ذہین پا کے نہایت قدر و منزلت سے لیا۔ اعزاز و اکرام کیا۔ اور مصر مین جو نہایت ہی معزز علماے روحانیات اور تمام کاہنون کے سردار تھے اُن کے پاس بھیج کے اُنھین لکھ بھیجا کہ اس یونانی طالب علم کو اپنے علم حکمت۔ اور رموز الٰہی سے ماہر بنائین۔ شاہی حکم اور فرعون کا فرمان لے کے فیثاغورس شہر عین شمس مین گیا جہان آفتاب کا مندر تھا اور جو تمام اہل مصر کا مرجع و مرکز بنا ہوا تھا۔ اُن لوگون سے ملا۔ اور فرعون کا حکم دکھایا۔

مصر والون مین کسی غیر شخص کو اپنا علم سکھانا حرام تھا۔ اور اس بارۂ خاص مین وہ بہت ہی بخل کرتے تھے۔ مگر فرعون کے حکم سے انحراف کرنا بھی غیر ممکن تھا۔ ابتداءً تو اُنھون نے کوشش کی کہ اس یونانی طالب علم مین کوئی عیب و نقص نکال کے

اس علم کو ڈال دین - اس لیے کہ اُن دنون جب تک انسان صحیح و سالم تمام اعضا سے درست - اور کل قوی کے لحاظ سے اُس نہ ہو علم الٰہی کے طلبہ مین نہین شمار نہین کیا جاتا تھا۔ الغرض کاہنون نے اُسکے قوی اور اعضا کا پورا امتحان کرنا شروع کیا مگر جب کوئی عیب نہ نکال سکے تو مجبور ہوے - اور سوچنے لگے کہ اب کس طریقے سے اس غیرملکی اور غیر مذہب طالب علم کو ٹالین ؟ آخر یہ تجویز قرار پائی کہ یہ یونانی طالب علم شہر دیوسپولس کے کاہنون اور علما کے پاس بھیج دیا جائے تاکہ وہ از سر نو معائنہ کرین - اور جب اُن کے امتحان مین بھی پورا اترے تو تعلیم دی جائے - غریب فیثاغورس وہان گیا - مگر وہان والے بھی اُس مین کوئی جسمانی و ذہنی نقص نکال سکے - یہ بات بھی اُن لوگون کے دل مین آئی کہ اس پر کوئی بے ذیلہ الزام لگادیا جائے مگر فرعون ہیکے مانع نظر آیا - اور جان کے خوف سے کسی کو اس کی جراءت نہ ہوئی ۔

اب اُس کے علم سے محروم رکھنے کی ایک تیسری کوشش یہ کی گئی کہ تحصیل الٰہیات اور رموز ربانی کا طالب بننے کے لیے ایسی ایسی شرطین اور ایسے ایسے پرہیز بتائے گئے جو نہایت ہی سخت و دشوار تھے - علی الخصوص زیادہ تر ایسی باتین بتائی گئین جو یونان والون کے مذاق - عادت - اور مذہب کے خلاف تھین - یہ شرایط پیش کرکے وہ لوگ مطمئن ہوگئے کہ نہ اس یونانی طالب علم سے یہ شرطین پوری ہون گی اور نہ ہمین سکھانے کی زحمت اُٹھانی پڑے گی - مگر جب دیکھا کہ اُس نے سب شرطون کو قبول کر لیا اور اُن پر عمل درآمد بھی شروع کر دیا تو سب گھبرا گئے - اور اب تعلیم دینے پر مجبور تھے -

الغرض یون مصر کے کاہنون کو عاجز و مجبور کرکے فیثاغورس نے انکے علوم الٰہی و روحانی سیکھنا شروع کیے - ذہن اور شوق نے چند ہی روز مین اُسے سب سے بڑا باکمال علیم الٰہی ثابت کر دیا اور جو شرطین کاہنون کی طرف سے پیش کی گئی تھین وہی اُس کی ترقی و ناموری کا ذریعہ بن گئین - اس لیے کہ اب مصر مین اُس سے زیادہ عابد و زاہد کوئی شخص نہ تھا - اُس کے زہد و تقوے اور خدا پرستی و پرہیزگاری کی وادی نیل مین ہر جگہ دھوم تھی - یہان تک کہ اُس کی اس لیاقت و ترقی کا حال خود اماسیس فرعون مصر کو معلوم ہوا جس کے سامنے وہ پہلے پہل محض ایک طالب علم

کی حیثیت سے آیا تھا - وہ اس قدر مہربان ہوا کہ اُسے خاص کاہنان مصر مین شامل کرلیا - اور قربانی کی چیزین جو دیوتاؤن پر چڑھائی جاتی تھین اُن کی نگرانی دیتھین اسکے سپرد کردی - اب مصر کی تمام نذرین اور قربانیان اُسی کے ذریعے سے دیوتاؤن پر چڑھائی جاتی تھین - اور یہ ایسی خدمت تھی جو اس وقت تک کبھی کسی غیر ملکی شخص کو نہین دی گئی تھی -

اس درجۂ کمال پر پہونچنے کے بعد اور خود مقتدایان مصر کے سامنے اپنی لیاقت کا پورا ثبوت دے کے فیثاغورس نے فراعنہ کی زمین کو چھوڑ دیا - اور اپنے وطن ساموس مین واپس آیا - یہان آتے ہی اُس نے ایک مکان تعمیر کرا کے اُس کو مدرسۂ حکمت قرار دیا - جس مین اطراف وجوانب سے لوگ آ آ کے تعلیم پاتے اور اُسکی بڑی محنتون سے حاصل کی ہوئی لیاقت کو گھر بیٹھے اور بغیر سفر کی زحمت اُٹھائے حاصل کرتے ایک بیت الحکمت اُس نے شہر کے باہر بھی قرار دیا تھا - جس مین اکثر اوقات طالبان علوم کو ساتھ لے جاکے بیٹھتا - اور یہان بھی اکثر شایقین علوم کا مجمع رہا کرتا تھا - مگر اپنی درسگاہ مین علم الٰہی اور حکمت وفلسفہ حاصل کرنے والون کے لیے اُس نے ایک بڑی سخت قید لگا رکھی تھی - وہ یہ کہ ہر طالب علم کے لیے ضروری تھا کہ مدرسے مین شریک ہونے سے پیشتر پانچ سال تک خاموش رہے - اور کوئی بات نہ کرے - اور جب یہ خموشی کی شرط استقلال وپابندی کے ساتھ پوری کرلے تو فلسفہ سیکھنے کا ارادہ کرے - یہ ایسی سخت ریاضت تھی جس کے بہت کم لوگ متحمل ہو سکتے ہون گے - لیکن اگر غور سے دیکھیے تو اس سے اچھی اور مفید کوئی ریاضت ونفس کُشی نہین ہو سکتی - جو شخص پانچ سال تک خاموش رہے گا اُس سے زیادہ کسی کو اپنی زبان اور اپنے خیالات پر قابو نہین ہو سکتا - اور اتنی مدت مین ضرور ہے کہ نفسانی جذبات دل کے اندر قید رہتے رہتے بالکل مردہ ہو جائین - ہمارے روحانی فلسفی بھی کہتے ہین کہ رموز وحدت ومعرفت سیکھنے والے کے لیے ضرور ہے کہ جو کچھ دیگر ذرائع سے پڑھا ہو اور اس ظاہر پرستی کی دنیا مین جو کچھ سیکھا ہو سب کو بھلا دے - اور دل کو تمام دیگر قسم کے خیالات سے معرّٰی کرلے تب دریاے وحدت مین اُترے - لیکن اس بات کے حاصل کرنے کا اس ریاضت سے بہتر عملی طریقہ کوئی نہین ہو سکتا - اُسکے مدرسے مین طالب علم کے لیے یہ بھی

ضروری تھا کہ نوشتی کا طولانی پڑھ لینے کے بعد اپنا تمام مال و اسباب لا کے طلبہ کے عام خزانے میں داخل کر دے۔ جو سب کی مجموعی جائداد تھا۔ اور جس میں سے لیاقت پر ہر شخص سب لے سکتے ہیں۔ فیثاغورس ہی نے خداشناسی و معرفت الٰہی کا نام فلسفہ رکھا۔ اُس سے پیشتر یہ لفظ نہیں ایجاد ہوا تھا۔ لہذا یہ کہنا چاہیے کہ دنیا میں سب سے پہلا فلسفی فیثاغورس ہی ہے۔

خدا کے متعلق اُس کے خیالات متصوفین اور یونانی متألہین کے ایسے تھے۔ اور خاصۃً حکیم سقراطیس حکیم الٰہی یونانی کے اصول کا پیرو تھا۔ کہتا ہے "اِس عالم طبیعی کے اوپر ایک اور عالم روحانی و نورانی ہے۔ جس کی خوبیوں کو عقل انسانی نہیں محسوس کر سکتی۔ مگر ہر نفس پاک اپنے تجرد اور اپنی روشن ضمیری کے لحاظ سے اُس عالم کا مشتاق ہے۔ انسان کبر و نخوت چھوڑنے۔ افعال نیک کرنے۔ بغض و حسد سے باز آنے کی بدولت اُس عالم نور میں باریاب ہونے کا مجاز ہو جاتا ہے اور اُس پر رموز حکمی و روحانی کھل جاتے ہیں۔"

اُس کے قیام مصر و شام کی وجہ سے لوگ کہتے ہیں کہ الٰہیات کے مسائل اُس نے بنی اسرائیل کے خزانۂ معرفت سے لیے اور بواسطہ حضرت سلیمان کے خوشہ چینوں میں تھا۔ علم ہندسہ اُس سے پیشتر یونان میں نہ تھا۔ یہی پہلا شخص ہے جس نے اس علم کو مصر والوں سے سیکھا اور اُسے یونانیوں میں پھیلایا۔ موسیقی کو بھی اگرچہ اُس نے غیر قوموں سے حاصل کیا مگر یونانی نغموں اور اُس زبان کی موسیقی کی حیثیت سے اُسے موجد کا رتبہ حاصل ہے۔ یہ غالباً اسی حکیم کا ایجاد کیا ہوا مسئلہ ہے کہ علم موسیقی بلحاظ تال۔ زیر و بم۔ اور ترتیب و توالی اصوات کے علم ہندسہ کے ماتحت اور ریاضی میں شامل ہے۔ اُس کا دعویٰ ہے کہ جس طرح آواز خوش خود ہی چل کے انسان کے کان میں آتی ہے اسی طرح تمام لذتیں خود ہی حواس انسانی کی طرف مائل ہیں۔ لہذا انسان اگر بے صبر بن کے خود اُن کا مشتاق بن جائے اور اُنکی تلاش میں نکلے تو وہ دیوانہ ہے۔ وہ بقائے نفس کا بھی معتقد تھا۔ اور اسکے ساتھ تمام دیگر فلسفیان قدیم کی طرح تناسخ کا بھی قائل اور حامی تھا۔ ترک حیوانات کو بھی اُس نے ذریعۂ تصفیۂ نفس قرار دیا تھا۔ اور خود سوا اُن جانوروں کے جو دیوتاؤں پر قربانی چڑھائے

جاتے تھے - اور کسی جانور کا گوشت نہ کھاتا تھا۔

وہ سب سے اہم مسئلہ جو آج کل بہت زیادہ مشہور ہے اور جس کے لحاظ سے فیثاغورس کی عقل و دانائی کی تعریف کرنا چاہیے اُس کا نظام شمسی ہے - ساری مہذب دنیا میں پھر کے - ہر جگہ کے مشہور و باکمال مہندسوں - ہیأت دانوں - اور نجومیوں سے مل کے اور پھر اپنی عقل اور اپنے اجتہاد سے کام لے کے اُس نے اس آسمان و زمین اور اُن نورانی اجرام فلک کے نظام و ترتیب کی نسبت یہ تحقیق رائے قائم کی تھی کہ آفتاب مرکز کے مقام پر واقع ہوا ہے - اور دیگر سیارے مع زمین کے اُس کے گرد گردش کر رہے ہیں - یہ نظام چونکہ انسان کے محسوس منظر کے خلاف تھا اور زیادہ تجربے سے اور عقل پر زیادہ زور ڈالنے کے بعد ثابت ہوا تھا - لہذا دیگر فلسفیوں اور نجومیوں نے اُس کو تسلیم نہ کیا - اور چند روز بعد جب بطلیموس نے اپنا وہ مشہور نظام قائم کیا جس کی رو سے زمین ساکن اور آفتاب دیگر سیاروں کے ساتھ اُس کے گرد متحرک بتایا گیا تھا تو سب کے سب بطلیموس کے معترف و معتقد ہو گئے - اور ساری دنیا میں ہر جگہ لوگ اُسی نظام بطلیموسی کے دلدادہ تھے - فیثاغورس کا نظام فلکی اس بے پروائی میں ڈال دیا گیا کہ کوئی اُس کا خیال بھی نہ کرتا تھا - اور قرون وسطی کے تمام مہندس اور علماے ہیأت کو گویا یاد ہی نہ تھا کہ کبھی کسی شخص نے حرکت ارض کی بھی رائے دی تھی - آخر علماے اسلام میں سے ابوریاسر نے بطلیموس کی غلطی کو پکڑا - اور وہ مروج و مشہور نظام بطلیموسی کی جانب سے مشتبہ ہو گیا - اور اپنی رائے کو کسی دوسرے عنوان سے ظاہر کرنا چاہتا تھا - مگر بطلیموس کی طرفداری میں دنیا اس قدر متعصب تھی کہ کسی نے ابوریاسر کی طرف توجہ بھی نہ کی - لیکن آخر عہد میں جب علم و فضل اور تحقیق و تدقیق کا تاج علماے یورپ کے سر پر رکھا گیا اور بہت آزادی و غور و فکر کے ساتھ ہر فن اور ہر مسئلے کی تحقیق و تدقیق شروع ہوئی تو صاف ثابت ہو گیا کہ جو کچھ فیثاغورس نے کہا وہی صحیح تھا - اور بطلیموس ایک بہت بڑی غلطی میں مبتلا تھا - فیثاغورس کی اعلیٰ تحقیقات اُس کے دماغ کے نہایت ہی نتیجے - اور اُس کی رائے کے صائب ہونے کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہو گا کہ جس مسئلے کو دنیا نے بہت ٹھوکریں کھا کے اور بہت سی غلط رائیں قائم کر کے مدون

دو صدیون کے بعد معلوم کر پایا۔ اُسے وہ محض اپنی ذہانت سے اُس ابتدائی دور ہی
مین سمجھ گیا تھا۔ موجودہ یورپ اپنی اس جدید تحقیقات پر بہت بڑا فخر کر رہا ہے۔ مگر
سچ یہ ہے کہ اولیت و اولویت کا تاج فیثاغورس ہی کے سر پر ہے اور اُسی کے
سر پر رہے گا۔

مصر سے واپس آ کے ساموس مین تھوڑے ہی دنون اپنے فلسفے اور علم ہیئت
کی تعلیم دیتا رہا تھا کہ وہان کا سب سے بڑا مقتدائے دین فوقراطیس مر گیا جس نے
اُسے خط دے کے فرعون مصر کے پاس بھیجا تھا۔ چونکہ اب فیثاغورس سے بڑا
کوئی عالم و فاضل اور عابد و زاہد نہین نظر آتا تھا لہذا سب نے مل کے اُسی کو
اپنا مقتدائے دین اور فوقراطیس کا جانشین بنا لیا۔ چند ہی روز اس امامت
اور پیشوائی کی خدمت سرانجام دی تھی کہ یکایک اُسے خیال آیا کہ حکومت مقتدائی
ایک حکیم نیک نفس اور ایک فلسفی نکتہ رس کی شان کے خلاف ہے۔ خیال آنا
تھا کہ پھر وطن کو رخصت کیا۔ اب مملکت اطالیا کی راہ لی۔ اور وہان کے شہر
قروطونیا مین پہونچا۔ ان لوگون نے اُس کا علم و فضل اور زہد و ورع دیکھا تو فوراً
حاضر ہو کے قدم چومے۔ اور سب اُس کی اتباع و اقتدا کرنے لگے۔ فیثاغورس
اب اگرچہ امامت و پیشوائی سے بھاگتا تھا مگر اُن لوگون کو طالب حق دیکھ کے متوجہ
ہوا اور وعظ و نصیحت کے ذریعے سے سکھانے لگا کہ بزرگون کی رفتار اختیار کرو۔
گناہون اور جرمون سے بچو۔ پھر اسکے بعد اُس سرزمین کے معزز و سن رسیدہ اور
لائق لوگون کو آمادہ کیا کہ اخلاق و حکمت کی کتابین مدون کرین۔ نوعمرون کو تعلیم دین
اور جہان تک ہو سکے اپنے وطن مین علمی مذاق کو بڑھائین۔ ان باتون نے یہ رنگ
جما دیا کہ مرد و عورت ہر طرف سے ہجوم کر کے اُس کا وعظ سننے کو آتے۔ اور اُسکے
فیوض علمی سے فائدہ اُٹھاتے۔ چند روز مین ہر جگہ اُسکی شہرت تھی۔ اور جدھر دیکھیے
فیثاغورس ہی کا نام لوگون کی زبان پر تھا۔ اسی قدر نہین تھوڑے ہی زمانے مین
اُس کی تعلیم و تلقین نے یہ رنگ دکھایا کہ روم مین بہت سے لائق و فاضل حکیم پیدا
ہو گئے اور ہر جگہ حکمت و فلسفہ کا چرچا تھا۔ قروطونیا کے قیام مین فیثاغورس کو
اس قدر شہرت حاصل ہو گئی تھی کہ اُس کا نام سمندر کی لہرون کے ساتھ سواحل

افریقہ تک پہونچا۔ اور علاقۂ بر کے تمام سلاطین و حکمران اُس کی زیارت کو حاضر ہوے۔

ان دنون بلاد روم مین جور و تشدد بہت بڑھا ہوا تھا۔ اُمرا و صاحب اثر لوگ غریبون اور بیکسون کو پیسے ڈالتے تھے۔ فیثاغورس کے وعظ نے اپنی سحر نما برکت سے اس ظلم و جور کو دُور کیا۔ اور اُن مظالم کا یہان تک استیصال کر دیا کہ یہ اخلاقی مرض اہل روم کی نسلون سے بھی فنا ہو گیا۔ عام نفع رسانی کے لیے صرف وہی وعظ نہین کہتا تھا بلکہ اُس کی پاکدامن و نیک نفس بیوی خاتونان قرطونیا مین بیٹھ کے اور اُس کی باعصمت و نوعمر بیٹی وہان کی کنواری لڑکیون مین جا کے وعظ کہتی۔ اور یہ دونون ستودہ صفات عورتین اپنے شوہر اور باپ کی برکتین روم کی کنواری اور بیاہی عورتون مین جوش و خروش سے پھیلا رہی تھین۔ فیثاغورس کی نرم زبان اور اُس کے دلکش الفاظ کے سامنے ہر متکبر و سرکش کا سر جھک جاتا اور بڑے بڑے سنگدلون کے دل موم ہو جایا کرتے تھے۔ چنانچہ قانطوریتا کے سردار سیلانس پر اُس کے پند و نصائح کا ایسا اثر ہوا کہ سلطنت اور ملک چھوڑ کے فقیر ہو گیا۔ جو کچھ اپنے پاس تھا بھائیون اور اہل شہر کے حوالے کیا اور شہر سے نکل کھڑا ہوا۔

لیکن اسی وعظ و نصیحت کے اثر نے اُس کی زندگی بھی ختم کی۔ جس سے تجربہ ہو گیا کہ دنیا مین ہمیشہ اور ہر وقت بعض ایسے لوگ بھی رہے ہین جن کے دلون پر نہ کسی کی آہ و زاری نے اثر کیا اور نہ کسی کی پند و نصیحت نے۔ ایک دن فیثاغورس اپنے شاگردون اور شمع علم کے جانباز پروانون مین بیٹھا وعظ کہہ رہا تھا کہ قرطونیا کا ایک رئیس آ گیا جس کا نام قولون تھا۔ یہ ایک بڑا خاندانی شخص تھا۔ اہل شہر مین بہت اثر رکھتا تھا۔ اور انتہا سے زیادہ متکبر اور نخوت پرست تھا۔ اس صحبت علم مین بھی اُس نے آ کے دماغ دکھانا شروع کیا۔ تبختر و تمکنت کے ساتھ اپنی تعریفین کرنے لگا۔ اور اُس کے تیورون سے معلوم ہوا کہ اپنے سامنے سب کو ذلیل و ہیچ خیال کرتا ہے۔ یہ حالت دیکھ کے فیثاغورس کو تاب نہ آئی۔ اُسے ڈانٹا۔ اور کہا اُسے قولون۔ اپنے نفس کی اصلاح کر۔ اور ایسا کر کہ اُسے نجات و فلاح حاصل ہو

دلون اس کا جواب تو کچھ نہ دے سکا۔ مگر اُسی وقت سے اُس حکیم ربانی اور اثنائے
ہوز توحید کا دشمن جانی ہو گیا۔ پہلے تو یہ کیا کہ اپنے دوستون اور طرفدارون کا
ایک بڑا جتھا قائم کیا۔ اور پھر یکایک الزام لگانا شروع کیا کہ فیثا غورث بددین
لامذہب اور کافر ہے۔ جہلا کا قاعدہ ہے کہ ایسے موقعون پر ہمیشہ افواہ کے تابع
ہوا کیے ہین۔ اور جہان کسی کی نسبت جھوٹ یا سچ کوئی الزام قائم کیا گیا اُسکے
دشمن اور خون کے پیاسے ہو گئے۔ الغرض اس خبر کا مشہور ہونا تھا کہ ہر جگہ اور ہر
طرف لوگ فیثا غورس کے دشمن ہو گئے۔ جا بجا جستجو کی جانے لگی۔ اور قرار پا گیا کہ
جہان ملے قتل کر ڈالا جائے۔ مجبوراً وہ اپنے پیروان کے ساتھ ادھر اُدھر
بھاگتے اور چھپنے لگا۔

آخر دشمنون کو ایک دن پتہ لگ گیا کہ فلان مکان مین فیثا غورس بیٹھا اپنے
شاگردون کو تعلیم دے رہا ہے۔ فوراً قولون اپنے ساتھیون کی ایک بڑی جماعت
سے جا پہونچا۔ مکان کو گھیر لیا۔ اور اندر گھُس کے طلبہ اور شائقان علم کو قتل کرنا
شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر مین چالیس کے قریب طلبہ قتل کیے گئے اور باقی اپنے استاد
کو لے کے کسی تدبیر سے بھاگے۔ دشمنون نے اُن کا تعاقب شروع کیا۔ اور ایک
زمانے تک یہ حالت رہی کہ وہ گرفتار کر کر کے قولون کے سامنے لائے جاتے اور قتل
ہوتے۔ جو چند طلبہ بچ رہے اُنھین اپنی جان سے زیادہ فیثا غورس کے بچانے کی فکر
تھی۔ جب دیکھا کہ کہین پناہ نہین ملتی تو شہر قالونیا مین پہونچے۔ وہان کے ٹھہرنے
مین بھی اطمینان نہ نظر آیا تو شہر لوقروس کی راہ لی۔ لامذہبی کا الزام جو فیثا غورس
پر لگایا گیا تھا اُس کی خبر یہان خود اُسکے پہونچنے سے پہلے پہونچ چکی تھی۔ اہل شہر اور
معتقدان دین نے جمع ہو کے کہا "ہمارے پاس کوئی ایسا قانون تو نہین ہے جس کی
رو سے ہم اس حکیم فلسفی کو قتل کی سزا دے سکین۔ مگر ہان اسکے عقائد بیشک چونکہ
فتنہ رہے لہذا اسے یہان ٹھہرنے کی بھی اجازت نہین دی جا سکتی"۔ پھر فیثا غورس کے
شاگردون کو بُلا کے کہا "تم ہم سے زاد راہ خرچ سفر لو اور یہان سے چلے جاؤ"۔ اب
یہ خوف زدہ اور پریشان خاطر قافلہ اس شہر سے نکل کے شہر طارنطا مین پہونچا
یہان چند ہی روز قیام کرنے کی نوبت آئی تھی کہ ایک دن ناگاہ اہل قرطونیا سے

آ کے اُس مکان کو گھیر لیا جس مین یہ لوگ ٹھہرے ہوے تھے۔ لیکن ابھی تک خدا مہربان تھا۔ بھاگنے کا کوئی موقع مل گیا۔ سب کی آنکھ بچا کے یہان سے بھی نکل بھاگے اور ایک اور پُرانے شہر میٹا پونٹیون مین جا کے دم لیا۔

اب اس کی مخالفت کا فتنہ زیادہ اُبھرتا جاتا تھا۔ اور ہر جگہ شہر شہر اور گانو گانوُن مین لوگ اُس حکیم خداشناس کے خون کے پیاسے تھے۔ اگرچہ اس کی بنیاد محض قولون کی فتنہ پردازی سے پڑی۔ مگر قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ فیثا غورس بت پرستی اور مروجہ مذہب کے خلاف تھا۔ اور جو صداے توحید سقراط نے اُسکے بعد بلند کی وہی صدا اُس نے بھی اضلاع روم مین بلند کی تھی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اب اس غریب فلسفی اور خداشناس حکیم کو کسی جگہ اور کہین پناہ نہ ملتی تھی۔ ہر مقام اور ہر شہر مین ایک ہنگامہ بپا تھا۔ اور جا بجا ایسے ہنگامے اور فساد برپا ہوگئے کہ اہل ایطالیا کو مدتون یاد رہے۔ اور جب تک وہ نسل باقی رہی ایک خاص حیرت کے ساتھ فیثاغورس کی مخالفت کے فتنون کو یاد کیا کرتی تھی۔ ادھر جھگڑون اور فسادون کا تو یہ حال تھا دوسری طرف فیثاغورس اور اُس کے جان باز طلبہ و رفقا کی یہ حالت تھی کہ بھاگتے اور پناہ ڈھونڈھتے پھرتے تھے۔ مگر کہین پناہ نہ ملتی تھی۔ آخر ہر جگہ کی ٹھوکرین کھاتے کھاتے اور خاک اُڑاتے اُڑاتے یہ لوگ ہیکل استان مین پہونچے۔ یہ ایک بہت بڑا مندر تھا جس مین غالباً ہر شخص کو امان مل جاتی ہوگی۔ لیکن ان غریب خاک نوردون کو یہان بھی پناہ نہ ملی۔ قروطونیا کے لوگون نے آ کے مندر کو گھیر لیا۔ اور اس سختی سے محاصرہ کیا کہ بیچارہ فیثاغورس اپنے شاگردون کے ساتھ چالیس دن تک بے آب و دانہ گھرا پڑا رہا۔ آخر دشمنون نے جب دیکھا کہ یہ لوگ نہ دروازہ کھولتے ہین اور نہ باہر آتے ہین تو اُکتا کے مندر مین آگ لگا دی۔ جب چارون طرف شعلے بلند ہو کے اندر پہونچے اور سوا جل مرنے کے اور کوئی بات نہ نظر آئی تو شاگردون نے جو مرتے دم تک اپنے اُستاد کی حمایت کرتے رہے فیثاغورس کو اپنے درمیان مین کر لیا اور چارون طرف حلقہ باندھ کے کھڑے ہوگئے کہ جب تک ہم زندہ ہین خداشناس اُستاد کو گرمی کی تکلیف نہ ہو۔ مگر کب تک؟ آگ قریب تر جا پہونچی۔ شاگرد جل جل کے گرنے

اور اُنھین کے ساتھ خود فیثا غورس بھی غش کھا کے گرا اور چند ساعت مین جل کے مر گیا - الغرض اس طرح اُس حکیم خدا شناس اور فلسفی حق پرست نے مع تمام شاگردوں کے اس سندر مین آگ سے جل کے جان دی

افسوس دنیا تو لائق لوگون مصلحان قوم - اور آزاد حق پرستون کی ہمیشہ دشمن رہی ہے - تو نے کیسے کیسے قابل قدر لوگون کی جانین سخت بے رحمی سے لی ہین؟ اور اگر آج برٹش گورنمنٹ کی برکتون نے ایسے مصلحون کو اپنے دامن عافیت مین نہ لے لیا ہوتا تو آج بھی تو اُن کی ویسی ہی دشمن تھی - اس دم بھی تو اپنے دوستون اپنے مصلحون اور اپنے ہمدردون کو ایسی ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت سزا مین دینے کو تیار ہے - مگر کیا کرے کہ مجبور ہے - اور اب تہذیب سلطنت کے سامنے تیرا کوئی زور نہین چلتا - جاہل لوگو! تم نے فیثا غورس کو زندہ جلا دیا - سقراط کو زہر دیا - ارسطو کو ایتھنز سے بھگایا - حضرت مسیح کو یا اُنکے دھوکے مین کسی اور کو سولی پر لٹکایا حضرت رسول آخرالزمان صلعم کو جلا وطن کیا - جناب شہید کربلا کو دشت نینوا مین اور فرات کے کنارے ایک قطرۂ آب کے لیے ترسا ترسا کے بھوکا پیاسا نذر اجل کیا - اور خدا جانے کیا کیا کر چکے ہو - کس کس کی تکفیر کے فتوے دے چکے ہو - اور کس کس کو واجب القتل ٹھہرا چکے ہو - مگر مطمئن نہ ہو - یہ فہرست قیامت کے دن خدا کے سامنے ضرور پیش ہو گی - مگر جب تمھارا یہ حال ہے تو تم اگر موجودہ مصلحون اور دوستون پر کوئی ستم کر بیٹھو - اُنھین ستاؤ - اُنکو کفر ویے دینی کا الزام دو - اُن کی تحقیق و تفتیش حق پسندی و راست بازی پر غصہ کرو تو کوئی شکایت نہین - اس لیے کہ جن مقدس اور مستند نفوس قدسیہ کو ستا چکے ہو وہ اس زمانے کے لوگون سے بہت ہی اچھے اور قدر و منزلت مین درجہا زیادہ بڑھے ہوے تھے -

لیکن دنیا نے جہان ستایا ہے وہان ستا چکنے کے بعد مخالفت سے تھک کے ہمیشہ قدر بھی کی ہے - چنانچہ فیثا غورس کے بعد ویبطیریوس نام ایک قدردان و حق پسند شخص نے فیثا غورس کے رہنے کے مکان مین آ کے اُسے ایک عبادت خانہ بنا دیا - جس کی طرف چند ہی روز مین اُن لوگون کو بھی توجہ ہو گئی جو اُسکے خون

کے پیاسے تھے۔ اور آخر وہی دشمن اُس زمین پر اور اُس گھر مین آ کے اپنے دیوتا ؤن کی عبادت کرتے تھے جس کو فیثاغورس کے قدمون نے برکت دی تھی۔

کہتے ہین کہ فیثاغورس بابل کے بادشاہ کورس کے عہد مین جوان تھا اور جس برس بعد جب کورس کا بیٹا قنبوسیس تخت بابل پر بیٹھا ہے ایک سن رسیدہ فلسفی تھا۔ اور اپنے اصول حکمت کو رواج دے رہا تھا۔ ساٹھ سال تک اپنے وطن مین رہا۔ جس مین اُس کی طالب علمی کا زمانہ بھی شامل ہے۔ پھر مملکت ایطالیا مین گیا۔ جہان پانچ سال رہ کے ۶۶ برس کی عمر مین حضرت مسیح سے ۴۰۰ سال قبل بے رحم اہل ڈوطونیا کے ہاتھ سے شہید ہوا۔

افسوس اس پُرانے حکیم کا حُلیہ ہمین نہین معلوم ہوسکا ورنہ اپنے ناظرین کو اسکی تصویر بھی دکھا دیتے۔

جالینوس

(۱)

یونان کے جو طبیب فن طب کے موجد اور اصلی معلم تسلیم کیے گئے ہین وہ آٹھ بتائے جاتے ہین۔ جن مین جالینوس آخری اور سب سے نہین تو اُن مین سے اکثرون سے بڑا اور گران پایہ ہے۔ مگر اس کو سب تسلیم کرتے ہین کہ اُسکے بعد پھر یونانیون مین سے کوئی طبیب اور حکیم اس مرتبے کو نہین پہونچ سکا۔ گو وہ یونانیون مین خیال کیا جاتا ہے مگر درحقیقت اُس کا شمار مشکل سے یونانیون مین کیا جا سکتا ہے۔ اس مین شک نہین کہ وہ ایک یونانی ہی خاندان کا چشم و چراغ تھا مگر باعتبار زمانہ اُس وقت مین پیدا ہوا جبکہ ترقی یونان کا ستارہ غروب ہو چکا تھا۔ یعنی رومیون کی عظمت و سطوت نے یونان کی حکومت ہی کو نہین بلکہ اُسکے علم و فضل کو بھی پامال کر دیا تھا۔ اور باعتبار وطن ایشیاے کوچک کے شہر سمرنا کے قریب پیدا ہوا جو آج دولت عثمانیہ کا ایک ایشیائی بندرگاہ ہے اور جس کے لحاظ سے بمقابل یورپ والون کے اہل ایشیا کو اُس پر ناز کرنے کا زیادہ حق حاصل ہے۔

حضرت مسیح کے بعد جب طیطوس (ٹائیٹس) قیصر نے ارض مقدس کو پامال کر کے خاص ہیکل سلیمانی میں آگ لگائی ہے اور یہودکا کایۃً قلع و قمع کر دیا ہے اُن دنون ایشیاے کوچک مین ایک یونانی الاصل مہندس رہتا تھا جسے علوم ہندسہ و ریاضی مین بے انتہا دستگاہ تھی۔ ہیأت۔ حساب۔ مساحت اور منطق مین اعلی درجے کی لیاقت رکھتا تھا۔ فلسفے کا اُسے ذوق تھا۔ اور اہل شہر اس کی راستبازی و فالینیشی۔ نیک نفسی و پاکبازی کے معترف تھے اُس کا باپ ایک زبردست مہندس تھا۔ جس نے علم کو عملی حیثیت سے بھی کمال کو پہنچایا تھا۔ اور ایک زمانے مین سب سے بڑا معمار اور بڑھیون کا سردار رہا تھا۔ اور اس کا دادا علم مساحت مین کامل مانا گیا تھا۔ غرض علم و فضل اور خاصتہً علوم ریاضی اُسکے خاندان مین چلے آتے تھے۔ مگر اس ذاتی علم اور خاندانی فضیلت کے ساتھ اپنی زندگی کاشتکاری مین بسر کرتا تھا۔ اور اس مین بھی اُس نے اپنی ذاتی لیاقتون کے باعث ایک معزز زمیندار کی حیثیت حاصل کر لی تھی۔ اسی خوش نصیب شخص کو یہ عزت حاصل ہے کہ خدا نے اُسے جالینوس کا ایسا نامور بیٹا عطا کیا۔ جو فخر خاندان ہی نہین بلکہ فخر عالم اور فخر زمانہ ہی نہین بلکہ ہمیشہ کے لیے دُنیا کا سرمایہ ناز ہے۔

جالینوس کا نام عربی مین آکے زیادہ بگڑ گیا۔ انگریزی تلفظ کے موافق اُس کا نام گے لی نس کلاڈیس ہے۔ مگر یونانی اور رومی زبانون مین اس کا صحیح تلفظ گالے نوس کلودیوس ہونا چاہیے۔ نام کا دوسرا لفظ تو عربون نے غالبًا غیر مانوس ہونے کی وجہ سے مطلقًا چھوڑ دیا۔ پہلے لفظ کو موجودہ اصول کے موافق اگر صحیح طور پر معرب کیا جاتا تو غالے نوس ہوتا۔ مگر قدماے عرب کا یہ قاعدہ نہ تھا۔ وہ ہمیشہ "گ" کو "ج" سے بدلا کرتے تھے۔ اور اسی قاعدے کے مطابق انھون نے گالے نوس کو جالینوس بنا دیا۔ اس لفظ کے معنی یونانی زبان مین "ہدایت کرنے والے" اور "رہبر" کے ہین۔ بعض علماے عرب نے اسکے معنے فاضل کے بتائے ہین مگر صحیح پہلا ہی خیال ہے۔

جالینوس کی ولادت ایشیاے کوچک کے ایک مغربی شہر مین ہوئی جو قسطنطنیہ سے مشرق و جنوب جانب فی الحال اناطولیا کے علاقے مین ہے۔ اُس شہر کا نام اہل عرب فرغامس بتاتے ہین اور انگریزی مورخین کے نزدیک پرگاموس ہے۔ ابن ابی اصیبعہ

نے بعض قدما کے حوالے سے لکھ دیا ہے کہ شہر فرقاس وہی شہر ہے جسے سمرنا کہتے ہیں سمرنا آج کل ایک مشہور شہر ہے۔ اور دولت عثمانیہ کی ایک بہت بڑی ایشیائی بندرگاہ ہے۔ مگر یہ صحیح نہین معلوم ہوتا کہ اسی شہر کا نام اُن دنون فرقاس تھا۔ سمرنا سے تقریبًا ۳۰ یا ۳۵ میل کے فاصلے پر رومیون اور یونانیون کے زمانے مین "پرگامم" نام ایک بڑا شہر موجود تھا جو آج کل بھی ہے اور اب "پرگامو" کہلاتا ہے۔ اس مین کوئی شک نہین کہ یہی شہر پرگاموس ہے جس کو جالینوس کا وطن ہونے کی عزت حاصل ہے۔

ہارون رشید کے مشہور طبیب دربار جبرئیل بن بختیشوع کا بیان ہے کہ جب ہارون رشید نے رومیون کے مُلک پر حملہ کیا اور بڑھتے بڑھتے جاکے شہر قرہ مین ٹھہرا تو مین نے عرض کیا کہ "ہمارے اُستاد فن جالینوس کا وطن یہان سے دو ہی فرسخ ہے۔ اجازت ہو تو مین جاکے زیارت کر آؤن۔ اور اُس کے مکان کی جگہ پر بیٹھ کے کچھ کھاؤن پیون تاکہ اپنے معاصر طبیبون پر مجھے اس بات پر فخر کرنے کا موقع مل جائے کہ مین نے خاص جالینوس کے گھر مین بیٹھ کے کھایا پیا ہے"۔ رشید نے کہا "دشمن کا ملک ہے۔ اور رومی سپاہی آس پاس لگے ہوے ہین تم کو پکڑ لے جائین تو کیا کروگے؟" مین نے عرض کیا "سطوتِ خلافت ایسی نہین کہ کسی کو پاس بھٹکنے کی بھی جرأت ہو سکے۔ بھلا رومیون کی مجال ہے کہ مجھ پر ہاتھ ڈالین"۔ رشید بولا "تاہم احتیاط شرط ہے"۔ اور حکم دیا کہ پانچ سو سوار میرے ہمراہ جائین۔ مین نے گھبرا کے کہا "پچاس آدمی کافی ہین"۔ اس پر رشید ہنسا۔ اور کہا "مین سمجھا۔ ڈرتے ہو کہ اتنے لوگون کو کھلانا پڑے گا؟ اچھا تو اب تمھارے ساتھ ایک ہزار جوان جائین"۔ اب مین نے مایوسی کے لہجے مین افسردہ ہو کے کہا "معلوم ہوتا ہے جالینوس کے وطن کی زیارت میری قسمت مین نہین ہے۔ حضور مین جانے ہی سے باز آیا"۔ اس پر رشید اور زیادہ ہنسا اور اپنے باپ مہدی کی قسم کھا کے کہا "تم جاؤ گے اور ہزار جوان تمھارے ہمراہ ہون گے"۔ غرض جبرئیل جبرًا و قہرًا اُسی شاہی جلوس کے ساتھ گیا۔ جالینوس کے مکان کا پتہ لگایا۔ اور اُس مین بیٹھ کے کھانا کھایا۔ جبرئیل کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجودیکہ تقریبًا سات سو برس گذر گئے تھے مگر اس وقت تک وہان جالینوس کے

مکان کے کھنڈر موجود تھے۔ جن کی حالت و وسعت بتا رہی تھی کہ کسی زمانے میں بڑی شان و شوکت کا نمونہ ہوں گے۔

جالینوس کے سنہ ولادت میں بھی بڑا اختلاف ہے۔ اور جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جالینوس نے اپنی کتابوں میں اپنے دور۔ اپنے زمانے۔ اپنی عمر۔ اور اپنے عہد کے فرماں رواؤں کے حالات نہایت توضیح سے بتائے ہیں تو اس اختلاف پر بے انتہا حیرت ہوتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ ابتداءً کاتبوں اور ناسخوں سے بعض غلطیاں ہو گئیں جن کی وجہ سے سنین کے حسابات میں فرق پڑنے لگا۔ اور مورخین عرب نے جو اختلاف روایات کے نقل کرنے میں بڑے مشاق ہیں اس کی بنیاد پر ایسی ایسی پیچیدگیاں پیدا کیں کہ جالینوس کسی کے نزدیک تو حضرت مسیح کا معاصر تھا۔ کسی کے خیال میں پچاس ساٹھ برس بعد۔ اور کسی کے نزدیک دو سو برس بعد غور کرنے سے صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ۱۳۰ء میں وہ پیدا ہوا۔

یحییٰ نحوی نے جس طرح دیگر حکمائے یونان کی عمروں کو مختلف مشاغل میں تقسیم کر کے بتایا ہے اُسی طرح جالینوس کی نسبت بھی لکھ دیا کہ ۸۷ برس زندہ رہا جس میں سے ۱۷ سال تو بچپن اور طالب علمی میں صرف ہوئے۔ اور ۷۰ برس تک ایک گراں پایہ عالم و فاضل اور مرجع انام رہا۔ مگر ایسی باتوں میں بجائے تاریخی اعتبار کے کہانی کی شان ہوتی ہے۔ اس تقسیم کی تردید خود جالینوس کے بیان سے ہوتی ہے۔ اس لیے کہ وہ لکھتا ہے کہ سترھویں برس میرے والد نے مجھے طب کی تعلیم دلانی شروع کی۔ اور اسی وجہ سے علامہ ابن ابی اصیبعہ نے بھی یحییٰ نحوی پر اعتراض کیا ہے۔

جالینوس چونکہ ایک شریف اور صاحب علم گھرانے میں پیدا ہوا تھا لہذا باپ کو اُس کی تعلیم کی بے انتہا فکر تھی۔ اور یہ خیال زندگی کے تمام خیالات سے زیادہ اُسکے دل میں جاگزین تھا۔ وہ ہونہار بیٹے کے اُستادوں اور معلموں پر اپنا روپیہ صرف کرتا تھا۔ بلا بلا کر دور دراز سے لائق و مشہور لوگوں کو بُلاتا تھا۔ اور بیٹے کو اُن کی تربیت میں دیدیتا تھا۔ مگر چونکہ خدا کو منظور تھا کہ باپ کی یہ توجہ اور محنت بارور ہو لہذا بیٹے کے دل میں بھی علم کا شوق ڈال دیا۔ اور وہ علم کی طرف اس

ذوق و شوق سے دوڑتا تھا جیسے پروانہ شمع کی طرف یا پیاسا پانی کی طرف دوڑتا ہے۔ اُستاد سے سبق لینے کے بعد گھر آتا تھا تو کسی چیز کی طرف نظر نہ دوڑاتا۔ بلکہ رستے بھر اپنا سبق یاد کرتا آتا۔ چنانچہ معمول تھا کہ گھر پہونچتے پہونچتے اُسے سبق یاد ہو جاتا۔ ساتھ والے اور ہم سبق اُس کی ان باتون کو دیکھ کے حیران رہ جاتے تھے۔

ابتداءً باپ نے اُسے اُنھین علوم کی تعلیم دلانی شروع کی جو اُس کے خاندانی علوم تھے۔ یعنی ہندسہ۔ حساب۔ ریاضی وغیرہ۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ اپنے سن صبا مین مین نے علم برہان کی تعلیم پائی جس کے لیے بعض اوقات اُس نے باپ کے دست شفقت سے مار بھی کھائی۔ اور اسی ذاتی شوق اور قابلیت فطری کی برکت تھی کہ پندرہوین ہی برس ان سب سے فراغت حاصل کرکے اُس نے علم منطق شروع کر دیا تاکہ علوم فلسفیہ کی طرف توجہ کر سکے۔ اس مشغلے مین جو اُن دنون نہایت ہی متبرک اور مذہبی مشغلہ خیال کیا جاتا تھا۔ دو ہی سال مشغول رہنے پایا تھا کہ اُس کے باپ نے اتفاقاً کوئی خواب دیکھا۔ جس نے اُس سن رسیدہ مہندس پر کچھ ایسا اثر پیدا کیا کہ فوراً بیٹے کی تعلیم کے متعلق اُس کے اغراض و مذاق مین ایک نمایان انقلاب پیدا ہو گیا۔ یا تو منطق و فلسفہ پڑھا رہا تھا یا بیٹے کو طب کی تعلیم دلانی شروع کی۔ اور جس وقت سے جالینوس نے فن طب کی طرف توجہ شروع کی ہے اُسوقت اُس کی عمر سترہ برس کی تھی۔ مگر اس فن مین اُسے کچھ ایسا مزہ ملا۔ یا علوم روحانی و فلسفہ کی طرح علم طب نے اُس پر بے وقعتی عالم کا ایک ایسا خاص اثر ڈالا کہ اُس نے اس کمسنی و عنفوان شباب کے زمانے ہی مین لذائذ دنیوی کو یک قلم چھوڑ دیا۔ اور لوگون کے دلون مین جن چیزون کی ہوس ہوا کرتی ہے اُن سب کو ذلیل اور اپنی شان سے ادنیٰ خیال کرنے لگا۔ اب اُس نے یہان تک فروتنی اختیار کی کہ اپنے آپ کو نہایت ہی ذلیل درجے پر دکھاتا تھا۔ رات رات بھر جاگتا اور اُن علمی خزانون کی فکر مین رہتا جو حکما و اطبائے قدیم کے ورثا او ترکہ تھے۔

چونکہ وہ ایک بے مثل و بے ہمتا طبیب تھا۔ لہذا اپنی زندگی کو بھی اُس نے

طبی حیثیت سے اور صحت و مرض کے لحاظ سے بتایا ہے - چنانچہ اُسی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اُس کا عنفوان شباب تھا اور لذائذ دنیوی سے وہ بہت کچھ احتراز کرنے لگا تھا - اُس کے والد نے تو اُسے تعلیم پانے کے لیے شہر مین چھوڑ دیا اور خود اُس قریب کے گانون مین جا کے اقامت پذیر ہو گیا جہان اُن کی زمینداری اور کھیتی تھی - باپ سے جدا ہونے کے زمانے مین بعض ہمجولیون اور ہم سبقون سے اُس سے صحبت بڑھی - چونکہ ذاتی شوق اور نہ تھکا دینے والی محنت کے باعث وہ ہمیشہ ہم عمرون اور ہم سبقون پر غالب رہتا تھا اور درس مین اُن سے آگے نکل جاتا تھا - لہذا یہ لازمی بات تھی کہ ہمسن زیادہ شوق سے بلکہ اپنا فخر سمجھ کے اُس سے ملا کرتے تھے -

الغرض دوستون مین کسی دن میوہ خوری کی صحبت ہوئی - اور جالینوس اپنی عادت کے خلاف خوب پیٹ بھر کے اور تن کے کھا گیا - اس وقت تو صحبت لطف و مذاق مین ٹل گئی مگر چند روز بعد جب موسم خریف شروع ہوا تو وہ بیمار پڑ گیا - اور ایسا سخت بیمار کہ بغیر فصد کھولے جان بر نہ ہو سکا - اس بیماری کو وہ اپنی اُسی میوہ خوری کا نتیجہ قرار دیتا ہے - باپ کو خبر ہوئی تو بیتاب ہو کے دوڑا آیا - اُسے اس بدپرہیزی پر لعنت ملامت کی - ڈانٹا ڈپٹا - اور کہا بھلا تم خیال تو کرو کہ تمھارے بچپن مین غذاؤن کے متعلق کیسی کیسی احتیاطین کی جاتی تھین - اور پرہیز کا کس قدر لحاظ رکھا جاتا تھا خبردار پھر کبھی دوستون مین بیٹھ کے ایسی بے احتیاطی نہ کرنا - غرض خدا خدا کر کے اُس بیماری سے اچھا ہوا - اور غذاؤن کے متعلق پوری احتیاط کو عمل مین لانے لگا - اس بیماری کے وقت اُس کی عمر ۱۹ سال کی تھی -

اس واقعے کو ایک ہی برس گذرا تھا اور اُس کی عمر کا بیسوان سال تھا کہ شفیق باپ نے اس عالم فانی کو رخصت کیا - اور جالینوس کا وہ مہربان ہمدرد دنیا سے اُٹھ گیا جو اُس کی تمام فکرون کو اپنے سر لیے ہوے تھا - اور جس کی وجہ سے اُسے کبھی کسی قسم کی فکر معاش سے سابقہ نہین پڑنے پایا تھا - جس کی پہلی مضرت یہی برداشت کرنی پڑی کہ دوستون کی ناعاقبت اندیشی سے پھر ایک مرتبہ میوہ جات کے استعمال مین پہلی ہی سی بدپرہیزی کی - وہی پہلی سی بیماری پھر اُٹھ کھڑی ہوئی

اور پھر فصد لینی پڑی - مگر اب کی مرتبہ کی بیماری نے زیادہ ستایا - اگرچہ فصد لینے سے بیماری کا زور ٹوٹ گیا مگر سلسلۂ مرض کئی سال تک چلا گیا - یہان تک کہ ۲۰ برس کی عمر کو پہونچ گیا - اس زمانے مین اُسے ایک بہت سخت مرض برداشت کرنا پڑا - جس سے بڑی نا امیدیون کے بعد خدا نے اُسے نجات دی - یہ مرض ایک پھوڑا تھا جو جگر کے قریب نکلا تھا - اور ایسا سخت تھا کہ اُس زمانے کے مذاق و عقائد کے مطابق اُس نے منت مانی تھی کہ اگر شفا حاصل ہوگئی تو اُس ہیکل یعنی مندر کی زیارت کرون گا جو اسقلیبوس کا مندر کہلاتا تھا - اور اس منت کو اُسوقت پورا کیا جب قیصر روم اُسے اپنے ساتھ میدان جنگ مین لے جانا چاہتا تھا اور اُس نے اسی منت کا عذر پیش کر کے اپنی جان چھڑائی -

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسقلیبوس جو یونان کا پہلا طبیب تھا اُسکے نام کا ایک مندر قیاصرۂ روم کے دَور اور حضرت مسیح کے زمانے کے بعد تک موجود تھا اور اُسکی زیارت اسقلیبوس کے کمالات کے لحاظ سے موجب صحت خیال کی جاتی - اور مریض صحت پانے کے لیے اُس کی زیارت کرتے اور چڑھاوون کی منت مانا کرتے تھے - وہ ہیکل اگرچہ بت پرستی کا ایک کرشمہ ہوگی مگر پھر بھی ایک بڑے نامی گرامی اور گران پایہ طبیب کی یادگار تھی - مگر افسوس کہ مسیحیت نے جس طرح یونان و روم کے قدیم علم و فضل کی اور تمام یادگارون کو تہ و بالا کر کے دنیا سے مٹا دیا اُسی طرح اس ہیکل کو بھی فنا کر دیا -

ہر تقدیر اس سخت بیماری کے بعد پھر جالینوس نے عہد کیا اور قسم کھائی کہ اب انجیر اور انگور کے سوا کسی پھل کو کبھی نہ کھاؤن گا - اور انجیر و انگور کو کھاؤن گا بھی تو بخوبی اندازہ کر کے اور خوب دیکھ بھال کے کہ وہ پکے ہین اور خراب نہین ہوے ہین - اُس کے ساتھ اُس کے تمام دوستون اور ہم عمرون نے بھی یہی قسم کھائی - جس کا فائدہ بھی وہ یہ بتاتا ہے کہ مین پھر کبھی بیمار نہین ہوا -

عمر کے اٹھائیسوین برس اِس مرض شدید مین مبتلا ہوا تھا - اور غالباً اب وہ فن طب مین اپنی تعلیم بھی پوری کر چکا تھا - کیونکہ اُس کے دو ہی سال بعد اپنی عمر کے تیسوین برس ایک معزز و محترم طبیب کی حیثیت سے وہ رومۃ الکبریٰ مین پہونچا -

رومہ کا اُن دنون زمانۂ عروج تھا - قیصرون کے عظمت وجبروت کی کوئی انتہا نہ تھی اور جس طرح سوا ایران کے مغربی ایشیا اور سارے یورپ وافریقیہ کے تمام سلاطین رومہ کے آگے سر اطاعت جھکائے ہوے تھے - اُسی طرح ساری دنیا کے کل علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کا مرجع بھی رومتہ الکبرے ہی تھا - وہان بڑے بڑے علما و فضلا-ایک سے ایک بڑھکے کامل فن - روشن خیال فلسفی - اور حاذق طبیب جمع تھے - جن کے مقابل مین کسی نئے شخص کا آکے کسی فن مین دعوے کرنا - اور شہرت وناموری حاصل کرنا اور خصوص ایسے شخص کا جو نو عمر و نوخیز ہو نہایت دشوار بلکہ غیر ممکن کے درجے کے قریب پہونچا ہوا تھا - مگر جالینوس ہی تھا جس نے وہان پہونچنے کے چند ہی روز بعد سب کو دبا لیا - اور ایسی شہرت حاصل کی کہ وہی وہ تھا -

جس وقت وہ رومتہ الکبرے مین پہونچا ہے مرقوس اور ریلیوس انطونی نوس قیصر کا ابتدائی دور تھا - اس لیے کہ وہ ۱۶۱ء مین تخت نشین ہوا تھا چونکہ جالینوس تقریبًا ۱۳۰ء مین پیدا ہوا تھا - اور عمر کے تیسوین برس یہان آیا - جس حساب سے اُس کے ورود رومہ کا سال ۱۶۰ء قرار پاتا ہے - یہ کمی شاید مہینون کی کمی زیادتی سے پوری کی جاسکے - مگر اس مین شک نہین کہ جس وقت وہ پہونچا ہوگا موجودہ قیصر کی تخت نشینی کا پہلا ہی سال اور بالکل ابتدائی زمانہ ہوگا -

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ورود رومہ کے ابتدائی زمانے ہی مین اُس نے ایک مرتبہ کسی رومی افسر کے سامنے مقدس اطباے روم کو جمع کیا - پھر ایک جانور کو منگوا کے اُس کا پیٹ چاک کر ڈالا - آنتین وغیرہ باہر نکالین - اور سب سے کہا جس طرح یہ سب اعضاے اندرونی پیٹ کے اندر تھے اُنھین آپ پھر اندر رکھ دیجیے" اُن سب کے لیے یہ ایک ایسا نیا کام تھا کہ کسی کو ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ ہوئی - اور جب سب عاجز ہوگئے تو اُس نے اُن سب کے سامنے وہ آنتین وغیرہ حسب سابق مرتب کرکے رکھ دین - اسکے بعد اُس نے ایک اور زندہ جانور منگوا کے اُس کی چند رگین کاٹ دین - اور جب اُن سے خون کے

فوارے جاری ہوے تو اطباے حاضرین سے کہا اس کا علاج کیجیے - یہ خون رُک جائے اور رگین جُڑ جائین - مگر اب بھی کسی سے کوئی تدبیر نہ بن پڑی - تب اس بارے مین بھی اُس نے اپنا یہ کمال دکھایا کہ اُن لوگون کے سامنے ہی خون روک دیا اور رگین جوڑ دین۔

یہ واقعہ حاضرین پر غیر معمولی اثر ڈالنے اور اُنھین معتقد بنانے کے لیے کافی تھا۔ چنانچہ اُسی افسر نے جس کے سامنے یہ واقعہ پیش آیا تھا اپنے ایک فوجی شفا خانے پر اُسے مقرر کر دیا - جالینوس نے اس دارالشفا مین ایسی توجہ اور ہوشیاری سے کام کیا کہ اول تو تین سن رسیدہ اور تجربہ کار طبیبون کا کام اپنے ذمے لے لیا اور اس کامیابی سے علاج کیا کہ پیشتر والے اطبا کی نگرانی مین ۱۶ آدمی مرے تھے اور جالینوس کی نگرانی کے وقت اُتنی ہی تعداد مین سے صرف دو آدمی مرے باقی سب اچھے ہو گئے۔ اس کامیابی کی شہرت ہوئی تو ایک اُس سے بھی بڑے فوجی سردار نے ایک بڑے شفا خانے کا کام اُس کے سپرد کر دیا - یہان جالینوس نے اُس پہلے شفا خانے سے بھی زیادہ مستعدی دکھا کے کامیابی حاصل کی - یعنی باوجودیکہ لوگ بہت شدید زخمی تھے - اور متعدد کاری زخمون کے گھائل تھے مگر اُس کی غیر معمولی توجہ سے سب جانبر ہو گئے

انھین چیزون نے اُسے اس قدر مشہور کر دیا کہ قیصر روم انطونی نوس کے دربار تک باریابی کی عزت حاصل ہوئی۔ اور بوائیوس نام ایک عالی مرتبہ رومی امیر کے لیے جو خاص رومۃ الکبرا کا حاکم تھا علم تشریح مین ایک کتاب لکھی - اور روز بروز شہرت و ناموری ہی حاصل کرتا گیا - یہان تک کہ اب روما مین اُسکے مقابل کا کوئی طبیب نہین تسلیم کیا جاتا تھا - روم مین اُس کی ناموری و شہرت کا ایک یہ ذریعہ بھی تھا کہ وہ مجمع عام مین علم تشریح پر لکچر دیا کرتا تھا - جس سے سب لوگ اُسکے علم و فضل کے نہایت ہی معترف ہو گئے - حتی کہ خود بادشاہ نے زمانۂ غیبت مین اپنے بیٹے کی صحت کا نگران اور اُس کا معالج اُسی کو مقرر کیا۔

ایسی ناموری - ایسی مقبولیت - ایسی عزت - اور اس درجے کا تجربہ حاصل ہونے کے بعد اُس نے غور سے دیکھا تو اُن دنون اطباے سوفسطائی کا زور زور شور تھا -

جو محض اوہام اور مغالطون مین مبتلا تھے - اور فن طب کو روز بروز غارت کرتے جاتے تھے - یہ چیز اُسے سخت ناگوار ہوئی اور خیال کیا کہ فن طب کو زمانے کی اس دست برد سے بچانا میرا سب سے بڑا اور اہم فرض ہے - اس بات کا خیال آتے ہی وہ اطبائے زمانہ کی مخالفت پر اُٹھ کھڑا ہوا - صرف بقراط اور اُس کے پیروؤن کے اصول کو اختیار کر لیا - اُن کی تائید و تقویت کی - اور جو لوگ اُس قدیم صحیح ڈھرے سے ہٹ گئے تھے اُن کو ملزم ٹھہرایا - اور اُن کی غلطیان پکڑنی شروع کین - اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ اطبائے زمانہ سے مخالفت بڑھی - جھگڑے پیدا ہوے - اور بارہا مناظرے اور ردو قدح کی نوبت آئی - جن مین مقبولیت اور تجربے نے ہمیشہ جالینوس ہی کو کامیاب کیا -

رومتہ الکبرے مین یہ تمام کمالات اُس نے چند ہی روز مین دکھا دیے - اور وہان صرف تین سال کے قیام نے اُسے نہایت ہی شہرت و عروج کے درجے پر پہونچا دیا - اس لیے کہ اپنی عمر کے تیسوین سال رومہ مین گیا تھا - اور تینتیسوین برس واپس چلا آیا - اور ارادہ تھا کہ وطن مین بیٹھ کے اہل وطن کی خدمت کرے - یا دیگر ممالک مین سفر کر کے اپنے علم و فن مین زیادہ کمال حاصل کرے -

(۲)

شہر رومتہ الکبرے کے اس پہلے قیام ہی کے زمانے مین اُس نے پوری شہرت و ناموری حاصل کر لی تھی - ایسی شہرت کہ رومہ کا کوئی طبیب اُس کے مقابل مین نہ ٹھہر سکتا تھا - منجملہ اُن شفاخانون کے جن کا ذکر پہلے آ چکا ہے اُس نے ایک مذہبی دار الشفا مین بھی اپنے کمالات دکھائے تھے - وہان کوئی بہت بڑا مندر تھا جو مذہبی حیثیت سے مرجع عام بنا ہوا تھا - وہان کے سب سے بڑے پوجاری نے جو تمام اہل روم کا مقتدا اور پیشوا تھا اُس کی قدر کی - اور اسی مندر کے متعلق جو زبردست شفاخانہ تھا اُس کی نگرانی اور اُسکے مریضون کا علاج اُس نے جالینوس کے ذمے کیا - یہان اُس طبیب بے ہمتا نے طبی کمالات کے ساتھ جوش عقیدت سے بھی کام لیا - اور ایسی توجہ و سرگرمی ظاہر کی کہ لوگ کہتے ہین رومہ مین اُسکی شہرت و ناموری کا ذریعہ یہی شفاخانہ ہوا -

اپنی کتاب تشریح مین اُس نے جو حالات خود بیان کیے ہین اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ رومتہ الکبرے مین تین سال رہ کے بہت سے ارادے اور آرزوئین دل مین لیے ہوے وہ واپس تو چلا آیا مگر شاید چندروز بھی اطمینان سے بیٹھنا نہین نصیب ہوا۔ اُن دنون روم کے دو قیصر ہوا کرتے تھے جو دونون اتفاق سے کسی مہم کے سر کرنے کے لیے شہر اقولیا مین آکے فروکش ہوے۔ جالینوس کے کمالات کے وہ پیشتر سے معترف ہو چکے تھے۔ اور اُن کی نظر مین اس سے بڑا کوئی طبیب نہ تھا۔ لہذا فوراً شاہی فرمان اُس کی طلبی مین پہونچا۔ جالینوس چونکہ محنت سے تھک کے آیا تھا اور دیگر ممالک مین سفر کر کے تجربات طبی مین ترقی کرنے کا دلدادہ ہو رہا تھا۔ لہذا اب قیاصرہ کے دربار سے بھاگتا تھا۔ مگر حکم حاکم مرگِ مفاجات۔ عذر کرنا بے سود تھا۔ طوعاً و کرہاً اقولیا کی راہ لی اور حاضر دربار ہو گیا لیکن اب بھی اُسے دل مین اُمید تھی کہ ان دونون قیصرون مین سے ایک رحمدل اور قدردان ہے۔ اگر اُسکے سامنے عذرخواہی کرون گا تو واپسی کی اجازت ملجائیگی اتفاق کی بات جالینوس اقولیا مین پہونچا ہی تھا کہ وبا شروع ہو گئی۔ اور لوگ بیمار ہو ہو کے مرنے لگے۔ خود اُس کا بیان ہے کہ یہ وبا ایسی شدید تھی کہ اس سے پیشتر کبھی نہین سُنی گئی تھی۔ دونون قیصرون نے تو بے تحاشا بھاگ کے رومہ الکبرے کی راہ لی اور لشکر اقولیا ہی مین پڑا رہا۔ مگر موت گویا ان قیصرون کے پیچھے بھی دوڑتی چلی آتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونون مین سے ایک راستے ہی مین بیمار پڑ کے مر گیا۔ اور دوسرا اُس کی لاش کو لیے ہوے رومہ مین پہونچا۔ جہان اپنے شریک سلطنت کی خاک کو خاک رومہ کے سپرد کر کے اُسے اطمینان نصیب ہوا۔ مگر رومہ مین چندہی روز ٹھہرنے کے بعد اُس نے ایک مہم پر روانہ ہونے کی تیاریان کردین جالینوس اس پورے سفر مین اُس کے ہمراہ رکاب رہا تھا۔ اور واقعات ایسے پیش آتے گئے کہ اُسے واپسی کی اجازت حاصل کرنے کا موقع ہی نہین ملا اب قیصر روم ایک عظیم الشان مہم پر اور معرکہ آرائی کے ارادے سے جانے لگا تو جالینوس کو بھی ہمراہ رہنے کا حکم دیا۔ اور اس بات کی استمالت شروع کی کہ وہ میدان جنگ مین جاکے شاہی طبیب کی خدمت بجا لائے۔ جالینوس نے جیسا کہ

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں یہ عذر پیش کیا کہ مجھے اپنی یہ منت پوری کرنی ہے کہ
اسقلبیوس کے مندر کی زیارت کروں اور وہاں کے رسوم زیارت کو بجالاؤں
قیصر نے جب دیکھا کہ جالینوس اس نازک سفر میں ساتھ نہیں دیتا تو کہا "اچھا
تم ساتھ نہ چلو۔ اور تمہیں اجازت ہے کہ اپنی منت بھی پوری کرو۔ مگر وطن
واپس جانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ تا وقتیکہ میں روما میں واپس نہ
آجاؤں تم ہمارے دارالسلطنت ہی میں ٹھہرے رہنا۔ اور اگر میں نہیں تو میری
غیبت میں میرے بیٹے کے معالج رہنا۔" الغرض یہ حکم دے کے قیصر انطینوس لڑائی
پر چلا گیا۔ اور جالینوس کے پاؤں میں بدستور بیڑیاں پڑی رہیں۔

اب اُس کی شہرت اس درجے کو پہونچی ہوئی تھی کہ لوگ اُسکے نام سے ناجائز
تمتع حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن وہ روما کی سڑک پر
چلا جاتا تھا کہ دیکھا ایک مقام پر غیر معمولی بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ اور لوگ کسی بیرونی
شخص کو گھیرے کھڑے ہیں۔ جالینوس اس تجسس میں کہ یہ کیا معاملہ ہے بھیڑ کے
اندر گھسا اور اُس شخص کے قریب پہونچ کے اُس کی باتیں سننے لگا۔ وہ کہہ رہا
تھا "میں ملک شام کے شہر حلب کا رہنے والا ہوں۔ اور جالینوس کا شاگرد ہوں
مجھے یہ ایک مجرب دوا اُس سے خاص طور پر ملی ہے جو اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔" یہ
کہہ کے وہ تو خاموش ہو گیا۔ مگر جالینوس آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے اُس کی صورت
دیکھنے لگا کہ یہ کون شخص ہے۔ اور اس سے کبھی کی شناسائی بھی ہے یا نہیں؟
ہزار غور کیا اور حافظے پر زور ڈالا مگر کچھ یاد نہ آیا۔ تب وہ کھڑا ہو کے اُس کے
علاج اور اُس کے تدابیر دفع مرض کو غور سے دیکھنے اور سننے لگا۔ چند ہی
لمحوں میں معلوم ہو گیا کہ وہ محض ایک دغاباز شخص ہے۔ اور شاگرد ہونا کیسا فن
طب سے مس بھی نہیں رکھتا۔ آگے بڑھا اور لوگوں سے کہا "یہ شخص بالکل
جھوٹا اور جعلساز و مکار ہے۔ میں خود جالینوس ہوں۔ اور کبھی اس کی صورت بھی
نہیں دیکھی ہے۔" اتنا سنتے ہی لوگ اُس پر جھپٹ پڑے اور گرفتار کر لیا۔ اس کے
بعد جب وہ جعلسازی کے جُرم کا مرتکب قرار دے کے دربار شاہی میں پیش کیا
گیا تو اُسے سزا دی گئی۔

اس قسم کے جعل ساز ہر زمانے مین اور ہر فن کے مدعیون مین پیدا ہوتے رہے ہین۔ مسلمانون مین دورِ اولین مین جب فن حدیث ترقی کر رہا تھا۔ اور تنقید و تحقیق کی سرگرمیون نے امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کے سے باکمال نقادِ فن اور محدث پیدا کر دیے تھے تو ایک دن کا واقعہ ہے کہ بصرے کی جامع مسجد مین یہ دونون بزرگ نماز سے فراغت کر کے اوراد و وظائف مین مشغول تھے کہ ناگہان ایک شخص آیا۔ جس نے نماز پڑھی اور کل حاضرینِ مسجد کی طرف مخاطب ہو کے بآوازِ بلند کہنے لگا "حدثنا یحییٰ بن معین و احمد بن حنبل عن فلان عن فلان قال قال رسول اللہ الخ"؛ یعنی مجھ سے یحییٰ بن معین و احمد بن حنبل نے فلان فلان لوگون کے سلسلے سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے اُس سے ایک چڑیا پیدا ہوتی ہے اُس کی چونچ ایسی ہوتی ہے اور پر اتنے ہوتے ہین۔ اور ہر پر سے اتنے فرشتے وابستہ ہوتے ہین۔ خلاصہ یہ کہ اُس نے ایک بہت بڑی حدیث کئی ورقون کی کہانی کی شان سے بیان کر ڈالی۔ خود یہ دونون بزرگ جن سے وہ روایت کرتا تھا حیران تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ آخر دونون نے ایک دوسرے سے پوچھا کہ تم نے اس حدیث کی روایت کی ہے؟ اور دونون نے کانون پر ہاتھ رکھا تب یحییٰ بن معین نے اُس شخص کو اشارے سے اپنے پاس بُلایا۔ اور پوچھا "تم سے یہ حدیث کس نے بیان کی؟" جواب ملا "یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل نے"۔ اس شخص نے ان دونون ائمۂ حدیث کے صرف نام سُنے تھے پہچانتا نہ تھا۔ اُس کا یہ جواب سُن کے یحییٰ بن معین نے کہا "مین یحییٰ ہون اور یہ احمد بن حنبل ہین۔ مگر ہم دونون نے تو اس حدیث کو کبھی نہین سنا۔ تمھین اس کی روایت کیونکر پہونچ گئی؟" مگر سچ یہ ہے کہ یہ عربی مکار اُس جلیبی مکار سے جس سے جالینوس کو سابقہ پڑا تھا زیادہ جری اور چالاک تھا۔ وہ تو لاجواب ہو کے رومہ کی عدالت سے سزایاب ہوا۔ مگر اس نے اس تفضیح کی پرواہ بھی نہ کی بلکہ یحییٰ بن معین کی زبان سے یہ کلمات سنتے ہی قہقہہ مار کے ہنسا اور نہایت ڈھٹائی سے بولا "مین سنا کرتا تھا کہ یحییٰ بن معین بے وقوف ہین۔ آج اس کا تجربہ ہو گیا۔ آپ کو کیونکر معلوم ہوا کہ دُنیا مین اکیلے آپ ہی یحییٰ بن معین ہین۔ اور

اور یہی احمد بن حنبل ہیں؟ ممکن ہے کہ میں نے کسی اور یحیٰی بن معین اور دوسرے احمد بن حنبل سے روایت کی ہو۔" اس جواب پر یحیٰی بن معین تو اُس کا منہ دیکھ کے رہ گئے اور وہ ہنستا ہوا جامع مسجد سے نکل کے چلا گیا۔

جالینوس جب دوسری مرتبہ شہر رومہ میں داخل ہوا ہے اُس کی عمر ۳۴ برس کی تھی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ وارد روم ہونے سے پہلے اپنے علمی شوق میں اُس نے دو بحری سفر کیے تھے۔ ایک مرتبہ تو قورنثوس (کارنتھ) میں گیا۔ جہاں اُسنے سنا تھا کہ زمانۂ ماسبق کے ایک مشہور طبیب قونطس کا کوئی شاگرد وہاں موجود ہے جس کا نام انیقانوس ہے۔ مزید طبی واقفیت حاصل کرنے اور اسکے خاندانی کمالات سے بہرہ یاب ہونے کے لیے وہ کارنتھ میں گیا اور اُسکی شاگردی کی عزت حاصل کی۔ اسی طرح یہ سُن کے کہ قونطس اور نومیسیانوس کے کچھ تلامذہ اسکندریہ میں موجود ہیں اُس نے ارض مصر کا سفر کیا۔ اُن لوگوں سے مل کے اور اُنکے خزانہاے علمی سے طبی دولت حاصل کرکے اپنے وطن کو واپس آیا۔ اسی موقع پر اُس نے گھر میں بیٹھ کے آزادی کے ساتھ علم طب کی خدمت گذاری پر کمر باندھی تھی کہ قیصر روم نے اُسے اقوالیا میں طلب کیا۔ جس سلسلے میں اُسے دوبارہ رومۃ الکبرٰی کی صورت دیکھنی پڑی تھی جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ انھیں سفروں کے سلسلے میں اُس نے قدیم ۱۰ ار السلطنت یونان شہر اثینیہ (اتھنز) کا بھی سفر کیا تھا۔

اُس کے اساتذہ یوں تو بہت ہیں مگر اس کا اصلی اُستاد جس سے اُس نے علم طب کو تکمیل کے ساتھ حاصل کیا۔ ارسینس نام اُس عہد کا ایک مشہور طبیب تھا۔ اُن دنوں قلیوبطرہ (کلیوپیٹرا) نام ایک باکمال عورت تھی جو عورتوں کے مختص علاج میں مشہور تھی۔ طب کے اس مخصوص حصے کے حاصل کرنے کے لیے اُسنے اس عورت کی بھی شاگردی کی۔

اُس کے شوق علم اور تحقیق و تفتیش کا اس سے پتہ چل سکتا ہے کہ محض اتنی غرض کے لیے کہ بعض معدنی ادویہ کو اُن کی اصلی معدن میں دیکھے اور اُن کا تجربہ کرے اُس نے جزیرۂ قبرس (سائپرس) کا سفر کیا۔ اسی ضمن میں جزیرۂ لمنوس میں پہونچا۔ پھر ارض شام میں آیا۔ جو سرزمین کہ اپنی قدامت اور اپنے روحانی

والہامی کمالات کے لحاظ سے خاص شہرت رکھتی تھی۔ اس ملک مین بھی اُس نے بہت سے طبی تجربات حاصل کیے۔ اور ارادہ کیا کہ سفر کرتا ہوا اپنے وطن کو واپس جائے۔ راستے مین شہر فرما مین پہونچا جو میڈیٹرین سی (بحیرۂ روم) کے سواحل پر تھا۔ یہان پہونچتے ہی ناسازی آب وہوا نے کچھ ایسا اثر کیا کہ بیمار ہوا اور اسہال کی شدت ہوئی۔

خود طبیب حاذق تھا۔ اور بعض طلبا بھی گرد وپیش موجود تھے۔ سب نے علاج مین بہت زور لگایا۔ مگر کسی طرح افاقہ نہ ہوا۔ علاج کی بے اثری نے چند ہی روز مین یقین دلادیا کہ یہ جانے والا مرض نہین بلکہ مرض موت ہے۔ لوگ کہتے ہین کہ بعض لوگ معترض بھی ہوے کہ بڑی بڑی سخت بیماریون کا علاج کیا اور اس کا علاج نہین ہو سکتا۔ اُن لوگون کا اطمینان کرنے کے لیے اُس نے ایک مٹکا منگوا کے اُس مین پانی بھروا دیا۔ پھر ایک دوا اُس مین ڈلوا دی اور تھوڑی دیر بعد لوگون سے کہا "مٹکے کو توڑ ڈالو"۔ وہ توڑا گیا تو دیکھا کہ پانی منجمد ہو گیا تھا جو بیضوی قطع مین بستہ ہو کے رہ گیا۔ اور مٹکے کے ٹھیکرے ٹوٹ کے الگ گر گئے۔ لوگوں نے اس پر حیرت ظاہر کی۔ اور اُس نے کہا" اسی دوا کو جس کا تم نے یہ اثر دیکھا بہت کچھ استعمال کر چکا ہون۔ مگر دست نہین رکتے"۔ خلاصہ یہ کہ اسی شہر فرما مین جو علاقۂ مصر مین ہے اُس نامی گرامی طبیب نے دنیا کو رخصت کیا۔ اور وہین پیوندِ زمین ہوا۔ بعض مورخین کا دعویٰ ہے کہ اُس نے شہر فرما مین نہین بلکہ جزیرۂ صقلیہ مین اس دنیاے فانی کو رخصت کیا۔ اور وہین مدفون ہے۔

یونانی فن طب کو اکثر الزام دیا جاتا ہے کہ اُس کی بنیاد زیادہ تر قیاسات پر قائم کی گئی ہے۔ اور کلیات در کنار تشخیص وعلاج تک مین قیاسی وعقلی اسباب وعلل سے کام لیا جاتا ہے۔ مگر اُس کے سب سے بڑے مجدد جالینوس کا دستور العمل اسکے خلاف تھا۔ اُس کا معمول تھا کہ تقلید محض سے بھاگتا۔ اور بغیر تجربے کے کوئی رائے نہین قائم کرتا۔ اپنے اس طرز عمل کو اُس نے خود ہی بتایا ہے۔ مگر اس سے زیادہ کمال یہ تھا کہ تجربات کی کثرت نے اُسکے دماغ مین فن طب کے متعلق ایسی مکمل اجتہادی قوت پیدا کر دی تھی کہ کسی معاملے مین اگر قیاس سے کام لیتا بھی

تو وہ بھی ویسا ہی صحیح ثابت ہوتا جیسا کہ تجربے کو ثابت ہونا چاہیے تھا۔
ایک شخص گر پڑا تھا۔ خارجی ادویہ کے استعمال سے چوٹ تو اچھی ہو گئی۔ مگر ساتھ ہی یہ عجیب و غریب نتیجہ ظاہر ہوا کہ آواز بند ہو گئی۔ ہزار کوشش کرتا مُنہ سے آواز نہ نکلتی۔ اطبا اُس کے علاج سے عاجز ہو گئے۔ اور اُن کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ گرنے اور آواز بند ہونے سے کیا علاقہ ہے۔ اُس سے جالینوس سے ملاقات ہوئی۔ اور جالینوس نے حالات سنتے ہی اُس کو اُن اعضا کی تشریح بتائی جو آواز نکلنے کے آلات واقع ہوئے ہیں۔ اور اُسکے ذہن نشین کر دیا کہ آواز کن حرکات سے اور کیونکر نکلتی ہے۔ اور اسی سلسلے میں اُسے جالینوس نے یہ بھی بتا دیا کہ گرنے سے آواز کے بند ہونے کا نتیجہ کیونکر پیدا ہوا؟ یہ گفتگو سُن کے اُس نے اسی کا علاج شروع کیا۔ اور چند ہی روز میں نظر آ گیا کہ جو رائے جالینوس نے قائم کی تھی بالکل صحیح تھی۔
بالکل ایسا ہی حال ایک اور شخص کا ہوا۔ وہ گھوڑے سے گر پڑا تھا اور بہت چوٹ آئی تھی۔ علاج کرنے سے چوٹ کا نام و نشان بھی نہیں باقی رہا۔ مگر اُسکے سلسلے میں یہ نیا مرض اُٹھ کھڑا ہوا کہ دو انگلیوں میں سے حس زائل ہو گئی۔ بڑے اطبا نے سر مارا مگر کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ جسم کے مختلف مقامات کی چوٹ سے اُن دو انگلیوں کی حس کیوں سلب ہو گئی۔ سب طرف سے تھک کے اُس نے جالینوس کی طرف رجوع کیا۔ جالینوس نے اُس سے پوچھا "تمھارے چوٹ کہاں آئی تھی؟" کہا "پیٹھ میں دونوں شانوں کے درمیان"۔ جالینوس کہتا ہے کہ اتنا جواب سنتے ہی میں نے اصل مرض کا پتہ لگا لیا۔ میرے خیال میں آ گیا کہ انگلیوں میں جو پٹھے ہیں اُن کی جڑ کو اور خاص اُس مقام پر جہاں سے وہ اُگے ہیں نقصان پہونچا ہے۔ وہی دوائیں جو اور سب اطبا انگلیوں میں لگا رہے تھے میں نے پیٹھ پر اور خاص اُس جگہ جہاں اُس نے چوٹ بتائی تھی استعمال کرائی۔ اور خدا کی قدرت کہ انگلیاں اچھی ہو گئیں۔ اُن کی حس عود کر آئی۔ اور تمام دیکھنے والے متحیر ہو گئے۔
ایسے ہی اُس کے اور بھی بہت سے علاج ہمیں معلوم ہوئے ہیں۔ جن سے اُس کی تجربہ کاری اور مہارت فن کے ساتھ اُس کی جودت و ذکاوت کا بھی پتہ چلتا ہے۔

اپنی زندگی مین اُسے ایک بہت بڑا نقصان بھی برداشت کرنا پڑا جس سے زیادہ اہم اور دل بٹھا دینے والا صدمہ صاحبان علم کے لیے نہین ہوسکتا۔ اُس نے جتنی کتابین تصنیف کی تھین وہ باستثناے چند سب رومۃ الکبریٰ کے کتب خانے مین حفاظت سے رکھی گئی تھین۔ اس لیے کہ اُن کو اُس نے زیادہ تر امرا و سلاطین کی فرمایشون ہی پر تصنیف کیا تھا۔ بدقسمتی سے وہ رومہ ہی مین تھا کہ اُس عظیم الشان کتبخانے مین آگ لگ گئی۔ اور تمام دیگر علمی کارنامون کے ساتھ اُس کی کل تصانیف بھی جل کے خاک اور دنیا سے ناپید ہو گئے۔ افسوس کہ اُس نے اپنی بعض باقی ماندہ کتابون مین جن تصانیف کی فہرست بتائی ہے وہ دنیا مین نہین ہین اور اُسکے سامنے ہی فنا ہو چکے تھے۔

جالینوس کے بعد غالباً روم وغیرہ مین بہت سے طبیب ہوے ہون۔ مگر ظہور اسلام کے زمانے تک پھر کسی کو وہ عروج و ناموری نہین حاصل ہوئی جو اسکو حاصل ہوئی تھی۔ اور اسی لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ وہ خاتم الاطبا تھا۔ اور اُس کا سا کوئی باکمال اُسکے بعد یونان و روم کی خاک سے نہین پیدا ہوا۔ یہان تک کہ حضرت سرور کائنات علیہ السلام پیدا ہوے۔ اور اطباے اسلام کا دور دورہ شروع ہوا۔ گو اُن کے ابتدائی دور مین بھی زیادہ تر اطبا مذہب مسیحی کے پیرو تھے۔ مگر اُن کا شمار اطباے اسلام ہی مین کیا جانا چاہیے۔ کیونکہ اُن کو اور اُنکے کمالات کو مغرب کی مسیحی دنیا سے کوئی علاقہ نہ تھا۔

اب جالینوس دنیا مین نہین ہے۔ اُس کے کمالات ہمیشہ زندہ رہین گے۔ جن کے ساتھ ہی ہمین اُس کا حُلیہ بھی معلوم ہو سکتا ہے۔ اس مشہور و معروف نام والے کی تصویر ہمین نقاش و مصور کے قلم نے تو نہین دکھائی۔ مگر مورخین کے قلم نے اُس کی صورت کا ایک مہذب خاکہ ہمارے پیش نظر کر دیا ہے۔ کہ اُس کی رنگت گندم گو ہے۔ خط و خال اچھے اور نازک ہین۔ شانے چوڑے چوڑے ہین۔ ہتھیلیان لمبی چوڑی اور وسیع ہین۔ اور انگلیان لمبی لمبی ہین۔ بال اچھے اور خوشنما ہین۔ چہرا ہنس مکھ ہے۔ چلتا ہے تو بہت متوسط چال چلتا ہے۔ نہ بہت آہستہ نہ بہت تیز۔ جس کی وجہ سے وہ ایک عالمانہ وقار کی زندہ تصویر بنا رہتا ہے۔ مگر جو میانہ روی

چال ڈھال مین ہے گفتگو مین نہین ہے - اس لیے کہ باتین زیادہ کرتا ہے - کبھی شاذ و نادر ہی خاموش نظر آتا ہے - اور گویا اعتراض و نکتہ چینی کرنے پر تلا رہتا ہے - لباس مین عموماً صفائی و پاکیزگی کا اہتمام کرتا ہے - اور اچھے کپڑے پہنتا ہے - صرف اتنا ہی نہین بلکہ عطر اور خوشبو کا بھی بہت زیادہ شوقین ہے - اور جدھر سے گذر جاتا ہے خوشبو کی لپٹین آتی ہین اور راستہ مہک اٹھتا ہے - دو چیزون کا اُسے بے انتہا شوق ہے - اور ان دونون کامون سے بہت کم خالی نظر آتا ہے - یا تو مطالعۂ کتب مین مشغول ہوتا ہے - یا گانا سنتا ہے - موسیقی سے اُکتاتا ہے تو مطالعۂ کتب مین اُس کی تفریح ہوتی ہے - اور مطالعۂ کتب سے دل اُچاٹ ہوتا ہے تو اچھے گلے کی تانین اُس کا دل بہلاتی ہین -

اس کے علاوہ اور دو شوق بھی ہین - ایک تو اچھی سواری کا - اور دوسرے اچھی نزہت گاہون اور پُر فضا باغون اور وادیون کی سیر کا - بادشاہون اور امیرون کے پاس اکثر جاتا ہے - اور جاتا کیا ہے یون کہنا چاہیے کہ اسکا کمال اور اُس کی حذاقت کھینچ لے جاتی ہے - جہان اُسکی قدر و منزلت ہوتی ہے خود امرا و سلاطین اُس کے سامنے جھکتے ہین - اور دشوار علاجون مین اُسے بہت کچھ انعام و اکرام دیتے ہین - مگر باوجود اسکے اُسے اس سے نفرت ہے کہ کسی کا پابند بن کے رہے - یا کسی امیر کے ہاتھ مین چاہے وہ کیسا ہی فیاض و قدردان ہو رہن ہو جائے - حتیٰ کہ اگر کوئی بادشاہ زبردستیان کر کے اور جبراً و قہراً اُسے اپنا پابند بنانا چاہتا تو وہ شہر چھوڑ کے بھاگ کھڑا ہوتا - اور اُسکی قلمرو سے نکل جاتا -

الغرض ایسا تھا وہ جالینوس جس کا نام ہماری صحبتون مین اس قدر مشہور ہے - اور جس کے کمالات نے دنیا کو اس قدر اپنا زیر بار احسان بنا رکھا ہے - اگرچہ وہ اُس زمانے مین تھا جبکہ حضرت مسیح اپنے دین برحق کو تبلیغ فرما چکے تھے - مگر اُس نے دین مسیحی کو نہین قبول کیا - اور اُن ہدایتون سے محروم رہا جن کا سرچشمہ ارض فلسطین تھی - تاہم ہم دعا کرتے ہین کہ خدا اُس کی مغفرت کرے - اور کیا عجب کہ اُس کی بنی نوع کی خدمت گزاری اور اُس کی رحمدلی و خداترسی سکے

اوصاف نے شفاعت کرکے اُس کو نجات دلا دی ہو۔

غوریون کی حسرتناک ابتدا

گذشتہ کارنامون اور اگلی کہانیون مین ہمین بعض ایسی عبرتناک باتین اور خدا کی قدرت کے ایسے حیرت انگیز نمونے نظر آجاتے ہین کہ اُن کا نقش دل پر بہت گہرا پڑجاتا ہے اور مٹائے نہین مٹتا۔ نورجہان بیگم جس کا نام کبھی ہندوستان کے سکّے پر منقوش تھا اور ملک و مملکت کے سیاہ و سفید کی مالک تھی اُس کی پیدائش کا واقعہ بارہا عبرت خیز الفاظ مین بیان کیا گیا ہے۔ جس سے اکثر ناظرین واقف ہون گے۔ اور حیرت کرتے ہون گے کہ جب خدا کسی پر مہربان ہوتا ہے تو کیسے کیسے حیرت انگیز طریقون سے اُس کی اعانت کرتا ہے۔ اور جب کسی کو بگاڑنا چاہتا ہے تو کس طرح وہ اپنی کوششون مین ناکام ہوکے قعر مذلت مین گرتا ہے۔

دولت غوریہ کا حال صفحات تاریخ پر لکھا ہوا ہے۔ اور مورخین کے قلم شہادت دے رہے ہین کہ سلطان معزالدین غوری و سلطان غیاث الدین غوری کے کارنامے کیسے عروج و اقبال اور کیسی دولتمندی و فتحیابی کی آن بان دکھا رہے تھے۔ مگر لوگون نے شاید اس پر غور نہ کیا ہوگا کہ غوری تھے کون؟ اور اپنے اس اوج و عروج سے پہلے کس حضیض ادبار مین پڑے ہوے تھے؟

خدا جانے جھوٹ ہے یا سچ۔ مگر کہتے ہین کہ ضحاک تازی جس نے قدیم الایام اور تاریخ ایران کے ابتدائی دور مین اہل عجم کو عرب کی شجاعت و سپہگری کا مزہ چکھایا تھا اُسکے دو نواسے سوری اور سام فریدون کی ملازمت مین تھے۔ جب ضحاک کے وابستگانِ دامن کا قلع و قمع ہونے لگا اور کوشش شروع ہوئی کہ اُس کی نسل ہی صفحۂ ہستی سے مٹادی جائے تو وہ دونون بھائی دربار فریدون سے نہاوند مین پناہ گزین ہوے۔ یہان سام کے بیٹے شجاع کی شادی سوری کی بیٹی سے ہوگئی۔ اتفاقاً چچا جو خسر بھی تھا اپنے داماد بھتیجے کے خون کا پیاسا ہوگیا۔ شجاع کو یہ حال اپنی ہمدم و ہمراز بی بی سے معلوم ہوا تو بال بچون کو لے کے نہاوند سے بھاگا اور کوہستان غور مین آکے اقامت گزین ہوا۔ یہان اُس کی اولاد بڑھی پھیلی۔

اور اس سرزمین کی حکومت اُس کے ہاتھ مین رہی - آخر اسی نسل کا ایک شخص جس کا نام شنسب بتایا جاتا ہے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے زمانے مین خلعت اسلام سے سرفراز ہوا - اور اسی نسبت سے یہ نسل بعد کے زمانے مین شنسبی کے لقب سے مشہور رہوئی - اور اُس کا یہ فخر بہت بجا ہے کہ بنی اُمیہ کے زمانے مین جبکہ تمام منابر اسلام پر اہل بیت نبوت کی شان مین شب و شتم کے الفاظ کہے جاتے تھے ان لوگون نے کبھی حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی مبارک نسل کو بیہودہ ناپاک الفاظ سے نہین یاد کیا - حتیٰ کہ ابو مسلم خراسانی جب اپنا سیاہ جھنڈا بلند کر کے بنی اُمیہ کے استیصال کے لیے اُٹھا ہے تو اس خاندان کا بہادر سردار فولاد شنسبی اُس کے ساتھ تھا -

سلطان محمود غزنوی کے زمانے مین بھی یہ خاندان بدستور اپنی قلمرو پر متصرف ا. صرف اتنا ہوا کہ محمود نے ابو علی محمد بن سوری کو اپنی طرف سے وارثِ تخت غور قرار دیا - ابو علی مذکور کے عباس نام ایک بھتیجے نے اُسے آبائی ریاست سے محروم کر کے تاج و تخت پر قبضہ کر لیا - اور کہتے ہین کہ اُس کی اس غاصبانہ کارروائی پر یہ غضب الٰہی نازل ہوا کہ سات سال تک علاقۂ غور مین پانی نہ برسا اور سخت قحط پڑ گیا - اور اس سے بھی زیادہ قیامت یہ تھی کہ سات برس تک اس مملکت مین انسان تو انسان مویشیون تک کے بچے نہ ہوے - آخر اسے سلطان ابراہیم غزنوی نے ایک معرکے مین شکست دے کے قید کر لیا - اور اُس کا بیٹا محمد بن عباس وارثِ سلطنت ہوا - اسی کے بیٹے قطب الدین حسین بن محمد بن عباس شنسبی کی نسل سے تمام شاہان غور ہین -

قطب الدین سے شاہان غزنویہ سے لڑائی ہوئی جس مین اُس کی حکومت جاتی رہی - اور سارے علاقے پر دولت غزنویہ کا قبضہ ہو گیا - قطب الدین کا بیٹا سام اپنے ملک - خاندان - اور قوم کی تباہی و پامالی کا تماشا دیکھ کے ہندوستان کی طرف بھاگا - اور یہان آ کے تجارت کرنے لگا - اب اگر غور سے دیکھا جائے تو اکیلا یہی ایک شخص اس پُرانے خاندان کی یادگار ہے - اور اسی کی نسل سے وہ سلاطین عظام پیدا ہونے والے ہین جو آیندہ ہندوستان سے

سے لے کے حدود عراق تک ساری اسلامی دنیا کے مالک ہون گے جن کے آگے بڑے بڑے سرکشون اور زبردست سے زبردست تاجدارون کے سر جھکتے ہون گے - مگر وہ تو جب ہوگا ہوگا۔ سردست یہ تو دیکھو کہ اسوقت یہ غریب کس حالت مین ہے اور کیسی مصیبتین جھیل رہا ہے -

ہندوستان کے شہرون مین تجارت کر رہا تھا کہ وطن یاد آیا - ایک آہ کلیجے سے نکلی اور کسی دلدوز تیر کی طرح کلیجے ہی مین ٹوٹ کے رہ گئی - دل مین آئی کہ چلیے جو ہو ذرا وطن کی صورت تو چل کے دیکھ آؤ - بال بچون کو ایک کشتی پر سوار کرایا اور دریاے سندھ اور دریاے کابل کا چڑھاؤ کاٹتا ہوا دریا کے راستے سے وطن کی طرف روانہ ہوا - راستے مین ایک ایسی آندھی آئی کہ کشتی تباہ ہوکے ڈوب گئی - اور دیدارِ وطن کے عوض ان مصیبت زدہ آرزومندون نے قعر دریا مین آنکھین بند کین تو خواب گاہ عدم مین جا پہونچے - صرف رام کا ایک بیٹا اعز الدین حسین اتفاقاً بچ گیا - کوئی اور موقع ہوتا تو شاید وہ خودکشی پہ آمادہ ہو جاتا مگر مصیبت جب انتہا کو پہونچ جاتی ہے تو انسان کو سب باتین بھول جاتی ہین اور سوا اپنی جان بچانے کے کچھ یاد نہین رہتا -

اتفاق سے ایک ٹوٹا تختہ نوعمر اعز الدین حسین کے ہاتھ مین آگیا - اور فوراً بمصداق "الغریق یتشبث بالحشیش" اُس پر بیٹھ گیا کہ شاید جان بچ جائے - خدا کی قدرت - سیلاب کی شدت اور طوفان کی مصیبت سے ایک شیر بھی دریا مین ہاتھ پاؤن مارتا اُس تختے تک قریب پہونچا - اور وہ بھی اُس تختے پر نہایت ہی سکینی کی شان سے آکے بیٹھ گیا - اس طرح اعز الدین حسین اور وہ شیر تین رات دن تک بھوکے پیاسے ایک دوسرے کے ہمصحبت اور بے آزار رفیق سفر رہے اب اس تختے کو ہوا اور موجون نے کنارے جا لگایا تو دونون کی جان مین جان آئی - شیر نے تختے سے کود کے جنگل کی راہ لی اور اعز الدین حسین آبادی کی تلاش مین روانہ ہوا -

تھوڑی ہی دیر دشت نوردی کی تھی کہ ایک شہر نظر آیا - اعز الدین حسین دن بھر اُس کے گلی کوچون مین خاک اُڑاتا پھرا - اور رات ہوئی تو خانمان برباد

غریب الوطنون کی طرح ایک دوکان مین پڑکے بھوکا پیاسا سو گیا۔ رات کو کوتوال شہر سے کوتوالی کے چند جوانون کے اُدھر سے گذرا اور ایک اجنبی کو اُس دکان مین خراٹے لیتے دیکھ کے ٹھہرا۔ اور کہا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی چور ہے۔ چوری کی تاک مین پھرتے پھرتے یہان سو گیا۔ کوتوال صاحب کے دل مین یہ خیال آیا تو پھر اُسے کون بچا سکتا تھا؟ فوراً مشکین کس لی گئین۔ اور معمولی تحقیقات کے بعد غریب قید خانے مین ڈال دیا گیا۔

بے گناہ اعزالدین حسین سات برس تک اسی قید خانے مین رہا۔ جبکہ نہ دنیا مین کوئی اُس پر ترس کھانے والا تھا اور نہ کوئی اُس کی مصیبت پر رونیوالا۔ سات برس بعد اتفاق سے حاکم شہر کسی سخت مرض مین مبتلا ہوا۔ جہان حصول شفا کی اور تدبیرین کی گئین وہان کچھ قیدی بھی چھوڑے گئے۔ قسمت کچھ موافق ہوئی تھی کہ اس سلسلے مین اُسے بھی نجات ملی۔ اور چھوٹتے ہی سیدھا شہر غزنی کو روانہ ہوا جو اُن دنون مشرقی دنیا مین سب سے زیادہ نامی گرامی اور باعظمت وجبروت شہر اور اُس عہد کا بابل تھا۔

بادی النظر مین ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب اعزالدین حسین کی مصیبت کٹ گئی اور عنقریب کامیابی ومقصدوری کے ساتھ وطن کی صورت دیکھے گا۔ مگر نہین ابھی بُری قسمت نے ساتھ نہین چھوڑا تھا۔ غزنین کے اطراف مین اُن دنون تاخت وتاراج اور لوٹ مار کا بازار اکثر گرم رہا کرتا تھا۔ اور اکثر مسافرون کو لٹیرے اور رہزن لوٹ لیا کرتے تھے۔ وہ تن تنہا چلا جاتا تھا کہ رہزنون کے ایک گروہ سے دوچار ہوا۔ اُن لوگون نے اعزالدین حسین کو خوشرو۔ نوعمر۔ اور اچھے قد وقامت کا جوان دیکھا تو استمالت وخاطرداری کرکے اپنے ساتھ لیا اور اپنا دوست بنایا۔ ایک اچھا گھوڑا اور قیمتی اسلحہ دیے اور لوٹ مار کے شوق مین روانہ ہوے۔

اتفاق یا قسمت۔ جس رات اعزالدین حسین کا اور ڈاکون کا ساتھ ہوا ہے اُسی کی صبح کو وہ سب ڈاکو شاہی فوج کے ہاتھ مین گرفتار ہو گئے۔ جودتِ دراز سے اُن کی تاک مین تھی۔ ان دنون سلطان ابراہیم غزنوی کا زمانہ تھا۔

یہ سب ڈاکو شاہی دربار مین پیش ہو کے واجب القتل قرار دیے گئے۔ دو چار روز بعد اس حکم کی تعمیل ہونے لگی۔ عام خلقت کے مجمع مین ایک ایک ڈاکو نکال کے سامنے لایا جاتا۔ اُس کی آنکھون پر پٹی باندھی جاتی اور جلاد سیفے کے زبردست وار سے سر اُڑا دیتا۔ اعزالدین حسین نے اسوقت تک تو مصائب زمانہ کو صبر شکر سے برداشت کیا تھا مگر اب کی صبر کی باگ ہاتھ سے نکل گئی۔ جب جلاد اُسے قتل کرنے کے لیے لایا۔ اور آنکھ پر پٹی باندھنے لگا تو بے اختیار اعزالدین کے آنسو جاری ہو گئے۔ اور ایک آہ فلک دوز کے ساتھ زبان سے یہ الفاظ نکلے "خداوندا جانتا ہون کہ تجھ سے غلطی نہین ہو سکتی۔ اور تیری ذات پاک ظلم و جور سے بری ہے لیکن آخر مین بیگناہ کیون مارا جاتا ہون؟" اس پر جلاد نے کہا "تم اور بیگناہ! بدتوان رہزنی کی۔ لوگون کو لوٹا مارا۔ سلطان وقت سے سرتابی اور بغاوت کرتے رہے۔ اور پھر بھی بے خطا و قصور ہو؟" اعزالدین نے بیان کیا کہ "مجھ سے تو کل رات ہی کو ان لوگون سے ملاقات ہوئی تھی۔ بس اتنا البتہ قصور ہوا کہ اُنکے ساتھ ہو گیا۔ ورنہ جانتا بھی نہین کہ یہ کون لوگ تھے۔ اُنکے کیا افعال تھے۔ اور کن گناہون مین مبتلا رہے تھے۔" اسی سلسلے مین اُس نے اپنی ساری سرگذشت کہہ سنائی۔ جلاد کو یہ پُر درد داستان سُن کے ترس آ گیا۔ فوراً اپنے افسر کے پاس دوڑا گیا اور کل حال بیان کر دیا۔ اُسکے دل مین خدا نے کچھ ایسی نیکی ڈال دی کہ یہ کیفیت سلطان ابراہیم غزنوی کے حضور مین جا کے عرض کی۔ سلطان نے متعجب ہو کے اعزالدین کو اپنے سامنے بلوایا۔ اور اُس کی سرگذشت خود اُسی کی زبان سے سُنی۔

اس پُر درد داستان نے بادشاہ پر اس قدر اثر کیا کہ فوراً جان بخشی کر دی پھر اُس کے چہرے اور بشرے کو غور سے دیکھا اور شرافت خاندانی کے آثار نظر آئے تو اپنے دربار مین رکھ کے اُس کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا۔ تعلیم کے اثر سے جوہر شرافت چمکنے لگا تو اُسے عزت دے کے اپنے مقربین دربار مین شامل کر لیا اور عرض بیگی اور حاجب کی خدمت اُسکے سپرد کی۔ آخر حُسن خدمت اور اپنے ادب و شائستگی کی بدولت وہ یہان تک بادشاہ کا منظور نظر ہوا کہ ایک شاہی

خاندان کی لڑکی اُسکے عقد نکاح مین دے دی گئی - جس کے بعد اُسکی عزت وحرمت اور قدر ومنزلت روز بروز بڑھتی ہی گئی -

اعزالدین حسین کو اس قدر اوج وعروج حاصل ہو چکا تھا کہ زمانے نے سلطنت کا ورق اُلٹا - سلطان ابراہیم غزنوی آغوش لحد مین سویا اور تخت سلطنت پر سلطان مسعود بن ابراہیم غزنوی جلوہ افروز ہوا - مسعود مرحوم باپ سے بھی زیادہ اعزالدین پر مہربان تھا - اُس نے تھوڑے ہی زمانے مین اُسے غور کا والی وحکمران مقرر کر دیا - اس طرح انقلاب زمانہ کا تماشا اور نیرنگی فلک کے کرشمے دیکھ کے اعزالدین حسین اپنے اُسی وطن مین حاکم اور تمام سیاہ وسفید کا مالک بن کے پہونچا جس کی دید کی آرزو اور کوشش مین اُس کے باپ اور سارے خاندان کو سوا ناکامی ونامرادی کی موت کے کچھ نہ نصیب ہو سکا - یا یون کہا جائے کہ ہندوستان سے جو تاجرانہ قافلہ ارض غور کی دید کی دھن مین چلا جاتا تھا وہ سب تباہ وبرباد اور نذر اجل ہوا - اب اُس مین کا صرف ایک پسماندہ زمانے کی مار کھا کے اور بار بار موت کی صورت دیکھ کے سواد وطن مین داخل ہوا ہے تو کس شان اور کس آن بان سے کہ ساری سرزمین اُسی کے قبضۂ اقتدار مین ہے -

اعزالدین حسین کو اُسی غزنوی گھرانے کی خاتون کے بطن سے خدا نے سات بہادر اور زبردست بیٹے عطا کیے جو اپنی ناموری وشہرت کے اعتبار سے "کواکب سبعہ" کہلاتے تھے - اور ساتون مختلف مقامات وبلاد کے حاکم وسریر آرا تھے - جن مین سب سے زیادہ خوش نصیب بہاءالدین سام تھا - جس کے دو فرزندون سلطان غیاث الدین اور سلطان شہاب الدین نے دولت غوریہ کی بنیاد ڈالی اور حدود بنگالہ سے لے کے ارض عراق تک تمام ملکون کی قسمت کے مالک تھے - سلطان کا لقب سب کے پہلے سیف الدین غوری نے تخت غزنین پر بیٹھ کے اختیار کیا جو اُنھین کواکب سبعہ مین سے ہے - یعنی اعزالدین حسین کا بیٹا - بہاءالدین سام کا بھائی - اور سلطان غیاث الدین وشہاب الدین کا چچا تھا - جس وقت اعزالدین حسین اُس شکستہ بیڑے پر شیر کے پہلو مین بیٹھا موجون

کے تھپیڑے کھا رہا تھا - اور زندگی سے اس قدر مایوس تھا کہ نہ اُسے اپنے ہم پلو شیر کا خوف تھا اور نہ شیر کو اُس کی جان لینے کا خیال - اُسوقت بھلا اُس کے دل مین بھی یہ بات گذر سکتی تھی کہ عنقریب اُسی کی نسل مین سریرآرائی و جہانبانی ہوگی - یا جلاد نے جس وقت اُس کی جان لینے کے لیے تلوار ہاتھ مین تولی تھی اُس وقت کسی کے وہم و گمان مین بھی یہ بات ہو سکتی کہ جس تاجدار کے حکم سے وہ گردن زدنی قرار پایا ہی اُس کے پرچم اقبال کو اسی قریب القتل شخص کی اولاد پامال کرے گی؟ ہرگز نہین - لیکن خوب یاد رکھو کہ ہمارے وہم و گمان مین ہو یا نہ ہو دنیا مین ایسے انقلابات بہت نظر آتے ہین - اور زمانے کا یہی دلچسپ مشغلہ ہے - ایسے واقعات گو حیرت انگیز معلوم ہوتے ہین مگر اکثر پیش آئے ہین - اور یہی واقعات ہین جو ہمین انتہاسے زیادہ ناکامی کی حالت مین بھی مایوس نہین ہونے دیتے - سچ یہ ہے کہ بادی النظر مین چاہے کیسے ہی آثار نظر آتے ہون مگر قسمت جب تک کوئی کام کر نہ گذرے ہم نہین جان سکتے کہ کیا کرنے والی ہے -

ابن القراقر شلمغانی

ملل و نحل کی کتابون مین اگرچہ ایسے بہت سے فرقے بتائے گئے ہین جو اسلام کے اندر پیدا ہوے مگر پھر بھی بعض فرقون کا ذکر رہ گیا ہے - اصل یہ ہے کہ ایک طرف مسئلۂ امامت اور دوسری طرف فلسفۂ یونانی کی کتابون کے ترجمہ ہونے اور نیز مسائل کلامیہ مین بحث ہونے کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ اسلام کی ابتدائی دو صدی کے بعد سے کئی صدیون تک یہ حالت رہی کہ ہر سال دو ایک نئے بانی مذہب ضرور پیدا ہو جاتے - جو اسلامی پبلک کے لیے ایک فتنہ بن جاتے - حسن بن صباح - عبداللہ بن تومرت المہدی المغربی - اور اسی طرح کے اور بہت سے لوگ ان فتنون کی یادگار تھے -

انھین لوگون مین ایک ابوجعفر محمد بن علی شلمغانی المعروف بہ ابن القراقر تھا - جس کے حالات ہم اپنے ناظرین کو آگاہ کرنا چاہتے ہین - ایک خاص شہرت کے ساتھ سنہ ۳۲۲ھ سے چند سال پہلے خاص ارض عراق اور سواد بغداد مین یکایک

یہ شخص نمودار ہوا۔ اور لوگون مین یہ مشہور ہوا کہ مدعی ربوبیت ہے اور خدائی کا دعوا کرتا ہے۔ بغداد کی عقلمند دنیا مین کسی تعلیم یافتہ انسان کی نسبت ایک ایسے اتہام کا لگایا جانا کسی طرح قرین قیاس نہین تصور کیا جا سکتا تھا۔ مگر ابھی تین چند روز پہلے ایک شخص دعوائے نبوت کرکے اپنے بہت سے ایمان لانے والون کے ساتھ قتل ہو چکا تھا۔ لوگون کو دل لگی سوجھی کہ پیغمبر صاحب کے معجزات تو دیکھ لیے اب جناب رب الارباب صاحب کا جلوہ بھی دیکھ لین۔ ساتھ ہی یہ مشہور ہوا کہ بہت سے لوگ اُس کے مذہب مین بھی داخل ہو گئے جن مین بعض نامی گرامی اور صاحب اثر اُمرا بھی ہین۔

اس سے پیشتر مقتدر باللہ کے عہد اور وزیر خاقان کے دور مین بھی اس شخص کی گرفتاری کا حکم جاری ہو چکا تھا۔ مگر وہ بغداد مین رُوپوش ہو کے خاموشی کے ساتھ موصل چلا گیا۔ اور خلافت کی جانب سے بھی اُس کا فتنہ دب جاتے دیکھ کے زیادہ دیکھ دوہ نہین کی گئی۔ لیکن اب پھر بغداد مین آکے اُس نے سر اُٹھایا اور اسکے ساتھ شہرت ہوئی کہ مقتدر باللہ کا سابق وزیر اعظم حسین بن قاسم اُس کا معتقد ہو گیا۔ اور بسطام کے دونون بیٹے ابو جعفر اور ابو علی جو امرائے بغداد مین تھے وہ بھی اُسپر ایمان لے آئے ہین تو خلیفہ الراضی باللہ نے جو اسی سال خلافت عباسیہ کی مسند پر رونق افروز ہوا تھا اُسکی گرفتاری کا تاکیدی حکم جاری کر دیا۔ ابن مقلہ اِن دنون وزیر اعظم خلافت تھا۔ اُس نے ذرا بیدار مغزی سے توجہ کی تو "پروردگار عالم" پکڑے گئے۔ گرفتاری کے ساتھ ہی وہ قید خانے مین ڈال دیا گیا۔ اور اُس کے گھر کی تلاشی لی گئی تو معتقدین و مومنین کے رقعات و خطوط برآمد ہوے جن مین لکھنے والون نے شلمغانی کو ایسے القاب سے یاد کیا تھا جو سوا خدا کے انسان کی نسبت نہین استعمال کیے جاتے۔ وہ خطوط شلمغانی کے سامنے پیش کیے گئے تو اُس نے کہا "ہان یہ خطوط اُنھین لوگون کے لکھے ہوے ہین جن کے نام ان مین درج ہین۔" لیکن اسکے ساتھ ہی اُس نے کہا "مین مسلمان ہون نہ مین نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ اور نہ کوئی مذہب نکالا۔ اور ان لوگون نے اگر میری نسبت ایسے الفاظ استعمال کیے تو یہ اُن کی غلطی ہے۔ جس کا الزام مجھ کو

نہیں دیا جا سکتا۔

انھیں خطوط کی بنیاد پر اُسکے دو معتقد بھی گرفتار کیے گئے جو بغداد کے معززین میں سے تھے۔ ایک ابن ابی عون۔ اور دوسرا ابن عبدوس۔ اب یہ دونوں شخص اور خود شلمغانی الراضی باللہ کے دربار میں پیش ہوے۔ خلیفہ نے دونوں مُریدوں کو حکم دیا کہ "اگر تم اس شخص (شلمغانی) سے اپنی برأت ظاہر کرتے ہو تو دونوں زور زور سے اس کے مُنہ پر تھپڑ مارو" پہلے تو اس حکم کی تعمیل میں اُن دونوں کو عذر ہوا۔ مگر جب وہ مجبور کیے گئے تو جبراً وقہراً راضی ہوے۔ ابن عبدوس نے ہاتھ بڑھا کے اُس کے تھپڑ مار دیا۔ مگر ابن ابی عون نے جیسے ہی ہاتھ بڑھایا اُس کا ہاتھ کانپ گیا۔ اور ساتھ ہی دلی عقیدت کا جوش ہوا تو بڑھ کے شلمغانی کی داڑھی کو بوسہ دیا۔ اور بے اختیار اُس کی زبان سے یہ کلمات نکلے کہ "الٰہی! وسیدی! ورازقی!" (میرے خدا! میرے سردار! اور میرے رازق!) اب کیا تھا؟ راضی باللہ کو ایک حجت ہاتھ آگئی۔ بولا "تم تو کہتے تھے کہ مجھے دعوائے الوہیت نہیں؟ اور یہ کیا ہوا؟" شلمغانی نے جواب دیا۔ "ابن ابی عون کے قول کا میں جواب دہ نہیں۔ خدا علیم ہے کہ میں نے کبھی ان سے نہیں کہا کہ مجھے خدا کہا کرو۔ یا میں خدا ہوں" اس پر ابن عبدوس جس نے تھپڑ مارا تھا بولا "ہاں یہ الوہیت کے مدعی نہیں۔ ان کا تو یہ دعوے ہے کہ یہ امام منتظر کے نائب ہیں۔ اور ابن روح کی جگہ ہیں (جس نے پہلے پہل باب ہونے کا دعوے کیا تھا) اور میرا یہ خیال تھا کہ یہ تقیۃً ایسا کہتے ہیں"۔

اسکے بعد ابن القراقر شلمغانی کے اصول دین کا پتہ لگانے کی کوشش کی گئی تو عجیب عجیب عقیدے اور انوکھے مسائل ثابت ہوے۔ مذہب کی بنیاد صرف دو مسئلوں پر رکھی گئی تھی۔ ایک امامت اور دوسرا تناسخ و حلول۔ اُلوہیت کی

ع٥ اس سے صاف ظاہر ہے کہ باب کا لفظ ایران کے آخری بانی مذہب مرزا علی محمد باب نے پہلے پہل نہیں استعمال کیا۔ بلکہ اُس سے پیشتر بھی یہ لفظ کئی دفعہ کام میں لایا جا چکا ہے۔ نُصیریوں میں بھی اس لفظ کا چرچا رہا ہے۔ ہمارے یہاں لوگوں کا عام خیال ہے کہ بابی فرقے کے بانی علی محمد باب سے پہلے کسی نے باب ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ مگر یہ اُن کی ناواقفیت ہے۔

شان یہ تھی کہ خود ابن شلمغانی ہی بلکہ وہ الٰہ الٰہیت ہے جو حق کو ثابت کرتا ہے۔ و اُسی
سے جس کی جانب الفاظ اوّل۔ قدیم۔ ظاہر۔ باطن۔ اور رازق سے پوری طرح
پتا ہے جن معنون مین ہوا اشارہ کیا جاتا ہے۔ ذات باری تعالیٰ کی نسبت یہ اعتقاد
تھا کہ وہ اللہ جل شانہٗ ہر چیز مین اُس کے ظرف و تحمل کے موافق حلول کرتا ہے اور
جب کسی پیکر ناسوتی مین حلول کرتا ہے تو اُس سے ایسی قدرت اور ایسے معجزات
ظاہر ہوتے ہین جو اُس کے خدا ہونے کی دلیل ہوتے ہین۔ دوسرا مسئلۂ الٰہی یہ
تھا کہ اُس نے ہر چیز کے لیے ایک ضد اس واسطے ظاہر کی تاکہ جس کی ضد ہے
وہ ثابت ہو جائے۔ لہذا ضد ہی ہر حق کی دلیل ہے۔ اور دلیل حق خود حق سے
افضل ہوتی ہے۔ ہر چیز کے ساتھ جو چیزین موافق و مشابہ ہوتی ہین۔ بمقابلہ اُنکے
اُس چیز کی ضد اُس سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔

اُسی کا نظریہ ہے کہ جب خدا نے آدم کو پیدا کیا تو جس طرح وہ خود پیکر
آدم مین حلول کرکے نمایان ہوا اُسی طرح آدم کے ابلیس یعنی اُن کی ضد مین بھی
حلول کرکے خود ہی نمودار ہوا۔ غرض دونون پیکرون مین خود وہی تھا۔ گو بظاہر
دونون ایک دوسرے کے خلاف نظر آتے تھے۔ پھر جب آدم غائب ہوگئے تو وہ
لاہوت (خدا) متفرق و منتشر ہو کے پانچ ناسوتون مین جدا جدا ظاہر ہوا۔ اور اسی
طرح ابلیس بھی پانچ ابلیسون مین بنٹ گیا۔ اس کے بعد لاہوتیت ادریسؑ کے پیکر
مین جمع ہوئی۔ یعنی مکمل خدا نے ادریسؑ مین حلول کیا۔ اور اسی طرح وہ ضد
بھی پانچون ابلیسون مین سے سمٹ کے ادریسؑ کی ضد یعنی اُنکے مخالف معاصر
ابلیس مین مجتمع ہوگئی۔ ادریس اور اُنکے معاصر ابلیس کے بعد پھر الوہیت دونون
ضدون کی حیثیت سے ناسوتون اور ابلیسون مین منتشر ہوئی۔ اور چند روز بعد
نوحؑ اور اُنکے معاصر ابلیس مین جمع ہوئی۔ پھر منتشر ہوئی تو چند روز بعد ہودؑ
اور اُنکے ضد ابلیس مین جمع ہوئی۔ اسکے بعد منتشر ہو کے صالح اور اُنکے ابلیس
یعنی عاقر ناقہ مین جمع ہوئی۔ اب کی جو منتشر ہوئی تو ابراہیم اور اُنکے ابلیس (نمرود)
مین جمع ہوئی۔ پھر منتشر ہو کے ہارون اور اُن کے معاصر ابلیس (فرعون) مین جمع
ہوئی۔ بعد ازان جو منتشر ہوئی تو اُس نے سلیمان اور اُنکے ابلیس کے پیکرون کو

حلول ہونے کے لیے منتخب کیا ۔ اسکے بعد منتشر ہوکے عیسیٰ اور انکے ابلیس مین مجتمع ظاہر ہوئی ۔ عیسیٰ کے بعد وہ حوارین مین تقسیم ہو گئی ۔ اور چند روز گذرنے حضرت علی مرتضیٰ اور انکے معاصر ابلیس مین نمودار ہوئی ۔ اور اب وہی الوہیت خود شلمغانی اور اُس کے معاصر ابلیس مین نمایان ہے ۔

شلمغانی کا دعویٰ تھا کہ خدا اپنے آپ کو ہر چیز ہر پیکر اور ہر معنی مین ظاہر کرتا ہے ۔ اور ہر دل مین جو خیالات گذرا کرتے ہین اور یہ حالت ہوتی ہے کہ گویا آنکھون کے سامنے ہین یہ وہی خدا ہے ۔ خدا در اصل ایک معنی کا نام ہے ۔ اور لوگ جس کسی کے محتاج ہون وہی اُس کا الہ (خدا) ہے ۔ چنانچہ اس لحاظ سے ہر شخص خدا ہو سکتا ہے ۔ کیونکہ جس سے کسی کو نفع پہونچے وہ اُس کا رب ہے ۔ ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ مین فلان شخص کا رب ہون ۔ وہ میرا رب ہے ۔ فلان فلان کا رب ہے ۔ اور فلان میرے رب کا رب ہے ۔ یہان تک کہ ربوبیت کا سلسلہ ابن القراقر شلمغانی تک پہونچ جاتا ۔ اور وہ دعوے کرتا کہ مین رب الارباب ہون ۔ کیونکہ اُسکے زمانے مین اُس سے بڑی کوئی اور ربوبیت نہ تھی ۔

حضرت علیؓ کی محبت کا غلو اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ شلمغانی کی تحقیق سے دنیا مین صرف دو خائن گذرے تھے ۔ ایک موسیٰؑ اور ایک محمدؐ (معاذ اللہ من ذلک) کیونکہ اُس کے اعتقاد مین ہارون نے موسیٰ کو اور علیؓ نے محمدؐ کو رسول بنا کے بھیجا ۔ اور دونون نے رسالت مین خیانت کی ۔ اس کے ساتھ زیادہ عجیب یہ بات تھی کہ شلمغانی کے نزدیک جناب امام حسنؑ اور جناب امام حسینؑ حضرت علیؓ کے فرزند نہ تھے ۔ کیونکہ اُسکے اعتقاد کی روسے جس پیکر مین ربوبیت مجتمع ہو کے نمودار ہوتی ہے اُس کا نہ کوئی باپ ہوتا ہے اور نہ کوئی بیٹا ۔ وہ تو خدا ہے ۔ اور خدا کی شان ہے "لم یلد ولم یولد"

یہ تو عقائد تھے ۔ اب ذرا ابن شلمغانی کی شریعت کا بانکپن بھی ملاحظہ ہو ۔ اعتقاد تھا کہ علیؓ نے محمدؐ کو رسول بنا کے کبراء قریش اور جبابرۂ عرب کے پاس بھیجا ۔ جنھین محمدؐ نے یہ حکم دیا کہ رکوع و سجود کرین ۔ نماز پڑھین ۔ (غالباً یہی خیانت ہوگی) علیؓ نے یہ دیکھ کے اجازت دے دی کہ جتنے دنون تک اصحاب کہف سوتے

رہتے تھے (۳۵۰ سال) اُتنے زمانے تک محمدؐ کی شریعت ہی پر عمل کیا جائے لیکن اس مدت کے گذرتے ہی وہ احکام سابقہ مسترد ہون گے۔ اور شریعت بدل کے نئی ہو جائے گی (مگر افسوس کہ اس مدت کے پورے ہونے کو ۲۸ سال باقی تھے کہ دربار بغداد نے وہ الوہیت ہی منتشر کردی جو میان شلمغانی صاحب کے پیکر ناسوت مین سے عجیب عجیب آوازین سُنوا رہی تھی)۔

جس قدر مسائل شلمغانی نے بتائے وہ یہ تھے کہ نماز روزہ کو بالکل چھوڑ دینا چاہیے۔ یہ تکلیف محمدؐ نے عربون کو اُن دنون دی تھی۔ مگر اب جو تکلیف اس زمانے مناسب حال ہے یہ ہے کہ لوگون کو اپنی عورتون کو ہر شخص کے لیے حلال کردینے کی تکلیف دی جائے۔ "تاکہ لوگون کو اپنی عورتون سے ہم بستر ہوتے دیکھین اور غصہ نہ آئے۔ چنانچہ عورتین مطلقاً ہر شخص کے لیے حلال طیب ہین۔ انسان اپنے ذوی الارحام اور محرمات ابدیہ تک کے ساتھ چاہے تو مقاربت کر سکتا ہے۔ کوئی مضائقہ نہین۔ باپ اپنے بیٹے تک کی عورت سے تعلق پیدا کر سکتا ہے۔ بلکہ دین حق والون (شریعت شلمغانی کے پیرون) کو چاہیے کہ ہر شخص جو دوسرے سے افضل ہو اپنے سے کم درجے والون کی عورتون سے حسبۃً للہ مقاربت کرے تاکہ اُن مین نور کو پہونچا دے۔ اور جو کوئی انکار کرے گا اُس کا جسم بہ پابندیِ قواعدِ تناسخ آنے والے بعد کے دور مین عورت کے پیکر مین ہوگا۔ غرض کہ شہوت پرستی کے رواج دینے مین شلمغانی نے مزدک کے بھی کان کاٹ لیے تھے۔

شلمغانی کے بتائے ہوے اصول کے مطابق جنت و دوزخ کوئی چیز نہ تھے صرف اُنکے مذہب حقہ کے ماننے اور اُسکی معرفت کا نام جنت تھا۔ اور اُس کے مذہب سے انکار کرنے اور اُسکے اصول سے جاہل رہنے کا نام دوزخ۔ ملائکہ سے اُن کے اعتقاد مین ہر وہ شخص مراد تھا جو عارف حق اور اپنے نفس کا مالک ہو۔

اگرچہ حضرت علیؓ خود بھی ابن ابی طالب تھے مگر چونکہ اکثر طالبیون (اولادِ ابی طالب) نے امامت کے دعوے کیے تھے اس لیے اُن کے نزدیک تمام طالبیون اور عباسیون کا قتل کرنا موجب ثواب اُخروی تھا۔ خلاصہ یہ کہ دین اسلام اور

خلافت عباسیہ دونون کے استیصال کا پورا پورا سامان کیا گیا تھا۔ اور جب تحقیق و تفتیش کے بعد یہ مسائل اور عقائد لوگون کو معلوم ہوے ہون گے اور دربار خلافت مین فقہا و علما کے سامنے پیش ہوے ہون گے تو واقعی بڑا لطف آیا ہوگا۔

ان لوگون کے مقدمے کی تحقیقات خاص الراضی باللہ کے دربار مین ہوا کرتی تھی۔ جن صحبتون مین فقیہون۔ قاضیون۔ اور مصنفین کے علاوہ سرداران فوج بھی شریک ہوتے تھے۔ آخر فقہا نے فتوے دے۔ یا کہ ایسے بے دین شخص کا قتل کرنا سلطنت کو مباح ہے۔ چنانچہ ابن القراقر شلمغانی اور اُس کے مُرید ابن ابی عون جس نے سر دربار تھپڑ مارنے کی عوض شلمغانی کی داڑھی کا بوسہ لے کے اُسے اپنا خدا اور اپنا رازق بتایا تھا دونون ۳۲۲ھ کے ماہ ذیقعدہ مین مصلوب کیے گئے۔ اور جب صلیب پر دونون کی زندگی کا خاتمہ ہو چکا تو دونون کی لاشین اُتار کے جلا دی گئین۔ اُن کے متبع بجاے اسکے کہ ۴۰ سال گذرنے کے بعد اُس دن کا جلوہ دیکھین جس دن شریعت مصطفوی کو مٹا کے شلمغانی کی تصنیف کی ہوئی شریعتِ مرتضوی جاری ہونے والی تھی بھاگ بھاگ کے منہ چھپانے لگے۔

شلمغانی کا معزز پیرو حسن بن قاسم رقہ مین تھا۔ راضی باللہ نے آدمی بھیجکے اُسے بھی قتل کرا دیا۔ اور اُس کا سر عبرت روزگار کے لیے بغداد مین لایا گیا

بانیان مذہب یا مذہب مین اندرونی بدعتین پیدا کرنے والے بہت سے گذرے ہین۔ مگر ابن القراقر شلمغانی کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فقط پولیٹیکل اشترکی یا ملحدانہ خیال کا فلسفی ہی نہ تھا بلکہ اول درجے کا شہوت پرست بد معاش بھی تھا۔ جس کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ دنیا شہوت پرستی اور زناکاری کا گھر بن جائے۔

عمر عیّار

اُردو جاننے والون مین بہت کم ہون گے جو اس نام سے ناآشنا ہون۔ داستان گویون نے اور امیر حمزہ کی داستان کے مصنفون نے اس نام کو ایک

ایسا مذاق اور عجیب و غریب کیرکٹر بنا دیا ہے کہ ممکن نہیں کہ یہ نام زبان پر آئے اور لوگون کو ہنسی نہ آجائے۔ مگر شاذ و نادر ہی لوگ جانتے ہون گے کہ یہ کون بزرگ تھے اور اُنکے اصلی حالات کیا ہین۔ بہت سے لوگون کے تو ذہن نشین ہو گا کہ یہ ایک بالکل فرضی اور قصہ گویون کا بنایا ہوا نام ہے۔ مگر نہین ایسا نہین ہے۔ یہ ایک بڑے بزرگ شخص تھے۔ اور گو اُن کے اصلی واقعات بھی مذاق سے خالی نہین مگر اُنکے ساتھ ایسی ملاعبت کرنا جیسی کہ داستان لکھنے والون نے کر رکھی ہے ایک بڑی گستاخی و بے ادبی ہے۔ دلگداز کی ہمیشہ کوشش رہی کہ لٹریری ہیروون اور نامورون کے حالات جہان تک ممکن ہو صحیح طور پر بتا دیے جائین تاکہ انشا پردازی کی دنیا سے جہالت دُور ہو۔ بہذا جس طرح حاتم طائی۔ قیس عامری۔ اور نقاش عجم مانی کے حالات وقتاً فوقتاً بتائے جا چکے ہین اُسی طرح اس پرچے مین ہم جناب عمر عیار کے حالات بیان کرتے ہین جن کی زنبیل کی وسعت شعرا کے خیال سے زیادہ اور قصہ گویون کے وہم و گمان سے بھی بڑھ کے بتائی جاتی ہے۔

یہ ایک معزز و محترم صحابی رسول اللہ صلعم تھے جن کا اسم گرامی عمرو بن امیۃ الضمری ہے۔ عمرو کو جہالت نے عمر بنا یا۔ اور جو کیرکٹر اُن کے لیے قصے مین بنا یا گیا تھا اُسکی مناسبت سے اُن کو "عیار" کا لقب دے دیا گیا۔ اور اسی لقب کی بنیاد پر داستان گویون مین "عیاری" قادر الکلامی و فصیح البیانی کا ایک فن قرار پا گیا۔

عمرو بن امیۃ الضمری جاہلیت ہی مین قتل و غارت۔ اچانک جا پہونچنے۔ اور پھرتیلے پن سے کسی کو قتل کر کے کھسک جانے مین شہرت رکھتے تھے۔ اور قریش کے بڑے بڑے لوگ انکی صورت سے ڈرتے اور گھبراتے تھے۔ جب قریش نے حضرت سرور کائنات علیہ السلام کو بہت ستایا۔ اور آپ کو مدینے کے گوشۂ عافیت مین بھی بیٹھنا دشوار کر دیا تو آپ نے عمرو بن امیۃ الضمری کو حکم دیا کہ اپنے ساتھ ایک انصاری شخص کو لیجاؤ۔ اور کسی حکمت سے ابو سفیان بن حرب کو قتل کر ڈالو۔ اس لیے کہ ابو سفیان ہی تمام قریش کو اُبھار ابھار کے آپ کی دشمنی پر آمادہ کر رہے تھے۔ ابو سفیان اس وقت تک ایمان نہین لائے تھے۔ اور حضرت رسالت

کے خلاف مکے میں جتنے جھگڑے پیدا ہوتے تھے سب انھیں کے سبب سے پیدا ہوئے تھے۔ اگرچہ یہ کام دشوار تھا مگر پیغمبر خدا صلعم کے حکم میں تامل کرنے کی کسے مجال تھی۔ بے تامل آپ نے ایک اونٹ اور اُن انصاری صحابی کو ساتھ لیا اور چل کھڑے ہوے۔ اُن بیچارے انصاری کے پاؤں میں کچھ شکایت تھی۔ چل نہ سکتے تھے۔ اس لیے اُنھیں بھی اپنے اونٹ پر بٹھا لیا۔ اور ارض بطحا کا رُخ کیا۔

جب مکے کے قریب بطن اجج میں پہونچے تو اونٹ سے اُتر کے اُسے ایک گھاٹی میں جہان تک کسی کا گذر کم ہو سکتا تھا باندھ دیا۔ اور اپنے انصاری رفیق سے کہا" اب ہم چلتے تو ہیں مگر تم میرے متعلق کسی قسم کا خدشہ دیکھنا تو بے تامل بھاگ کے چلے آنا اور اونٹ پر سوار ہو کے مدینے واپس چلے جانا۔ اور جو کچھ تمھارے سامنے گذری ہو اُسے بلا کم و کاست بارگاہ رسالت میں عرض کر دینا۔ تم میری فکر نہ کرنا۔ کیونکہ میں مکے کے راستوں اور گلی کوچوں سے بخوبی واقف ہوں۔ جیسی پیش آئے گی ویسا ہی کروں گا۔" اس باہمی قرارداد کے بعد دونوں روانہ ہو کے مکے میں داخل ہوے۔ عمرو بن اُمیہ کے پاس ایک خنجر تھا جسے وہ کپڑوں میں چھپائے ہوے تھے۔ اور دل میں تھی کہ کسی نے مزاحمت کی تو اُسے خنجر سے ڈھیر کر دوں گا۔"

مکے میں داخل ہونے کے بعد انصاری رفیق نے عمرو بن امیہ سے کہا" اب یہاں آنا ہوا ہے تو آؤ چل کے کعبے کے گرد طواف کر کے حرم میں دو رکعتیں پڑھ لیں۔" عمرو نے کہا" چلو۔ مگر یاد رکھو کہ قریش لوگ مجھے بخوبی پہچانتے ہیں۔ وہ سب حرم کے رُخ پر اپنے مکانوں کے صحنوں میں بیٹھے ہوے ہوں گے۔ کسی نے بھی دیکھ لیا تو قیامت ہو جائے گی۔ لیکن خیر جو کچھ ہو چلو تو سہی۔" اس کے بعد دونوں نے کعبے کے قریب پہونچ کے اُس کے گرد سات طواف کیے۔ دو رکعتیں پڑھیں۔ اور عبادت سے فارغ ہو کے واپس چلے تو ایک مقام پر گذر ہوا جہاں چند قریش بیٹھے ہوے ایک دوسرے کی صحبت سے لطف اُٹھا رہے تھے۔ عمرو کی صورت دیکھتے ہی ایک شخص پہچان گیا۔ گھبرا کے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور بے تحاشا چلایا "ہذا عمرو بن امیۃ الضمری"۔ غل سنتے ہی جو آن قریش چاروں طرف سے دوڑ

یہ حالت دیکھتے ہی عمرو نے اپنے رفیق سے کہا "میں نہ کہتا تھا؟ خیراب جہاں تک بھاگا جائے بھاگو۔ ابوسفیان کا ہاتھ آنا تو محال ہے۔ لیکن اگر میرا ساتھ چھٹ جائے تو تم بے تکلف گھاٹی سے اونٹ پر بیٹھ کے مدینے چلے جانا۔ اور میرا انتظار نہ کرنا۔ میں اپنی آپ نپٹ لوں گا۔ غرض یہ دونوں بھاگ کھڑے ہوئے اور قریش نے جمع ہو کے کہا "اگر عمرو بن اُمیہ آیا ہے تو کوئی نہ کوئی آفت ڈھائے گا۔ وہ آدمی نہیں بلا ہے بے درماں ہے"۔

عمرو اپنے انصاری رفیق کے ساتھ بھاگے تو مکے کے باہر ایک پہاڑ پر چڑھ گئے۔ وہاں خوش قسمتی سے ایک غار مل گیا جس میں دونوں گھس کے بیٹھ رہے۔ رات وہیں کاٹی۔ اور منتظر تھے کہ ہماری تلاش کا جوش ٹھنڈا پڑ جائے تو آگے کا قصد کریں۔ کہ قریش میں سے عثمان بن مالک تیمی اپنے گھوڑے پر سوار اُس پہاڑ پر آیا۔ اور غار کے دہانے کے پاس ٹھہر کے سوچنے لگا کہ اندر جا کے بھی تلاش کروں یا نہیں۔ وہ اسی فکر میں تھا کہ عمرو بن امیہ نے چپکے سے نکل کے اچانک اُس کے سینے پر خنجر کا ایک ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ خنجر دستے تک اندر اُتر گیا۔ وہ تیورا کے دھم سے گرا۔ اور یہ پھر اپنے غار کے اندر تھے۔ عثمان بن مالک نے گرتے وقت ایسی چیخ ماری کہ قریش آ پہونچے۔ اور اُسے مقتول دیکھ کے کہا "ایں۔ یہ تمھیں کس نے مارا؟" اُس نے جواب دیا "عمرو بن امیہ ضمری نے"۔ اور اتنا کہتے ہی دم توڑ دیا۔ یہ نہ بتانے پایا کہ عمرو بن اُمیہ نے مارا تو کہاں سے آ کے مارا۔ اور مار کے کہاں چلے گئے۔

قریش کو اس سانحے کا اتنا بڑا صدمہ ہوا کہ عثمان کی لاش اُٹھا کے لیجانے اور اُس کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے۔ اور ان دونوں رفیقوں کو اور دو دن تک اُسی غار میں چھپے بیٹھے رہنے کا موقع مل گیا۔ ان دونوں میں ان کی تلاش کی طرف سے بھی قریش کا خیال ہٹ گیا تھا۔ تیسرے دن دونوں غار سے نکل کے مقام تنعیم کی طرف چلے۔ وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ خبیب نام مکے کے ایک معزز شخص کا کچھ بہ خیمہ نصب ہے۔ اور گرد اگرد لوگ پہرہ دے رہے ہیں۔ عمرو نے انصاری رفیق سے پھر کہا کہ "دیکھو اگر میرے متعلق کوئی اندیشہ نظر آئے تو

تم بھاگ کے مدینے چلے جانا" اور یہ کہہ کے اُس خیمے مین گھس کے خبیب کو اس طرح مار ڈالا کہ اُس کی لاش کا بھی کسی کو پتہ نہ لگا۔ اور اُسکے خیمے کی چوب کو پیٹھ پر اُٹھا کے لے بھاگے۔ لوگون نے تعاقب کیا تو چالیس قدم پر جاکے خیمے کی چوب پھینک دی۔ اور اس زناٹے سے بھاگے کہ کسی نے گرد بھی نہ پائی آخروہ لوگ عاجز آکے واپس گئے۔ اور انھون نے جو پلٹ کے دیکھا تو ان کے انصاری رفیق کا پتہ نہ تھا۔ وہ بھلا انکے ساتھ کیا دوڑ سکتے ہ؟ اُنھون نے راستے ہی سے واپس جاکے بارگاہ رسالت مین کیفیت عرض کردی اور سب کو عمرو بن امیہ ضمری کی زندگی سے یاس ہو گئی۔

عمرو بن اُمیہ یہان سے آگے چلے تو کوہ ضجنان کے ایک غار مین گھس کے دم لیا۔ وہان یہ اطمینان سے بیٹھے تھے اور تیر و کمان سامنے رکھے ہوے تھے کہ ایک شخص بھیڑیان چراتا ہوا آیا۔ اور دھوپ سے بچنے کے لیے اُس غار مین گھسا۔ یہ ایک لمبا تڑنگا جوان تھا اور ایک آنکھ سے کانا تھا۔ اُسکی صورت دیکھتے ہی انھون نے کہا "تم کون؟" اُس نے کہا "مین قبیلۂ بنی دئل ابن بکر سے ہون۔ اب تم بتاؤ کہ تم کون ہو؟" عمرو بولے "مجھے نہین جانتے! مین بھی تو دئلی اور بکری ہون۔" وہ ہم قبیلہ تصور کرکے خوش ہوا۔ بولا "خوب ملے!" اور ان کے پاس آکے لیٹ گیا۔ پھر لیٹے ہی لیٹے اُس نے یہ شعر گانا شروع کیا۔

وَلَسْتُ بِمُسْلِمٍ مَا دُمْتُ حَیًّا وَلَسْتُ اَدِیْنُ دِیْنَ الْمُسْلِمِیْنَا

(جب تک زندہ ہون مسلمان نہ ہون گا۔ اور نہ مسلمانون کا دین اختیار کرون گا)

اُس کا یہ شعر سُن کے انھون نے دل مین کہا "اچھا سمجھا جائے گا۔" تھوڑی دیر مین وہ گاتے گاتے سو گیا۔ اور انھون نے موقع پاتے ہی اُسے مار ڈالا۔ کچھ ایسے برہم تھے کہ اُس کی وہ آنکھ جو صحیح و سالم تھی تیر گھُسیڑ کے نکال ڈالی۔ اور چلتے بنے۔ اب مدینے کی طرف ایک تیز چڑیا کی طرح اُڑتے چلے جاتے تھے کہ کچھ فاصلے پر دو شخص نظر آئے۔ جب وہ قریب آئے تو انھون نے پہچانا اور سمجھ گئے کہ مشرکین مکہ کے جاسوس ہین جنھین اُنھون نے رسول اللہ صلعم کے حالات دریافت کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ آپ فوراً لپک کے اُنکے قریب گئے۔ اور کہا "سنتے ہو؟ تم

دونوں ہمارے قیدی بن جاؤ۔" اُن دونوں نے حیرت سے انکی صورت دیکھی اور بولے "وجہ؟ ہم دو ہیں اور تم اکیلے ہو۔" اس جواب کے ساتھ ہی آپ نے عجب پھرتی کے ساتھ کمان سے تیر جوڑکے جو مارا تو تیر بہدف تھا۔ ایک شخص گر کے تڑپنے لگا۔ اور آپ نے دوسرے سے کہا "اب تو دونوں جانب ایک ہی ایک شخص ہے۔ بس کہتا ہوں کہ میرے قیدی بن جاؤ۔" انکی یہ پھرتی اور شجاعت دیکھ کے وہ ایسا حواس باختہ ہوا کہ بے اختیار ہتھیار ہاتھ سے چھوٹ پڑے۔ اور بولا "آئیے مجھے گرفتار کر لیجیے۔" انھوں نے قریب جاکے اُس کے ہاتھ کا انگوٹھا اپنی کمان کی تانت سے خوب کس کے باندھا۔ اور اُسے کھینچتے ہوے مدینے کی طرف چلے۔

مدینہ قریب ہی رہ گیا تھا۔ تھوڑے سفر کے بعد داخل مدینہ ہوے۔ یہاں لوگوں کو ان کی زندگی کی امید نہ تھی اور انکے مرنے کی خبر اُڑ چکی تھی۔ چند انصار نے جوں ہی ان کی صورت دیکھی بے اختیار خوشی سے چلا اُٹھے "عمرو بن امیۃ الضمری آگئے!" یہ آواز گلی کوچے کے کھیلنے والے لڑکوں نے جو سُنی تو خوش خوش دوڑے ہوے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں گئے۔ اور عرض کیا "یا رسول اللہ عمرو بن اُمیۃ الضمری آگئے۔" آپ یہ مژدہ سُن چکے تھے کہ خود عمرو اپنے قیدی کو کھینچتے ہوے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوے۔ آپ ان کو اس وضع قطع اور اس حالت میں دیکھ کے بہت ہنسے اور کیفیت پوچھی۔ انھوں نے ساری کیفیت اول سے آخر تک سنا دی۔ اور حضرت سرور کائنات نے خوش ہوکے اُنھیں دعاے خیر دی۔

جو کتابیں صحابہ کے حالات میں ہیں اُن کے دیکھنے سے غالبًا عمرو بن اُمیۃ الضمری کے کچھ اور حالات بھی معلوم ہو سکیں گے۔ مگر کتب تاریخ و سیر میں ان کا یہی واقعہ زیادہ مشہور ہے۔ اور یہی واقعہ ہے جس کی بنیاد پر یہ عمرو بن امیہ سے عمر عیار بنا دیے گئے۔

اخفش

عربی نحو و صرف کی کتابوں میں یہ نام کثرت سے آتا ہے۔ اور "بز اخفش" ذا خفش

کا بکرا) ہمارے زبان میں ضرب المثل ہے۔ مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایسے مشہور نام والے عالم متبحر اور ایسے عالی مرتبہ امام نحو سے ہندوستان کے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ یہ وہ بزرگان سلف ہیں جو فصاحت و بلاغت کی مسند پر ہمیشہ جلوہ افروز رہیں گے اور جن کا سکہ لٹریچر کی دنیا میں قیامت تک چلتا رہے گا۔

اخفش عربی میں چُندھے کو کہتے ہیں جس کی آنکھ چھوٹی ہوتی ہے۔ اور نظر خیرگی کرتی ہے۔ اسی جسمانی عیب کی وجہ سے یہ لقب پڑ گیا۔ اور اس قدر مشہور ہوا کہ اصلی نام اس کے دامن میں چھپ کے غائب ہو گیا۔ با کمال علماے عرب میں تین بزرگوں کو یہ لقب ملا جو بہ ترتیب زمانہ اخفش اکبر۔ اخفش اوسط۔ اور اخفش اصغر کہلائے۔ وہ اخفش جن کا نام سب سے زیادہ مشہور ہے جن کے طفیل میں ایک بکرے کو زندگی جاوید نصیب ہو گئی۔ اور جو امام نحو سیبویہ کے معاصر تھے اخفش اوسط ہیں۔ اُن کا حال ہم آیندہ بیان کریں گے۔ فی الحال اخفش اصغر کے حالات بیان کرتے ہیں جو باعتبار زمانہ ہم سے قریب تر تھے۔

یہ اخفش بھی علم نحو و صرف کے بڑے عالی پایہ امام تھے۔ ابوالحسن کنیت تھی اور علی بن سلیمان بن فضل نام تھا۔ تیسری صدی ہجری کے وسط میں پیدا ہوے اور اُس کے آخر میں شہرت حاصل کی۔ بغداد کے مضافات میں ایک گانوں تھا بردان۔ جس کی خاک سے بہت سے با کمال پیدا ہوے ہیں۔ وہی اُنکا مولد تھا۔ جب معمولی درجے کی تحصیل علم سے فراغت ہوئی تو اُس عہد کے اساتذۂ فن ادب و نحو۔ مبرّد اور ثعلب وغیرہ کے آگے زانوے شاگردی تہ کیا۔ اور اُن کے فیض سے علوم ادبیہ میں تبحر حاصل کیا۔ ۲۸۷ھ ہجری میں جب ان کا شمار نگانہ روزگار علما میں ہونے لگا تو عراق چھوڑ کے مصر گئے۔ اُنیس برس وہاں رہ کے ۳۰۶ھ میں شام میں واپس آئے اور شہر حلب میں اقامت گزین ہو گئے۔

اگرچہ زبان دانی میں کمال رکھتے تھے اور فصاحت و بلاغت میں ان کا جواب نہ تھا مگر شاعری سے مس نہ تھا۔ نہ خود ہی شعر کہتے تھے۔ اور نہ شعر و سخن کا ایسا ذوق تھا کہ شعراے سلف کا زیادہ کلام یاد ہو۔ انھوں نے کوئی ایسی کتاب بھی نہیں چھوڑی جو اُنکی یادگار رہو۔ اور اس کوتاہی کا سبب غالباً اُن کا افلاس تھی

تھا۔ کیونکہ حالات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے کمال و فراغ کے زمانے
اور آخر عمر مین زیادہ تر مفلسی و محتاجی مین گذری۔

چنانچہ قیام بغداد کے زمانے مین ابو علی مقلہ کے پاس پڑے رہتے۔ وہ اسکے
ساتھ تھوڑا بہت سلوک کر دیا کرتا تھا۔ مگر اس سے ان کی بسر نہ ہو سکتی تھی۔ ایک
دن انھون نے اُس سے کہا "آپ وزیر خلافت ابو الحسن علی بن عیسیٰ کے دربار مین
باریاب ہوتے ہین۔ کبھی اُن کے سامنے میرا تذکرہ کیجیے۔ اور میری تنگدستی اور فقر و
فاقہ کی حالت ظاہر کر کے سفارش کیجیے کہ میرا کچھ وظیفہ مقرر کر دین تاکہ ذرا اطمینان
و فراغ البالی سے زندگی بسر کر سکون۔" ابو علی نے ان کی خواہش کے مطابق وزیر
کے دربار مین جا کے ان کی درخواست پیش کر دی۔ جسے سُن کے وزیر ابن عیسیٰ
چین بہ جبین ہوا۔ اور ابو علی کو بھرے دربار مین اس طرح جھڑکا کہ اُسے سخت
صدمہ ہوا۔ اور نادم و ناکام واپس چلا آیا۔

ہم نے اخفش اصغر کی زندگی کے یہ جتنے واقعات بیان کیے ہین سب معمولی ہین
اور نہ ان مین کوئی ایسی خاص بات نظر آتی ہے جس کے باعث ان کی لائف
اردو پبلک کے سامنے پیش کی جائے۔ مگر ان مین ایک بات تھی اور بہت بڑی
بات تھی۔ جو آج ہی کل نہین ازمنہ ماضیہ مین بھی کسی دوسرے باکمال مین
نظر آئی ہوگی۔ وہ یہ کہ ان مین اور انکے معاصر شاعر ابن رومی مین باہم اختلاف
تھا۔ وہ انکے کمال سے جلتا تھا اور یہ بھی اُس کو اچھا نہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ
اُس کے چھیڑنے کے لیے ان کا معمول تھا کہ روز اُس کے دروازے پر جاتے اور
اسے سُنا کے کوئی ایسا بدشگونی و بدفالی کا کلمہ کہہ دیتے کہ وہ نہایت پریشان ہوتا
اُس مین یہ عیب تھا کہ نہایت ہی ضعیف الاعتقاد تھا۔ ادنیٰ ادنیٰ بدشگونیون
سے اُسے خلجان ہو جاتا۔ اور ہزارون طرح کے اوہام دل مین پیدا ہوتے۔
دن بھر گھر مین دروازہ بند کیے بیٹھا رہتا اور مارے دہشت کے دہلیز سے باہر قدم
نہ نکالتا۔ دوسرے دن ابھی وہ کپڑے ہی پہنتا ہوتا کہ یہ پھر پہونچ کے نیا شگون
چھوڑ دیتے۔ خلاصہ یہ کہ انھون نے اُسے اُسی کی ضعیف الاعتقادی کی زنجیرون
مین جکڑ کے قید اور نظر بند کر دیا۔ اور اُس پر دنیا تنگ ہوگئی۔ آخر جب

ابن رومی کا کسی طرح زور نہ چلا تو اُس نے ان کی ہجو کہی۔ ہجو کے اشعار اخفش نے سنے تو اُنھین بہت پسند کیا۔ بجاے خود داد دی۔ اُن اشعار کو ادبی مسائل مین بطور رسند ہیلک کے سامنے پیش کیا۔ مگر ابن رومی کے دروازے پر جا کے کوئی نحوست کا کلمہ ضرور چلا کے کہدیتے۔ اُس نے جھنجھلا کے اور ہجوین کہین۔ انھون نے ان ہجوون سے اور زیادہ علمی وادبی فائدہ اُٹھایا۔ اور اب ان اشعار مین انھین ایسا مزہ آنے لگا کہ اسی شوق مین ابن رومی کو زیادہ چھیڑنے لگے کیونکہ جانتے تھے جتنا زیادہ ستاؤن گا اُسی قدر زیادہ جھنجلا کے زیادہ اچھے شعر میری ہجو مین کہے گا۔ آخر ابن رومی کو معلوم ہوا کہ میری ہجو کے اشعار سے اخفش بجاے اسکے کہ دل کو چوٹ لگے اور زیادہ فائدہ اُٹھاتا ہے اور اب ایسے ہی اشعار کہلانے کے لیے ستاتا ہے تو تھک گئے اور ہار کے ہجوین کہنے سے باز آگیا۔ اسکے تھوڑے ہی زمانے کے بعد غالبًا اُسے اخفش کی چھیڑ خوانی سے نجات مل گئی ہوگی۔

ابوالفرج معافی اور جریری اور مرزبانی جو بلند مرتبہ علماے نحویین گذرے ہین اُن کے شاگرد رشید تھے۔ مگر افسوس کہ دنیا نے اُنکے جیتے جی اُن کی قدر نہ جانی۔ ہم آج اُنکی لائف لکھتے وقت اُن کے کمالات کا اعتراف کر رہے ہین اور شاید یون ہی آخر تک اعتراف ہوتا رہے گا۔ مگر جب تک وہ دنیا مین رہے زمانہ اُن سے برسر خلاف ہی رہا۔

ہم بیان کر چکے ہین کہ وہ نہایت ہی مفلس و تنگدست تھے۔ یہان تک کہ وزیر خلافت کے دربار مین تھوڑے وظیفے کے لیے سفارش کرائی اور یون بھی کام نہ نکلا بلکہ جس نے اُن کے حق مین دو کلمۂ خیر کہے تھے وہ عام لوگون کے مجمع مین ذلیل کیا گیا۔ اخفش کو اس کا بے انتہا ملال ہوا کہ میری وجہ سے مفت مین ایک معزز شخص کی تذلیل ہوئی۔ صبر کر کے بظاہر خاموش تو ہو رہے مگر دل زخمی تھا۔ اس غم کے ساتھ فقر و فاقہ کی تکلیف۔ کھانے کو کچھ میسر نہ آتا تھا اور فاقے پر فاقہ کرتے تھے۔ ایک دن بھوک کی شدت مین سڑے ہوے شلجم کھا گئے۔ جسکے چند گھنٹے بعد یک بیک بیٹھے بیٹھے روح پرواز کر گئی۔ کسی قسم کا مرض انتقال سے پہلے محسوس نہین ہونے پایا تھا۔ مگر بعد اطبا نے تشخیص کیا کہ وہ شلجم قلب پر چھا گئے۔ اور سردی

قلبی بیماری ہے اُن کا انتقال ہوا - انا للہ وانا الیہ راجعون -
ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ میں اُنھون نے دنیا کو رخصت کیا - بغداد میں بردان کے
پُل کا جو قبرستان مشہور تھا اُس میں آغوش لحد کے سپرد کیے گئے -

امیر عبدالقادر مغربی

جیسی شجاعت - جیسی وفاداری - جیسے استقلال - اور جیسی پابندی عہد
کی اُمید ایک شریف اور مسلمان عرب سے کی جا سکتی ہے - اُس کا سب سے آخری اور
نہایت مکمل نمونہ امیر عبدالقادر مغربی تھا جس نے اس اُنیسوین صدی عیسوی
مین حمایت دین اور حمایت قوم کے جوش کو سلطنت فرانس کے مقابل ایسی
شایستگی سے دکھا دیا کہ اُس کے نام کو بقائے دوام حاصل ہو گیا اور اسکے
کارنامے رہتی دنیا تک اہل عالم کو یاد رہین گے -
بحیرۂ روم کے جنوبی سواحل ممالک الجیریا و مغرب مین شرفائے عرب کا ایک
معزز قبیلہ ہے جو مُرابطین کے نام سے مشہور ہین - یہ مرابطین اپنے آپ کو ہاشمی
النسل بتاتے ہین - اور ارض مغرب مین ایک مدت مدید سے صاحب اثر اور اکثر
اوقات بر سر حکومت نظر آتے رہتے ہین - انھین مُرابطین کا ایک معزز خاندان
صوبۂ اوران کے شہر معسکرہ کے قریب آباد تھا - جس کو یہ فخر حاصل ہے کہ اسی
مین ۱۸۰۸ء مین امیر عبدالقادر ممدوح پیدا ہوا -
اُس کی زندگی کا ابتدائی ورق لاعلمی کے جُزدان مین بند ہے لیکن اس
مین شک نہین کہ اس لاعلمی ہی کے آغوش مین چھپا ہوا وہ علم حاصل کر رہا تھا
اور جب ۱۸۲۸ء مین پہلے پہل اسکے ہموطنون مین شہرت حاصل ہوئی ہے تو
اُسوقت اُسکی عمر تو اکیس ہی سال کی تھی مگر علم و فضل مین بڑے بڑے معمر اساتذہ
سے گوے سبقت لے گیا تھا - کیونکہ وہ ایک بڑا جید عالم اور واجب التعظیم فاضل
بن کے دنیا کی نظر گاہ عام مین آیا - اور اس کے ساتھ سب سے زیادہ مکرم و محترم
ثابت کرنے والی یہ چیز تھی کہ علم با عمل تھا - وہ جتنا بڑا متبحر عالم تھا اُتنا ہی بڑا
عابد و زاہد بھی تھا - وہ ہموطنون مین فاضل گران پایہ ہونے کے ساتھ اعلی درجے کا

متقی و پرہیزگار بھی تسلیم کیا جاتا تھا۔ پھر اسی زمانے مین جب اُس نے مسلسل حنّٰ بار ارض حجاز کا سفر کرکے دوہرے حجون کی فضیلت بھی حاصل کر لی تو لوگون مین اُس کا اثر اور بڑھ گیا۔ اور اب وہ ایک عالم اور مقتداے دین ہی نہین بلکہ ایک پاک باطن صوفی اور صاحب تصرف ولی اللہ بھی مانا جاتا تھا۔ لوگ اُس سے تعلیم ہی نہین پاتے تھے بلکہ اُس کے مُرید بھی ہوتے تھے۔

ان دنون فرانسیسیون نے شمالی افریقہ کے مسلمان قبائل کو کمزور پا کے دبانا اور اُنکے شہرون اور صوبون کو مغلوب کرکے اپنے قبضے مین لانا شروع کر دیا تھا ان مسلمان ملکون مین کوئی بڑی زبردست سلطنت نہ تھی جو دولت فرانس کا مقابلہ کرتی۔ متفرق قبائل اور ہر ہر شہر کے باشندے جدا جدا اپنی آزادی کے لیے لڑتے تھے۔ مگر بار بار ناکام ہوتے اور پھڑپھڑا کے رہ جاتے تھے۔ فرانسیسیون کی باقاعدہ فوجون اور زبردست توپون کے سامنے نہ بہادری کام آتی اور نہ کسی اور طرح زور چلتا۔

اپنے ملک کی یہ حالت اور یہ قومی تباہی دیکھ کے عبد القادر کو جوش آیا۔ اور ملک و ملت کی حمایت مین جان کھپانے کے لیے وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اپنے باپ کو بھی اُبھار کے اپنے ساتھ لیا۔ اور بے تکلف جہاد کا نعرہ بلند کر دیا۔ اور اس کے درپے ہوا کہ اہل وطن جان پر کھیل کے فرانسیسیون کو اپنے وطن سے نکال دین۔ ملک نے بھی یہ خدمت پسند کی۔ اور ۱۸۳۲ع مین اُسکے زیر حکم دس ہزار سپہگرون کی جماعت تھی۔ جن کو لے کے اُس نے شہر اوران پر حملہ کر دیا۔

یہان فرانسیسی قوت بڑے زور دن پر تھی۔ اور مقابلہ کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ چنانچہ کئی بار اُسے سخت نقصان اُٹھا کے پسپا بھی ہونا پڑا لیکن باوجود ان نقصانون اور شکستون کے لڑائی سے اُس نے فائدہ ہی اُٹھایا۔ ایک طرف تو یہ ہوا کہ یورپ و افریقہ مین اسکی شجاعت و سپہگری کی دھوم ہو گئی۔ خود اُس کے ہم وطن مطیع و فرمانبردار ہو کے اُسکے اشارون پر چلنے لگے۔ تمام قبائل عرب نے جن کا پیشہ اکثر لڑائی رہا کرتی تھی اُس کے آگے سر اطاعت جھکا دیا۔ اور سب اُسکے جھنڈے کے نیچے لڑنے کو تیار ہو گئے۔

عنانِ سپہ سالاری ہاتھ مین لینے کے بعد عبدالقادر نے فن جنگ مین ایسی نمایان ترقی کی کہ ساری دنیا چونک اُٹھی - اور اُس نے اپنے ہمراہیون کو یہ فن سکھا دیا کہ توپون کی سخت سے سخت آتشباری مین ٹھہر کے کیونکر دشمنون کا مقابلہ کرین - عرب لوگ توپون سے بہت ڈرتے اور بے انتہا گھبراتے تھے - عبدالقادر نے دو ایک میدانون مین اُنھین نہایت خوبصورتی اور حسن تدبیر سے لڑا کے کامیاب کرا دیا تو وہ اُس کے اور زیادہ گرویدہ ہو گئے - اور مخالفون تک کو اس بات کی اعلیٰ درجے کی تعلیم دی کہ یورپ کی توپون کے سامنے کیونکر ٹھہرین اور کس طرح یورش کر کے دشمنون کی توپین چھین لین -

ان مسلسل لڑائیون اور یورشون کا نتیجہ ہوا کہ فرنسیسیون کو مجبوراً امیر عبدالقادر کا دباؤ ماننا پڑا - اور آخر ۱۸۳۴ء مین فرانسیسیون اور الجیریا والون کے فی مابین ایک معاہدہ ہو گیا - جس کی رو سے عبدالقادر شہر عسکر کا امیر اور صوبۂ اوران کا فرمان روا تسلیم کیا گیا - اور ملک کی اندرونی تجارت پر اُسے محصول لگانے کا حق دیا گیا - یہ معاہدہ ہی بتا رہا ہے کہ عبدالقادر نے اوران کو بزور شمشیر فرانسیسیون سے لے لیا تھا - اور اپنی قوت سے اُس نے وہ حقوق [illegible] کیے تھے جو [illegible] والون سے کسی کو بمشکل مل سکتے ہین -

اسی معاہدے کے بعد اُس کی عظمت بہت بڑھ گئی - مقتدائی سے اُسے حکمرانی مل گئی [illegible] اور مسند افتا سے قدم آگے بڑھا کے وہ سریر شہر یاری کی زیب و زینت بن گیا - اس موقع پر بعض بھائی بندون اور دینی اعمام کو اُس پر حسد آیا جو ہتھیار لے کے اُس کی مخالفت کو اُٹھ کھڑے ہوے - اکثر مشرقی ممالک مین ایسا ہی ہوا کرتا ہے - جہان خود غرضی قومی منافع پر ہمیشہ غالب آ جایا کرتی ہے - مگر عبدالقادر کی شجاعت و خوش تدبیری ان سب مشکلون پر غالب آئی - اور کل حریف اُس کے مطیع و منقاد ہو گئے -

تاہم ان حریفون کی مغلوبی - اور فرانسیسیون سے معاہدہ ہو جانے کے بعد بھی امیر عبدالقادر کو کبھی اطمینان سے بیٹھنا نصیب ہوا - کیونکہ سلطنت فرانس کی طرف سے چھیڑ خانیان چلی ہی جاتی تھین - اور روز نئے جھگڑے اُٹھ کھڑے

ہوتے تھے ۔ مگر عبدالقادر نے فرنچ افسرون کے ہر طرح دانت کھٹے کر دیے۔ حتیٰ کہ بیان کیا جاتا ہے کہ اپنی حکمت عملی اور مستعدی سے اُس نے اپنے کیمپ کو ایک متحرک اور انتقال پذیر شہر بنا لیا تھا۔ جو کبھی کہین ہوتا اور کبھی کہین۔ دشمنون کو ایام جنگ مین اس کا پتہ بھی مشکل سے چلتا کہ وہ اور اُس کا شہر کہان ہے۔ لیکن ۱۸۴۷ء مین وہ فرانسیسی فوجون مین اس طرح گھر گیا کہ بھاگنے کی کوئی صورت نہ نظر آئی۔ اور آخر اُسے مجبور ہو کے فرنچ جنرل لاموری سیئر کے آگے ہتھیار رکھ دینا پڑے۔ ہتھیار رکھنے سے پیشتر یہ شرط ہو گئی تھی کہ وہ یا تو اسکندریہ مین بھیجدیا جائے گا اور یا ایک اور شہر مین جو سینٹ جین ڈائر کے نام سے شہرت رکھتا ہے۔ لیکن گرفتار کر لینے کے بعد فرنچ گورنمنٹ نے بدعہدی کی۔ اُس شرط کے بجا لانے سے انکار کر دیا۔ اور عبدالقادر اپنے وطن سے نکال کے طولون کے ایک قلعے مین زیر حراست رکھا گیا۔

سر سید نے اپنے سفر یورپ کے حالات مین جہان پیرس کے واقعات بیان کیے ہین یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ کسی جگہ اُنھون نے ایک تصویر دیکھی جس مین یہ سین دکھایا گیا تھا کہ فرانسیسی سپاہیون نے ایک رونٹ پر سے محل کو گرایا ہے جس سے کئی جوان خوبصورت عورتین اور بچے زمین پر گر پڑے ہین۔ وہ بیکسی کی حالت مین سہمے ہوے ہین۔ اور فرنچ سپاہی اُن پر اپنی سنگینون سے حملہ کرنے کو ہین۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ اس تصویر مین عبدالقادر کے حرم کی گرفتاری اور دولت فرانس کی عظمت دکھائی گئی ہے۔ سید صاحب کو یہ ناگوار ہوا۔ چنانچہ انھون نے اس تصویر کو فرانسیسیون کی کم ظرفی پر محمول کیا اور لکھ دیا کہ عبدالقادر کی عظمت و شجاعت دنیا کی نظر سے پوشیدہ نہین رہ سکتی جس نے مدتون دولت فرانس کو حیران و پریشان رکھا تھا۔ اس تصویر کو دیکھ کے سوا اس کے کہ خود فرنچ لوگون کی لغویت اور ایک نہایت ہی ذلیل حرکت عالم آشکارا ہو عبدالقادر کے نام پر کوئی حرف نہین آ سکتا۔ بلکہ دیکھنے والے کو اس تصویر سے عبدالقادر کی بہادری اور شجاعت کا زیادہ یقین ہو جاتا ہے۔

عبدالقادر چار ہی سال طولون مین قید رہنے پایا تھا کہ خود شہنشاہ نپولین

لوئی نپولین کو اُس کے حال پر ترس آیا - اور اُسے اس شرط سے آزادی دیدی کہ پھر کبھی الجیریا مین جا کے فرانسیسیون سے مخالفت نہ کرے گا - اور نہ اُنکے خلاف کوئی سازش کرے گا - اُس نامی گرامی شجاع عرب نے یہ شرط قبول کر لی - اقرار کیا کہ مین اب ایسا نہ کرون گا - اور دولت فرانس نے اُسکی مرضی کے مطابق اُسے دولت عثمانیہ کے شہر بروسہ مین بھیجدیا - جو ایشیاے کوچک مین واقع ہے - چنانچہ ۱۸۵۳ء مین وہ اپنے اس نئے مسکن مین پہونچا - یہان چند ہی روز رہا تھا کہ اُسے خاص قسطنطنیہ مین اقامت گزین ہونے کی اجازت اور آزادی مل گئی - اور اختیار تھا کہ قلمروِ عثمانیہ مین جہان چاہے رہے اور جہان جی چاہے جائے -

اسکے بعد ۱۸۵۵ء مین پیرس مین ایک نمائش گاہ قرار پائی جس کی سیر کے لیے امیر عبد القادر بھی آیا - اور سیر کر کے واپس گیا - ۱۸۶۰ء مین ارض شام مین درُوز[ع] کا ہنگامہ عظیم ہوا جس مین دُروز لوگ جو نہایت ہی بہادر اور سخت ہین عیسائیون کے خلاف بگڑ کھڑے ہوے - اور قتل و خون کا بازار گرم ہونے کو تھا - اور کوہ لبنان کے علاقے مین بہت سے عیسائی قتل بھی ہوگئے - امیر عبد القادر نے اس موقع پر بڑی مردانگی و شرافت سے کام لیا - مسلمانون کو اپنے ذاتی اثر سے روکا - اور چونکہ وہ مسلمانون مین نہایت ہی ہردل عزیز تھا اس لیے ٹ کے درمیان مین پڑتے ہی مسلمانون نے تلوارین میان مین کر لین - اور جس عام خون ریزی کا اندیشہ تھا نہ ہونے پائی - مسیحیون کو اس امر کا پورا یقین تھا کہ صرف عبد القادر نے اُنھین اس موقع پر بچا لیا -

الجیریا کے شیوخ نے اب اُس کے پاس بار بار پیام بھیجنا شروع کیے کہ پھر وطن مین واپس آ کے عنان حکومت اپنے ہاتھ مین لیجیے - اور فرانسیسیون سے

[ع] ارض شام مین یہ ایک مذہبی فرقہ ہے - جو لوگ بڑے بہادر اور اُجڈ مشہور ہین - الحاکم بامر اللہ فاطمی خلیفۂ مصر کو وہ خدا مانتے ہین - اور اُسکے منشی حمزہ کے خطوط کا ایک مجموعہ اُنکے پاس ہے جسکو کتاب المدر روز کہتے اور قرآن سے زیادہ مانتے ہین - اُنکے عقائد و عبادات آج تک دنیا مین ایک رازِ سربستہ بنے ہوے ہین - بظاہر یہ لوگ دین اسلام سے خارج ہین مگر اس مین شک نہین کہ وہ ایک مسلمانون کا فرقہ ہے

اٹھالیے۔ دولت فرانس نے اگرچہ گرفتار کرتے وقت اُس سے یہ عہد لی تھی مگر اُس کے قدم کو ہرگز لغزش نہ ہوئی۔ اور اہل وطن کو اُس نے صاف جواب دے دیا کہ مین اب تمھارے کام کا نہین رہا۔ اور فرانسسیون سے مین نے جو عہد کر لیا ہے اُس پر ہمیشہ قائم رہون گا۔

سنہ ۱۸۶۳ء مین اُس نے پھر سفر حج کیا۔ اور سنہ ۱۸۶۷ء مین دوبارہ فرانس کا سفر کیا۔ پیرس کو خوب پھر کے دیکھا۔ اور چندروز کے لیے لندن کی بھی سیر کی۔

اُس کی زندگی پوری دینداری اور نیک نفسی مین بسر ہوئی۔ یہان تک کہ آخر عمر مین پھر مکہ معظمہ کا سفر کیا۔ اور وہین جوار حرم محترم مین سنہ ۱۸۸۳ء مین وفات پائی اور اُس پاک زمین مین آغوش لحد کے سپرد کیا گیا۔

مقنع خراسانی

مشرقی شاعری مین جن نامور لوگون نے کسی نہ کسی حیثیت سے شہرت حاصل کی ہے اُن مین ایک یہ بھی ہے۔ ہم نے اکثر عوام الناس کو اسے "ابن مقنع" کے نام سے یاد کرتے سُنا ہے۔ مگر یہ غلط ہے۔ وہ ایک بے نام و نشان خاندان سے ظاہر ہوا تھا کہ ہنوز آج تک اُس کے باپ کا نام بھی معلوم نہ ہو سکا۔ گو وہ قریشی ہونے کا مدعی ہے مگر ہمارے خیال مین اُن نومسلمون مین سے تھا جنھون نے اُن دنون اسلامی پبلک مین مقبولیت حاصل کرنے کے لیے بظاہر دین اسلام قبول کر لیا لیکن حقیقۃً ملحد و بے دین تھے۔ اور دین اسلام اختیار کرنے مین اُن کی اصلی غرض یہ تھی کہ اس سچے دین الٰہی کو ضرر پہونچائین نہ یہ کہ اس سے کوئی روحانی فائدہ اُٹھائین۔ خراسان و فارس کے نومسلمون مین سے ایسے کئی اشخاص ظاہر ہوے جن کے افعال و عقائد سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ عربی حکومت کی فرمان برداری نہین گوارا کر سکتے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی بہانے اور فن سے پھر اپنی قومی سلطنت قائم کر لین۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ جب کوئی ایسا شخص پیدا ہوتا تو ہزارہا نومسلم عجمی اُس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاتے اور اس کا ذرا بھی لحاظ نہ کرتے کہ وہ جن عقائد و خیالات کا مدعی ہے وہ کیسے ہین۔

اصل میں یہ شخص مشرقی خراسان کے شہر مرو کا ایک دھوبی تھا جس کا نام عطا، تھا۔ اپنا اصلی پیشہ چھوڑ کے علم و فضل کی طرف متوجہ ہوا۔ اور حکمت و فلسفہ میں اچھی قابلیت پیدا کی۔ اسی سلسلے میں اُس نے سحر و طلسم کے کرشموں میں بھی ید طولیٰ حاصل کیا۔ جن چیزوں کے ذریعے سے اُن دنوں جلد شہرت و ناموری حاصل ہو جایا کرتی تھی۔ بلکہ ان کرشموں کے ذریعے سے بہ آسانی ممکن تھا کہ جہلا کی ایک جماعت عظیم اپنے اوپر فریفتہ کر کے اپنی گرویدہ بنالی جائے منصور حلاج کی نسبت بھی ایسی ہی نیرنگیاں اور سحر کاریاں منسوب کی گئی ہیں۔ اور ابن القراقر شلمغانی جس کے حالات ہم دلگداز میں اس سے پیشتر لکھ چکے ہیں وہ بھی انھیں فنون میں کمال رکھتا تھا۔

الغرض اپنے حکیمانہ خیالات اور اپنی سحر آفرینیوں کی بدولت نومسلم جاہلوں اور عجمی لوگوں میں اُس نے بڑی وقعت حاصل کی اور ایک بڑی جماعت کا پیشوا و مقتدا۔ اور مقتدائی کے بعد سرگروہ و سرغنا بن گیا اور ہزارہا خلقت کا اُس کے گرد ہجوم تھا۔

لیکن اُس میں ایک ایسا ظاہری عیب تھا جس کی وجہ سے اُس کی مقبولیت و دلفریبی میں گونہ فرق پڑ گیا تھا۔ وہ یہ کہ وہ نہایت ہی بد قطع۔ بدصورت۔ پستہ قد۔ اور حقیر و کم رُو شخص تھا۔ اس بدصورتی پر طرہ یہ کہ ایک آنکھ کانی تھی اور اُس میں بڑا سا ٹینٹر نکلا ہوا تھا۔ جسے دیکھ کے لوگوں کے دلوں میں اُس کی طرف سے نفرت پیدا ہو جاتی۔ اس عیب کے چھپانے کے لیے اُس نے وہی کام کیا جو آخر عہد کے فرعنۂ مصر اپنے مُردوں کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ وہ لوگ ایک طلائی چہرہ بنا کے منہ پر لگا دیا کرتے تاکہ ممی کے چہرے پر موت اور مرور ایام سے جو وحشت برسنے لگتی ہے لوگوں کی نظروں سے چھپی رہے۔ اسی طرح اس شخص نے بھی ایک سونے کا خوبصورت اور چمکدار چہرہ بنا کے منہ پر چڑھا لیا۔ اور بغیر اس چہرے کی نقاب کے کسی کو اپنی صورت نہ دکھاتا۔ اس تدبیر نے لوگوں کی گرویدگی اور بڑھائی۔ اور اُسی وقت اور اسی سبب سے اپنے اصلی نام عطا کے عوض وہ "مقنع" یعنے نقاب پوش کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔

اب اُس نے سائنس اور ہیات کے مسائل اور نیز اپنی نیرنگیون اور طلسم سازیون کے زور سے ایک چاند بنا دیا - جو بلندی پر طلوع کرتا - اُس کی کرنین دور دور تک پہنچتین حتیٰ کہ مورخین کا بیان ہے کہ وہ ایک مہینے کی مسافت سے نظر آتا تھا - اس مین شک نہین کہ اُس کا یہ ماہتاب اُس عہد مین بڑی حیرت انگیز چیز تھا - مگر اُسکا ایک مہینے کی راہ سے نظر آنا مبالغے سے خالی نہین - معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اس چاند کو کسی بلند پہاڑ کی چوٹی پر قائم کیا تھا - جو کئی منزلون سے نظر آتی ہوگی - وہ چاند اُس چوٹی سے ذرا بلند ہو کے ٹھہر جاتا ہوگا - اور اُس مین اپنی جستجو سے اُس نے برقی روشنی پیدا کر دی ہوگی جو اتنے بڑے پیمانے پر ہوگی کہ چار پانچ منزلون سے نظر آسکے - وہ چاند رات بھر یا جب تک وہ چاہے اُس چوٹی کے اوپر طلوع کر کے قائم رہتا ہوگا - اور جب وہ چاہے غائب ہو جاتا ہوگا -

بہر حال اس مین شک نہین کہ اُس کے اس چاند نے قلمرو اسلام مین بڑی شہرت حاصل کی - اور ہر جگہ اُس کا تذکرہ ہونے لگا - اُس کے مریدین تو اس کرشمے کو اُس کی ربانی قوت کا تصرف اور اُس کا عظیم الشان معجزہ بتاتے تھے - مگر مخالفین اور عام مسلمانان ارض بھی اس چاند کو نہایت ہی حیرت سے دیکھتے اور اُسے کسی مافوق العادت قوت کا مظہر تصور کرتے تھے - شعرائے عرب مین بھی اُس کی شہرت ہوئی - اور شاعرانہ تشبیہات مین اُس سے کام لیا جانے لگا - چنانچہ ایک شاعر عرب کہتا ہے -

إليك فما بدر المقنع طالعاً ۔۔۔ بأسحر من ألحاظ بدري المعمم ؏

اس زبردست کرشمے اور اپنی دیگر سحر آفرینیون کے اظہار کے ساتھ اُس نے علانیہ طور پر لوگون کو ایک نئے مذہب اور جدید عقائد کی طرف بلانا شروع کیا - ان دنون بنی عباس کے تیسرے خلیفہ مہدی عباسی کا عہد تھا - اور دنیا مین بڑے بڑے ائمۂ دین موجود تھے - جنھون نے مقنع کے ہفوات اور لغو خیالات کو اُس کے چاند اور اُس کی سحر آفرینیون سے زیادہ حیرت کی نگاہون سے دیکھا -

؏ اے مخاطب یا ناصح، جا اپنا کام کر - کیونکہ مقنع کا چاند بھی جب کہ طلوع کیے ہوئے ہو میرے عمامے والے ماہ کامل (معشوق) کی نگاہون سے زیادہ سحر آفرین نہین ہوتا -

اُس عہد کے دیگر ملاحدہ کی طرح مقنع کے خیالات کی عمارت بھی توراۃ کی تاریخ انبیا۔ بت پرست فلسفیون کے خیالات۔ اور زرتشتی عقائد پر قائم کی گئی تھی۔ ابن قراقر شلمغانی کے عقائد اور اُسکے عقائد مین عجیب قسم کی یکسانی تھی۔ جس سے شبہہ ہوتا ہے کہ یہ دونون ایک ہی مذہب کے پیرو اور نئے باتی مذہب بننے مین ہم درجہ تھے۔ مقنع کا سب سے بڑا اصول دین مسئلۂ تناسخ کا تھا۔ جس کی بنیاد پر اُس نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ اور کہا کہ خداوند جل وعلا میرے پیکر مین ظاہر ہوا ہے یا یون کہیے کہ مین خدا کا اوتار ہون۔ اُلوہیت کی سند اُس نے صرف اپنے ہی لیے نہین خالی کی بلکہ سارے انبیاے سلف کو بھی مظہرِ الٰہی اور خدا کا اوتار بتایا۔ چنانچہ دعویٰ کیا کہ خدا سب سے پہلے آدم کی صورت مین نمایان ہوا۔ اور یہی وجہ تھی کہ تمام ملائکہ کو اُن کا سجدہ کرنے کا حکم ہوا۔ ورنہ کیونکر ممکن اور جائز ہو سکتا تھا کہ فرشتون کو غیر اللہ کے سجدے کا حکم دیا جائے۔ اور ابلیس اس بارۂ خاص مین اختلاف کرنے سے مستوجب عذاب اور ہمیشہ کے لیے مردود ہو جائے۔ وہ کہتا تھا کہ آدم کے بعد نوح مین پھر یکے بعد دیگرے اور سب انبیا کی صورتون مین خدا ظاہر ہوتا رہا اور وہ سب خدا کے اوتار تھے۔ اور اب وہ حضرت رب العزت اسی شان سے میری صورت مین ظاہر ہوا ہے۔ اور اس زمانے کا اوتار مین خود ہون اور میرے آگے سجدہ کرنا اور میری پرستش کرنا ہر مخلوق پر فرض ہے۔

اُس کا یہ دعوے سن کے بہت سے لوگون نے اُس کے آگے سجدہ کیا اور اُسکی پرستش شروع کر دی۔ جن مین عموماً خراسان و فارس کے نومسلم تھے۔ جن کے دلون مین اسلام نے اچھی طرح جگہ نہین پکڑی تھی۔ اور جو چاہتے تھے کہ جس طرح بنے عربون کی ماتحتی سے نکل کے اپنے کسی ہم قوم کی حکومت قائم کرین۔ اصل یہ ہے کہ یہ پولیٹکل خیال عجمیون مین زور و شور سے پھیلا ہوا تھا جس سے خود عربون نے بھی فائدہ اُٹھایا اسی خیال نے دولتِ عباسیہ کو قائم کرایا۔ اور ابو مسلم خراسانی اس قسم کے خیالات کا پھیلانے والا تھا۔ جو عباسی علم ہاتھ مین لے کے اُٹھا اور ایک عجمی کی اطاعت کے دھوکے مین سارے مشرقی نومسلم عباسی خاندان کے حامی و مددگار بن گئے۔ اور بنی اُمیہ کی سلطنت کو بیخ و بنیاد سے اُکھاڑ کے پھینک دیا۔ عباسیون نے عنانِ حکومت

ہاتھ میں لینے کے بعد جب اسلامی عقائد کی پشت پناہی کی تو پیروان ابو مسلم بار بار اُٹھتے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ اُسکے مشرکانہ مذہب اور تناسخ کے اصول کو رواج دین۔ اور آخر مین انھین لوگون کے سرغنا مقنع وغیرہ بھی بن گئے۔ چنانچہ مقنع اپنے ظہور سے پہلے ابو مسلم ہی کو خدا کا اوتار بتاتا تھا۔ یہی لوگ چند روز پہلے راوندیہ کی صورت مین ظاہر ہو چکے تھے جنھون نے خاص دار الخلافت بغداد مین بڑا بھاری ہنگامہ مچا دیا تھا۔

صاحب علم اور دیندار مسلمانون کو جب مقنع کے ان عقائد کی خبر ہوئی تو سخت برہمی اور جوش و خروش کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوے کہ جس قدر جلد ممکن ہو اُسکے فتنے کا استیصال کر دین۔ مگر ان مین جوش پیدا ہونے سے پہلے اُس نے اپنے لیے استحکام کا سامان فراہم کر لیا تھا۔ حدود خراسان مین علاقہ کش کے اندر اُس نے اپنے لیے ایک مضبوط قلعہ بنا لیا جس کا نام سنام تھا۔ پہلے تو اپنے ہمراہیون کو ساتھ لے کے اُن نے خراسان کے کھلے شہرون مین مسلمانون سے مقابلہ کیا۔ انھین دنون بخارا اور علاقہ صُغد مین باغیون اور سرکشون کی ایک اور جماعت پیدا ہو چلی تھی۔ ان لوگون کو اگرچہ مقنع کے عقائد سے کوئی تعلق نہ تھا مگر اپنے پولیٹکل مصالح کا خیال کر کے مقنع کے ساتھ ہو گئے۔ اس سے بھی زیادہ قوت مقنع کو کفار ترک سے ملی جو اُس وقت تک مسلمان نہین ہوے تھے۔ اور اکثر دولت اسلامیہ کے سرحدی علاقون مین لوٹ مار کے بھاگ جایا کرتے تھے۔

مسلمانون مین سب سے پہلے ابو نعمان جنید اور لیث بن نصر بن سیار نے لشکر مرتب کر کے پیروان مقنع کا مقابلہ کیا۔ جس مین مسلمانون کو کامیابی نہین ہوئی۔ اور لیث بن سیار کا بھائی محمد بن نصر مارا گیا۔ یہ خبر سُن کے خلیفہ مہدی نے اپنے ایک بہادر افسر جبرئیل بن یحییٰ کو بھیج کے لیث بن نصر کی کمک کی۔ اب ان سے باضابطہ طور پر معرکہ آرائی شروع ہو گئی۔ وہ لوگ بخارا کے بعض قلعون مین متحصن ہو کے لڑے اور مسلسل چار مہینون تک لڑائی ہوتی رہی۔ آخر مسلمانون نے اُنکے کئی قلعے کمال شجاعت دکھا کے اور جانون پر کھیل کے چھین لیے۔ اور سات سو دشمنون کو نعمۂ نہنگ شمشیر بنایا۔

شکست خوردہ لوگون مین سے جو بچے وہ بھاگ کے خاص قلعۂ سنام مین پہونچے جہان

خود مقنع موجود تھا۔ مگر جبریل نے جان نہ چھوڑی اُن کا تعاقب کرتا ہوا خود بھی سنام پر جا پہونچا۔ اب خلیفۂ مہدی نے مقنع کی سرکوبی کے لیے ابو عون کو روانہ کیا مگر اُس نے زیادہ مستعدی نہیں دکھائی تو معاذ بن مسلم کو بھیجا اور بہت سے سرداران فوج اور بہادر سپاہی اسکے ہمراہ رکاب کیے۔ یہان عقبہ بن مسلم بھی ان لوگون سے آ ملا۔ اور مقنع کی سرکوبی کے لیے ایک زبردست لشکر مرتب ہو گیا۔ اس مرتبہ پہلی لڑائی مقام طواویس مین ہوئی۔ جس مین ہمراہیان مقنع شکست کھا کے بھاگے۔ اور اب نہ اُنکے اور مقنع کے لیے سوا اسکے کہ سنام کے قلعے مین پناہ گزین ہو کے لڑین کوئی مفر نہ تھا۔

سنام کا محاصرہ نہایت ہی سختی سے لیا گیا تھا۔ اور محاصرے کے ساتھ روزانہ حملے کیے جاتے تھے۔ مقنع کے ہمراہی آخر تاب نہ لائے۔ اور مقنع سے چھپا کے خفیہ طور پر ایلچی بھیج کے امان کے خواستگار ہوے۔ انھین امان دی گئی۔ تیس ہزار آدمی قلعے سے نکل کے چلے گئے۔ اور تقریبًا دو ہزار قلعے کے اندر باقی رہے۔ اب مقنع کو بالکل یاس ہو گئی تھی اور فلاح کی کوئی صورت نہین نظر آتی تھی۔ ایسی حالت مین اُس نے اپنی عورتون اور بال بچون کو ایک جگہ جمع کر کے بعض مورخین کا بیان ہے کہ جام زہر پلا کے ہلاک کر ڈالا۔ اور بعض کہتے ہین کہ سب کو آگ مین جلا کے مار ڈالا اور اسکے بعد خود بھی جل مرا۔ مگر پہلی روایت غالبًا صحیح ہے۔

اُسکی ہلاکت کے بعد مسلمان قلعے مین داخل ہوے۔ اُسکے جتنے پیرو زندہ تھے قتل کیے گئے۔ اور اُس کا سر کاٹ کے ۱۶۳ھ مین خلیفۂ مہدی کے پاس بھیجا گیا۔

دوسرے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کے عہد مین راوندیہ فرقہ یعنی ابو مسلم خراسانی کے پیروون کا ہنگامہ ہوا تھا۔ اسکے تھوڑے ہی دنون بعد منصور کے بیٹے خلیفۂ مہدی کے عہد مین ابن مقنع کے واقعات پیش آئے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اصل مین ابو مسلم ہی کا نقیب اور داعی تھا۔ ہان ابن القراقر شلمغانی البتہ وہ شخص ہے جس نے ابن مقنع کے پورے ڈیڑھ سو برس بعد ان عقائد کے از سر نو زندہ کرنے اور گڑے مردے اکھیڑنے کی کوشش کی۔ اور اسی کوشش کی نذر ہوا۔

———— ٭ ————

لقمان

جو معزز و محترم اور واجب التعظیم نام مسلمانون کے اثر سے ہندوستان کے عام لٹریچر اور خاصتہً اُردو کی دنیا مین آئے ہین اُن مین بہت ہی باوقعت نام حضرت لقمان کا ہے۔ یہ نام علمی دنیا ہی تک محدود نہین ہا بلکہ زبان زد خاص و عام ہو گیا۔ ہر شخص جب کسی کو بہت ہی بڑا عقلمند تسلیم کرتا ہے تو اُسے لقمان زمانہ کہتا ہے۔ اور جب کوئی کسی کے علمی دعوون پر تعریض کرتا ہے تو کہتا ہے کہ "آپ ہی تو اپنے وقت کے بڑے لقمان ہین"۔

حضرت لقمان کو دیگر عقلا کے مقابلے مین یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ اُنکا نام قرآن پاک مین آگیا ہے اور خود حضرت جل و علا نے بھی لقمان کی حکمت و دانائی کا اعتراف کیا ہے۔ اسی وجہ سے اسلام کے علماے سلف مین اختلاف پڑا ہوا ہے کہ لقمان پیغمبر تھے یا صرف ایک عابد و زاہد حکیم۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ پیغمبر نہ تھے۔ کیونکہ نہ خداے تعالیٰ ہی نے اُنکو پیغمبر بتایا ہے اور نہ کسی ایسی قوم کا پتہ چلتا ہے جس کی ہدایت اور اُس مین توحید کی تبلیغ کرنے کے لیے وہ مبعوث ہوے ہون۔ چنانچہ انھین امور کے خیال سے علما کا غالب گروہ انھین ایک حکیم و دانا اور سلف کا مرد صالح ہی بتاتا ہے۔

مگر یہ تھوڑی حیرت کی بات نہین کہ ایسا نامی گرامی شخص جو دینی و دنیوی دونون حیثیتون سے محترم مانا جاتا ہو۔ جس کی دانائی و حکمت کی چار دانگ عالم مین دھوم ہو۔ جس کا نام ہر ادنیٰ و اعلیٰ کی زبان پر ہو۔ اُسکے حالات سے بہت ہی کم لوگ واقف ہین۔ اور یہ بھی نہین جانتے کہ وہ کون تھے؟ کب تھے؟ کہان تھے؟ اور کیا کرتے تھے؟۔

اُن کا نام و نسب لقمان بن فاعور بن ناخور بن تارخ بتایا گیا ہے۔ تارخ حضرت ابراہیم کے والد آذر کا لقب یا نام تھا۔ جس سے گمان ہوتا ہے کہ وہ حضرت ابراہیم کے ہم نسب ہون گے۔ مگر یہ یقیناً غلط ہے۔ کیونکہ لقمان ارض سوڈان کے رہنے والے حبشی نژاد تھے۔ اور اُنکے سلسلۂ نسب کے بنی اسرائیل کے سلسلے مین ملنے کی کوئی

کوئی وجہ نہین ہے۔ بعض دیگر روایتون مین لقمان کے باپ دادا کا نام عنقاء بن مرون بتایا گیا ہے۔ اور کیا عجب کہ یہی صحیح ہو۔ علماے اسلام مین سے بعض لقمان کے نام کو عربی الاصل بتاتے ہین جن کے نزدیک اُس کا مادہ "لقم" ہے۔ اور بعض عجمی گروہ لوگ غلطی پر ہین جو لفظ لقمان کو عربی خیال کرتے ہین۔ جب وہ لقمان عرب نہ تھے تو اُنکے نام کے عربی الاصل ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

اصل مین حضرت لقمان ایک حبشی غلام اور شکل و صورت مین نہایت ہی حقیر و ذلیل اور پستہ قامت تھے جس طرح حبشی غلام عموماً سرزمین نوبیہ اور سودان سے لائے جاتے ہین وہ بھی لائے گئے تھے۔ ناک حبشیون کی طرح بیٹھی ہوئی اور چپٹی تھی۔ ہونٹ موٹے اور بڑے بڑے تھے۔ پاؤن کے تلوے سپاٹ تھے یعنے نشیب و فراز نہ ہونے کے باعث پورا پاؤن زمین پر بیٹھ جاتا تھا جیسے پاؤن عموماً حبشیون کے ہوتے ہین۔ بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہین کہ درزی کا کام کرتے تھے۔ اور بعض اُنھین چرواہا بتاتے ہین۔ مگر ممکن ہے کہ مختلف اوقات مین اُنھون نے یہ سب کام کیے ہون۔

اُن کے زمانے کے متعلق صرف اس قدر پتہ چلتا ہے کہ حضرت داؤد کے عہد مین موجود تھے۔ جناب داؤد کے ہاتھون مین عنان حکومت کے آنے سے پہلے بنی اسرائیل مین فتوے دیا کرتے تھے۔ اس لیے کہ باوجود غلام حبشی ہونے کے علم و فضل نے اُنکو قوم بنی اسرائیل کا مفتی بنا دیا تھا۔ بعض علماے سلف کہتے ہین کہ اُنھون نے علم و فضل حضرت ایوبؑ نبی سے حاصل کیا تھا۔ اور اُنھین کے بھانجے تھے۔ چونکہ اُن کا حبشی نژاد ہونا پایۂ اعتبار کو پہونچا ہوا ہے اس لیے حضرت ایوب کی شاگردی مین تو شبہہ کرنے کی کوئی وجہ نہین۔ مگر اُن کا بھانجا ہونا ہرگز قابل اعتبار نہین ہے۔

حبشی غلامون کو دُنیا کی ہر قوم ذلیل و حقیر خیال کرتی ہے۔ اسلام سے پہلے حبشی غلامون کے ساتھ بہت ہی بے رحمی اور بہیمیت کا سلوک کیا جاتا تھا اُن غریبون کی ہر ملک مین نہایت ہی بے قدری تھی۔ مگر اُن غلامون مین لقمان کے ایسے حکیم دانا کا ہونا ایک ایسی بات تھی جس سے اُن سیاہ فام غلامون کی عزت اور قدر و منزلت بڑھ گئی۔ چنانچہ حضرت سرور کائنات علیہ السلام پیروان دین اسلام کو ہدایت و نصیحت

فرماتے ہین "حبشیون کو تم اپنی سوسائٹی مین لو۔ اس لیے کہ تین حبشی لقمان نجاشی اور بلال جنت کے سردارون مین ہین"۔

سعید بن مسیب نے ایک حبشی کو ملول و دل شکستہ دیکھ کے تسلی دی اور فرمایا "اپنے سیاہ فام ہونے پر تم افسوس نہ کرو۔ کیونکہ تمھارے ہی گروہ مین لقمان تھے۔ اور بہترین لوگون مین شمار کیے جاتے تھے"۔

لقمان اگرچہ اعلیٰ ترین حکما اور دانأون مین تھے۔ مگر اس قدر گمنامی کے زمانے مین تھے کہ اُن کی تعلیم و تربیت کے حالات بالکل نہین معلوم ہو سکتے۔ اس مین شک نہین کہ اُنھون نے حضرت ایوبؑ کی درسگاہ نبوت سے بہت علمی فائدہ اُٹھایا تھا۔ مگر واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی فطری دانائی کی مدد سے اُنھون نے اپنے آپ کو خود حکیم بنایا۔ اور جتنا کہ فائدہ کوئی اور شخص کسی اُستاد سے اُٹھایا کرتا ہے اُنھون نے خود اپنی روشن ضمیری اور اپنے قریحۂ صالحہ سے اُٹھایا۔

چنانچہ ایک دن اپنے تلامذہ اور خوشہ چینان صحبت فیض کو حکمت و دانائی کا درس دے رہے تھے کہ ایک شخص سامنے آ کے کھڑا ہو گیا دیر تک انکی صورت پر غور کرتا رہا۔ اور آخر پہچان کے بولا "تم وہی ہو نہ جو فلان مقام پر میرے ساتھ بکریان چرایا کرتے تھے؟" لقمان نے جواب دیا "ہان مین وہی شخص ہون"۔ تب اُس نے متحیر ہو کے کہا "تو یہ مرتبہ تمھین کیونکر حاصل ہوا؟" فرمایا "صرف دو باتون سے۔ ایک تو سچ بولنا۔ اور دوسرے بے ضرورت بات نہ کرنا"۔

یہ واقعہ کئی روایتون سے ہم تک پہونچا ہے۔ جن مین سے ہر ایک مین تھوڑا بہت اختلاف ہے۔ اور بعض باتین بڑھی ہوئی ہین۔ ایک مین حضرت لقمان کا آخری جواب یہ ہے کہ "اللہ کی قدر جاننے۔ امانت کے ادا کرنے۔ سچ بولنے۔ اور فضول بات نہ کہنے سے مین نے یہ مرتبہ حاصل کیا"۔ ایک تیسری روایت مین ہے کہ "جن چیزون نے مجھے اس رتبے کو پہونچایا یہ ہین۔ نظر نیچی رکھنا۔ زبان کو روکنا۔ غذا کو پاک رکھنا۔ شرمگاہ کو قابو مین رکھنا۔ سچ بولنا۔ عہد کو پورا کرنا۔ مہمان کی عزت کرنا۔ پڑوسی کی مدد و حمایت کرنا۔ اور جس چیز مین کوئی فائدہ نہ اُسے ترک کر دینا"۔ اور پھر اسکے بعد فرمایا "اگر تم یہ کرو تو تم بھی ایسے ہی ہو جاؤ"۔

اس واقعے سے اشارۃً یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ لقمان ابتداءً غلام تھے۔ اور اپنے آقا کی بکریاں چراتے تھے۔ پھر اسکے بعد اُس کی مہربانی سے آزاد ہوگئے۔ اور لوگوں کو علم و حکمت کی تعلیم دینے لگے۔

ابو الدرداءؓ نے ایک بار لقمان کے حالات و فضائل بیان کرتے کرتے کہا۔ ان مین جتنی خوبیاں تھین وہ نہ اُن کو گھروالون سے ملی تھین نہ حسب و نسب سے۔ بلکہ وہ ایک شمشیر بُرّان۔ دُھن کے پورے۔ خاموش۔ ہر امر مین غور و نظر کرنے والے۔ ہر معاملے پر گہری نظر ڈالنے والے بزرگ تھے۔ دن کو کبھی نہ سوتے تھے۔ اور شرم کی یہ حالت تھی کہ کبھی کسی شخص نے اُنھین تھوکتے۔ کھنکھارتے۔ پیشاب کرتے۔ پچھانے جاتے۔ نہاتے۔ ہنستے۔ بات کو دوہراتے نہین دیکھا۔ یہ اور بات تھی کہ کسی حکمت کی بات کو کوئی شخص دوبارہ پوچھے اور اُنھین اُس کی تقریر دوبارہ کرنی پڑے۔

غلامی کے زمانے ہی مین اُنھین یہ کمالات حاصل ہوگئے تھے۔ اور خود اُن کا مالک بھی اپنے غلام کے ان باطنی کمالات سے واقف ہوگیا تھا۔ چنانچہ اُس نے ایک بار ایک بکری کی طرف اشارہ کرکے ان سے کہا" جاؤ اسے ذبح کرو اور گوشت کا بہترین حصہ نکال لاؤ" یہ گئے بکری کو ذبح کیا۔ اور اُسکی زبان اور اسکا دل لیجا کے مالک کے سامنے رکھ دیا۔ دو چار روز بعد اُس نے دوسری بکری دی اور کہا" اب کی گوشت کا بدترین حصہ نکال لاؤ" انھون نے بکری ذبح کی اور پھر وہی زبان و دل اُس کے سامنے لائے رکھ دیے۔ مالک ان کا یہ فعل دیکھ کے نہایت ہی متحیر ہوا اور کہا" یہ کیا؟ مین نے گوشت کے بہترین حصے مانگے تب بھی تم دل و زبان کھلائے اور بدترین حصے مانگے تو اب بھی تم وہی دونون چیزین لے آئے ہو؟" انھون نے عرض کیا" حضور میرے نزدیک تو ایسا ہی ہے۔ یہی دل و زبان اگر پاک ہون تو ان سے بہتر کوئی چیز نہین۔ اور اگر ناپاک ہون تو ان سے بُری بھی کوئی چیز نہین"

اُنکی شادی بھی ہوئی تھی۔ اور ایک صاحبزادے تھے جن کا نام ثاران تھا۔ ایک اور بیٹا بھی ہوا تھا جو اُنکے سامنے دنیا سے رخصت ہوگیا۔ بیٹے کی موت دل کو

کہاں تک چوٹ نہ لگی ہوگی۔ مگر آنکھیں نہیں تر ہونے پائیں۔ اور کسی نے اُسکے غم مین کبھی روتے دیکھا۔ اپنے عہد کے امرا و سلاطین کے دربارون مین بھی کبھی کبھی چلے جاتے تھے۔ مگر وہان بھی کبھی کوئی غرض لے کے نہیں گئے۔ بلکہ صرف عبرت حاصل کرنے کے لیے اور حکمت و دانائی کی باتون کی تلاش مین جایا کرتے تھے۔

لقمان اگرچہ بنی اسرائیل اور خاصۃً حضرت داؤد کے معاصرین مین ہین مگر توراۃ مین کسی جگہ اُن کا ذکر نہین۔ اور نہ توراۃ کی تاریخ سے اُنکے حالات کے متعلق کسی بات کا پتہ چلتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حضرت لقمان کے نام کو جو کچھ شہرت ہوئی دین محمدی کی بدولت ہوئی۔ اس لیے کہ اللہ جل شانہٗ نے وحی کے ذریعے سے اپنے پیغمبر برحق کو اُن کی نصیحتون کے اُس حصے سے مطلع فرمایا جو توحید کے متعلق تھا۔ قرآن پاک کی ایک سورۃ لقمان کے نام سے مشہور ہوئی جس مین صرف اس قدر مذکور ہے کہ "وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ" (اور جب لقمان نے اپنے بیٹے سے اُنکے نصیحت مین کہا اے میرے بیٹے! کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہرانا اس لیے کہ شرک بڑا ظلم ہے)

توراۃ مین ذکر نہ ہونے کے باعث انگریزی لٹریچر مین حضرت لقمان کے نام کو بہت ہی کم شہرت حاصل ہے۔ بیٹن کی بیاگرفیکل ڈکشنری مین اُنکے حالات مین صرف اس قدر مذکور ہے کہ وہ ایک حبشی نژاد نفسی تھے۔ جن کے حالات مین سے کوئی بات بھی معتبر ذرایع سے نہین معلوم ہو سکتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی ذلیل نسل کی یادگار تھے۔ اور بعض کہتے ہین کہ غلام تھے۔ اُنکے آزاد ہونے کا قصہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ مالک نے ایک دن اُنھین ایک کڑوا خربوزہ دیا اور کہا اسے کھاؤ۔ وہ سارا کھا گئے۔ اُن کی یہ عجیب و غریب فرمان برداری دیکھ کے مالک نے متحیر ہو کے پوچھا "ایسا کڑوا پھل تم کیونکر کھا گئے؟" جواب دیا "میرے حال پر حضور کی ایسی ایسی مہربانیان ہوتی رہی ہین کہ حضور کے ہاتھ سے زندگی بھر مین ایک بار اگر ایک کڑوی چیز مل گئی تو اُس کا کھا لینا کوئی حیرت کی بات نہین ہے۔" اس جواب سے مالک ایسا خوش ہوا کہ اُنھین فوراً آزاد کر دیا"۔ اُنکے حالات مین بہت سے ایسے قصے بتلائے گئے ہین جو ایزوپ کی کہانیون سے بہت ملتے جلتے ہین۔ اور ان دونون مین اس قدر یکسانی ہے کہ خیال

کیا جاتا ہے دونون ایک ہی شخص کے مرتب کیے ہوے ہین۔ لقمان کی کہانیون کا مجموعہ سنہ ۱۶۱۵ء مین گلینڈ نے پیرس مین چھاپ کے شایع کیا تھا۔

افسوس یہ مجموعہ اس وقت ہمارے ہاتھ مین نہین ہے ورنہ ہم شاید کچھ اور حالات بھی بیان کرسکتے۔ لقمان کی وصیتون کا مجموعہ عربی مین جداگانہ شایع ہوا ہے لیکن اُن کی صحت پر وثوق نہین کیا جا سکتا۔ تاہم وہ دلچسپی اور فائدے سے خالی نہین۔ لقمان کی کل نصیحتین اپنے بیٹے ہی کے سمجھانے کے لیے ہین۔ اور توحید کی تعلیم کے جن کا ذکر قرآن مین آگیا ہے یہ نصیحتین بھی اُن کی جانب منسوب کی جاتی ہین جو وصایاے لقمان سے ماخوذ ہین۔

اپنے فرزند کی طرف مخاطب ہو کے فرماتے ہین "بیٹا۔ جب کسی کی صحبت مین جاؤ تو لوگون کو سلام کر کے بیٹھ جاؤ۔ اگر وہ لوگ خدا کے ذکر مین مشغول ہون تو ٹھہرو۔ اور اگر کسی اور کے ذکر مین مصروف ہون تو اُن کی صحبت چھوڑ دو اور دامن جھاڑ کے اُٹھ کھڑے ہو۔ بیٹا۔ بُرے لوگون سے پناہ مانگتے رہو۔ اور جو اچھے ہین اُن سے بھی ڈرتے ہی رہو۔ دنیا مین نہ پھنسو۔ اور اپنے دل کو اُس مین نہ لگاؤ۔ کیونکہ تم دنیا کے لیے نہین پیدا کیے گئے ہو۔ اور خدا کی ساری مخلوق مین اُس کے نزدیک اس دنیا سے زیادہ ذلیل کوئی چیز نہین ہے۔ اس لیے کہ نہ اُس کی نعمتین فرمان برداروں کے حق مین جزاے خیر ہین۔ اور نہ اُس کی مصیبتین گنہگارون کے لیے سزا ہین۔ بیٹا۔ کسی بات پر جب تک مجبور نہ ہو جاؤ نہ ہنسو۔ نہ بے مطلب کسی طرف قدم اُٹھاؤ۔ اور نہ اُس بات کو پوچھو جس سے تمھین واسطہ نہین۔ بیٹا۔ اپنا مال ضایع نہ کرو۔ اور دوسرے کے مال کی اصلاح نہ کرو۔ تمھارا مال وہ ہے جو تم نے خدا کی راہ مین دیا۔ اور دوسرون کا وہ ہے جسے تم نے اورون کے لیے چھوڑ دیا۔ بیٹا جو کوئی اورون پر رحم کرتا ہے خود اُس پر بھی رحم کیا جاتا ہے۔ جو خاموش رہتا ہے امن مین رہتا ہے۔ جو اچھی بات کہتا ہے اُس سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ جو جھوٹ بولتا ہے گناہگار ہوتا ہے۔ اور جو زبان اپنے قابو مین نہین رکھتا ندامت اُٹھاتا ہے۔ بیٹا۔ علما کی صحبت مین گھٹنون کے بل جاؤ۔ اور اُن کے سامنے خاموش بیٹھ کے کان لگاؤ۔ اس لیے کہ علما کے نور سے دل اُسی طرح زندہ ہو جاتا ہے

جس طرح کہ مُردہ زمین آسمان کے مینہ سے زندہ ہو جاتی ہے"۔
حضرت لقمان کی یہ نصیحتیں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں اور سچ یہ ہے کہ اخلاقی اور دیندارانہ زندگی کے لیے ان سے بہتر نصیحتیں نہیں مل سکتیں۔

عروۃ بن حزام

یوں تو حُسن و عشق کا بازار ساری دنیا میں گرم ہے اور ہر قوم اور ہر سرزمین اپنے عشاق کو پیش کرتی ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ جتنے عاشق عرب کی سرزمین میں گذرے ہیں یا یوں کہیے کہ عاشقانِ عرب میں سے جتنوں نے شہرت و ناموری حاصل کر کے بقائے دوام کی سند پائی شاید اتنے کسی اور ملک و قوم کو نصیب ہوئے ہوں گے۔ فارسی لٹریچر نے بڑی ترقی کی مگر وہاں کے عاشقوں میں سے صرف فرہاد اور خسرو پرویز کے نام شہرت پا سکے۔ ہندوستان کی سرزمین کی نسبت فیضی کا یہ قول ہے۔

این فتنہ بہ ہند گرم خیز است   اینجا ست کہ آفتاب تیز است

مگر یہاں کے عشاق میں سے بھی چند ہی کے نام زمانے میں مشہور ہیں۔ ایسی ہی کچھ حالت بلاد و ممالک یورپ کی بھی ہے۔ مگر عرب جس کی نسبت اگر مُلّا فیضی کے معیار سے نظر ڈالی جائے تو آفتاب ہندوستان سے بھی زیادہ تیز ہوتا ہے ایسا ملک ہے جس میں عشق کا زیادہ جوش نظر آتا ہے اور عشاق کی بے انتہا کثرت ہے۔

عرب کا ہر شاعر ایک عاشقِ بیتاب تھا اور کسی پری وش کے رُخِ زیبا کا پروانہ۔ مجنون عامری اور قیس بن ذریح کے حالات ہم تفصیل کے ساتھ بتا چکے ہیں۔ مگر انھیں پر منحصر نہیں۔ وہاں کے ہر شاعر کے حالات ایک دفترِ حُسن و عشق ہیں۔ چنانچہ انھیں شعرائے عرب میں سے جو عشق کی وجہ سے شاعر بنے اور عربی سوسائٹی اور لٹریچر میں مشہور ہوئے عروہ بن حزام بھی ہے جو عرب کے عشق باز قبیلۂ بنی عذرہ کی ایک نہ مٹنے والی یادگار تھا۔ اور اپنے چچا کی بیٹی عفراء کا عاشق صادق۔

اسکی مختصر سرگذشت یہ ہے کہ مہاجر نام ایک عذری شخص کے دو بیٹے تھے۔ حزام اور عقال۔ حزام کو خدا نے ایک بیٹا دیا تھا جس کا نام عروہ تھا اور عقال کی

ایک پری جمال ماہ طلعت بیٹی تھی جو عفراء کے نام سے نامزد تھی۔ خزام کی زندگی نے زیادہ وفا نہ کی۔ چھوٹے بچے عروہ کو یتیم چھوڑ کے مر گیا۔ اور اُس کی پرورش کا بار بھی اُس کے بھائی عقال کے سر پڑ گیا۔ عقال نے اپنی بیٹی عفراء اور بھتیجے عروہ کو ایک گھر میں رکھ کے ناز و نعم سے پالا۔ اس طرح عروہ اور عفراء بچپن میں ایک ساتھ رہتے ایک ساتھ پلتے۔ ایک ساتھ کھیلتے کودتے۔ اور ایک ساتھ لکھتے پڑھتے تھے۔ اس بچپن کی صحبت نے دونوں میں ایسی الفت و محبت پیدا کر دی کہ صغیر سنی ہی میں دونوں میں سے کسی کو بغیر دوسرے کے چین نہ پڑتا تھا۔ عفراء کا باپ عقال دونوں بچوں کے اس ربط و ضبط اور ان کے اتحاد و یکجہتی کو دیکھ کے کبھی کبھی عروہ کی طرف دیکھ کے کہہ دیا کرتا "خوشی کی بات ہے کہ تم میں ایسی محبت ہے اور میں عروہ تم کو بشارت دیتا ہوں کہ عفراء تمہارے لیے ہے۔" عقال نے دونوں ننھے دلوں میں الفت کے چراغ کو ذرا اور اُکسایا۔ اور بچپن ہی سے دلوں میں ایک قسم کی پُرلطف آرزوئیں پیدا ہو گئیں۔

اب یہ دونوں بچے بڑے ہوئے اور اگرچہ دونوں میں پردہ نہیں کرایا گیا مگر بلوغ کے جذبات نے دونوں کے دلوں میں ایک فطری حجاب پیدا کر دیا۔ اب عروہ کے دل میں بچپن کی آرزو بر آنے کا تقاضا شروع ہوا۔ اپنی پھوپھی کے پاس گیا اور کہا "میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں مگر دل کی عجب حالت ہے۔ بے کہے رہا نہیں جاتا اور کوئی لفظ زبان سے نکالتے شرم آتی ہے۔ لیکن اتنا ضرور عرض کروں گا کہ بالکل مجبور اور بے اختیار ہونے کے بعد آپ کے پاس آیا ہوں۔" پھوپھی نے اُس کا مطلب پوچھا اور بھتیجے نے اپنی یہ پرانی آرزو ظاہر کر دی کہ "عفراء کے ساتھ میرا عقد کرا دیجیے۔"

پھوپھی اُسی وقت اُٹھ کے اپنے بھائی عقال کے پاس گئی اور وعدہ لے لینے کے بعد کہا کہ "ان دونوں لڑکوں کا باہم نکاح کر دو۔" عقال نے کہا "اس سے بہتر کون لڑکا مل سکتا ہے؟ اور عفراء کا نکاح اُس کے ساتھ نہیں تو پھر کس کے ساتھ ہوگا؟ مگر ہم ابھی ہاتھ خالی ہیں اور عروہ بھی ہماری طرح مفلس ہی ہے ذرا اطمینان ہو تو نکاح کریں۔" پھوپھی کی زبان سے چچا کا یہ جواب سُن کے عروہ

مطمئن ہوگیا اور خاموش ہو رہا۔

اب اُن مزاحمتون کا بھی آغاز ہوگیا جو ہمیشہ عشق کو نامرادی سے وابستہ رکھتی ہین۔ عفراء کی مان ایک ہوس پرست عورت تھی۔ اور اپنی بیٹی کو حسن و جمال ناز و ادا اور دیگر کمالات مین بے مثل اور سارے قبیلے کی لڑکیون سے بڑھا چڑھا دیکھ لے چاہتی تھی کہ اُس کی شادی کسی بڑے امیر کے ساتھ کرے جو عفراء کے مہر مین بہت سی دولت دے اور اُسے ایک بڑی معزز خاتون بنا کے رکھے۔ اسی اثنا مین یہ خبر مشہور ہوئی کہ عفراء کے لیے کسی بڑے دولتمند شخص نے پیام دیا ہے۔ یہ خبر عروہ کے کان تک پہونچی تو گھبرا کے چچا کے پاس دوڑا گیا اور کہا "مین آپ ہی کے گھر مین پلا ہون اور آپ کے مرحوم بھائی کا بیٹا ہون۔ اور میرے حقوق سے بھی آپ بخوبی واقف ہین۔ مگر افسوس سنتا ہون کہ عفراء کے لیے کسی بڑے امیر نے پیام دیا ہے۔ مین امارت مین تو مقابلہ نہین کر سکتا مگر الفت کی دولت سے مالا مال ہون۔ اگر کسی اور کا پیام آپ نے قبول کر لیا تو مین مر جاؤن گا اور میرا خون آپ پر ہوگا۔ للہ میرے حال پر رحم کیجیے۔" عقال کو اسپر ترس آیا مگر بی بی پر زور نہ چلتا تھا۔ جواب دیا کہ "بھیا ہماری تمھاری حالت یکسان ہے نہ ہمارے ہی پاس کچھ ہے نہ تمھارے ہی پاس کچھ ہے۔ مین عفراء کا نکاح بیشک تمھارے ہی ساتھ کرتا مگر اسکو کیا کرون کہ اُس کی مان نہین مانتی۔ اور کہتی ہے کہ جو زیادہ مہر دے گا اُسی کے ساتھ عفراء کا نکاح ہوگا۔" اس جواب سے گھبرا کے عروہ چچی کے پاس دوڑا گیا اور بے انتہا خوشامد و لجاجت سے درخواست کی۔ مگر عورتین ایسے معاملات مین زیادہ سخت ہوا کرتی ہین۔ اُس کا دل نہ پسیجا۔ اور آنکھون پر ٹھیکری رکھ کے صاف صاف کہہ دیا "میری عفراء کو تو وہی لیجائے گا جو زیادہ مہر دے گا۔ اور جب مہر کا ایک معتد بہ حصہ ادا ہو جائے گا تب نکاح ہوگا۔"

اس جواب نے عروہ کو بڑی فکر مین ڈال دیا۔ اُس کے پاس کیا رکھا تھا جو چچی کی شرط پوری کرنے کی حامی بھرتا۔ آخر سوچتے سوچتے اپنے ایک دولتمند عزیز کا خیال آیا جو ملک رے مین رہتا تھا۔ اُسکی اُمید پر چچی سے کہا "اچھا

تو آپ اس امر مین اتنا تامل فرمایئے کہ مین دوڑ دھوپ کے روپے کا بندوبست کر لون اور جب تک مین واپس نہ آ جاؤن آپ کسی کے ساتھ اُس کا عقد نہ کرین اس شرط کو عفراء کے مان باپ دونون نے منظور کر لیا۔ اور عروۃ نے اُسی رات سفر کا سامان درست کرکے صبح سے پہلے رے کی راہ لی۔ منازل سفر طے کر کے اپنے اُس عزیز کے پاس پہونچا۔ وہ نہایت خلق و مروت سے پیش آیا۔ سو اونٹ دیے اور بقدر ضرورت روپیہ بھیج دیا اور عروۃ نے خوشی خوشی پھر گھر کی طرف کوچ کیا۔

یہان اُس کی غیبت مین کوئی رئیس عرب جو بنی امیہ مین سے تھا اور بڑا دولتمند تھا قبیلۂ بنی عذرہ مین آ کے ٹھہرا اور اپنی امارت و فیاضی کا ثبوت دینے کے لیے بڑی وسیع حوصلگی کے ساتھ سارے قبیلے کی دعوت کی جس مین بہت سے اونٹ ذبح ہو گئے۔ اور بڑے تکلفات دکھائے گئے۔ وہ دولتمند شخص چونکہ عقال کے خیمون کے پاس ہی فروکش تھا۔ اس لیے اُس کی نظر کہین عفراء پر پڑ گئی۔ صورت دیکھتے ہی ایک جان چھوڑ ہزار جان سے عاشق ہو گیا۔ اور اُسی وقت اُس کے باپ کو شادی کا پیام دے دیا۔ عقال ندامت کے ساتھ معذرت خواہ ہوا اور کہا "میری بیٹی اپنے چچا کے بیٹے سے نامزد ہو چکی ہے۔ اور سوا اُس کے اور کسی کے عقد مین نہین دی جا سکتی"۔ وہ دولتمند شخص لاجواب ہو کے خاموش ہو رہا۔ مگر کسی نے رائے دی کہ تم عفراء کی مان کو پیام دو کیا عجب کہ وہ قبول کر لے۔ اس مشورے کے مطابق عفراء کی مان کو پیام دیا گیا۔ وہ اس پیام کے سنتے ہی اپنے شوہر کے پاس گئی۔ اور کہا "تم اس پیام کو منظور کیون نہین کرتے؟ کیا تمھین عفراء کے لیے اس سے اچھا دولھا ملے گا؟ تمھین عروہ کی دُھن لگی ہوئی ہے وہ خدا جانے مرا یا جیا۔ دیکھیے اب آتا بھی ہے یا نہین؟ اور پھر آیا بھی تو ایسی دولت کہان سے لائے گا کہ اس دولتمند رئیس کا مقابلہ کر سکے"۔ آخر بی بی کے کہنے سے عقال بھی راضی ہو گیا اور کہا "اچھا اب اگر یہ شخص دوبارہ پیام دے گا تو مین قبول کر لون گا"۔ ادھر سے اطمینان کر کے عفراء کی مان نے اُس اموی امیر کے پاس کہلا بھیجا کہ آپ میرے شوہر کو دوبارہ پیام دین وہ قبول کر لین گے۔ اس نے

پہلے ہی ٹھاٹھ سے پھر قبیلے کی دعوت کی اور سب کو کھلانے پلانے کے بعد عقال کے سامنے اپنی درخواست دوبارہ پیش کی۔ عقال نے چھوٹتے ہی منظور کر لیا اور ایک بڑے بھاری مہر پر وہیں تین دن کے اندر عفراء کا اس شخص کے ساتھ نکاح ہو گیا۔ اور اُسی دن وہ رخصت بھی ہو گئی۔

والدین کی اس کارروائی سے عفراء کے نازک دل کو بڑی چوٹ لگی۔ مگر بے بس تھی۔ کیا کرتی؟ گھر سے قدم نکالتے وقت ایک آہ کے ساتھ اُس نے یہ شعر پڑھا

یا عروۃ ان الحیّ قد نقضوا　　عہد الالہ و حاولوا الغدرا

(اے عروہ! قبیلے والوں نے خدا کو درمیان دے کے جو عہد کیا تھا توڑ دیا اور دغا پر آمادہ ہو گئے) یہ شعر پڑھ کے وہ خاموشی کے ساتھ اپنے شوہر کے خیمے مین گئی جو تین دن تک تو قبیلے ہی مین رہا اور اسکے بعد اُسے لے کے ارضِ شام مین چلا گیا۔

اُس کے جاتے ہی عقال نے یہ حرکت کی کہ کسی گمنام پرانی قبر کو لیپ پوت کے نیا کر دیا۔ عروہ جیسے ہی پُر آرزو دل لے کے قبیلے مین آیا۔ اور چچا کے سامنے آ کے کہا "لیجیے مہر کا بھی بندوبست ہو گیا۔ اب تو مین عفراء سے محروم نہ ہون گا؟" اس کے جواب مین بے حمیت چچا نے چند آنسو بہائے۔ پھر اُسے لیجا کے مصنوعی قبر پر کھڑا کیا۔ اور کہا" افسوس عفراء تو آغوشِ لحد مین جا کے لیٹ رہی" عروہ کو اس واقعے کا بیحد ملال ہوا۔ اور معمول ہو گیا کہ روز جا کے اُس فرضی قبرِ عفراء پر ماتم کیا کرتا۔ اتفاقاً ایک دن قبیلے کی کسی عورت کو اُسے روتے دیکھ کے ترس آ گیا۔ پاس آئی اور کہا" عفراء مری نہین زندہ موجود ہے۔ عقال نے اُسکی شادی شام کے فلان اموی رئیس سے کر دی جو چند روز ہوے قبیلے مین آ کے فروکش ہوا تھا۔ وہ اُسے لے کے ارضِ شام کو گیا۔ اور اُس کے باپ نے تمھین دھوکا دینے کے لیے یہ اُس کی فرضی قبر بنا دی ہے" ان واقعات کے معلوم ہونے سے عروہ کے دل کی جو حالت ہوئی ہو گی ظاہر ہے۔ چچا سے عذرِ بیوفائی کی شکایت بے نتیجہ تھی۔ خاموشی کے ساتھ سامان سفر کر کے شام کا رُخ کیا۔ اور پتہ لگاتا ہوا عفراء کے شوہر کے دروازے پر ایک غریب الوطن مسافر

کی حیثیت سے پہونچا۔ عربوں میں مہمان نوازی سب سے بڑا جوہر ہے وہاں ہاتھوں ہاتھ لیا اور ٹھہرایا گیا۔ ایک زمانے تک وہیں مقیم رہا اور روز بروز اُس کی قدر و منزلت بڑھتی ہی جاتی تھی۔ عفراء کے شوہر کو اُس نے اپنا اصلی نام چھپا کے ایک نیا فرضی نام بتا دیا تھا۔ الغرض کسی کو پتہ نہ چلا۔ اور روز بروز عفراء کے گھر والوں میں وہ زیادہ عزیز اور مانوس ہوتا جاتا تھا۔ اور یہ حالت تھی کہ عفراء کے شوہر کو بے اُسکے ایک گھڑی بھی چین نہ پڑتا۔

ایک دن اُس نے گھر کی ایک لونڈی کو اپنی انگوٹھی دی اور کہا اسے لے جا کے اپنی بی بی کو دے دو۔ لونڈی نے اُس کے اس فعل کو تعجب سے دیکھا اور چین بہ جبیں ہو کے کہا "مجھ سے ایسا کام نہ ہو سکے گا۔ اور تمھیں ایسی بات زبان سے نکالتے شرم نہیں آتی؟" اُس وقت تو عروہ لونڈی کو برہم دیکھ کے خاموش ہو رہا۔ مگر دو چار روز بعد تنہائی میں اُس کی خوشامد کی اور کہا خدا کی قسم میری ان باتوں میں کوئی بدنیتی نہیں ہے۔ عفراء میرے چچا کی بیٹی ہے اور میں اُس کا عزیز ہوں۔ اچھا اگر تم خود اس انگوٹھی کو دیتے ڈرتی ہو تو اسے لیجا کے اُسکے کٹورے میں ڈال دو۔ اور اگر اسے دیکھ کے وہ بگڑے تو کہہ دینا کہ جو شخص ہمارا مہمان ہے اُس کا یہاں گذر ہوا تھا غالباً یہ اُسی کا فعل ہو گا۔ لونڈی کو اُس کی درد بھری باتوں پر ترس آیا اور انگوٹھی لیجا کے کٹورے میں ڈال دی۔ تھوڑی دیر کے بعد عفراء اُس کٹورے میں اُنڈیل کے دودھ پینے کے لیے اُٹھی تو اُس میں انگوٹھی پڑی ملی۔ غور سے دیکھا اور بے اختیار ایک چیخ کی آواز اُس کے مُنہ سے نکل گئی کہ شوہر بدحواس ہو کے اندر دوڑ آیا۔ لونڈی نے ڈر کے کہا "حضور یہ کام سوا ہمارے مہمان کے اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔" اب شوہر نے جو اس کا سبب دریافت کیا تو عفراء نے کہا "یہ تم نے اپنے یہاں کسے ٹھہرا رکھا ہے؟" اُس نے وہ نام بتایا جو عروہ کی زبان سے سنا تھا۔ عفراء برافروختہ ہو کے بولی "نہیں یہ تو عروۃ بن حزام عذری ہے۔" اور یہ الفاظ سنتے ہی وہ ایک سناٹے میں آ گیا۔

بعض لوگوں نے عروہ کا حال کُھلنے کے اس واقعہ سے انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عروہ ایک مدت تک عفراء کے دروازے پر رہا یہاں تک کہ اُس کا کوئی عزیز

آیا۔ اور عروہ کو پہچانتے ہی اُسکے شوہر سے کہا" یہ تم نے کیسے مہمان بنا رکھا ہے؟ یہ تو عفراء کا عاشق عروہ ہے۔ جو تمھارے گھر میں رہتا اور تمھاری رسوائی کر رہا ہے"
اب عفراء کے شوہر نے عروہ کو بُلا کے کہا" تمھیں اپنا نام چھپانے کی کیا ضرورت تھی؟ خیر اب میں تم کو قسم دلاتا ہوں کہ تم میرے گھر میں رہو اور عفراء سے ملو مجھے اس کا ذرا بھی ملال نہ ہوگا۔ اور میں خدا کی قسم مخل نہ ہوں گا" یہ کہکے گھر اُن دونوں کو چھوڑ کے چلا گیا۔ اور خفیہ طور پر ایک خادم کو مامور کر گیا کہ میری عدم موجودگی میں ان میں جو کچھ باتیں ہوں وہ سب لا کم و کاست مجھے بتا دینا۔ اور دیکھتے رہنا کہ یہ دونوں کیونکر ملتے اور کیا باتیں کرتے ہیں؟"
اُسکے جانے کے بعد عروہ اور عفراء جوش دل کے ساتھ ملے۔ جور زمانہ، بے وفائی روزگار، اور مصائب و آلام فراق کی شکایت کرتے رہے۔ اور بہت دیر تک دونوں ایک دوسرے سے گلے لپٹ لپٹ کے روتے رہے۔ دل کی بھڑاس نکل چکی تو عفراء نے اُسے اپنے ساتھ کھانا کھلایا اور اُسکے بعد شراب کی بوتلیں آئیں تاکہ دونوں کے نشے میں غم غلط ہو۔ شراب کو دیکھ کے عروہ نے کہا" خدا کی قسم آج تک میری حلق سے کوئی حرام چیز نہیں اُتری ہے۔ اگر میں حرام ہی کے ارتکاب کو گوارا کر لیتا تو پھر اے پیاری عفراء تجھ سے بڑھ کے کوئی نعمت میرے لیے نہیں ہو سکتی۔ اور میں آج تک تیرے وصال سے محروم نہ رہا ہوتا۔ میری زندگی کی مسرت تو ہی ہے اور تیرے ساتھ میری مسرت کا خاتمہ ہو گیا۔ کیونکہ اب تجھ سے چھوٹ کے میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ تیرا شوہر بڑا ہی نیک نفس آدمی ہے۔ یہ اُس کا بہت بڑا احسان ہے کہ میں تیرے پاس بیٹھا ہوں۔ اُس کی عنایت سے میں بہت ہی نادم ہوں۔ اور پہچان لیے جانے کے بعد اب میں خدا کی قسم ایک دن بھی یہاں نہ ٹھہر سکوں گا۔ چلا جاؤں گا۔ گو جانتا ہوں کہ میں یہاں سے مرنے ہی کے لیے جاؤں گا۔ اسکے بعد پھر دیر تک دونوں لپٹ لپٹ کے روئے۔ اور آخر عروہ اُٹھ کے چلا گیا۔
اُسکے جانے کے بعد عفراء کا شوہر گھر میں آیا جسے ان باتوں کی خبر ہو چکی تھی۔ اور آتے ہی بی بی سے کہا" اپنے ابن عم کو جانے سے روکو" عفراء ایک آہ کے ساتھ بولی" ہائے کیا کروں؟ وہ تو مانتے ہی نہیں!" شوہر لپک کے باہر آیا۔ اور عروہ

کو روک کے کہا "بھائی صاحب اپنی جان کو خطرے مین نہ ڈالیے۔ مین آپ کی پاکبازی سے واقف ہون۔ آپ شوق سے جب چاہیے عفراء سے ملیے مین کبھی نہ روکون گا۔ اور یون بھی نہین منظور ہے تو مین عفراء کو طلاق دیے دیتا ہون۔ آپ اُس سے نکاح کر لیجیے" عروہ نے ان ہمراہیون کا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا "اب اس علم کی بجا آوری میرے امکان سے باہر ہے۔ مین خود بھی جانتا ہون کہ فراق عفراء مین مر جاؤن گا۔ لیکن اب تو دل مین ٹھان لی ہے کہ جس طرح بنے گا اور جہان تک ہو سکے گا ضبط کرون گا۔ اور اگر اس کی تاب نہ ہوئی تو خواہ نخواہ گرتا پڑتا اس دروازے پر پھر آؤن گا۔ مگر اب جانے ہی دیجیے" آخر عفراء کے شوہر نے ہزار روکا نہ مانا اور کوہ و صحرا کی راہ لی۔

اب اسی وقت سے عروہ کی انتہائی عاشقانہ زندگی شروع ہوتی ہے۔ یہان سے چلا تو فراق و حرمان کی شکایت کے اشعار زبان پر تھے اور بار بار غش آتا تھا۔ ہمراہی خادم کو ہوش مین لانے کا یہ مجرب نسخہ معلوم ہو گیا تھا کہ ادھر وہ غش کھا کے گرا اور اُدھر اُس نے عفراء کی ایک خمار (اوڑھنی) جو ساتھ آئی تھی اُسکے منہ پہ ڈالدی جس کے ساتھ ہی اُسے ہوش آجاتا۔ اس بیتابی و بیقراری کی حالت مین چلا جاتا تھا۔ گھر تین منزل باقی تھا کہ چند عشقیہ اشعار پڑھتے ہی پڑھتے دم نکل گیا۔ اسکی خبر عفراء کو پہونچی تو اُس کی زبان پر بھی شکایت ہجران کے چند شعر جاری ہوگئے جنھین پڑھتے پڑھتے وہ بھی دنیا سے رخصت ہو گئی۔

یہ جناب معاویہؓ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ یہ حسن و عشق کی داستان جب اُنکے گوشزد ہوئی تو اُنھون نے دونون کے حال پہ بڑا افسوس کیا۔ اور فرمایا "اگر مجھے پہلے سے خبر ہوتی تو مین ان دونون کو ملا دیتا۔ اور یون ناکام و نامراد نہ مرتے۔"

عروہ کی آخری پُر جوش و ملال زندگی کے چند اور واقعات مشہور ہین جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عروہ اپنے گھر مین اپنی ماں کے پاس پہونچ گیا تھا۔ کئی آدمیون نے کمال لاغری و جنون کی حالت مین پایا۔ اور دیکھا کہ ماں اُسکی تیمارداری و خدمت کرتی ہے۔ اور آخر اسی حالت مین اُسنے نہایت ہی حسرت و اندوہ کے ساتھ جان دی۔ یون عروہ و عفراء کی زندگیون کا خاتمہ ہو گیا۔ مگر اُن کے اشعار آج تک دنیا

مین باقی ہین جو ایک مجموعے مین جمع کر دیے گئے ہین - اور جذبات دلی کے اظہار کے لحاظ سے اعلیٰ شاعری کا نمونہ سمجھے جاتے ہین -

حاتم طائی

حاتم کا نام سب نے سُنا ہے مگر اُس کے جاننے والے کم ہین کہ کون تھا اور کیا تھا؟ ہمارے یہان حاتم طائی کا ایک قصہ مشہور ہے جو عموماً ہر بچے کی نظر سے اُسوقت گذر جاتا ہے جب وہ ذرا شدبد ہو کے اُردو پڑھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اُس مین جتنی باتین ہین سب عجیب و غریب ہین - کسی جن و پری کے قصے مین بھی اتنی دور از عقل اور بے سر و پا باتین نہ بتائی گئی ہون گی جتنی کہ اُس مین موجود ہین اور سب سے بڑا کمال اس قصے مین یہ ہے کہ دنیا بھر کی باتین اور ایثار نفس اور فیاضی کے صدہا خلاف قیاس نمونہ موجود ہین - مگر حاتم کی اصلی زندگی کا ایک ادنیٰ واقعہ بھی نہین ہے -

ہمارے لٹریچر مین حاتم کا نام ایس کثرت سے آتا ہے اور بچہ بچہ تک اس نام سے اس قدر آشنا ہے کہ اُس کے اصلی حالات سے ناواقف ہونا نہایت ہی شرم کی بات ہے - اور اسی ضرورت سے ہم چند مختصر حالات نذر ناظرین کرتے ہین -

حاتم حضرت سرور کائنات سے تھوڑے ہی زمانہ پیشتر عہد جاہلیت مین عرب کا اور عربون مین بھی قبیلۂ بنی طے کا ایک معزز و نامور شخص تھا - جس نے سخاوت و شجاعت اور شاعری مین نام پیدا کیا تھا - اُس کا شمار سرداران قبیلہ مین تھا - اور کبھی اُس کا خیمہ مہمانون سے خالی نہ رہتا تھا - عرب کے بدوؤن مین بخل سے بڑا کوئی عیب نہ تھا - اور ہر شخص کا فرض تھا کہ اپنی شرافت کا ثبوت مہمان نوازی مین دے۔ حاتم نے اس کمال کو جس اعلیٰ درجے تک دکھا دیا عرب مین کوئی نہ دکھا سکا تھا۔

اسی مہمان نوازی مین کمی کرنے یا مہمانون کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرنے کی وجہ سے عرب مین بخیل مشہور ہو کے بدنام ہو جاتے تھے - عرب مین چار شخص بخیل مشہور تھے۔ حطیئہ - حمید ارقط - ابوالاسود دوئلی - اور خالد بن صفوان - اور ان سب کی برائی کا یہی سبب تھا کہ مہمانداری مین کمی کی - یا مہمانون کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کیا - حطیئہ

کا واقعہ یہ ہے کہ ایک دن اپنے مکان کے دروازے پر بیٹھا تھا اور ہاتھ مین چھڑی تھی
اتنے مین ایک نووارد شخص آیا اور کہا مین مہمان ہون "۔ حطیئہ نے اپنی لکڑی کی طرف
اشارہ کرکے کہا مہمانون ہی کی خبر لینے کے لیے مین نے یہ لکڑی ہاتھ مین رکھی ہے۔ حمید ارقط
کی بدنامی کا سبب یہ ہے کہ مہمانون کی مذمت اور ہجو کیا کرتا تھا۔ ایک دن چند مہمان
آئے۔ اُنھین ٹھہرایا اور کھانے کو چھوہارے دیے۔ اور اُنکے جانے کے بعد لوگون
سے کہا کہ ایسے مربھکے تھے کہ گٹھلیون سمیت کھا گئے "۔ ابوالاسود بڑے مشہور تابعین
اور صاحب علم وفضل ثقۃ اون مین تھے۔ حضرت علیؓ کے شاگرد تھے۔ علم نحو کے موجد
مانے جاتے ہین۔ مگر صرف اتنی بات پر بخیل مشہور ہو گئے کہ ایک دن ایک سائل کو
ایک چھوہارا خیرات مین دیا اور اُسکے ساتھ کہا "خدا تمھین جنت مین بھی بس اتنا ہی
دے "۔ اور اکثر کہا کرتے کہ "اگر ہم محتاجون کو دیا کرین تو جیسے وہ شکستہ حال ہین
ایسے ہی ہم بھی ہو جائین "۔ اور خالد بن صفوان عہد خلافت کے بڑے دولتمند والیان
ملک اور ارکان سلطنت مین تھا مگر بخیل تھا۔ جہان کوئی درہم اُس کے قبضے مین آتا
اُس کی طرف مخاطب ہو کے کہتا "تو کب تک مارا مارا پھرے گا؟ مین تجھے قید کرکے
رکھون گا "۔ اور یہ کہہ کے صندوق مین رکھ کے مقفل کر دیتا۔ ایک بار کسی نے جراُت
کرکے کہہ بھی دیا کہ "آپ کے پاس تو خزانہ بھرا پڑا ہے اور بہت دولت ہے۔ پھر آپ
کیون نہین خرچ کرتے؟" جواب دیا "ہان میرے پاس بہت بڑی دولت ہے مگر
زمانہ اُس سے بھی زیادہ بڑا ہے۔ اسی طرح محمد بن یحییٰ نام ایک شخص اور بھی کنجوس
مشہور تھا۔ کسی غریب شخص کے پھٹے کپڑے دیکھ کے کسی نے کہا "جاؤ محمد یحییٰ تم کو کپڑے
بنوا دین گے "۔ اُس نے کہا "بجا۔ محمد بن یحییٰ کا تو یہ حال ہے کہ اگر حضرت یعقوبؑ
اُسکے پاس آئین اور سارے انبیا و رسل کی سفارش اُٹھوا کے ایک سوئی اس لیے
قرض مانگین کہ حضرت یوسفؑ کا پچھلا دامن جو زلیخا کے ہاتھ سے پھٹ گیا ہے اُسے سی
دین تو انکار ہی کرے گا۔ وہ بھلا مجھے کیا کپڑے پنہانے گا "۔

اس کے مقابل حاتم طائی کی یہ حالت تھی کہ زندگی بھر نہ کبھی کسی مہمان کی خاطر
داشت مین کمی کی اور نہ کسی سائل کو بے کچھ دیے پھیرا۔ ابن اعرابی اُسکے تذکرے
مین کہتے ہین حاتم شاعر تھا اور فیاض تھا۔ جیسے اعلیٰ درجے کے اُسکے اشعار تھے

ویسی ہی اُس کی بڑھی چڑھی فیاضی بھی تھی۔ جو کہتا کرتا ۔ اور معرکۂ جنگ مین ہمیشہ غالب و فتیاب رہتا ۔ غرض لڑتا تو غالب رہتا ۔ کوئی دست سوال پھیلاتا تو اُسے دیتا ۔ کسی سے کسی بات مین مقابلہ ہوتا تو بڑھ جاتا ۔ اور کسی کو گرفتار کرتا تو چھوڑ دیتا۔ تمام مُضری قبائل عرب جن مین حاتم بھی تھا ماہ رجب کی تعظیم کرتے تھے ۔ اس مہینے مین حاتم کا معمول تھا کہ ہر روز دس اونٹ ذبح کرکے لوگون کو کھلاتا ۔ اور لوگ دُور دُور سے آکے اُسکے خیمے کے گرد جمع ہو جاتے ۔

سردیون کے موسم مین جب جاڑے کی شدت ہوتی تو اپنے غلامون کو حکم دیتا کہ جا بجا آگ سلگا دین تاکہ اُسے دیکھ کے بھولے بھٹکے مسافر آجائین ۔ اُس کا معمول تھا کہ ہر چیز مین فیاضی کرتا اور کوئی چیز اُسکی داد و دہش سے نہ بچتی سوا اپنے گھوڑے اور اسلحہ کے کہ اُنھین بہت عزیز رکھتا ۔ لیکن آخر کار جوش سخاوت اس احتیاط و عاقبت اندیشی پر بھی غالب آیا ۔ جنھین خدا کی راہ مین دے کے اُس نے عجیب و غریب قسم کی بخشش اور قابل حیرت فیاضی کا ثبوت دے دیا ۔ اور در اصل یہی وہ واقعات ہین جنھون نے اُسے دنیا مین جود و سخا کی مجسم تصویر ثابت کر دیا ۔ اور اگر اُس کی قوم کچھ دنون تک اور بُت پرست بنی رہتی تو یقیناً وہ فیاضی کا دیوتا بن جاتا ۔

گھوڑے کی جب اُس نے فیاضی کی ہے اُس کا واقعہ خود اُسی کی بی بی ماویہ بنت عفراء سے مروی ہے ۔ وہ کہتی تھی کہ حاتم کی فیاضی کا عجیب ترین نمونہ مجھے یہ نظر آیا کہ ایک سال قحط پڑا ۔ قبیلے والون کے کپڑے لتے تک بک گئے ۔ اور سب فاقے کر رہے تھے ۔ خود میرے گھر مین یہ حالت تھی کہ کھانے کو کچھ نہ تھا ۔ اور ہم سب فاقے سے تھے ۔ اور مارے بھوک کے کسی طرح نیند نہ آتی تھی ۔ ہمارے بچے عدی اور سفانہ بلک بلک کے رو رہے تھے ۔ آخر مین نے سفانہ کو تھپک تھپک کے بھوکا سُلا دیا اور حاتم نے عدی کو بہلا پھسلا کے سُلایا ۔ اب ہمین شدت گرسنگی سے سونا دشوار تھا ۔ اُسوقت حاتم نے دلچسپ باتین چھیڑ کے مجھے بہلانا شروع کیا تاکہ مین بھی سو جاؤن ۔ اُسوقت مجھے اُس کی بھوک پر افسوس آیا ۔ اور خاموش ہو کے آنکھین بند کر لین کہ شاید خاموشی سے وہ بھی سو جائے ۔ مجھے ساکت دیکھ کے اُس نے

پوچھا "کیون سو گئین؟" مین نے جواب نہین دیا - اتنے مین اُس کی نظر خیمے کے بیرونی صحن کی طرف پڑی تو دیکھا "کوئی آیا ہے" - بچھونے سے اُٹھ کے باہر نکلا اور دیکھا کہ ایک فاقہ زدہ عورت کہہ رہی ہے "حاتم! میرے بچے بلک بلک کے رو رہے اور کتون کی طرح شور کر رہے ہین - مگر کھانے کو کچھ نصیب نہین ہے" حاتم نے کہا "اچھا اپنے بچون کو لاؤ - مین اُنھین کھانا کھلاؤن گا" - یہ سنتے ہی عورت اپنے بچون کو لینے کو گئی - اور حاتم خیمے کے اندر آیا - مین نے سر اُٹھا کے کہا "حاتم! اُن بچون کا پیٹ کیسے بھرو گے؟ خود تمھارے بچے فاقے سے پڑے ہین اور بھوک سے بیتاب ہین" بولا "اب تو خدا کی قسم مین انھین بھی کھلاؤن گا اور تمھین بھی" یہ کہہ کے چھری ہاتھ مین لی - اور اپنے عزیز گھوڑے کو ذبح کر ڈالا اسکے بعد آگ روشن کر رہا تھا کہ وہ عورت اپنے بچون کو لیے ہوے آگئی - فوراً چھری اُسکے حوالے کی اور کہا "لو کاٹو - بھونو - کھاؤ - اور بچون کو کھلاؤ" جب وہ سب سیر ہو چلے تو مین نے اپنے بچون کو جگا کے کھلایا - اور خود کھایا - اب حاتم نے کہا "یہ بڑی شرم کی بات ہے کہ ہم اپنا پیٹ بھر لین اور قبیلے والے فاقے سے ہون" یہ کہتے ہی قبیلے کے ایک ایک خیمے کے دروازے پر جا کے لوگون کو جگایا اور کہا جلدی آؤ - آگ روشن ہے اور گوشت تیار" سب لوگ آ کے گوشت پر جھک پڑے - بے تکلف کھانا شروع کیا اور حاتم منہ کو اپنی چادر مین لپیٹ کے اور چھپا کے ایک کونے مین بیٹھ گیا - صبح ہوتے ہوتے سوا کھرون اور ہڈیون کے کچھ نہ تھا - مگر حاتم نے اُس مین سے ایک ریشہ بھی نہین چکھا - حالانکہ مجھے یقین ہے کہ سب سے زیادہ بھوکا وہی تھا -

یہ تو گھوڑے کی فیاضی تھی - مگر اسلحہ کی فیاضی اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب تھی - ایک بار کسی قبیلے والون نے بنی طے پر چڑھائی کی - حاتم نے فوراً عزیزون - خاندان والون اور اہل قبیلہ کو لڑائی پر مستعد کیا - اور نیزہ ہاتھ مین لے کے نہایت ہی شجاعت و دلیری سے مقابلے پر جا کے کھڑا ہو گیا - لڑائی سخت تھی مگر حاتم کی شجاعت سے بنی طے نے اپنے حریفون کو شکست دے دی - اور اُنکے تعاقب مین روانہ ہوے اس حالت مین دشمنون کے سردار نے حاتم سے کہا "حاتم! اپنا نیزہ مجھے دے دو"

یہ سنتے ہی حاتم نے بلا تامل اپنا نیزہ اُس کے سامنے پھینک دیا اور نہتا ہو گیا۔ دشمن نیزہ لے کے چلا گیا۔ اور حاتم گھر پر آیا تو لوگون نے کہا "آج تو آپ نے غضب ہی کر دیا تھا۔ اپنا نیزہ دشمن کے حوالے کر دیا! اور جو وہ پلٹ پڑتا تو بھلا آپ کی زندگی کی کوئی بھی امید تھی؟"۔ حاتم نے کہا "یہ تم سچ کہتے ہو۔ لیکن اگر کوئی کسی چیز کو مانگے تو پھر اُس کا جواب کیا دیا جائے؟" اس سے صاف ظاہر ہے کہ حاتم کے نزدیک حاجتمند اور سائل کا جواب سوا اُس کی درخواست قبول کرنے کے اور کوئی تھا ہی نہین "

حاتم کی یہ فیاضیان دیکھ دیکھ کے اُس کی بی بی ماویہ زندگی سے عاجز تھی۔ اور ایک ایک کے آگے حاتم کی ناعاقبت اندیشیون کا دُکھڑا رویا کرتی تھی۔ اتفاقاً مالک ام ماویہ کا ایک چچا زاد بھائی تھا جو دل مین ماویہ پر فریفتہ بھی تھا۔ اُس نے اپنی بنت عم کو اپنے شوہر کا شاکی دیکھ کے ایک دن کہا "تمھارا حاتم کے ساتھ کیسے نباہ ہو گا؟ اُس کی یہ عادت چھوٹنے سے رہی کہ جو کچھ ہاتھ آئے تباہ کر دے۔ کچھ نصیب نہ ہو تو تم فاقون مرو۔ اور جب مرے تو تمھین اور تمھارے بچون کو مفلس و کوڑی کوڑی کو محتاج چھوڑ جائے"۔ یہ بات ماویہ کے دل مین بیٹھ گئی۔ اور اگرچہ دو بچون کی ماں ہو چکی تھی مگر حاتم سے قطع علایق کرنے پر آمادہ ہو گئی۔ جاہلیت مین عورتون کو یہ بھی یہ حق حاصل تھا کہ جب چاہین شوہرون کو چھوڑ دین۔ یعنی جس طرح مرد عورتون کو طلاق دیتے ہین عورتین مردون کو بھی طلاق دے سکتی تھین۔ اور عورتون کے طلاق دینے کا یہ طریقہ تھا کہ اپنے خیمے کا دروازہ مشرق کی طرف ہوتا تو مغرب کی طرف کر دیتین۔ اور شمال کی طرف ہوتا تو جنوب کی طرف۔ اسی رواج کے مطابق ماویہ نے بھی اپنے خیمے کا رُخ بدل دیا۔ حاتم نے آ کے دیکھا تو اپنے بیٹے عدی کو بُلایا اور حیرت سے پوچھا "تمھاری ماں نے یہ کیا غضب کیا؟" وہ بولا "جو کچھ کیا ہے آپ دیکھ رہے ہین"۔ مجبوراً عدی کو لے کے تھوڑی دُور پر ایک وادی مین جا کے اپنا خیمہ ڈالا۔ اور وہین مقیم ہوا۔

مالک نہایت دولتمند شخص تھا۔ اور اُس نے ماویہ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم نے حاتم کو طلاق دے دی تو ہم تم نکاح کر لین گے۔ اور دونون کی زندگی بڑے عیش

ہیں اور بہت مزے کے ساتھ گذرے گی۔ اتفاقاً اُسی دن جس دن حاتم سے قطع تعلق ہوا تھا رات کو پچاس سوار خیمے کے دروازے پر آکے اُتر پڑے اور حسب معمول مہمانداری کے آرزومند ہوے۔ ماویہ گھبرائی کہ کیا کرے۔ اور اُنکے کھانے کے لیے کہاں سے لائے؟ لونڈی کو مالک کے پاس بھیجا اور سمجھا دیا کہ کہنا حاتم کے پچاس مہمان آکے اُتر پڑے ہیں کچھ بھیجیے کہ اُنھیں کھلائیں۔ اور تھوڑا دودھ بھیجیے کہ انکو پلایا جائے۔ یہ کہکے اُس کے چشم وجبین کو دیکھنا۔ اگر شگفتگی سے قبول کرے تو جو کچھ دے اُسے لے لینا۔ اور اگر یہ سنتے ہی پریشان ہوکے منہ پیٹنے اور داڑھی نوچنے لگے تو واپس چلی آنا۔ لونڈی نے جاکے دیکھا تو مالک کو اس حالت میں پایا کہ دودھ کی بھری ہوئی ایک مشک پر سہارا دیے ہوے سو رہا ہے۔ اُسنے جگاکے ماویہ کا پیام پہونچایا۔ اور کہا "اب اسوقت رات کو اُنھیں حاتم کے خیمے تک پہونچانا دشوار ہے۔ یہیں سے اُنکے کھانے پینے کا بندوبست ہونا چاہیے۔ اور جب اُن لوگوں کو حاتم کے یہاں سے چلے جانے کا حال نہ معلوم ہوگا خواہ مخواہ آئیں گے۔" مالک سنتے ہی منہ پیٹنے اور داڑھی نوچنے لگا۔ اور جواب دیا "ماویہ سے جاکے میری طرف سے سلام کہنا اور کہنا کہ یہی چیز ہے جس کے لیے میں نے تمھیں حاتم کو طلاق دینے کا مشورہ دیا تھا۔ میرے پاس اتنا دودھ نہیں ہے کہ حاتم کے مہمانوں کی خبر لے سکوں۔" لونڈی نے واپس آکے یہ کیفیت بیان کی تو ماویہ نے اُس سے کہا "اب تم دوڑتی ہوئی حاتم کے پاس چلی جاؤ۔ اور اُس سے کہو کہ تمھارے مہمانوں کو تمھارے خیمے کا پتہ نہیں معلوم۔ وہ ہمارے یہاں آکے اُتر پڑے ہیں اس لیے ایک اونٹنی بھیجو کہ اُنھیں ذبح کرکے کھلائی جائے اور دودھ بھیجو کہ اُنھیں پلایا جائے۔" لونڈی نے جاکے جیسے ہی حاتم کو آواز دی اور یہ پیام پہونچایا فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور بولا "بسرو چشم۔" اور فوراً دو اونٹنیاں مہمانوں کے کھلانے کے لیے لیکر آپہونچا۔ اور اُنھیں ذبح کرکے گوشت بھوننا اور کھلانا شروع کردیا۔ یہ حالت دیکھکے ماویہ نے چلاکے کہا "حاتم! یہی چیز ہے جس کے سبب سے میں نے تم کو طلاق دی۔ یہی حالت ہے تو تم میرے بچوں کو درماندہ چھوڑ جاؤگے۔" اسکے جواب میں حاتم نے کہا "افسوس ماویہ تو نے اس کا خیال نہ کیا کہ جس خدا نے ان بچوں کو اور ساری خلقت کو پیدا کیا ہے وہی

اُن کے رزق کا بھی ذمہ دار ہے۔"

اُس کی بیٹی سفانہ جو خود سخا میں اپنے باپ کو پڑی تھی۔ حاتم کا معمول تھا کہ اپنے اونٹون مین سے ہر سال ایک حصہ بیٹی کے نام کا الگ کر کے اُسے دے دیا کرتا تھا۔ اور سفانہ کا قاعدہ تھا کہ اس طریقے سے جو کچھ باپ سے ملتا اُسے خدا کی راہ مین دے دیا کرتی۔ یہ حالت دیکھ کے حاتم نے کہا "بیٹی! گھر مین اگر دو فیاض جمع ہوگئے تو پھر اُس کا پتہ بھی نہ لگے گا۔ یا تو مین فیاضی کرون اور تم جائداد کو روک کے رکھو اور یا تمھین فیاضی کرو اور مین ہاتھ روکنا شروع کرون سفانہ نے جواب دیا" ابا جان یہ نیک خصلت مین نے آپ ہی سے سیکھی ہے۔"

حاتم کے مرنے کا بنی طے کو بڑا صدمہ ہوا تھا۔ ہر بوڑھا بچہ روتا تھا۔ اس حالت مین اُسکا چھوٹا بھائی آکے لوگون کے درمیان مین کھڑا ہوا۔ اور بولا "حاتم کی جانشینی اب مین کرون گا" حاتم کی مان اُسوقت تک زندہ تھی۔ وہ مرنے بیٹے کی زبان یہ کلمات سُن کے نہایت برافروختہ ہوئی اور بولی" تو کیا جانشینی کرے گا؟ تم دونون کی طینت و فطرت ہی جدا تھی۔ اور زمین و آسمان کا فرق تھا۔ حاتم کی تو یہ حالت تھی کہ جب پیدا ہوا ہے تو خدا کی قسم سات دن تک کسی طرح دودھ نہ پیا۔ جب آٹھوین دن مین نے پڑوس کے بچے کو دودھ پلا لیا تب اُس نے پینا شروع کیا اور تیری یہ حالت تھی کہ ایک چھاتی سے دودھ پیتا تھا تو دوسری پر ہاتھ رکھے رہتا تھا کہ کوئی اور نہ پی لے۔"

کسی شاعر نے حاتم کی زندگی ہی مین کہا تھا اور بالکل سچ کہا تھا:۔

يَعِيشُ النَّدٰى مَا عَاشَ حَاتِمُ طَےٍّ وَاِنْ مَاتَ قَامَتْ لِلسَّخَاءِ مَاتِمُ

(جب تک حاتم زندہ ہے سخاوت بھی زندہ ہے۔ اور جب مرے گا سخاوت پر ماتم ہونے لگین گے)

حاتم کے مرنے کے ایک مدت بعد جب حضرت رسالت کی صدائے توحید سارے عرب مین بلند ہوئی۔ اور قبائل عرب مین سے اکثر ایمان لائے اور اکثر مخالفت و عداوت پر آمادہ ہوئے تو عدی بن حاتم نے آن حضرت صلعم کی دشمنی پر کمر باندھی جناب سرور کائنات صلعم نے حضرت علیؑ بن ابی طالب کو تھوڑے لشکر کے ساتھ قبائل بنی طے کے مقابلے پر روانہ کیا جو عدی کی وجہ سے مخالفت پر آمادہ ہو رہا تھا۔ حضرت

علیؓ کی روانگی کی خبر سنتے ہی عدی اپنے اہل بچون کو لے کے ملک شام مین بھاگ گیا اور عساکر رسالت نے جا کے جتنے بنی طے گرفتار کر لیے۔ انھین کے ساتھ عدی کی فیاض بہن سفانہ بنت حاتم بھی گرفتار ہو کے مدینے مین آئی۔ جب یہ لوگ رسول اللہ صلعم کے سامنے پیش ہوے تو سفانہ نے قدم آگے بڑھا کے نہایت ہی فصاحت و بلاغت کے ساتھ کہا "والد نے انتقال کیا۔ اور حامی و مددگار دنیا سے اٹھ گیا۔ اگر مناسب معلوم ہو تو مجھے آزادی دی جائے۔ اور میری وجہ سے سارے قبائل عرب کے نام کو دھبہ نہ لگائیے۔ اس لیے کہ میرے والد سردار قوم تھے۔ درماندہ کو آزادی دلاتے تھے۔ مجرم کو قتل کرتے تھے۔ پڑوسی کی نگہداشت کرتے تھے۔ عاجز و بے دست و پا کی حمایت کرتے تھے۔ ستم زدہ کو مصیبت سے چھڑاتے تھے۔ بھوکون کو کھانا کھلاتے تھے۔ سلام مین سبقت کرتے تھے۔ یتیم کی خبرگیری کرتے تھے۔ اور مصائب زمانہ کے وقت لوگون کے مددمعاون رہتے تھے۔ اُنکے پاس آ کے کوئی حاجت مند ناکام و نامراد نہین گیا۔ مین اُسی حاتم طائی کی بیٹی ہون" اُسکے یہ الفاظ سُن کے جناب رسالتمآب صلعم نے فرمایا "اے لڑکی یہ تو خاص مسلمانون کے صفات ہین۔ اگر تیرے والد زندہ ہوتے تو ہم اُن کے ساتھ اچھا سلوک کرتے" اسکے بعد صحابہ کو حکم فرمایا کہ "اس عورت کو چھوڑ دو۔ اس لیے کہ اس کا باپ خصائل نیک کا پابند تھا" اور پھر سفانہ کی طرف دیکھ کے فرمایا "کوئی معزز شخص ذلیل اور کوئی مالدار محتاج ہو جائے یا عالم جاہلون مین پھنس جائے تو اُس کے حال پر ترس کھایا کرو"

اس فرمان نبوت کے مطابق وہ چھوڑ دی گئی۔ بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آزادی پاتے وقت سفانہ نے اپنی قوم کے اسیرون کی سفارش کی اور عرض کیا کہ "مین جس باپ کی بیٹی ہون اُس کی وضع سے بعید ہے کہ قوم درماندگی مین مبتلا رہے اور مین اکیلی حضور کی فیاضی سے نفع اُٹھاؤن" اس جواب پر خاموش ہو کے آپ نے سارے اسیران طے کو چھوڑ دیا۔ اسکے بعد سفانہ نے کہا "اب مجھے اجازت ہو کہ اس آزادی کی شکرگذاری مین حضور کے لیے دعا کرون" آپ نے اجازت دی اور صحابہ سے ارشاد ہوا کہ اس دعا کو سنو اور یاد کر لو۔ سفانہ نے دعا مین لب کھولے اور کہا "خدا آپ کی نیکی کو اُس

شخص تک پہونچائے جو اُس کا مستحق ہو۔ اور آپ کو کسی بدکار و بدنفس کا محتاج نہ کرے۔ اور جس فیاض قوم سے کوئی نعمت چھن جائے اُسے آپ کے ذریعے سے واپس دلادیے"
آزادی پانے کے بعد سفانہ اپنے گھر میں واپس آئی۔ پھر اپنے بھائی عدی سے ملنے کے لیے شہر دومۃ الجندل میں گئی۔ اور اُس سے کہا "بھائی۔ آپ اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس قبل اس کے کہ اُن کی کمند دام میں گلا پھنسے خود ہی چلے جائیے۔ میں نے وہاں ایسی ہدایت اور سچائی دیکھی ہے کہ وہ عنقریب تمام غالبوں کو مغلوب کرکے سب پر غالب آجائیں گے۔ میں نے ایسی ایسی خصلتیں دیکھی ہیں کہ حیران و ششدر ہوں۔ میں نے دیکھا کہ فقیر کو دوست رکھتے ہیں۔ اسیر کو آزادی دلاتے ہیں۔ چھوٹے پر شفقت کرتے ہیں۔ بڑے کی قدر کرتے ہیں۔ اور میں نے اُن سے بڑا نہ کوئی سخی دیکھا ہے اور نہ کوئی لطف و کرم کرنے والا۔ میرے نزدیک تم ضرور اُن کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ اگر وہ نبی ہیں تو جتنی جلد ایمان لاؤ بہتر ہے۔ اور اگر بادشاہ ہیں تو بھی ہماری کوئی بے عزتی نہ ہوگی"
آخر بہن کے مشورے سے عدی مع اپنی بہن کے حضرت سرور کائنات کی خدمت میں حاضر ہوا اور دونوں بہن بھائی ایمان لائے۔ سفانہ کی اسیری کے واقعے کو سعدی نے بوستان میں عجیب لطف کے ساتھ نظم فرمایا ہے۔ کہتے ہیں۔

شنیدم کہ طے در زمانِ رسول	نہ کردند منشور ایمان قبول
فرستاد لشکر بشیر و نذیر	گرفتند از ایشان گروہے اسیر
بفرمود کشتن بہ شمشیر کین	کہ ناپاک بودند و ناپاک دین
زنے گفت من دخترِ حاتم	بخواہند ازین محترم حاکم
کرم کن بجاے من اے محترم	کہ مولاے من بود ز اہل کرم
بفرمانِ پیغمبرِ پاک راے	کشادند زنجیرش از دست و پاے
دران قوم باقی نہادند تیغ	کہ رانند سیلاب خون بے دریغ
بزاری بشمشیر زن گفت زن	مرا نیز با جملہ گردن بزن
مروت نہ بینم رہائی ز بند	بہ تنہا و یارانم اندر کمند
ہمی گفت گریان برِ اخوانِ طے	بسمع رسولؐ آمد آواز وے

بخشیدش آن قوم دو دیگر عطا — کہ ہرگز نہ کرد اصل و گوہر خطا

نادر شاہ افشار

یہ مشرقی نپولین جس طرح اپنے مغربی ہم مذاق نپولین بونا پارٹ پر فتحمندی میں فوقیت رکھتا تھا اُسی طرح زمانے میں بھی اُس سے پہلے تھا۔ نادر شاہ افشار و نپولین بونا پارٹ میں ایک عجیب مناسبت اور شباہت نظر آتی ہے۔

جس طرح بونا پارٹ ایک معمولی شخص سے ترقی کرتے کرتے اپنی قوت بازو سے ایک زبردست شاہنشاہ بن گیا۔ اُسی طرح نادر شاہ نے بھی ایک ایسے درجے سے جو نپولین کے درجے سے بھی کم تھا عروج حاصل کر کے جہان پناہی اور شہنشاہی کا رتبہ حاصل کر لیا۔ نپولین نے فرانس کے رائل ملٹری اسکول میں فوجی تعلیم پائی تھی مگر نادر شاہ نے جیسا کہ ہمارے آیندہ بیان سے معلوم ہو گا اپنا مدرسۂ حربیہ خود ہی بنایا تھا۔

نادر کا باپ ایک پوستین بنانے والا شخص تھا جو خراسان میں رہتا تھا اور وہیں ۱۶۸۸ء میں نادر پیدا ہوا۔ اُس کے باپ کو ملک میں کسی قسم کی وجاہت یا عزت نہیں حاصل تھی۔ اگر اُسے کوئی فخر ہو سکتا تھا تو صرف اس قدر کہ خاندانِ افشار سے تھا جو کہ ایک ممتاز ترکی خاندان تھا اور شاہ ایران کے دربار میں رسوخ رکھتا تھا۔

نادر میں بچپن ہی سے جرأت و شجاعت کا جوہر نمایاں تھا۔ جن باتوں میں وہ ہمیشہ اپنے ہمسنوں اور ساتھ کھیلنے والوں پر فوقیت لے جاتا۔

غالباً اسی کا نتیجہ تھا کہ اُس کی نوعمری کے زمانے میں اُزبک لوگوں نے خراسان پر تاخت کی اور نادر کو ۱۷ سال کی عمر میں پکڑ لے گئے۔ اگر وہ اپنے باپ کی طرح پوستین ہی بناتا اور بیچا ہوتا تو شہر کے اور تجارت پیشہ لوگوں کی طرح شاید حملہ آور اُس سے تعرض نہ کرتے۔ لیکن وہ معرکۂ جنگ میں پہ لگردن کے ساتھ اُن سے لڑا اور پکڑا گیا۔ غرض نوعمری ہی میں چار سال تک ازبکوں کے ہاتھ میں اسیر رہا۔ جس مصیبت سے کسی طرح نجات نہ ملتی تھی۔ آخر اپنی دانائی

شجاعت سے کام لے کے ازبکون کی اسیری سے نجات حاصل کی اور بھاگ کر بد شواری اپنے وطن مین آیا۔

وطن آنے کے چند ہی روز بعد والی خراسان کے لشکر مین نوکر ہو گیا۔ تھوڑے دنون مین خراسان پر تاتاریون نے یورش کی۔ والی مذکور کو نادر مین ایسی سپاہیانہ دانائی اور بہادری نظر آئی کہ نادر کی کم عمری کا نہین خیال کیا اور اُسے ایک چھوٹے سے لشکر کا سردار مقرر کرکے تاتاریون کے مقابلے پر روانہ کر دیا۔ اُس کے ساتھ تھوڑی ہی فوج تھی مگر نادر نے ایسی ہوشیاری اور شجاعت سے اس مہم کو سر کر لیا کہ سب کو حیرت ہو گئی۔ اُس نے دشمن کا سامنا ہوتے ہی تاتاریون کو فاش شکست دی اور اُن کے سردار کو گرفتار کر لیا۔ اور اُسے لاکے اپنے آقا والی خراسان کے سامنے پا بہ زنجیر کھڑا کر دیا۔ حاکم خراسان نے اس مہم پر روانہ کرتے وقت اُس سے ترقی و عزت کے بڑے بڑے وعدے کیے تھے۔ اب وہ ایسی ناموری کی فتح حاصل کرکے واپس آیا تو اُس کی تعظیم و تکریم تو حد سے زیادہ کی لیکن اُسے اُس ترقی سے محروم ہی رکھا جس کا وعدہ کر چکا تھا۔ اور اس کا سبب یہ تھا کہ نادر کی شجاعت و سپہگری پر حاکم خراسان کو حسد معلوم ہوا اور ڈرا کہ کہین ایسا نہ ہو اس کی ناموری کی خبرین سُن کے بادشاہِ ایران اُسپر مہربان ہو جائے۔ نادر مین اعلیٰ شجاعت کے ساتھ نوجوانی کا جوش اور خودداری کی آزادی تھی۔ حاکم کا یہ سلوک دیکھ کے سخت مشتعل ہوا۔ اور بے اختیار سر دربار کہ اُٹھا "آپ نے میرے ساتھ بے ایمانی کی"۔ اس جملے کے سننے کی تاب ایک ایسے حاکم مین جو ایک ملک کے سیاہ و سفید کا مالک تھا بھلا کیونکر ہو سکتی تھی؟ بگڑ کھڑا ہوا۔ اور کہا "اس گستاخ کو لے جا کے کوڑے مارو"

اسوقت تو اُس نے جبراً و قہراً مار کھالی۔ مگر چھوٹتے ہی شہر سے نکل کے ڈاکوؤن کے ایک گروہ مین جا ملا۔ اور چند ہی روز مین اُن کا سرگروہ و سرغنا بن گیا۔ ان چوٹون کے لشکر کے ذریعے سے اُس نے تھوڑے ہی زمانے مین ایک زبردست طاقت پیدا کر لی۔

اتفاقاً اُن دنون افغانیون نے خراسان پر یورش کرکے سلطنت ایران

کو درہم و برہم کر دیا تھا - اور شاہ ایران کا بیٹا طہماسپ صفوی بے تاج و سریر مارا مارا پھرتا تھا - نادر شاہ اُس سے جا کے ملا - اور حمایت وطن کی خدمت اپنے ذمے لے کے آمادہ ہوا کہ افغانیون کو ملک سے مار کے نکال دے - مگر بادشاہ کے مزاج مین در خور حاصل کرتے ہی اُس نے پہلا یہ کام کیا کہ فتح علی خان سپہ سالار عجم کو قتل کر ڈالا اور اُس کی جگہ سپہ سالاری عجم کی باگ اپنے ہاتھ مین لی - اس طرح وہ ایران کے سارے لشکر کا مالک ہو گیا اور برس نہین گذرنے پایا تھا کہ افغانیون سے کئی لڑائیان لڑ کے اور اُنھین متواتر شکستین دے کے صفہان پر قبضہ کیا - اور افغانیون کے بادشاہ اشرف خان کو قتل کر ڈالا -

ان ناموری کی خدمات کے بعد اُسے طہماسپ قلی خان کا خطاب دیا گیا - اور اُسکے ساتھ سلطنت عجم کے چار بہترین صوبون کا حاکم بنا دیا گیا -

اب نادر جو فی الحال طہماسپ قلی خان کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا عزت و حکومت کے اعلیٰ مسند نشین اور ناموری کی بہت بلند چوٹی پر پہونچ گیا تھا لیکن یہ اعلیٰ درجے کی عزت و علومت بھی اُس کے حوصلے سے کم اور اُس کی اُولوالعزمی کے مقابلے مین ہیچ تھی - چنانچہ موقع پاتے ہی اُس نے شاہ طہماسپ کو سریر سلطنت سے اُتار کے اُس کے آٹھ مہینے کے بچے کو وارث تخت بنایا - اور خود اُس کی طرف سے حکومت کرنے لگا -

اب ان دنون غالباً یہ سُن کے کہ ایران کے تخت پر ایک شیرخوار بچہ بٹھایا گیا ہے ترکان آل عثمان نے مغرب کی طرف سے حملہ کیا اُنھون نے تاجدار ایران کا بچپن تو سُن لیا تھا مگر یہان کے سپہ سالار اور اصلی حاکم کی جوانمردی و بہادری سے واقف نہ تھے - نادر شاہ فوج لے کے بجلی کی طرح جا پہونچا - اور آروان کی لڑائی مین ترکون کے پچاس ہزار آدمی خاک و خون مین نہلا دیے - جس شکست کے بعد پھر ترکون کو ادھر رُخ کرنے کا حوصلہ نہ ہوا - اور نادر شاہ آزادی کے ساتھ ایران پر حکومت کرتا رہا -

اس فتح کے بعد پورا سال نہین گذرنے پایا تھا کہ ایران کے تخت کا وہ ننھا مُنا کھلونا دنیا سے رخصت ہو گیا - اور تخت شہنشاہی نادر کے لیے خالی تھا - اس

موقع پر نادر شاہ نے ایک عظیم الشان دربار کیا جس میں تقریباً ایک لاکھ سردار ملک افسران فوج اور عمائد عجم جمع تھے۔ ان سبھوں نے نہایت جوش و خروش کے ساتھ باضابطہ طور پر نادر شاہ کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔ بس یہ گھڑی ہے جبکہ قدیم دولت صفویہ کا خاتمہ ہوا اور تاج کیانی نادر شاہ افشار کے سر پر رکھا گیا۔ افغانستان والے قلمرو ایران میں بار بار تاخت و تاراج کیا کرتے تھے۔ جن کے حملوں سے اکثر صوبۂ خراسان میں بے امنی رہتی۔ یہ دیکھ کے نادر شاہ نے ارادہ کیا کہ جس طرح بنے افغانستان کی آزادی کا خاتمہ کر دے۔ چنانچہ لشکر جرار کے ساتھ اُس نے علاقۂ قندھار پر حملہ کیا۔ اور ۱۷۳۷ء میں شہر قندھار پر قبضہ کر لیا۔ اسکے دوسرے برس اُس نے ہندوستان پر چڑھائی کی جس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ افغانی مفرورین کو پکڑنا اور اُن سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ مغلیہ دربار دہلی نے اس کی خواہشوں کی طرف سے بے پروائی کی اور وہ ایک زبردست لشکر کے ساتھ ہندوستان پر چڑھ آیا۔ یہاں محمد شاہ رنگیلے رنگ رلیاں منا رہے تھے جنھوں نے نادر شاہ کے خط کو جام شراب میں ڈبو کے فرمایا ع "این دفتر بے معنی غرق مے ناب اولیٰ"۔ مگر جب فاتح عجم سر پر آموجود ہوا تو شراب عیش کے متوالوں نے ایک انگڑائی لی۔ ایک بڑا کثیر التعداد لشکر مقابلے کو چلا۔ مگر نامور سپہ سالاران ہند کے باہمی تعلقات کچھ ایسے تھے کہ بے لڑے شکست ہو گئی۔

نادر اس نادانی دربار کا رنگ دیکھتا اور دل ہی دل میں ہنستا تھا۔ مہمانوں کی شان سے دہلی میں آیا اور بادشاہ کا مہمان ہوا۔ امید تھی کہ کچھ تاوان لے کے واپس چلا جائے گر اہل دہلی کے مذاق نے بغیر اُس کی شان جباری کا مزہ دیکھے جانے نہ دیا۔ کسی بھنگڑیے نے غپ اُڑا دی کہ محمد شاہ نے نادر کو گھر میں بند کر کے قتل کر ڈالا۔ عوام کو اس کا یقین آگیا۔ اور نادر کے ہمراہی سپاہیوں کو بے والی وارث سمجھ کے قتل کرنے لگے۔ خشمناک نادر یہ حالت دیکھ کے تلوار نیام سے نکال کے سنہری مسجد کی فصیل پر بیٹھ گیا۔ اور دہلی میں قتل عام شروع ہو گیا۔ لاکھوں آدمی قتل ہو گئے۔ اور تلوار نہ رُکتی تھی۔ محمد شاہ محل میں بیٹھے کانپ رہے تھے اور یہ مصرعہ زبان پر تھا ؎ شامت اعمال ما صورت نادر گرفت۔ آخر دربار ہند کا

ایک معزز و معمر سردار جان پر کھیل کے نادر کے سامنے گیا۔ اور آہ و زاری کے ساتھ شعر پڑھا۔

کسے نماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی گر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

اس شعر پر نادر کو ترس آ گیا۔ وہ بولا "بہ ریش سفیدت بخشیدم"

الغرض دلی کو خوب لوٹ کے اور تخت طاؤس تک کو فوج کھسوٹ لے نادر واپس گیا۔ اور اُسکے آنے کے واقعات اہل ہند کی زبان پر رہ گئے شاہان ارض کو اپنی نجابت و شرافت پر ناز ہوا کرتا ہے مگر نادر کو جو کچھ فخر تھا اپنی شجاعت پر تھا۔ اپنی اصلیت اور اپنے باپ کی غربت و دنی حیثیت کو کبھی نہ بھولتا۔ ہندوستان میں اُس کے بیٹے کی شادی کسی تیموری خاندان کی شاہزادی کے ساتھ ٹھہری۔ لڑکی والوں کی طرف سے اصرار ہوا کہ اپنا سات پشتوں کا نسب نامہ پیش کرو۔ یہاں آبا و اجداد کے نام بھی شاید یاد نہ ہوں گے نسب نامہ کہاں سے پیش کیا جاتا۔ نادر نے کہا" کہہ دو ابن نادر ابن شمشیر ابن شمشیر ابن شمشیر یوں ہیں سات نہیں ستر پشتوں تک گنتے چلے جاؤ" یہ ایسا زبردست نسب نامہ تھا جسے سمدھیانے والوں کو منظور ہی کرنا پڑا۔

ہندوستان سے واپس جانے کے بعد نادر نے ترکستان کا رُخ کیا۔ اور شاہ بخارا پر حملہ آور ہوا۔ جس نے طوعاً و کرہاً سر اطاعت جھکا دیا۔ بخارا کو مطیع فرمان بنا کے اُس نے دریائے جیحون کے دونوں جانب کنارے ہی کنارے کوچ کیا۔ اور بحر کیسپین کے سواحل تک فتح کرتا چلا گیا آخر ۱۷۴۰ء میں اُس ملک کے فرمانروا کو کامل شکست دے کے قتل کیا اور اُس کی قلمرو پر قابض ہو گیا۔

اس طرح نادر کی کوششوں نے مملکت ایران کو ہر طرف کے حملوں سے محفوظ و مامون کر دیا۔ سرحد کی سرکش قومیں مطیع فرمان ہو گئیں۔ اور کسی کو ذرا بھی سر اُٹھانے کی جرأت نہ ہو سکتی تھی۔ اس کے ساتھ ہر جانب سے دولت عجم کی قلمرو وسیع ہو گئی۔ اور باغی و سرکش کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔

جب سب طرف سے اطمینان ہو چکا تو نادر شاہ نظم و نسق مملکت کی طرف

متوجہ ہوا - مگر افسوس کہ وہ ایک سپاہیانہ مذاق کا آدمی تھا جو فتحمندی کے لیے جس قدر مناسب ہوتا ہے اُسی قدر تدبیر مملکت کے لیے غیر موزون - انتظام مملکت مین اس نے لوگون پر زیادتیان اور سختیان کین - مذہبی معاملات مین وہ شیعون کے خلاف ہو گیا - اور نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کے ہاتھ سے لوگون پر ظلم ہونے لگا - یہ دیکھ کے اکثر امراے ملک اور سرداران فوج اُسکے دشمن ہو گئے - اُن کے اثر سے ہر جگہ ملک مین اُس کی نسبت نفرت و حقارت کے جذبات پھیلنا شروع ہوے اور آخر اہل دربار ہی کی سازش سے ۱۷۴۷ء مین چند سپاہیون نے رات کے وقت خیمے مین گھُس کے اسپر حربہ کیا اور بھاگ گئے - زخم کاری لگا تھا مگر وہ فوراً اُٹھا - اور تلوار کھینچ کے قاتلون کے پیچھے جھپٹا - اُس کے آتے آتے قاتل غائب ہو گئے تھے - اور وہ جیسے ہی نکلا خیمے کی طنابون مین اُلجھ کے گرا اور ٹھنڈا ہو گیا -

واقعات بتا رہے ہین کہ نادرشاہ کو نپولین پر ترجیح اور فوقیت تھی نپولین ٹرکی اور اُسکے سپاہیون کی بہادری کا قائل تھا اور ترکان آل عثمان سے ڈرتا تھا مگر اُنھین ترکون کی نادرشاہ کی نظر مین کوئی ہستی نہ تھی جنھین اُس نے بڑی بھاری شکست دے کے اپنی سپہگری کا ڈنکا بجا دیا تھا -

علی بیگ

جسے ترکون کے موجودہ تلفظ کے لحاظ سے اہل یورپ "علی بے" کہتے ہین - یہ نامور شخص اٹھارہوین صدی عیسوی کے وسط مین مصر کا فرمان روا نہایت اعلیٰ درجے کا شجاع و نبرد آزما - اور مدبر و منتظم تھا - اُس کی اصلیت یہ تھی کہ گرجستان کا ایک غلام تھا جسے بچپن مین چند ڈاکو کوہ قاف پر سے جہان اُس کا وطن تھا پکڑ لائے اور مصر مین لا کے بیچا - معزز و نامور غلامون کا جیسا بازار مصر رہا ہے اور کوئی ملک نہین رہا حضرت یوسف ہی یہان کے بازار مین نہین بکے تھے بلکہ بیسیون غلامون نے یہان کے بازار مین بک کے ریاست و حکومت پائی ہے - بیسیون ملوک زغلام یہان حکمرانی کر چکے ہین - اور یہین علی بیگ بھی بکا - خوش نصیبی سے قاہرہ مین

اُسے ابراہیم نام ایک فوجی افسر نے خرید لیا - جو اُس کے حال پر نہایت مہربان تھا - تعلیم دلائی اور بہت اچھی تربیت کی - اور جب ذرا بڑا ہوا تو اُسکو لشکر مین داخل کر دیا جو مملوکون یعنی غلامون کا تھا - مصریون کو اُن دنون اکثر اہل عرب سے لڑنا پڑتا تھا - جن کے مقابل مین نو عمر علی بیگ نے کچھ ایسی غیر معمولی دلاوری اور شجاعت و جوانمردی ظاہر کی کہ حکومت مصر نے اسے "بیگ" کا خطاب دیا ورنہ اس سے پیشتر وہ "علی بیگ" نہین بلکہ صرف "علی" تھا.

۱۷۵۸ء مین یہ واقعہ پیش آیا کہ علی بیگ کے مربی اور ولی نعمت ابراہیم کو اس کے ایک ابراہیم نام شخص نے جو چرکس یعنی گرجستانی تھا اپنے ہمراہیون کے ساتھ نرغہ کرکے قتل کر ڈالا - علی بیگ کو اپنے آقا کے مظلومی کے ساتھ مارے جانے پر افسوس ہوا - لیکن کیا کر سکتا تھا خاموش ہو رہا - مگر اپنی ہوشیاری اور قابلیت سے سلطنت کے خدمات مین برابر ترقی ہی کرتا رہا - یہان تک کہ ۱۷۶۳ء مین حکومت مصر کا ایک اعلیٰ عہدہ دار ہی نہ تھا بلکہ اُس کو بہت کچھ اقتدارات بھی حاصل تھے - اور سلطنت کے معاملات مین بڑا اثر رکھتا تھا - اس زمانے مین موقع پاکے اور اپنی قوت کا اندازہ کرکے اُس نے گرجستانی ابراہیم کو قتل کر ڈالا جو اُسکے آقا کا قاتل تھا - اور اس طریقے سے پانچ ہی برس کے بعد اُس نے اپنے آقا کے خون کا بدلا لے لیا -

لیکن اس کارروائی سے مصر مین اُسکے بہت سے دشمن پیدا ہو گئے جنکے خوف سے اُسے قاہرہ چھوڑ کے شام کے شہر عکہ مین پناہ لینی پڑی - یہان ایک عربی رئیس شیخ ظاہر نے اس کی حمایت و حفاظت کی اور ہر طرح اس کی مدد پر آمادہ ہو گیا - لیکن قاہرہ کی انتظامی حالت ایسی خراب ہو رہی تھی کہ پانچ سال بعد ۱۷۶۸ء مین بڑی التجاؤن کے ساتھ علی بیگ پھر مصر مین بلا لیا گیا -

اب کی جو وہ مصر مین آیا تو بڑے رعب و داب اور بڑی آن بان سے آیا - حکومت کے اعلیٰ ترین اختیارات کی باگ اُسی کے ہاتھ مین دے دی گئی - اور اب مملکت مصر مین نہ اُس سے بڑا کوئی سردار تھا اور نہ اُس سے زیادہ اختیارات کسی کے ہاتھ مین تھے - آتے ہی پہلے تو اُس نے اپنے دشمنون سے انتقام لیا -

اور اُنکو بخوبی مغلوب و مقہور کرنے کے بعد عربون کے مقابلے مین اشتہار جنگ دے دیا۔ جو حکومت کو کسی طرح چلنے ہی نہ دیتے تھے۔ اس مہم مین اس نے عربون کو ایسی فاش رنگین اور نمایان شکستین دین کہ ہر طرف اس کا سکہ بیٹھ گیا اور کسی کو سرتابی کی جرأت نہ ہوسکتی تھی۔ اب سارے قاہرہ اور مصر مین جہان دیکھیے علی بیگ ہی علی بیگ کا نام سُنا جاتا تھا۔

فتنہ و فساد کی بنیاد منہدم کرنے کے بعد اُس نے انتظامات ملکی اور فلاح رعایا کی طرف توجہ کی۔ اور تمام کامون کو ایسی شایستگی اور قابلیت سے انجام دیا کہ مصر والے اُس کے نام پر فریفتہ تھے۔ اسکے عہد مین مصر کی حالت خوب سنبھلنے لگی زراعت و فلاحت کو بے انتہا ترقی ہوئی۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ ملک مصر کو جو عروج تاریخ سلف مین حاصل تھا پھر حاصل ہو جائے گا۔ اور یہ سرزمین اُسی درجۂ کمال کو پہونچ جائے گی جس پر کہ فراعنۂ قدیم کے عہد مین نظر آتی تھی۔ ۱۷۶۸ء مین روم اور روس مین لڑائی چھڑ گئی۔ اور دولت عثمانیہ کے تمام صوبون سے فوجین جانے لگین۔ علی بیگ نے بھی مصر سے بارہ ہزار جوان بھیجے تاکہ دولت عثمانیہ کے ہلالی علم کے نیچے جوہر شجاعت دکھائین اور حمایت اسلام کرین۔ مگر افسوس باب عالی مین سازشون کا بازار گرم تھا۔ وہان علی بیگ کے کسی دشمن نے ایک خفیہ تحریر بھیجدی جس کا مضمون یہ تھا کہ "یہ مصری فوج دولت عثمانیہ کی مدد کے لیے نہین بھیجی گئی ہے بلکہ اسکے جانے کی یہ غرض ہے کہ عین معرکۂ کارزار مین ترکون کا ساتھ چھوڑ کے روسیون سے مل جائے اور اُس کی اعانت کرے۔ ایسی لغو اور بے بنیاد بات پر قسطنطنیہ مین اس قدر وثوق کرایا گیا کہ بجاے قدردانی و سرفرازی کے باب عالی سے ایک افسر فوج چار ہمراہیون کے ساتھ اس خدمت پر مامور ہو کے قاہرہ مین آیا کہ علی بیگ کا سر کاٹ کے قسطنطنیہ مین حاضر کرے علی بیگ کے لوگ بھی دربار عثمانی مین لگے ہی ہوے تھے۔ جن کے ذریعے سے ان سر کاٹنے والون سے پیشتر اُن کی روانگی کی خبر علی بیگ کو پہونچ گئی اور وہ مخالفت پر آمادہ ہوگیا۔

چنانچہ یہ پانچون شخص جیسے ہی مصر کے حدود مین داخل ہوے گرفتار کر لیے گئے

اور چاہے اس کے کہ وہ علی بگ کا سر کاٹ کے جائین علی بگ نے خود اُنکے سر کٹوا لیے۔ اس کارروائی کے ساتھ ہی اُس نے دولتِ عثمانیہ کے مقابلے مین اشتہارِ جنگ دے دیا۔ اور چند روز تک نہایت آزادی کے ساتھ ترکون سے لڑتا اور دمشق سے حکومت کرتا رہا۔ جس مین بار ہا اُسے کامیابیان بھی حاصل ہوئین۔ لیکن انجام یہ ہوا کہ علی بگ کے بھروسے کے سرداران مصر جو ملکون مین نہایت ممتاز تھے اپنے تمام لشکر کے ساتھ اُس کے مخالف ہو گئے۔ اور علی بگ بالکل بے دست و پا تھا۔ مگر اب بھی اُس نے ہمت نہین ہاری اور ان باغی فوجون کے مقابلے کو تیار ہو گیا۔ گو اُس کی ہمراہی فوج نہایت کمزور تھی مگر وہ بہادری سے لڑتا اور مقابلہ کرتا رہا۔ یہان تک کہ زخمون سے چور ہو کے گرا اور دشمنون کے ہاتھ مین زندہ گرفتار ہو گیا۔ لیکن زخم ایسے کاری لگے تھے کہ اُن سے جانبر نہ ہو سکا۔ اور ۱۷۷۳ء مین دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اپنے وطن سرکیشیا مین وہ ۱۷۲۸ء مین پیدا ہوا تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کی عمر زیادہ نہین ہوئی۔ تھوڑی برس کی عمر مین شہرت و نامورِی اور دولت و اقبال کے تمام مراحل طے کر کے آخرت کی راہ اختیار کر لی۔

اس کو مورخین تسلیم کرتے ہین کہ علی بگ بڑا اولوالعزم شخص تھا اور مصر کی ترقی کے متعلق اُسکے خیالات بہت ہی دسیع اور نہایت شائستہ تھے۔ چاہتا تھا کہ مصر کو ایک مستقل آزاد اور زبردست سلطنت بنا دے۔ اور اُس کی گذشتہ عظمت کو پھر زندہ کر دے۔ مگر افسوس ملک مصر ہی مین اس کی قابلیت نہ تھی جیسا سچا جوش اُسکے دل مین تھا ویسا ہی اگر اُس کے سردارون اور معززین مصر مین بھی ہوتا اور وطنی خدمت مین وہ اسکے مدد معاون رہتے تو کیا عجب کہ آج ملک مصر کی کچھ اور ہی حالت ہوتی۔ دنیا کی آزاد اور زبردست سلطنتون مین اُس کا بھی شمار ہوتا۔ مگر جس طرح مصر والون نے علی بگ کی قدر نہین کی اُسی طرح خدا کو بھی منظور نہ تھا کہ بغیر یورپین مدبرون کی اعانت کے کسی مسلمان مدبر کے ہاتھ سے مصر کی اصلاح ہو یا اُسے کسی قسم کا نفع پہونچے

———— ⁘ ————

اسکندر اعظم

ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ اردو لٹریچر کے ناموروں کے حالات سے جہاں تک بنے اردو دان پبلک کو واقف کرتے رہیں - اس قسم کے بہت سے ناموروں کے حالات زمانی دلگداز کے صفحوں پر شایع ہو چکے ہین - مگر ابھی تک سکندر اعظم کی لائف مستقل طور پر لکھ کے نہین پیش کی گئی - ہمارے مشرقی شعرا مین سے کوئی نہ ہوگا جس نے تشبیہات مین سکندر کے نام سے فائدہ نہ اُٹھایا ہو - سکندر کا آئینے کو ایجاد کرنا - خواجہ خضر کے ساتھ آب حیات کی تلاش مین جانا اور ناکام واپس آنا - یاجوج و ماجوج کے روکنے کے لیے سد سکندری بنوانا - سارے عالم کو فتح کر لینا - اور اسی قسم کی چند اور باتین اُس کی جانب منسوب ہین جن کا شعرا کے کلام مین باربار اعادہ ہوتا ہے - اور ہر موقع پر اُس کا نام لیا جاتا ہے -

لیکن افسوس سکندر اعظم وہ شخص نہین ہے جس کی جانب ان مین سے ایک بات کو بھی منسوب کیا جائے - قرآن مجید مین ذوالقرنین نام ایک بادشاہ کا تذکرہ ہے جس کا ساری دنیا مین گذر ہوا تھا اور جس نے یاجوج و ماجوج کی روک تھام کے لیے اژدھات کی ایک دیوار بنوائی تھی - قیاس چاہتا تھا کہ وہ بادشاہ کوئی یمن کا بادشاہ ہو جہاں کے سلاطین کے نام اکثر "ذو" کے لفظ سے شروع ہوا کرتے تھے - کسی قدیم زمانے مین یہ بڑے سطوت و جبروت کے تاجدار تھے - اور عربون کی قومی روایتون مین موجود تھا کہ اُن مین سے کسی بادشاہ نے ساری دنیا فتح کر لی تھی - لہذا قرآن مجید مین ذوالقرنین سے یقیناً وہی تاجدار یمن مراد ہے -

مگر مقدونیہ کے بادشاہون کا شعار اور مارکہ بکرا تھا - جس کی بنا پر توراۃ مین سکندر کی نسبت حضرت دانیال کی پیشین گوئی "بکرے" ہی کے لفظ سے کی گئی تھی - اور چونکہ بکرے کے دو سینگ ہوتے ہین اس لیے بعض مسلمان مورخین کو خیال گذرا کہ ذوالقرنین سے مراد سکندر بن فیلقوس یونانی ہے - یہ خیال اسلامی

پبلک مین مشہور ہوا۔ شہرت نے اُسے ناموران لٹریچر مین جگہ دیدی۔ اور یون ساری مشرقی دنیا مین سکندر کا نام اس قدر مشہور ہوا کہ بچہ بچہ اُس کے نام سے واقف ہے۔ اور صدہا بچون کے نام اُسی کے نام پر رکھے جاتے ہین۔ مگر سچ یہ ہے کہ مشرقی دنیا مین سکندر کو جو شہرت و مقبولیت حاصل ہوگئی اُس کا اصلی باعث قرآن مجید کی ایک آیت اور اُس کے متعلق مسلمانون کی ایک غلط فہمی ہے لیکن سکندر اپنے حالات و واقعات کے لحاظ سے ایسی شہرت کا مستحق ضرور تھا۔

اُس کا اصلی نام "الکساندر" یا "الکسندر" تھا۔ جو انگریزون مین تو مغربی لہجے کی وجہ سے "الگزانڈر" ہوگیا مگر عربون کو جیسی غلط فہمی اُس کے انتخاب مین ہوئی تھی ویسی ہی اُس کے نام مین بھی ہوئی۔ وہ سمجھے کہ نام کے اول مین "ال" عربی زبان کے حروف تعریف ہین۔ اسکے بعد کاف کا سین سے پہلے ہونا چونکہ عربون کی زبان پر ثقیل تھا اس لیے سین کاف کے قبل کر دیا گیا۔ اس طرح یہ نام عربی مین "سکندر" ہوگیا۔ بعض نے سین کو ساکن خیال کر کے اول مین ایک ہمزۂ وصل بھی بڑھایا اور اُس کا نام "اسکندر" بنا دیا۔

اکثر مشرقی مصنفین اُسے سکندر رومی کہدیا کرتے ہین۔ حالانکہ اُسے روم کے ملک سے کوئی علاقہ نہ تھا۔ اُس کے زمانے تک دنیا مین روم الکبرے کی عظمت نہین مانی گئی تھی۔ اہل روم اپنے وطن مین گرد و نواح کی قومون سے لڑتے اور گمنامی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اور اہل یونان کی مہذب دنیا مین اُنکا شمار بالکل جاہل وحشی اور غیر متمدن قومون مین تھا۔ لیکن سکندر کے بہت زمانے کے بعد جب رومیون کا کوکب اقبال چمکا۔ انگلستان سے عراق تک سارے ممالک ارض اُن کے زیر نگین ہوے اور بحیرۂ روم اُن کی قلمرو کے درمیان مین ایک جھیل بن گیا تو مغربی حصۂ ایشیا کے ملک بھی جسے ترک لوگ "اناطولیا" کہتے ہین۔ صدہا رومی خاندانون کے آبسنے کی وجہ سے روم مشہور ہوگیا۔ خصوصاً جب سلطنت روم کے نام سے مشہور ہوئی تو یہ ملک بھی ساری دنیا مین روم ہی کے نام سے مشہور ہوگیا۔ لہذا اسی ملک کی نسبت سے بعد والون نے سکندر کو رومی مشہور کر دیا ہے۔

اصل مین جزیرہ نماے بلقان کا درمیانی علاقہ مقدونیہ اُس کا وطن تھا یہی صوبے کی وجہ سے آج کل دولت عثمانیہ پہ آفت نازل ہے اور جس کے رہا شدہ بلقان باہم تقسیم کر لینے کی آرزومند ہین - اسی علاقے کے شہر پلا مین وہ ۳۵۶ قبل مسیح مین پیدا ہوا -

مقدونیہ مین سکندر اعظم سے پہلے اُسکے نام کے دو اور بادشاہ گذر چکے تھے - پہلا سکندر ۴۸۰ قبل مسیح مین مقدونیہ پر حکومت کرتا تھا - اور اُسی کے زمانے مین دارے عجم کیخسرو نے مملکت یونان پر چڑھائی کی تھی وہ مقدونیہ کا آٹھوان تاجدار تھا - اُس کے بعد دوسرا سکندر اسی ملک کا سولھوان سریر آرا تھا جس کا زمانہ ۳۶۹ قبل مسیح مین تھا - لیکن اُس قدیم وقت تک تاجداران مقدونیہ کا شمار وحشی حکمرانون مین تھا - اور یونانی اُن کی کچھ وقعت نہین خیال کرتے تھے - تیسرا یہی سکندر ہے جس کے حالات ہم لکھنا چاہتے ہین - اسکے باپ فیلقوس پہلے پہل عروج پکڑا - اور چونکہ اب یونانیون کا زوال شروع ہو چکا تھا لہذا اُس نے سارے یونان کو فتح کرکے اپنے زیر فرمان بنا لیا -

فیلقوس کو اہل مغرب "فلپ" کہتے ہین - اُس نے قوت حاصل کرتے ہی کوشش کی کہ مقدونیہ کو شان و شوکت اور علم و فضل اور تمام باتون مین ایتھنز (اثینیہ) اور اسپارٹا کا ہم پلہ بنا دے - لیکن اس کی تمام اقبال مندیون سے یہ خوش نصیبی بدرجہا زیادہ بڑھی ہوئی تھی کہ وہ سکندر اعظم کا باپ تھا - مغربی ایشیائے مائنر کے شہر "افسوس" مین ڈیانا دیوی کا ایک بڑا بھاری مندر تھا جہان عبادت و زیارت کے لیے تمام بت پرستان یونان جایا کرتے تھے - اور سارے یونان والون کو اُس سے بڑی عقیدت تھی - جس سال سکندر پیدا ہوا اُسی سال اتفاقاً اُس مین ایسی آگ لگی کہ وہ بڑا بُت خانہ منہدم ہو گیا - اور مورت بھی خاک مین مل گئی - جس امر کو اہل مقدونیہ اور سکندر کے مورخون نے اُس کی بے روک فتوحات اور سرزمین ایشیا پر اُس کے غالب آنے کا ایک قدرتی اشارہ تصور کیا - اور شاید مقدونیہ والون کے دل مین یہ خیال گذرا ہو کہ "اِس مندر کی بربادی سکندر کے لیے ایک شگون نیک ہے - اور یہ واقعہ بتاتا ہے کہ اس شاہزادے کی کوئی بڑی شان

ہونے والی ہے۔"
فیلقوس نے سکندر کی تعلیم و تربیت کے لیے بڑے بڑے اعلیٰ درجے کے اُستاد و فلسفی منتخب کیے پہلے تو اُسے اُس عہد کے مشہور فلسفی "لانی اچوس" کے زیر تربیت رکھا۔ پھر چند روز بعد دنیا کے مشہور ترین فیلسوف ارسطاطالیس کو اُس کا اُستاد و اتالیق مقرر کیا۔ ارسطو نے سکندر کی تعلیم و تربیت میں بے انتہا کوششیں کیں اور اُس کے اخلاق کے درست کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا۔ سب لوگوں کا خیال ہے کہ بچپن میں جو حوصلہ مندی کی باتیں سکندر کے طرز عمل سے ظاہر ہو جایا کرتی تھیں وہ ارسطو ہی کی تعلیم و تربیت کی برکتیں تھیں۔ ایک بار فیلقوس کی ایک فتح کا مژدہ سُن کے وہ حسرت کے لہجے میں بول اُٹھا "ابا جان تو کسی ملک کو چھوڑتے ہی نہیں۔ پھر میں کس سرزمین کو فتح کروں گا؟"
اُن دنوں یونان میں "اُلمپک گیم" ہوا کرتے تھے جن میں تمام مشہور پہلوان اور بڑے بڑے بہادر و نامور آ کے سپہگری کے ہنر اور شہسواری کے کرتب دکھایا کرتے تھے۔ سکندر نے چونکہ اُن کھیلوں میں کبھی دلچسپی نہیں ظاہر کی تھی اس لیے ایک دن فیلقوس نے تعجب سے کہا کہ "سکندر ان کھیلوں میں نہیں شریک ہوتا!" سکندر سنتے ہی بیساختہ کہہ اُٹھا "مجھے مقابلے کے لیے بادشاہوں کو بتایئے تو اپنا ہنر دکھاؤں۔ ان کھیلوں میں تو مجھے مزہ نہیں آتا۔"
اُس کا گھوڑا "بوسفی فالوس" عجیب و غریب گھوڑا تھا۔ ایسا منہ زور اور سرکش تھا کہ کبھی کسی شہسوار کی ران اُس کی پیٹھ پر نہیں جم سکی تھی۔ جس کسی نے سواری کا ارادہ کیا اُسے دے پٹکا۔ مگر سکندر بچپن ہی میں اُسے اپنے قابو میں لے آیا۔ اور اُسے ایسا عزیز ہو گیا تھا کہ دنیا کے تمام معرکوں میں وہی اُسکے زیر ران تھا۔
ہومر شاعر کی مشہور مثنوی "ایلیڈ" جو یونانی شاعری کا اعلیٰ ترین نمونہ اور یونانی شاعری کی بہا بہا ست تھی سکندر کو بے انتہا پسند تھی۔ اور جب دل گھبراتا اُسی کو مزے لے کے پڑھنے لگتا۔ جس کی وجہ سے یونان کے تمام شجاعان سلف کے کارنامے ہر وقت پیش نظر رہتے۔ اور یونان کا رستم دستان "اکیلیز" سکندر

کی نظر مین شجاعت و ملک گیری کی ایک ایسی نظیر بن گیا جسے وہ ہر وقت اپنے خیال کے سامنے رکھتا اور کوشش کرتا کہ اپنے آپ کو ویسا ہی بنائے۔

سنہ ۳۳۶ قبل مسیح مین جب فیلقوس کسی سفاک کے خنجر خون ریز سے مارا گیا اور یہ بھی پتہ نہ چلا کہ اُس کے قاتل کا اصلی مقصود کیا تھا؟ اُسوقت سکندر کی عمر صرف بارہ برس کی تھی۔ لیکن اُس کے ذاتی جوہر کو ارسطو کی تعلیم نے ایسا بنا دیا تھا کہ بڑے بڑے سن رسیدہ لوگون سے اچھا تھا۔ اور حکمرانی و ملک گیری کے لیے انتہا سے زیادہ موزون تھا۔ چنانچہ سریر شہریاری پر قدم رکھتے ہی اُس نے اپنے فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جن کی بدولت اُسے دنیا مین ناموری حاصل ہوئی ہے۔ اس مین شک نہین کہ فیلقوس نے مرنے سے پہلے سارے یونان کو اپنا مطیع فرمان اور باجگذار بنا لیا تھا۔ مگر وہ لوگ اسکی اطاعت و فرمانبرداری کو دل سے نہین پسند کرتے تھے۔ اور یونان کی کئی ریاستین تو آمادہ ہی تھین کہ جس قدر جلد ممکن ہو مقدونیہ کی غلامی سے نجات حاصل کر لین۔ اُنکے ان ارادون کی خبر سنتے ہی سکندر جوش و خروش کے ساتھ اُن کے سر پر جا پہونچا اور اُنھین پورا پورا مطیع و منقاد بنانے کے بعد اُن سے خواہش کی کہ ایک اسپارٹا کو تو چھوڑ دو جہان کی سپہ گری کا سب لوہا مانتے ہین۔ باقی مانذہ تمام اضلاع و ریاستہاے یونان کا سپہ سالار اعظم مجھے تسلیم کرو جس طرح کہ میرے والد فیلقوس کو تسلیم کرتے تھے۔ اُن لوگون نے جب دیکھا کہ نہ لڑتے بنتی ہے اور نہ کسی طرح پیچھا چھوٹتا ہے تو اُسے سپہ سالار اعظم یونان تسلیم کر لیا۔ جس کے معنے یہ تھے کہ اُنھون نے اُس کے آگے سر اطاعت جھکا دیا اور ہار مان لی۔

ان لوگون کو سیدھا کرنے کے بعد اُس نے علاقۂ تھریس پر چڑھائی کی۔ اور چند فتحون کے بعد اُسے بھی اپنے قبضے مین کر لیا۔ تھریس ہی کے انتظام مین لگا ہوا تھا کہ ناگہان خبر آئی قلمرو یونان مین شہر تھیبیا والون نے علم بغاوت بلند کیا ہے سنتے ہی یونان کی طرف پلٹ پڑا۔ بلاے ناگہان کی طرح تھیبیا والون کے سر پر جا پہونچا اور پہلے ہی دھاوے مین اُسے فتح کر لیا۔ اُن لوگون کی بے وقت سرکشی سے کچھ ایسا غصے مین بھرا ہوا تھا کہ شہر کے بہت سے لوگون کو قتل کر ڈالا۔ اور

وہان کی تمام عمارتین منہدم کرا دین۔ صرف ایک پندار شاعر کا گھر تو چھوڑ دیا باقی سارے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

سکندر کی اس سخت گیری نے یونان کے سارے سرکشون کے وضو ٹھنڈے کر دیے۔ تمام ریاست ہاے یونان کے ہوش ٹھکانے ہو گئے۔ اور کسی مین بھی اب چون و چرا کی مجال نہین باقی تھی یہان تک کہ ایتھنز مین بھی کوئی دم نہ مار سکا جہان کے لوگ سکندر کی مخالفت پر آمادہ ہو چلے تھے اور علم مخالفت بلند کرنے کی تیاریان کر رہے تھے۔ اس طریقے سے اُس نے کل ریاستہاے یونان کو اپنا مطیع و منقاد بنا کے سارے جنوبی حصۂ جزیرہ نماے بلقان کو اپنے زیر فرمان کر لیا۔ اور ہر طرف سے پورا پورا اطمینان کر کے مقدونیہ مین اپس آیا

جب یون خوب فارغ البالی حاصل ہو گئی تو اُس نے ارادہ کیا کہ سرزمین ایشیا مین گھس کے دارا ے ایران کو شکست دے جس کی سلطنت سے زیادہ زبردست بادشاہی ساری دنیا مین نہ تھی۔ درۂ دانیال سے لے کے حدود ہند تک کل ممالک تاجداران عجم کے زیر نگین تھے۔ اور کبھی یونان کے وہم و گمان مین بھی یہ بات نہین گذری تھی کہ ہم اپنے حدود سے باہر نکل کے شہنشاہ ایران کے ملک پر حملہ کر سکین گے۔ اس مین شک نہین کہ جب وہ چالیس ہزار یونانی جو دھوکے مین دریاے فرات کے اس پار آ گئے تھے جانون پر کھیل کے دریا کے کنارے چل کھڑے ہوے اور صدہا طرح کی سختیان اور مصیبتین جھیل کے اپنے وطن مین پہونچ گئے تو یونانیون مین سفر سے گونہ اُنس پیدا ہو گیا۔ اور اسی سلسلے مین انھین اس بات کا بھی تجربہ ہو گیا کہ اگر کوئی لشکر بہادری سے لڑے تو ایرانی باوجود اپنی سطوت و جبروت کے اُس کا کچھ نہین بگاڑ سکتے۔ انھین چیزون نے سکندر کو اس مہم پر آمادہ کیا اور اُنھین خیالات کی وجہ سے یونانی سپاہی اُس کا ساتھ دینے کو تیار ہو گئے۔

الغرض سکندر اپنی عمر کے بائیسوین سال چالیس ہزار جان بازون کا زبردست لشکر لے کے ہلیاپنٹ (درۂ دانیال) سے اُتر کے ایشیا مین داخل ہوا۔ یہان آتے ہی اُس نے پہلا کام جو کیا یہ تھا کہ اپنے دوست ہیفاسطیون کے ساتھ اُس

گانوں میں گیا جو قدیم شہر ٹرائے کے مقام پر آباد تھا۔ جہاں قدیم یونانی رستم ایچلیز کی قبر تھی۔ یہی یونان کا وہ تاریخی اور مذہبی نامور تھا جس کے حالات سکندر ایلیڈ میں بار بار پڑھتا رہا تھا۔ اور جس کے کارناموں کو اُس نے اپنے لیے عمدہ نظیریں قرار دے رکھا تھا۔ یہاں اُس نے ایچلیز کی قبر پہ چڑھاوے چڑھائے۔ اپنی ڈھال بھی وہاں چڑھا دی۔ وہاں کی ایک ڈھال جو دیوار پر آویزاں تھی اُتار لی اور آگے روانہ ہوا۔

شہر غرانوق کے میدان میں دارا کے لشکر سے اُس سے پہلی لڑائی ہوئی۔ جس میں اُس نے لشکر عجم کو شکست دی اور گرد و نواح کے علاقوں پر قابض و متصرف ہو گیا۔ اسی نواح میں پرانا شہر "گوڈیم" تھا جو فریجیہ کے علاقے میں تھا۔ یہاں کے ایک اگلے نامور بادشاہ گورڈیوس نے ایک گرہ لگا رکھی تھی جو کسی کے کھولے نہ کھلتی۔ اور مشہور ہو رہا تھا کہ "جس کسی نے اس گرہ کو کھول لیا اُس نے جانیے کہ ایشیا کو فتح کر لیا"۔ سکندر نے یہاں پہونچ کے اس گرہ کو اپنی تلوار سے کاٹ ڈالا۔ گویا یہ بتا دیا کہ میں ایشیا کو یوں فتح کروں گا۔

اب سکندر یہاں سے آگے بڑھ کے شہر تلیقیہ میں پہونچا۔ اور دریائے قِدنوس میں ایسے وقت نہایا جبکہ اُس کا پانی بہت گرم ہو رہا تھا۔ نہاتے ہی بخار چڑھ آیا۔ اور ایسا بیمار ہوا کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ حکیم فلپ اُس کا پرانا معالج تھا جو سفر میں ہمراہ رکاب تھا۔ اسی کا علاج شروع ہوا۔ اثنائے علاج میں سکندر کو اپنے ایک معتبر دوست "پارمے نو" کا ایک خط ملا جس میں لکھا تھا کہ "فلپ کا علاج ذرا سوچ سمجھ کے کیجیے گا۔ وہ دشمنوں سے ملا ہوا ہے اور اس بات کی رشوت لے چکا ہے کہ آپ کو زہر دے دیگا"۔ سکندر نے اس خط کو پاس رکھ لیا۔ اور جب فلپ ایک قوی الاثر دوا کا جام تیار کر کے لایا تو سکندر نے وہ خط فلپ کے ہاتھ میں دیا کہ اسے پڑھ لیجیے۔ اور دوا کا کٹورہ اُس کے ہاتھ سے لے کے منہ سے لگا لیا۔ فلپ نے خط پڑھ کے نظر اُٹھائی تو سکندر دوا پی چکا تھا۔ دیکھتے ہی دنگ رہ گیا۔ اس واقعے کا حکیم فلپ اور سارے حاضرین کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ پھر اُسکے بعد جب سکندر کو صحت حاصل ہوئی تو فلپ کو بہت کچھ انعام دیا اور اُس کی عزت

عزت افزائی کی۔

اب دارائے عجم کا زبردست لشکر قریب آگیا تھا۔ شہر اِسوس کے قریب ۳۳۳ قبل مسیح میں دوسری لڑائی ہوئی۔ دارا کے زیر علم بڑی بڑی زبردست اور بہادر قوموں کے سپاہی تھے مگر اقبال اُس کا ساتھ چھوڑ چکا تھا پھر شکست ہوئی۔ اور ایسی شکست کہ دارا تو اپنی جان بچا کے بیابانی وادیوں میں بھاگ گیا مگر اُس کا خزانہ مال و دولت اور ساز و سامان سب اونانی فاتح کے ہاتھ لگا بہت سے ایرانی اسیر ہوئے جن میں دارائے عجم کی ماں۔ بی بی۔ اور بچے بھی تھے ان شاہی گھرانے کے معزز اسیروں کے ساتھ اُس نے ایسا شریفانہ برتاؤ کیا کہ دارائے ایران کی ماں کو سکندر کی سعادتمندیوں کے سامنے اپنا پیٹ کا بیٹا بھول گیا۔ اور سکندر کو وہ اپنے بیٹے سے زیادہ سمجھنے لگی غرض کہ ان محترم و معزز اسیروں کے ساتھ اُس کا برتاؤ دنیا میں شریفانہ نفسی فیاضی۔ اور اخلاقی تہذیب کا اعلیٰ ترین نمونہ خیال کیا جاتا ہے

اس فتح کے نتیجے میں ممالک فینیقیہ۔ دمشق اور چند دیگر ممالک اسکے زیر فرمان ہوگئے۔ اب چونکہ دارا کی طرف سے کسی تازہ فوج کے آنے کی امید نہ تھی اسلیے اُس نے شہر طائر یا سُور پر حملہ کیا۔ یہ لوگ دنیا کے اول درجے کے بہادر ان تھے۔ ساری دنیا کی تجارت اُن کے ہاتھ میں تھی۔ اور اپنی بحری قوت سے دولت عجم کو بہت بڑی مدد دیتے تھے۔ طائر والوں نے مقابلے کا سامان کیا۔ اور سکندر نے اُن کے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ جس میں کئی مہینے لگ گئے۔ یہ چھ مہینے کی مدت سکندر کی بیقرار طبیعت نے بڑی بیتابی کے ساتھ برداشت کی۔ اور اسی کا غصہ تھا کہ فتح کرتے ہی اہل شہر پر اُس نے ایسے وحشیانہ مظالم کیے جو اُسکی شان سے بعید تھے۔

پورے ملک شام پر قابض ہو جانے کے بعد اُس نے ارض یہود اور بیت مقدس کی طرف کوچ کیا جہاں بنی اسرائیل کی پرانی سلطنت باوجود کمزوری کے تقدس اور دینی آن بان کے ساتھ قائم تھی۔ یہود کے مقتدائے اعظم کو جو اُس زمانے کا نبی تھا الہام ہوا کہ شہر سے نکل کے سکندر کا استقبال کرنے۔ چنانچہ

سکندر کے قریب آپہونچنے کی خبر سنتے ہی وہ اپنا مقتدائی کا لباس پہن کے مذہبی جلوس کے ساتھ باہر نکلا۔ اس مقدس و محترم شخص کی صورت دیکھتے ہی سکندر بے اختیاری کے ساتھ تعظیم کے لیے جھکا۔ اور اس قدر جھکا کہ اسکے پہلے کبھی کسی کے سامنے نہیں جھکا تھا۔ یہ دیکھ کے اُس کے رفیق سفر پارمے نیو کو حیرت ہو گئی جسے نقش حیرت دیکھ کے سکندر نے کہا "اس مہم پر روانہ ہونے سے پہلے مقدونیہ میں میں نے انھیں مقدس بزرگ کو خواب میں دیکھا تھا جنھوں نے مجھے دعا کے ساتھ بشارت دی تھی کہ میں اپنی تمام مہموں میں کامیاب و فتحمند رہوں گا۔" سکندر یہ کہہ ہی رہا تھا کہ مقتدائے بنی اسرائیل نے توراۃ کھول کے حضرت دانیال کی پیشین گوئی سنائی کہ "ایک یونانی بادشاہ سلطنت عجم کو درہم برہم کر دے گا۔" ان باتوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ یہود کی حقانیت کا نقش سکندر کے دل پر جم گیا۔ چنانچہ شہر میں اور خاص حرم میں داخل ہو کے اُس نے اپنی طرف سے قربانی کی اور چڑھاوے چڑھائے۔

بیت المقدس سے بڑی بڑی آرزوؤں اور اُمیدوں کو دل میں لیے ہوئے مصر کی طرف روانہ ہوا۔ پہونچتے ہی اُس قدیم سرزمین کو بھی فتح کر کے اپنے زیر نگین کیا۔ یہاں اُس نے شہر اسکندریہ کو آباد کیا۔ پھر جوپیٹر آمون دیوتا کے مندر سے اپنے حق میں فال طلب کی۔ وہاں کے پوجاری نے اُس کا حوصلہ اور بڑھا دیا۔ یہی نہیں۔ اُس نے یہ بھی کہلا بھیجا کہ "آپ ہمارے دیوتا جوپیٹر کے فرزند دلبند ہیں" جس سے زیادہ خوش نصیبی کی کوئی سند ایک بت پرست بادشاہ کے لیے نہیں ہو سکتی تھی۔

اب دارا نے پھر ایک بڑا بھاری زبردست لشکر جمع کر لیا تھا جسے لے کے مقابلے پر روانہ ہوا تا کہ اپنی سلطنت کو یونانی فاتح کی دست برد سے بچائے۔ اسکی خبر سنتے ہی سکندر مصر سے چلا۔ اور جلد جلد کوچ کرتا ہوا اربلیہ (اربیل) میں پہونچا یہاں ۳۳۱ء قبل مسیح میں وہ دارا سے تیسری لڑائی لڑا۔ دارا نے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے مگر قسمت سے کون لڑ سکا ہے؟ اب کی بھی شکست ہوئی۔ اور ایسی شکست کہ ایران کے خاص شہروں اور دار السلطنتوں شوسا اور پرسی پولی (اصطخر)

پر بھی سکندر کا قبضہ ہو گیا۔

اس فتح کے بعد اصطخر کے ایوان شاہی میں وہ خوشی کے جشن منا رہا تھا اور مے تند کے نشے میں مست تھا کہ تھائس نام ایتھنز کی ایک پری جمال رنڈی سنے جو یونانی مذاق میں دلبری کے تمام فنون میں کامل اور اعلیٰ درجے کی معشوقہ تھی اور اس مہم میں سکندر کے ساتھ آئی تھی اُسے ایک ایسے کام پر آمادہ کر دیا جو نہ کرنے کا تھا۔ یونانیوں کے دلوں میں ایرانیوں کا بغض بھرا ہوا تھا۔ اور اپنی قدیم تباہیوں کو یاد کر کے کف افسوس ملا کرتے تھے۔ اس سنگدل حسینہ نے سکندر کو فتحمندی کے نشے کے ساتھ مے ارغوانی کے نشے میں بھی چور دیکھ کے یونان پر ایرانیوں کی دست درازیاں اور اہل یونان کی تباہیاں یاد دلائیں اور کہا "اس وقت موقع ہے کہ یونانی اپنا بدلہ لیں اور دار السلطنت عجم میں آگ لگا دی جائے"۔ نشے کے جوش میں سکندر نے اسی بات کا حکم دے دیا۔ اور اصطخر میں ہر طرف آگ لگا دی گئی۔ تمام عمارتوں پر شعلے بلند ہوئے۔ سارا شہر جل کے خاک سیاہ ہو گیا۔ اور اسی کے ساتھ ایران کا قدیم علمی ذخیرہ اور پارسی لٹریچر بھی خاک میں مل گیا۔

اب دارا سب طرف سے مایوس ہو کے باختر کی طرف بھاگا اور سکندر اُس کے تعاقب میں آگے بڑھتا چلا جاتا تھا کہ ناگہاں خبر آئی دارا کو اُس کے ایک معزز سردار اور معتمد علیہ درباری نے جس کا نام بسوس ہے دغابازی کے ساتھ مار ڈالا اور پارتھیا کے دشت میں اُس کی لاش خاک پر پڑی ہوئی ہے۔ یہ سُن کے سکندر کو نہایت افسوس اور بڑا صدمہ ہوا۔ نمک حرام اور دغاباز ایرانی بسوس کو فوراً گرفتار کرا کے قتل کر ڈالا۔ اور خود دارا کی لاش پر دوڑا گیا۔ تاجدار عجم کی بے کفن لاش کو کمال بیکسی کی حالت میں خاک و خون میں لتھڑا اور زمین پر پڑا دیکھ کے اُسے نہایت عبرت ہوئی دنیا کی بے ثباتی کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ فوراً اپنی عبا اُتار کے اُس کی لاش پر ڈال دی۔ چند آنسو بہائے۔ اور حکم دیا کہ دارا کی لاش اصطخر میں لیجا کے نہایت شان و شوکت اور تزک و احتشام کے ساتھ اسکے آبائی دخمے میں رکھی جائے جس پر پورا پورا عمل کیا گیا۔

اب سکندر کے سامنے فتح کرنے کے لیے کوئی ملک نہین باقی تھا - کیونکہ یہان سے آگے مشرق کی طرف اس زمانے سے پہلے نہ کبھی کسی تاجدار عجم نے قدم اُٹھایا تھا - اور نہ کسی مغربی فرمان روا کو اس کا حوصلہ ہوا تھا مگر اتنی فتحون کے حاصل ہوتے سے فتحمندی کا شوق سکندر کی طبیعت ثانوی بن گیا تھا - چنانچہ پہلے تو اُسنے تمام اضلاع وممالک ایران کو اپنے زیر نگین کیا - اور جب اور کوئی میدان حوصلہ مندی کا جوش دکھانے کے لیے نہین باقی رہا تو ہندوستان پر چڑھائی کرنے کی تیاریان کر دین -

۳۲۶ قبل مسیح کے آغاز ہی مین وہ دریاے اٹک کے پار اُترا - اور خیال کیا جاتا ہے کہ جس مقام پر وہ اس دریا سے پار ہوا ہے وہ موجودہ شہر اٹک کے کہین قریب ہی تھا - اٹک کے اس پار آتے ہی وہ اُس سرزمین مین تھا جو فی الحال پنجاب کہلاتی ہے - یہان دریاے جہیلم کے کنارے اُس سے راجہ پورس سے لڑائی ہوئی جو اُس کے مقابلے کو بڑا زبردست لشکر لے کے آیا تھا جس مین ہاتھی بھی تھے - مگر سکندر کے کار آزمودہ اور صدہا میدانون کا مزہ چکھے ہوے سپاہیون سے لڑنا آسان نہ تھا - راجہ کو ایسی شکست ہوئی کہ گرفتار کر کے سکندر کے سامنے لا کے کھڑا کر دیا گیا - مگر وہ ایسی شجاعت سے لڑا تھا اور لڑائی مین اُس سے ایسے شریفانہ افعال ظاہر ہوے تھے کہ سکندر اُس کے حال پر مہربان ہو گیا - اور اُس سے مل کے بہت خوش ہوا - یا یون کہیے کہ اِس مُلک مین سکندر کی پالیسی ہی یہ قرار پائی کہ کسی ایک کو اپنا دوست بنالے - غرض خلعت و انعام کے ساتھ اُس کا ملک واپس کیا - اور کوشش کی کہ اُسکی قلمرو کو اور وسیع کر دے -

راجہ پورس سے دوستی کر کے سکندر آگے بڑھا - اور دریاے چناب کے کنارے پہونچا - اس کے بعد دریاے چناب اور دریاے راوی کے درمیان اُسے ایسا اُوسر علاقہ ملا جس کے طے کرنے مین اُسے کسی قدر دشواریان پیش آئین - یہین اُسے ایک قوم سے مقابلہ کرنا پڑا جس کا نام یونانی مورخین "کتھائی" بتاتے ہین - غالبًا یہ جاٹ لوگ تھے جن کی اصلیت کا تبت و خطا مین پتہ چلا ہے - اور کیا عجب کہ اُس قدیم زمانے مین اپنے اصلی وطن کی نسبت سے خطائی کہے جاتے ہون سکندر

نے اُنہیں بھی شکست دی۔ اور اُن کا ملک اُن سے چھین کے اپنے دوست راجہ پورس کو دے دیا۔

اس مہم کے بعد راوی کے پار اُتر کے دریاے ستلج کے کنارے آپہونچا۔ جہاں سے قدم آگے بڑھاتا تو وہ ہی گنگا کے علاقے مین داخل ہوجاتا۔ مگر اُسکی فوج مصائب سفر سے تنگ آگئی تھی جس کے انکار نے سکندر کی اُلوالعزمی کی باگ ہیین پر روک دی۔ مجبوراً واپسی کا ارادہ کرکے اپنے فتوحات کی یادگار مین یہان اُسنے بارہ برُج تعمیر کرائے۔ اور پنجاب کا جتنا ملک فتح کیا سب راجہ پورس کے حوالے کردیا۔

واپسی کے وقت اُس نے کشتیون کا ایک بیڑہ بنوایا۔ اور اپنے ایک افسر نیارچوس کو اپنا امیر البحر مقرر کرکے ان کشتیون کو اُس کے زیر کمان سمندر کی طرف روانہ کیا۔ اور خود بھی جنوب کی راہ لی۔ یہان راستے مین اس سے ایک دوسری بہادر قوم سے مقابلہ ہوا جو ”ملی“ کے نام سے مشہور تھی ان لوگون کے شہر کا جو یقیناً موجودہ ملتان تھا اُس نے محاصرہ کرلیا۔ اور بڑی سختی سے دھاوا کیا۔ یہ لڑائی اُس کی زندگی کی تمام مہمون سے زیادہ سخت تھی۔ جس مین اُس سے ایسی شجاعت ہوئی جیسی کہ کبھی نہین ظاہر ہوئی تھی۔ اور زخمی بھی ایسا ہوا کہ زندگی بھر نہین ہوا تھا۔ سچ یہ ہے کہ قضا کے چنگل سے بیجان ہوکے چھوٹا۔ اور موت کے مُنہ سے پھرا۔ مگر اقبال اب بھی رکاب تھامے ہوے تھا۔ آخر ملی لوگون کو شکست ہوئی اور وہ ملتان کو فتح کرکے سندھ کے انتہائی حدود پہ پہونچا۔

یہان سے اُس نے بیڑے کو تو کنارے ہی کنارے خلیج فارس کی طرف روانہ کیا۔ اور خود خشکی کے راستے سے مکران ہوتا ہوا مغرب کی طرف چلا۔ اس بے آب وگیاہ ملک کے سفر مین اُسے ایسی سخت دشواریان پیش آئین کہ کبھی نہین پیش آئی تھین۔ اکثر منزلون مین وہ اور اُس کا سارا لشکر ایک ایک قطرۂ آب کو ترس گیا۔ آخر بھوک پیاس کی تکلیفین برداشت کرتا خدا خدا کرکے ارض فارس مین پہونچا۔ جہان ہر قسم کا سامان راحت مہیا تھا۔ دار السلطنت سُوسا مین پہونچ کے اُس نے ایک عظیم الشان دربار کیا۔ جس مین اپنے اعلیٰ ترین اوج وعروج

کی آخری تصویر اپنی آنکھون سے دیکھ لی - اور نظر آیا کہ ساری دُنیا اُسکے علم اقبال کے آگے سر نیاز جھکانے ہے -

اس دربار کے بعد سُوسا سے روانہ ہوکے بابل مین پہونچا - یہان ایک قسم کی سمّی ہوا چلا کرتی تھی جس کے اثر سے لوگ بمشکل جان بر ہو سکتے تھے - سکندر کو بابل پہونچے ہوئے چند ہفتے ہوئے تھے کہ اُس سمّی ہوا کا شکار ہوا - شدت سے بخار چڑھ آیا - جسے میخواری کی کثرت نے اور بڑھا دیا - اطبائے حاذق نے کوئی تدبیر اُٹھا نہین رکھی - مگر کوئی دوا کارگر نہ ہوئی - اور آخر ۳۲۳ قبل مسیح مین یہین راہی عدم ہوا جب کہ اُس کی عمر ۳۳ برس کی تھی - ۱۲ برس کی حکومت مین اُس نے جو کچھ کر لیا بڑی بڑی قومین صدیون مین نہین کر سکی ہین - اگر زیادہ جیتا تو خدا جانے کیا کرتا -

نزع کے عالم مین وصیت کر دی تھی کہ میری لاش میرے بسائے ہوے شہر اسکندریہ مین لیجا کے دفن کی جائے - چنانچہ جنازہ بڑے اہتمام کے ساتھ مصر کی طرف روانہ کیا گیا - اور اسکندریہ مین پہونچتے ہی بطلیوس لاغوس نے جو مملکت مصر مین سکندر کی حکومت کا جانشین قرار پایا تھا ایک سونے کے تابوت مین رکھ کے اُسے آغوش لحد کے سپرد کیا - ایک مدت کے بعد بطلیوس کی نسل کے کسی جانشین نے سکندر کی ہڈیان اُس طلائی تابوت مین سے نکال کے ایک شیشے کے تابوت مین رکھین اور وہ طلائی تابوت اپنے قبضے مین کیا -

سکندر کی چار بیبیان تھین - اور اُن کے نامون اور حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چارون عجمیہ اور ایرانی نژاد تھین - پہلی "بارسینا" جو "ارطابازیس" کی بیٹی تھی - اُس کے باپ کا نام بول رہا ہے کہ کوئی ایرانی النسل رئیس تھا - دوسری "روشنا" جو عجمیہ شاہزادی تھی اور اُسی کے بطن سے اُس کا بیٹا سکندر پیدا ہوا تھا - جسے کسانڈر نے جو مقدونیہ و یونان مین سکندر کا وارث بنا تھا اُسکی مان کے نہایت دغابازی اور کور نمکی سے مار ڈالا - تیسری "پری ساتیس" (پری زاد) جو ارتازیرس (اردشیر) کی بیٹی تھی - اور چوتھی شاتیرا جو آخری تاجدار عجم قدانوس کی بیٹی تھی -

سکندر کے واقعات اور اُس کی اخلاقی حالت کو دیکھیے تو عجیب متضاد باتین نظر آتی ہین - بعض موقعون پر وہ بڑا رحمدل اور بعض موقعون پر سخت ظالم ثابت ہوتا ہے - آخر مین اُس کی سرشت مین سے یونانی سادگی بالکل جاتی رہی تھی - ایرانی دربار اور امرائے عجم کی خوشامدون نے اُسے باور کرایا کہ مین دنیا کا سب سے بڑا شہنشاہ ہون - یونانیون نے اُسی کے اصرار سے اُس کو دیوتاؤن کی فہرست مین درج کر لیا - اور خود اُس کو بھی یقین آگیا کہ مین انسان نہین دیوتا ہون شراب بہت کثرت سے پینے لگا تھا اور اکثر پیتے پیتے اس قدر بدمست ہو جاتا کہ نہ اپنے نیک و بد کی خبر رہتی اور نہ اپنے پرائے کا امتیاز باقی رہتا - اسی نشے مین ایک یونانی رنڈی کے کہنے سے اُس نے ایران کے قدیم دارالسلطنت اصطخر مین آگ لگوا دی - اور سارا مشرقی لٹریچر فنا کر دیا - اور اسی نشے مین ایک دن اپنے جانی دوست فلیطوس کو خود ہی چھریان بھونک کے مار ڈالا اور جب ہوش مین آیا تو اپنے کیے پر بہت پچھتایا -

لیکن اُس کے ساتھ لائق اور کام کے آدمیون کا بڑا قدردان اور علم و فن کا بڑا مربی تھا - ہمیشہ اُس کے دربار اور اُس کی صحبت مین بڑے بڑے عالمون فاضلون - فلسفیون - حکیمون اور خیال آفرین شاعرون کا مجمع رہا -

یہ تھا وہ سکندر جو ہمارے لٹریچر مین مشہور ہے - مگر ہمین افسوس ہے کہ اپنے شعرا کے خیال کے مطابق نہ ہم اُسے حضرت خضر سے ملا سکے نہ اُسکو چشمۂ آبحیات کی تلاش مین ارض ظلمات مین سرگردان پھرا سکے - اور نہ اُس کے ہاتھ سے سد سکندری کو تعمیر کرا سکے -

الپ ارسلان

زوال مین عروج کی داستان اچھی نہین معلوم ہوتی - لوگ کہتے ہین کہ مرثیے کے محل پر قصیدۂ تہنیت سنانا بالکل بے محل ہے - مگر صاحبو - آخر کسی طرح ہم اپنے دل کو تسلی بھی تو دیا چاہین - سچ یہ ہے کہ غم مین خوشی کو یاد کر کے تسکین ہوتی ہے - اور خوشی مین غم کو پیش نظر کرنے سے خمار عشرت اُتر جاتا ہے - اس سے پہلے

کہا جاتا تھا کہ سلف کی یاد تازہ کر کے خلف میں اولوالعزمی و ہمت کا جوش پیدا کرنا چاہیے - مگر اب تو وہ عالم ہے کہ بقول مولانا حالی کے ع "اب خوف ہے دست سے دلون مین نہ رہا ہے" حوصلہ دلانا کیسا؟ اور ہمت بندھانی کیسی؟ اب تو فقط اپنے ظلمتکدۂ غم مین عیش دوشین کی یاد کا چراغ جلانا ہے - اور دل جو موجودہ مصائب و آلام کی چھریون سے صد چاک ہوگیا ہے اس پر اس خیال کا مرہم رکھنا ہے کہ آج اگر ہم تباہ ہین تو کیا ہوا کبھی ہم بڑے اقبالمند تھے -

عربون کے دَور کے ختم ہونے کے بعد جن بیرونی نامورانِ اسلام پر ہمین ناز ہے اُن مین ایک سلطان "الپ ارسلان" ہے - اُس کا اصلی نام محمد بن جعفر بیگ داؤد بن میکائیل بن سلجوق تھا - ابوشجاع کنیت تھی - عضدالدولہ الپ ارسلان لقب تھا - اور تاجدارانِ آل سلجوق مین سے دوسرا فرمان روا تھا -

اس موقع پر ضرورت ہے کہ ہم سلجوقیون کی اصلیت مختصر الفاظ مین بیان کردین - بخارا سے ۲۰ میل کی مسافت پر ترکون کا ایک گروہ رہتا تھا جس کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی - وہ سب ترکی الاصل تھے - اور اپنے مقام پر قوت پکڑتے جاتے تھے - اُن کا سرغنا سلجوق کی نسل سے تھا جس کے نام کی وہ سب عزت کرتے اور اُسی کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے تھے - حملہ آور اُن سے پیش نہ پاتے اس لیے کہ جہان تک بتا دہ دشمن سے لڑتے اور جب یون زور نہ چلتا تو بھاگ کے بالو کے تودون مین چھپ جاتے اور کوئی تعاقب نہ کر سکتا - سلطان محمود غزنوی کو سارے ملتان اور خراسان پر مسلط ہونے کے بعد اُن لوگون کا حال معلوم ہوا اور فوجکشی کر کے اُنھین شکستین دین - اخیر اس نے بعد استمالت کے ذریعے سے اُن کے سردار کو اپنے پاس بلا کے گرفتار کر لیا - اور کسی ایسے قلعے مین رکھا جہان سے اُسے رہائی نہ نصیب ہوئی - اس کے بعد وزرا سے مشورہ کیا کہ سلجوقیون کا سردار تو پکڑ لیا گیا اب اس قوم کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ کسی نے کہا یہ سب دریاے جیحون مین غرق کر دیے جائین - کسی نے کہا پکڑ پکڑ کے ان کے ہاتھون کے انگوٹھے کاٹ ڈالے جائین تاکہ نہ وہ تیر کمان چلانے کے قابل رہین اور نہ کسی اور ہتھیار سے کام لے سکین - کسی نے رائے دی کہ انگو

دریائے جیحون کے اس پار علاقۂ خراسان میں مختلف جگہ آباد کرکے متمدن بنایا جائے تاکہ اُن کا جتھا ٹوٹ جائے اور اُن کی متحدہ قوت نہ باقی رہے۔ اور یون کمزور کرکے اُن پر سرکاری خراج مقرر کردیا جائے۔ اسی آخری مسئلے کو سلطان محمود نے پسند کیا اور اسی پر عمل ہوا۔ سلجوق لوگ بھی محمود غزنوی کے اسلحہ سے مغلوب ہوکے ایسے پریشان ہو چکے تھے کہ فوراً راضی ہوگئے۔

چند روز بعد خراسان کے حکام نے اُن پر دست تعدی دراز کیا۔ اور وہ ایسی بے رحمی کے ساتھ ستائے جانے لگے کہ اُن کے دو ہزار رقاماں خراسان سے جلا وطن ہو کے مکران میں پہونچے جہان آل بویہ کی حکومت تھی وہان کے حکمران نے اُن لوگون کو اپنی فوج میں بھرتی کرلیا۔ لیکن ان لوگون کے پہونچنے کے چندرہ ہی دن بعد حاکم مکران مرگیا۔ اور یہ لوگ یہان سے بھی کوچ کرکے دیلم اور آذربائیجان میں پہونچے۔ جہان یہ اپنے مخالفون پر غلبہ پانے لگے۔ اپنی قوم والون کا یہ عروج سُن کے طغرل بگیب جو اب وطن میں اُن کا اصلی سردار تھا جیحون اُتر کے خراسان میں آیا۔ اور آتے ہی پہلے شہر طوس پر قابض ہوگیا۔ اور یہی پہلا شہر ہے جس پر سلجوقیون کا تسلط ہوا۔ اب طغرل بگیب کا کوکب اقبال روز بروز زیادہ چمکتا گیا۔ یہان تک کہ ۴۴۷ھ میں علاقۂ خراسان سے عراق تک سارا ملک اُس کے زیر نگین تھا۔ دیلمیون کا اُنھون نے خاتمہ کردیا۔ اور حوصلہ یہان تک بڑھا کہ خلیفۂ بغداد القائم بامر اللہ کو اُس کی بیٹی کا پیام دیا۔ اب خلافت بغداد برائے نام تھی۔ صرف مذہبی مقتدائی کا تاج خلفا کے سرون پر رہ گیا تھا۔ جس کی وجہ سے سکہ اور خطبہ اُن کے نام کا تھا اور وہ دنیا میں امام و خلیفۂ اسلام مانے جاتے تھے۔ قائم بامر اللہ کو طغرل بگ کا پیام نہایت ناگوار ہوا۔ مگر مجال انکار نہ تھی۔ جبراً و قہراً قبول کیا۔ مگر اُسکے ساتھ ہی خلیفہ اور خاندان خلافت کی اتنی وقعت تھی کہ سلطان کی جانب سے ایک لاکھ اشرفیان جوڑے کے بابت بھیجی گئین۔ پھر شب زفاف میں جب طغرل بگ حجلۂ عروسی میں گیا تو دیکھا کہ عباسیہ شاہزادی سونے کا لباس پہنے تخت پر بیٹھی ہے۔ سلطان سامنے جاتے ہی آداب شاہی بجا لایا۔ زمین بوس

ہوا - لاکھون روپے کا سامان نذرانے مین پیش کیا - اور بغیر اس کے کہ اُس کے پنڈے مین ہاتھ لگائے یا گھونگھٹ کھولے واپس چلا آیا -

سلطان طغرل بیگ بہترین سلاطین اسلام مین شمار کیا جاتا ہے - نہایت بُردبار - فیاض - اور پابند صوم وصلوٰۃ تھا - ہر دوشنبے اور جمعرات کو روزہ رکھتا - کثرت سے خیرات کرتا - مسجدین تعمیر کراتا - اور اکثر کہا کرتا کہ جب مین اپنے لیے کوئی عمارت بنواتا ہون تو جب تک اُس کے متصل کوئی مسجد نہین بنوا لیتا مجھے خدا سے شرم آتی ہے "

یہی پہلا اسلامی بادشاہ ہے جس نے ملکۂ روم تھیوڈورا[۵] کے پاس سفارت بھیج کے قسطنطنیہ کے صدیون پہلے وہان مسلمان بسائے - نماز جمعہ قائم کرائی - اور خلیفۂ بغداد کا خطبہ پڑھوانا شروع کیا - کیونکہ اس سے پہلے اُس مسجدین مسلمان نماز جمعہ پڑھنے کے مجاز نہ تھے - آخر ۴۵۵ھ مین طغرل بیگ مر گیا جو کہ آلِ سلجوق کا پہلا تاجدار تھا -

طغرل بیگ چونکہ لاولد مرا تھا اس لیے مرتے وقت اپنے بھتیجے سلیمان کو ولیعہد قرار دے گیا - سلیمان نالائق تھا اور حکمرانی کی صلاحیت نہین رکھتا تھا مگر طغرل بیگ نے چونکہ بھائی کے مرنے کے بعد اُس کی مان سے عقد کر لیا تھا اُس کی طرفداری کی - سلیمان کی تخت نشینی کی خبر سنتے ہی اُس کا بھائی محمد ابن جعفر بیگ جو خاندان سلجوق کے تمام لوگون مین زیادہ قابل اور شجاع تھا اپنی فوج لے کر اُٹھ کھڑا ہوا اور تخت شاہی سے سلیمان کو ڈھکیل کے خود صاحب تاج و دیہیم ہو گیا - جسے اُس کی شجاعت اور بہادری کی وجہ سے لوگ الپ ارسلان (بہادر شیر ببر) کے لقب سے یاد کرنے لگے -

سلطنت حاصل کرتے ہی الپ ارسلان نے بڑی آن بان اور شان و شوکت سے فرمان روائی شروع کی - اپنی قلمرو کو روز بروز وسیع کرنے لگا - جن ممالک کو اس وقت تک طغرل بیگ نہین فتح کر سکا تھا اُس نے وہ بھی فتح کر لیے - اور ملک شام پر چڑھائی کر دی - یہان تک کہ تمام شہرون کو فتح کرتا ہوا شہر حلب پر پہنچا

[۵] یہ قیصرہ ۱۰۴۲ء اور ۱۰۵۵ء مین قسطنطنیہ کے سریر شاہنشاہی پر جلوہ افروز تھی -

اور آس کا محاصرہ کرلیا۔ قلعدار حلب محمود بن نصر بن صالح بن مرداس کلابی جو عربی النسل تھا ایک مدت تک لڑتا رہا۔ اور آخر اُس نے مجبور ہو کے اطاعت قبول کرلی۔ لیکن ارادہ کیا کہ اپنے قلعے ہی میں رہے اور فاتح کو منھ نہ دکھائے الپ ارسلان نے کہلا بھیجا "یہ سخت ضروری اور لازم ہے کہ تمھارے قدم میرے فرش پر آئیں"۔ آخر اُس کے اصرار پر محمود ایک رات کو آیا۔ اور اُسکی ماں بھی اُس کے ساتھ تھی۔ الپ ارسلان نے دونوں کی بڑی قدر و منزلت کی بہت عزت سے اپنا مہمان کیا۔ اور خلعت و انعام دے کے رخصت کیا۔

کہتے ہیں کہ الپ ارسلان ہی پہلا ترکی فرمان روا تھا جس نے دریاے فرات سے اُتر کے مغربی ممالک ایشیا پر قبضہ کیا۔ اور اب ایشیا کا بہترین علاقہ اُسکے زیر فرمان اور خراسان سے اناطولیا تک سارا ملک اُسکے زیر نگین تھا۔

ایشیاے کوچک میں جب اُس کی عظمت و شوکت بڑھی تو یونانی شہنشاہان روم کو جن کا دارالسلطنت قسطنطنیہ تھا اندیشہ ہوا اور شہنشاہ رومانوس دیوجانس نے جوش میں آکے الپ ارسلان سے لڑائی ٹھان دی۔ ابتداءً تو طغرل بیگ کو خفیف سی شکستیں ہوئیں۔ مگر آخر میں اُس نے رومانوس کو ایک ایسی زبردست شکست دی کہ سارا رومی لشکر تباہ ہو گیا۔ اور خود رومانوس سلمانوں کے ہاتھ میں اسیر تھا۔ جب رومانوس پابزنجیر لا کے الپ ارسلان کے سامنے کھڑا کیا گیا تو سلطان نے کہا "کہو اب تم مجھ سے کیسے سلوک کی توقع رکھتے ہو؟ رومانوس نے کہا "اگر تم ظلم پسند کرتے ہو تو مجھے قتل کر ڈالوگے۔ اگر تمھارے مزاج میں غرور و تکبر اور نخوت و تمکنت ہے تو مجھے گھوڑوں کی طرح جوت کے مجھ سے اپنی گاڑی کھنچواؤگے۔ اور اگر تم کو خدا نے عقل دی ہے تو مجھ سے فدیے کے طریق پر کچھ روپیہ وصول کرکے مجھے چھوڑ دوگے تاکہ اپنے ملک میں واپس چلا جاؤں"۔ یہ جواب سُن کے الپ ارسلان نے کہا "اچھا بتاؤ کہ اگر یونہیں گرفتار کرکے میں تمھارے سامنے لایا جاتا تو تم میرے ساتھ کیا سلوک کرتے؟" رومانوس بولا "آپ جھوٹ کیوں کہوں؟ میں تو تمھیں کوڑوں سے خوب پٹواتا"۔ مقید شہنشاہ کی

ع‌ه یہ تاجدار ۱۰۶۸ء سے ۱۰۷۱ء تک قسطنطنیہ کا شہنشاہ رہا۔

اس آزادی اور دلیرانہ جواب پر الپ ارسلان پھڑک اٹھا۔ بجائے برہم ہونے کے خوش ہوا۔ اور کہا "تم جو چاہے کہتے۔ مین تو وہ کام نہ کرون گا جو مجھے ناپسند ہو۔ مین اپنے دشمن پر بھی ظلم و جور نہ کرون گا" یہ کہ کے اُس نے روما نوس کے لیے فدیے کی ایک رقم مشخص کر دی۔ سالانہ تین ہزار اشرفیان اُس پر خراج مقرر کین اور یہ شرطین بھی لگائین کہ جتنے مسلمان مسیحیون کے ہاتھ مین اسیر ہون آزاد کر دیے جائین۔ اور تم اپنی بیٹی میرے نکاح مین دو تاکہ ہم مین تم مین رشتۂ یگانگت و اتحاد قائم ہو جائے" رومانوس نے سب شرطین قبول کین اور آزادی حاصل کر کے قسطنطنیہ مین واپس گیا۔ جس کے بعد اُس کی ایک بیٹی الپ ارسلان کے عقد مین آئی اور تمام مسلمان اسیرون کو رہائی نصیب ہوئی۔

اب سلطان الپ ارسلان کے سطوت و جبروت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اُسکے تخت کے گرد بارہ سو فرمان روا اور شاہزادے دست بستہ کھڑے ہوتے اور اسکے زیر علم دو لاکھ سوارون کا لشکر جرار تھا۔ لیکن انسان کا دل کبھی دنیا سے سیر نہین ہوتا۔ چنانچہ اُسے خیال ہوا کہ اپنے آبائی وطن کو بھی اپنا مطیع و منقاد بنائے اسلیے کہ اسے اور اسکے چچا کو سلطنت خراسان مین پا کے عزت حاصل ہوئی تھی جسکے بعد دونون اول سے آخر تک ایران اور ایشیاے کوچک ہی مین اپنی قلمرو کو وسیع کرتے رہے تھے۔ الغرض ترکستان مین تسلط قائم کرنے کے لیے وہ خراسان ہوتا ہوا مرو مین پہونچا۔ آگے بڑھ کے دریاے جیحون پر پُل باندھا۔ اور ایک مہینے تک اُس کا لشکر اُس پل پر سے عبور کرتا رہا۔

جیحون کے اُس پار دریا کنارے فربر نام ایک گانون تھا جس کا قلعہ اُس عہد کے لحاظ سے نہایت ہی زبردست اور ناقابل فتح خیال کیا جاتا تھا۔ وہان کے قلعہ دار سے جو یوسف خوارزمی کہلاتا تھا سرکشی ظاہر ہوئی تھی۔ اور الپ ارسلان اُس کے طرز عمل سے نہایت برافروختہ تھا۔ جس کی پاداش مین یوسف خوارزمی مفتوح و مقہور ہوا۔ اور لوگ اُسے گرفتار کر کے اور زنجیرون مین جکڑ کے سلطان کے سامنے لائے۔ وہ ابھی نہین آچکا تھا کہ الپ ارسلان نے زمین مین چار میخین خوب مضبوطی سے گڑوا دیئین۔ اور کہا "یوسف خوارزمی کو انھین مین کھینچ کر کے

پہلے طرح طرح کے عذاب دوں گا اور پھر قتل کروں گا۔" یوسف خوارزمی نے گوکہ پا بزنجیر آیا تھا یہاں دربار میں اپنی سزایابی کا یہ سامان دیکھا تو کہا "مجھ سے دعوٰی شخص کے ساتھ یہ برتاؤ؟" اُس کا یہ جملہ سن کے الپ ارسلان کو غصہ آگیا نہایت طیش کے ساتھ لوگوں سے کہا "اس کی زنجیریں کھول دو" اور جیسے ہی اُس کے ہاتھ پاؤں کھولے گئے کمان اُٹھا کے ایک تیر جوڑا اور تخت پر بیٹھے ہی بیٹھے نشانہ باندھ کے پھینکا کہ ترازو ہو جائے۔ اور مجرم اپنی جگہ سے ہل کے پانی نہ پیے۔ الپ ارسلان کو اپنی قادر اندازی پر دعوے تھا۔ مگر اتفاقاً تیر نشانہ خطا کر گیا۔ الپ ارسلان کو اس پر اور طیش آیا۔ غصے میں بھرا ہوا اُٹھا اور جھپٹ کے ارادہ کیا کہ تلوار کے ایک وار سے اُس کا کام تمام کر دے۔ مگر پاؤں کو ٹھوکر لگی اور تخت کے اُوپر سے اُترتے ہی اوندھے منہ زمین پر گر پڑا۔ یوسف خوارزمی کو موقع مل گیا ہاتھ پاؤں کھلے ہوئے تو تھے ہی جھپٹ کے دوڑا اور سلطان کی ناف کے نیچے چھری بھونک دی۔ اور تمام اہل دربار منہ دیکھتے رہ گئے۔ مگر ایک ارمنی فراش نے جو سلطان کے ہمراہیوں میں سے تھا حق نمک ادا کر دیا بڑھ کے یوسف کے سر پر ایک ایسے زبردست حربے سے وار کیا کہ اُسی جگہ ڈھیر ہو کے رہ گیا۔

قاتل تو مارا گیا مگر الپ ارسلان پر بھی ایسا کاری وار پڑا تھا کہ جانبر ہونے کی اُمید نہ تھی۔ لوگ اُسے خیمے میں اُٹھا لے گئے۔ ۶۔ ربیع الاول ۴۶۵ھ مطابق ۱۰۷۲ء کو وہ زخمی ہوا تھا۔ اور اُسکے پانچویں دن یوم دوشنبہ ۱۰۔ ربیع الاول کو واصل بحق ہوا۔ جب اُسے یقین ہوگیا کہ اب زندگی کی کوئی امید نہیں تو اپنے بیٹے ملک شاہ کے لیے ولیعہدی کی وصیت کی۔ جو اُسکے بعد دولت سلجوقیہ کا تیسرا اقبالمند جانشین ہوا۔ الپ ارسلان ۴۲۴ھ مطابق ۱۰۳۰ء میں پیدا ہوا۔ ۹ سال چند مہینے حکومت کی۔ اور صرف ۴۲ سال کی عمر پائی۔ وفات کے بعد لوگ اُس کی لاش کو مرو میں لے گئے۔ اور اُس کے چچا طغرل بیگ اور باپ داؤد کی قبروں کے پاس اُسے بھی آغوش لحد کے سپرد کیا۔

الپ ارسلان بھی چچا کی طرح بڑا دیندار بادشاہ تھا۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کوفی کے

رحمہ اللہ کے مزار پر انوار پر اُسی نے عالیشان مقبرہ اور گنبد تعمیر کرایا ہے جیسے متصل
اُس نے ایک مدرسہ بھی قائم کیا۔ اور اُس کی تعمیر اور انتظامات مین بہت کچھ
دولت خرچ کی۔ یہ عجیب بات ہے کہ اگرچہ بغداد اُسکے زیر حکومت تھا اور اُسکی
آبادی مین اُس نے عمارتین بنوائی تھین مدرسہ جاری کیا تھا مگر خود اُسے
کبھی اُس بارونق شہر مین جانا اور وہان کی سیر کرنا نہین نصیب ہوا۔

ابوالاسود دُوٴلی

(۱)

عربی نحو و صرف ساری دنیا مین پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔ مگر یہ شاید کم لوگون
کو معلوم ہوگا کہ اسکے موجد اور بانی ابوالاسود دُوٴلی تھے۔ ابوالاسود کنیت ہے
جس سے وہ مشہور ہین۔ اصلی نام ظالم بن عمر بن سفیان۔ اور سلسلۂ نسب
گیارہوین پشت مین کنانہ بن خزیمہ سے مل جاتا ہے جو حضرت سرور کائنات صلعم کے
اجداد مین ہین۔ فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ کی نسل "قریش" کہلاتی ہے۔ اور یہ
دُوٴل بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ کی نسل سے ہین۔ اور اسی نسبت سے اُن کا قبیلہ
دُوٴلی کہلاتا تھا۔ جو لوگ اگرچہ قریشی نہ تھے مگر یکجدی ہونے کے باعث قریش کے بھائی مانے
جاتے تھے۔

علماے سلف مین سے ابوعبیدہ نے غلطی سے دعوٰی کیا کہ ابوالاسود صحابۂ
رسول اللہ مین شامل تھے اور غزوۂ بدر مین شریک تھے۔ مگر یہ قطعًا غلط ہے۔ دراصل
وہ معزز اور اعلیٰ درجے کے تابعین (صحابہ کی زیارت کرنے والون) مین شمار کیے
جاتے۔ اس مین شک نہین کہ وہ جناب رسول خدا صلعم کے عہد مبارک مین موجود
ہون گے۔ کیونکہ ہجرت سے سولہ برس پہلے پیدا ہوے تھے۔ اور آپ کی وفات
کے وقت ستائیس برس کے ہون گے۔ لیکن مدینہ مین آکے آستان بوس نبوت ہونے
کی عزت نہین حاصل ہونے پائی۔ مدینہ طیبہ مین ابوالاسود حضرت عمر فاروقؓ کے
زمانے مین آئے۔ اسوقت سے برابر حضرت عمرؓ کی خدمت مین اور پھر اُن کے بعد
حضرت علیؓ کی صحبت بابرکت مین رہے۔ چنانچہ ان دونون ائمۂ اسلام سے اُنھون نے

بکثرت روایتِ حدیث کی ہے اور بعض محدثین حضرت ابن عباس سے بھی روایت کی ہیں۔
ان کی لیاقت۔ قابلیت۔ اور نیک نفسی و اتقا کا اس قدر اثر خلفائے راشدین کے مبارک دلون پر تھا کہ حضرت عمر۔ حضرت عثمان اور حضرت علی نے انکو بعض ملکوں کا والی اور حاکم مقرر کیا۔
خود بیان کرتے ہین کہ جن دنون مین مدینۂ طیبہ مین آیا ہون بیماری کی شدت تھی اور لوگ کثرت سے مر رہے تھے۔ اس حالت مین حضرت عمرؓ کی خدمت مین حاضر ہوا۔ مین بیٹھا ہی تھا کہ اودھرسے ایک جنازہ گذرا اور لوگ میت کی خوبیان بیان کرنے لگے حضرت عمرؓ نے لوگون کی زبان سے اسکی تعریف سن کے کہا "وجبت" (واجب ہوگئی) پھر ایک دوسرا جنازہ گذرا جس کی شکایت لوگون کی زبان پر تھی۔ اب بھی وہی لفظ "وجبت" زبان سے نکالا۔ مین نے عرض کیا یا امیرالمومنین کون چیز واجب ہوگئی۔ فرمایا "ایسے موقعون پر جیسا رسول خدا صلعم نے فرمایا تھا ویسا ہی مین نے بھی کہدیا۔" پہلے کے لیے حضرت عمرؓ کی مراد جنت کا واجب ہونا تھا۔ اور دوسرے کے لیے دوزخ کا واجب ہونا۔ پھر ارشاد فرمایا حضرت سرور کائنات نے ایک بار فرمایا "جس مسلمان کے لیے چار آدمی نیکی کی گواہی دین اللہ اسے جنت مین داخل کرے گا۔" ہم لوگون نے عرض کیا" اور اگر تین آدمی نیکی کی گواہی دین؟ فرمایا تین کی گواہی سے بھی وہ جنتی ہوگا۔ عرض کیا اور اگر دو ہی مسلمان اسے نیک اور اچھا بتائین؟ فرمایا دو ہی سہی پھر اسکے بعد ایک مسلمان کی گواہی کی نسبت ہم نے سوال نہین کیا۔
ابوالاسود نے حضرت عمرؓ کی زبان فیض ترجمان سے خطبے بھی سُنے تھے۔ چنانچہ کہتے ہین ایک جمعے کو حضرت عمرؓ نے خطبے مین فرمایا حضرت رسول خدا صلعم کا ارشاد ہے کہ "قیامت تک میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ برسرِ حق اور منصور رہے گا۔"
لیکن اس کے بعد حضرت علی کی صحبت فیض نے ابوالاسود کو عالم و فاضل اور اپنے عہد کا اکمل شخص بنا دیا۔ چنانچہ امام نحو جاحظ کہتا ہے "ابوالاسود مسلمانون کے اعلیٰ طبقے مین شمار کیے جاتے تھے۔ اور تمام باتون مین اقران و معاصرین

سے ممتاز و افضل تھے۔ وہ تابعی تھے۔ فقیہ تھے۔ محدث تھے۔ شاعر تھے۔ شہسوار تھے۔ معزز درجے کے امیر اور دولتمند تھے۔ علم نحو مین۔ دانائی مین۔ حاضر جوابی مین۔ اور حضرت علیؓ کی طرفداری مین مشہور تھے۔ مگر ان صفات کے ساتھ انکے چند عیوب بھی لوگون مین بہت شہرت رکھتے تھے۔ ایک تو اُن کا بخل۔ دوسرے اُن کے مُنہ سے بُو کا آنا۔ اور تیسرے اُن کا لُنجا ہونا بھی لوگون مین ضرب المثل ہو گیا تھا۔

حضرت علیؓ ہی کا فیض صحبت تھا کہ جب عبداللہ بن عباس حضرت علی کی طرف سے والی بصرہ مقرر ہوگئے تو ابوالاسود وہان اُنکے کاتب اور منشی تھے جو خدمت کہ اُن دونون نائب کے ہم رتبہ تھی۔ ابن عباس سے حکومت بصرہ مین بعض بےاعتدالیان ہوئین۔ ابوالاسود چونکہ حضرت علیؓ کے سچے خیرخواہ اور دیندار بزرگ تھے نہ دیکھ سکے جناب علی مرتضیٰؓ کی خدمت مین ایک عریضہ بھیجا اور اُس مین لکھا "اللہ جل شانہ نے آپ کو امانت دار حاکم اور رعایا کا نگہبان بنایا ہے۔ ہم نے آپ کو خلیفہ بنا کے آزمایش مین ڈالا اور آپ سچے حامل بار خلافت ثابت ہوے۔ آپ رعایا کو اُنکے مفید صلاح دیتے ہین۔ اُن کی دولت کو بڑھاتے اور اُنکے سرمایۂ دنیوی سے اپنا ہاتھ روکتے ہین۔ نہ اُن سے روپیہ لیتے ہین اور نہ رشوت لیتے ہین۔ مگر آپ کے چچا زاد بھائی بغیر آپ کے علم کے اپنی ذمہ داریون مین تصرف کرتے ہین۔ اور مجھ سے چھپاتے نہین بنتا۔ لہذا اس امر مین غور فرمایئے اور مجھے اپنی مرضی سے مطلع کیجیے"۔ اسکے جواب مین حضرت علیؓ نے تحریر فرمایا "تم سا شخص حاکم اور رعایا دونون کے حق مین سچا مشیر اور حق پرست ہے۔ مین نے ابن عباس کو اس بارے مین لکھا ہے مگر تمھاری تحریر سے اُنھین مطلع نہین کیا۔ آیندہ اصلاح امت کے بارے مین جو کچھ واقعات پیش آئین اُن سے مجھے ضرور مطلع کرتے رہو۔ اس لیے کہ یہ تمھارا فرض ہے"۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے ابن عباس کو متنبہ کیا۔ ابن عباس نے جواب مین لکھا کہ "آپ کو جو اطلاع ملی ہے غلط ہے۔ اور مین آپ کے زیر فرمان رعایا کی پوری حفاظت کرتا ہون۔ لہذا بدگمانون کے قول کا اعتبار نہ کیجیے"۔ اسکے جواب مین حضرت علیؓ نے تحریر فرمایا "اچھا تو مجھے بتاؤ کہ تم نے کس قدر

جزیہ وصول کیا۔ اور کن کن لوگوں سے وصول کیا۔ اور تُم نے کن ابواب میں صرف کیا ہے؟" اس تحریر سے ابن عباس ناراض ہوے اور لکھا "خیر مجھے معلوم ہوا کہ آپ کو میری نسبت جو خبر پہونچی ہے اُسے آپ نے اہم خیال فرمایا۔ اچھا تو اب آپ جسے چاہیں والی بنا کے بھیجیں۔ میں جاتا ہوں"۔ یہ کہتے ہی بہت سی رقم جو اُن کے قبضے میں تھی اُسے اپنا مال بتا کے ساتھ لیا اور چل کھڑے ہوے۔ اہل بصرہ ابو الاسود کے ہمراہ چلے کہ اس رقم کو اُن سے زبردستی چھین لائیں۔ بنی ہلال جن میں ابن عباس کا ننہال تھا اُن کی مدد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوے۔ اور قریب تھا کہ ہنگامہ ہو جائے۔ آخر بنی ہلال نے ابو الاسود سے آکے کہا "اس جھگڑے کو زیادہ نہ بڑھاؤ۔ اگر لڑائی ہو گئی تو پھر قیامت تک دشمنی قائم رہے گی۔ تم سے کیا تعلق؟ امیر المومنین جانیں اور ابن عباس جانیں۔ وہ خود ہی اپنے ابن عم سے سمجھ لیں گے"۔ یہ رنگ دیکھ کے ابو الاسود واپس آئے اور ساری سرگذشت حضرت علیؓ کی خدمت میں لکھ بھیجی اور آپ نے ابن عباس کی جگہ ابو الاسود ہی کو والی بصرہ مقرر کر دیا۔

حضرت علی نے جب ابو الاسود کو والی بصرہ مقرر فرمایا تو دیوانی بصرہ پر جس سے غالباً وہی خدمت مراد ہے جس پر پہلے ابو الاسود مامور تھے) زیاد کو مقرر فرمایا۔ اب جس طرح ابو الاسود نے ابن عباس کی شکایتیں دربار خلافت میں لکھی تھیں اُسی طرح زیاد ابو الاسود کی بے قاعدگیوں کی شکایتیں لکھ لکھ کے بھیجنے لگا۔ مگر حضرت علی کے نزدیک زیاد کی اتنی وقعت نہ تھی کہ ابو الاسود کے خلاف اُسکی کسی بات کا اعتبار کرتے۔ بہر تقدیر زیاد اُن کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ اور اُنھیں اُسکے طرز عمل کی خبر ہوئی تو اُس کی مذمت میں چند اشعار کہہ دیے جو آج تک مشہور ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ابو الاسود میں نہایت راستبازی تھی اور انصاف کرتے وقت کسی کی دوستی یا قرابت کا اُن پر بہت کم اثر پڑتا تھا۔ مالک بن صرم نام ایک تمیمی الاصل شخص سے ان سے بڑی دوستی تھی۔ اُس سے اور اُس کے چچازاد بھائی سے ایک مکان کے بارے میں جھگڑا ہوا۔ اور مقدمہ ابو الاسود کے سامنے پیش ہوا۔ مالک کے حریف کو اندیشہ تھا کہ ایسا نہ ہو دوستی کی وجہ سے

ابوالاسود مالک کے موافق فیصلہ کر دین۔ چنانچہ اُس نے سراجلاس کہہ بھی دیا کہ مالک آپ کا دوست ہے ایسا نہ ہو آپ اُس کی رعایت کر جائین ۔ ابوالاسود نے اس کا کچھ جواب نہین دیا اور مقدمے کی کارروائی شروع کر دی۔ اور جب ثابت ہو گیا کہ دراصل مالک ہی کی زیادتی ہے تو فوراً اُس کے خلاف فیصلہ کر دیا۔ مالک نے بگڑکے اور جھنجلا کے کہا" آپ نے میرے حق مین ناانصافی کی۔ اور آپ کی دوستی کا یہی ثمرہ ہے ؟" اُس وقت تو ابوالاسود نے اُسے بھی کچھ جواب نہین دیا مگر اشعار مین بہت ہی معقول جواب دے کے اُسکی خوب خبر لی۔

والیِ بصرہ مقرر ہوے ایک ہی سال ہوا تھا کہ حضرت علیؓ ابن ملجم کے خنجر سے شہید ہوے۔ اس قیامت خیز واقعے کی خبر جیسے ہی بصرے مین آئی ابوالاسود نے والی ملک کی حیثیت سے تمام معززین شہر اور اکابر عرب کو مسجد جامع مین جمع کر کے ایک تقریر کی جس مین حضرت علیؓ کی شہادت کے واقعے سے لوگون کو ان الفاظ مین مطلع کیا" ایک بے دین دشمن خدا نے امیر المومنین علی مرتضیٰؓ کے ساتھ جبکہ آپ شب قدر مین شب زندہ داری کرنے کے خیال سے تہجد کے وقت مسجد مین تشریف لائے تھے۔ کمال بے رحمی سے غدر کیا۔ حضرت امیر کی روح پُرفتوح زہد و تقوے کا حق ادا کر کے جوار الٰہی مین گئی۔ اور آپ کے سفر آخرت سے دنیا مین شمع نور گل ہو گئی جو افسوس کہ پھر کبھی روشن نہ ہوگی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون ۔ ہمین امیر المومنین کی وفات سے جو صدمۂ عظیم پہونچا ہے اُس کا اجر ہم خدا ہی سے چاہتے ہین رحمت و سلام ہو آپ پر اُس دن جبکہ آپ پیدا ہوے اور اُس دن جبکہ آپ شہید ہوے اور اُس روز جبکہ آپ پھر زندہ اُٹھ کھڑے ہون گے ۔" اتنی تقریر کر چکے تھے کہ دل بھر آیا اور زار و قطار روئے۔ پھر آنسو پونچھ کے کہا" مسند خلافت و امامت کے بارے مین آپ نے اپنے فرزند اور ابن رسول اللہ جناب حسن رضی اللہ عنہ کے لیے وصیت فرمائی ہے۔ جن کی برکت سے مجھے امید ہے کہ اللہ جل شانہ ہمارے اس نقصان کو دُور کرے گا۔ اسلام مین جو رخنہ پڑا ہے مٹ جائے گا۔ پھر جماعت اہل حق قائم ہوگی اور آتش فتنہ بجھ جائے گی۔ لہٰذا اے اہل اسلام حضرت امام حسن کی بیعت کرو۔" تمام شیعیان علی نے اُسی وقت بیعت کی۔ مگر جو لوگ شیعیان عثمانؓ

کے گروہ مین شامل یا اُنکے ہم خیال سقے اُنھون نے بعیت مین تامل کیا۔ اور دو ہی چار روز بعد جو سفیر حضرت امام حسنؑ کی طرف سے جناب معاویہ کے پاس دمشق مین حضرت امام حسن کی بعیت لینے اور اس جدید خلافت کی خبر دینے کو گیا تھا اُس کے ساتھ وہ سب لوگ بھاگ کے دربار شام مین پہونچے - اُن لوگون کی حالت پر ابوالاسود نے چند پُراثر اشعار کہے - اور خاموش ہو رہے -

دوسرے سال جب حضرت امام حسن خلافت سے دست بردار ہو گئے تو معاویہؓ نے بُسر بن ارطاۃ کو والی بصرہ مقرر کیا - اور سال کے اندر ہی بُسر کی جگہ عبداللہ بن عامر مستقل طور پر حاکم بصرہ قرار پائے ۔ ابوالاسود کو اب حکومت سے تو کوئی سروکار نہ تھا مگر بصرے ہی مین رہتے تھے - اس لیے کہ بصرہ اُن کا وطن تھا - عبداللہ بن عامر نے پہلے پہل جب دیکھا کہ وہ حضرت علی کی محبت اور طرفداری مین نہایت سخت ہین تو خلاف ہو گئے اور اُنھین مختلف طریقون سے ستانے لگے - مگر ابن عامر کو حکومت کا زیادہ موقع نہین ملا چار ہی سال رہنے پائے تھے کہ زیاد کو معاویہؓ نے اپنے نسب مین ملا کے اپنا بھائی اور مورد عنایت بنا لیا جو بڑے زور شور سے ولایت بصرہ کی سند لے کے آیا۔ اور عنان حکومت عراق اپنے ہاتھ مین لی زیاد ابوالاسود کی ماتحتی مین کام کر چکا تھا - اور اگرچہ اُس نے حضرت علیؓ کی خدمت مین اُن کی شکایتین کی تھین مگر مردم شناس تھا اور اُنکی قدر جانتا تھا - تاہم یہ طرز عمل تھا کہ ابوالاسود اکثر اپنے اغراض لے کے اُسکے پاس جاتے تو کبھی وہ سُن لیتا اور کبھی ٹال جاتا - گو کہ اس برتاؤ سے ابوالاسود کو تکلیف ہوتی تھی مگر زمانے کا رنگ دیکھ کے حتی الامکان زیاد کے موافق بنانے اور اُسکی استمالت کی کوشش کرتے تھے - اور اس کی ضرورت تھی اسلیے کہ اب وہ معاویہؓ کا پُرجوش حامی تھا اور یہ مخصوص و پُرجوش شیعیان علیؑ مین تھے -

لیکن حضرت امام حسنؑ کے خلافت سے دست بردار ہونے ہی وہ خود ہی سرکاری خدمت اور حکومت سے دست بردار ہو گئے - زیاد سے ملاقات تھی - خود جناب معاویہ سے بے تکلفی تھی اور اکثر اُن سے ملتے جُلتے رہتے تھے مگر صرف اس خیال سے کہ اُن کی نوکری کرنے کے معنی اُن کی طرفداری کے ہین کبھی کسی عہدے کی آرزو

نہ کی - حارث بن خلید نام ایک شخص سے اُن سے بڑی دوستی تھی - اکثر ملتے جلتے اور ایک دوسرے کو اپنے اشعار سُنا کے داد طلب ہوتے - ایک دن حارث نے کہا "آپ ملازمت کے لیے کیون نہین پیروی کرتے کہ خدا برکت دے اور زندگی آرام و فارغ البالی مین بسر ہو" اُنھون نے کہا "مجھے خدا نے قناعت و غیرت کی دولت سے مالا مال اور دولتمندی کی ہوس سے بے پروا کر دیا ہے"۔ حارث نے کہا "تم فقط باتین بنا رہے ہو اصلی بات کیون نہین کہتے کہ صرف حضرت علی کی محبت سے تم ادھر کا رُخ نہین کرتے اور تمھارے دل مین موجودہ حاکمون کی طرف سے بغض بھرا ہُوا ہے" اس رد و بدل مین سخت کلامی کی نوبت پہونچ گئی - حارث نے جو مغلوب الغضب اور مزاج کا تیز تھا اُنھین بہت سخت سُست الفاظ کہے - اور مدتون کی دوستی گھڑی بھر مین منقطع ہو گئی - مگر دو ہی چار روز بعد حارث کو اپنے فعل پر ندامت ہوئی اور اپنے اعزہ کو بیچ مین ڈالا کہ عذر خواہی کر کے اُسے ابو الاسود سے ملا دین - اس واقعے کو اُنھون نے اپنی ایک نظم مین بیان کیا ہے -

ہر تقدیر اُنھین اپنی قناعت پر اس قدر ناز تھا کہ اسکے خلاف کسی کی نصیحت کا اُنپر ذرا بھی اثر نہ ہوتا - مگر اسکے ساتھ آخر عمر تک اس وضع مین بھی فرق نہین پڑنے پایا تھا کہ روز بلا ناغہ سوار ہو کے شہر کی سڑکون پر ہوا کھاتے - احباب سے ملتے - اور زمانے کے حالات دریافت کرتے - یہ حال دیکھ کے ایک شخص نے کہا "ضعف و ناتوانی سے اب آپ مین طاقت نہین رہی ہے - روز روز سڑکون کی خاک چھاننے سے کیا فائدہ ؟ گھر مین جو اطمینان و آرام ہے بھلا باہر نصیب ہو سکتا ہے ؟" بولے "سوار ہونے سے اعضا مین طاقت آتی ہے - تازی ہوا کھانے سے فرحت ہوتی ہے - احباب سے ملاقات ہوتی ہے - اور لوگون کے حالات معلوم ہوتے رہتے ہین - گھر مین پڑا رہون تو گھر والون پر بار ہو جاؤن - بچے زیادہ مانوس ہو جائین - نوکرون پر سے رعب اُٹھ جائے - اور جو لوگ سامنے بات کرتے ڈرتے ہین - رات دن کی یکجائی سے اس قدر جری ہو جائین کہ بکریان آ کے مجھ پر موتین اور کسی کی زبان سے "ہات" نہ نکلے -

اس سیر و تفریح میں معمول تھا کہ گھر سے پہلے جامع مسجد میں جاتے۔ پھر بازار میں سے گزرتے اور اکثر احباب سے ملتے۔ راستے میں ایک ایسا مکان پڑتا جس میں قبیلۂ بنی تمیم کے اکثر نوجوانوں کی صحبت رہا کرتی۔ اُن میں ایک بہت مخش بکنے والا مسخرہ تھا جس نے ابوالاسود کی صورت دیکھ کے ایک قہقہہ لگایا اور کہا "ذرا آپ کی صورت دیکھیے گا۔ معلوم ہوتا ہے کسی بوڑھیا کو اُسکے میاں نے طلاق دے دی ہے اور وہ منہ تھوتھائے چلی جاتی ہے"۔ اس پھبتی پر اور ون نے بھی قہقہہ لگایا مگر ابوالاسود کچھ نہ بولے۔ خاموش اپنے گھر چلے آئے۔ دوسرے دن انکی صورت دیکھ کے وہ بولا "آپ کی گدی کی جھریان دیکھیے گا معلوم ہوتا ہے اعضائے اسفل کی چنٹین ہین"۔ آج یہ کلمہ سُن کے ابوالاسود کھڑے ہو گئے۔ اور کہا "انھین مین تمھاری مان کے عضو اسفل کی چُنٹ بھی تو ہے۔ اُسے تم نے نہین پہچانا؟" یہ سُن کے وہ شخص تو سرد پڑ گیا۔ اور جتنے لوگ اُس صحبت مین تھے سب نے ہاتھ جوڑ کے معافی مانگی۔ تب یہ اپنے گھر آئے۔ اور پھر کبھی کسی کو کوئی کلمہ کہنے کی جرأت نہین ہوئی۔

اسی زمانے مین انھین اکثر جناب معاویہ سے ملنے کا بھی اتفاق ہوتا تھا۔ یہ ملاقات اگرچہ ایک شہنشاہ اور کسی معمولی رعیت کا ملنا تھا لیکن اس مین وہ کبھی کسی قسم کا دباؤ نہین مانتے تھے۔ یہ اپنی آزادیون سے باز نہ آتے اور معاویہ کا علم چونکہ دنیا بھر مین مشہور تھا اس لیے باوجود ہر طرح کے اختیارات کے خاموش ہو رہتے۔

ایک دن معاویہ سے باتین کر رہے تھے کہ ابوالاسود سے اخراج ریاح مین ایک آواز صادر ہو گئی۔ ندامت سے کہا اُس کا کسی سے تذکرہ نہ کیجیے گا ورنہ لوگ مجھے بدنام کرین گے"۔ معاویہ نے اُسی دن انکے آنے کے بعد عمرو بن عاص سے بیان کر دیا۔ اُنھون نے دوسرے دن صورت دیکھتے ہی کہا "ابوالاسود تمھاری اُس بادِ مخالف کا کیا واقعہ ہے؟" کہا "بوڑھا شخص جس کے رگ پٹھے ڈھیلے پڑ گئے ہین ضبط نہ کر سکا اور سارے زمانے مین پھیل گئی"۔ (یہ معاویہ پر تعریض تھی) اسکے بعد ابوالاسود نے جیسے ہی معاویہ کی صورت دیکھی کہا "حسیب

آپ سے ایک بار مخالف کا بھی منبط نہ ہو سکا تو مسلمانون کے حقوق کی امانت داری کیا خاک ہو سکے گی؟ اور آپ ہرگز اس قابل نہین کہ خلافت کی ذمہ داریان آپ کے ہاتھوں مین دے دی جائین"۔

ابوالاسود کے منہ سے بو آتی تھی۔ ایک دن معاویہ کے سر کے پاس منہ لیجا کے کوئی راز کی بات کہہ رہے تھے کہ بو کی اذیت سے بچنے کے لیے معاویہ نے آستین ناک پر رکھ لی۔ یہ دیکھتے ہی ابوالاسود نے اپنے ہاتھ سے زبردستی اُن کا ہاتھ ناک پر سے ہٹا دیا اور کہا "جب تک آپ گندہ دہن بوڑھون کی باتین تحمل کے ساتھ نہ سُن سکین خدا کی قسم آپ امارت اور سرداری کے قابل نہین ہو سکتے"۔

ان باتون سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاویہ سے باوجود مخالفت کے اُن سے بے تکلفی تھی۔ اور اتنے بیباک تھے کہ جو کچھ دل مین آتا کہہ گذرتے تھے۔ جس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ غالبًا اُنکی بدصورتی پر اشارہ کرکے معاویہ نے کہا "ابوالاسود تم بڑے خوبصورت اور حسین آدمی ہو۔ ایسا نہ ہو کسی کی نظر لگ جائے۔ اس لیے کوئی تعویذ پہنے رہا کرو"۔ اس کا جواب اُنھون نے اشعار مین دیا جس کا ماحصل یہ ہے کہ "شباب جاتا رہا اب کیا چیز رہ گئی ہے جسے نظر لگے گی؟"

زیاد کی حکومتِ عراق کے زمانے مین غالبًا اُسکے مجبور کرنے سے ابوالاسود اُسکے بیٹون کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ کیا زمانے کا رنگ ہے! ابوالاسود کا ایسا حضرت علیؓ کا جان نثار اور شیدائی جو عراق کی حکومت کر چکا ہو اُسی علاقے مین زیاد کے بیٹون کو تعلیم دے۔ اور اُس کا شاگرد ابن زیاد اُستاد کی تعلیم سے ایسا بے بہرہ ہو کہ حضرت علیؓ کے فرزندِ جگر بند اور سارے خاندان نبوت کے خون سے ہاتھ رنگے!۔

لیکن اسی زمانے مین ابوالاسود نے دو ایسے کام کیے جو قیامت تک یادگار رہین گے اور جن سے بڑا کوئی احسان اسلام اور مسلمانون پر نہین ہو سکتا۔ ایک تو یہ کہ قرآن مجید مین اعراب لگائے۔ اور دوسرے یہ کہ عربی کے علم نحو و صرف کو مدون کیا۔ اُن کے ان دونون کامون کی اصل کیفیت ہم جدا جدا بیان کرتے ہین

صحابہ کے زمانے مین عربی رسم خط جس مین قرآن مجید لکھا گیا بہت ہی ناقص اور بالکل ابتدائی درجے مین تھا۔ اُس وقت کا لکھا ہوا کوئی قرآن ہماری نظر سے نہین گذرا - کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے عہد کا لکھا ہوا ایک نسخہ قرآن قسطنطنیہ مین موجود ہے - مگر ہم نے اُس کے کسی صفحے کا فوٹو بھی نہین دیکھا کہ اُس وقت کے رسم خط کا اندازہ کر ین - لیکن حضرت سرور کائنات علیہ السلام کے دو ایک خطون کے فوٹو ہم نے دیکھے ہین جن سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اُس زمانے مین خط عرب کی کیا شان تھی ؟ اُس وقت تک حرفون پر نہ نقطے تھے اور نہ زیر زبر لگائے جاتے تھے - محض اشارات تھے جن کو وہی شخص پڑھ سکتا تھا جو زبان عرب سے واقف اور پڑھنے مین نہایت مشاق ہو - جب اسلام غیر اقوام مین پھیلا اور عجمی مسلمان ہو کے تلاوتِ قرآن مین مشغول ہوے تو طرح طرح کی غلطیان کرنے لگے -

یہان تک نوبت پہونچی کہ ابوالاسود نے ایک دن ایک قاری قرآن کو سنا کہ آیۂ کریمہ "اِنَّ اللّٰہَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ وَرَسُوْلُہٗ" مین بجاے "رسولُہ" کے "رسولِہ" پڑھ رہا ہے - اس آیت کا مطلب تو یہ تھا کہ "اللہ اور اُس کا رسول مشرکین سے بری ہین" مگر اس حرکت کی غلطی سے معنے یہ ہو گئے "اللہ مشرکین اور اپنے رسول سے بری ہے" یہ سنتے ہی ابوالاسود کانپ گئے - اس سے پہلے زیاد نے ایک بار اُن سے کہا تھا کہ رسم خط قرآن مین کوئی ایسی اصلاح کیجیے کہ لوگ آسانی سے پڑھ سکین - مگر انھون نے پسند نہین کیا تھا کہ عہد صحابہ کی کسی چیز مین ردوبدل کیا جائے - لیکن جب یہ واقعہ دیکھا تو فوراً زیاد کے پاس دوڑے گئے اور کہا "آپ نے پیشتر قرآن کے رسم خط مین اصلاح کرنے کی خواہش کی تھی اور مین نے انکار کیا تھا مگر اب مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکا وقت آ گیا اور اب اس مین دیر لگانا گناہ ہے - مجھے کوئی اچھا کاتب دیجیے کہ اس کام کو پورا کر دون - زیاد نے پہلے ایک کاتب دیا جسے اُنھون نے پسند نہین کیا - پھر اپنی پسند کا دوسرا کاتب لیا اور گھر مین آ کے اُسے ہدایت کی کہ قرآن پڑھتے وقت جس حرف کے ادا کرنے مین مین اپنا منہ کھول دیا کرون اُسپر

تم ایک نقطہ لگا دیا کرو۔ اور جس حرف کو مُنہ گول کر کے اور سمیٹ کے ادا کیا کرون اُس کے سامنے ایک نقطہ لگا دیا کرو۔ اور اگر اُس کے ادا کرنے مین آواز کا رُخ نیچے کی طرف ہو اُسکے نیچے ایک نقطہ لگا دیا کرو۔ یہی تینون نقطے عربی کے پہلے زبر پیش اور زیر تھے۔ جن کی صورت ابتدائی لکیرون کے بجاے نقطون کی سی تھی۔ اور پیش کا نقطہ بجاے اوپر کے حرف کے سامنے لگایا گیا تھا۔

اب چونکہ اصلاحِ خط کی بدعت جائز کر لی گئی تھی اس لیے بعد والون کی جرأتین بڑھین۔ چنانچہ ابو الاسود کے بعد میمون بن اقرن نے رسم خط قرآن مین اور ترقی کی۔ پھر عنبسہ بن معدان فہری نے اُسپر اور اضافہ کیا۔ اسکے بعد عبد اللہ بن ابی اسحق حضرمی اور ابو عمرو بن علاء نے اور ترقیان کین۔ ان سب کے بعد خلیل بن احمد ازدی المتوفی ۱۷۰ھ کا زمانہ آیا۔ جس نے اُس پرانے خط عربی کو بہت زیادہ مکمل اور آسان کر کے خط کوفی کو ایجاد کیا۔ جو اس قدر مقبول ہوا کہ ساری دنیاے اسلام مین رواج پا گیا۔ اور ۲۰۰ھ کے بعد کے لکھے ہوے قرآن مجید اسی خط کوفی مین ہین۔ لیکن یہ جو عوام مین مشہور ہو رہا ہے کہ حضرت علی خط کوفی مین تحریر فرمایا کرتے تھے بالکل لغو اور بے اصل ہے۔ آپ کے زمانے تک خط کوفی ایجاد بھی نہین ہوا تھا۔ خلیل کے وقت سے سارا اسلامی لٹریچر اور سلطنت کے دفترون کا خط یہی خط کوفی تھا۔ اسکے ڈیڑھ سو برس بعد ابن مُقلہ کاتب المتوفی ۳۲۸ھ کا زمانہ آیا جس نے خط کوفی کو بھی بدل کے موجودہ خط نسخ کو رواج دیا۔ اور اُس کے ایک سو برس بعد ابن بوّاب کاتب المتوفی ۴۲۳ھ نے خط نسخ کو اعلیٰ کمال پر پہونچا دیا۔ اور اُسی وضع پر آج تک چلا جاتا ہے۔ بہر تقدیر اس خط مین اعراب لگانے کا آغاز ابو الاسود دؤلی ہی سے ہوا تھا۔ یہ نہین معلوم کہ دو زبر دو زیر دو پیش اور تشدید کے علامات بھی ابو الاسود ہی نے قائم کیے تھے یا بعد والے کاملان فن نے اُنھین ایجاد کیا۔

نحو و صرف یعنی قواعدِ زبان عرب کے منضبط کرنے کا خیال ابو الاسود کو اس سے پیشتر اور حضرت علیؓ کی زندگی ہی مین آیا تھا۔ مگر اُس خیال کا ظہور بھی زیادہ ہی کے زمانے مین ہوا۔ گرمیون کا موسم تھا۔ ایک دن گھر مین آئے تو بیٹی نے

کہا "یا ابۃ ما اشدُّ الحرِّ" بولے "فلان مہینے مین سخت گرمی ہوتی ہے" اُس نے کہا "ابّا جان مین یہ نہین پوچھتی کہ کب سخت گرمی ہوتی ہے۔ بلکہ تعجب سے کہتی ہون کہ کیسی سخت گرمی ہے" اس موقع پہ اُسے ما اشدَّ الحرَّ کہنا چاہئیے تھا۔ دال کو زبر اور رے کو زیر دینے سے وہی مطلب ہوگیا جو ابوالاسود سمجھے تھے۔ بیٹی کی اس غلطی سے ایسے پریشان ہوے کہ سیدھے حضرت علیؓ کی خدمت مین حاضر ہوے اور عرض کیا "یا امیرالمومنین عجمیون کے غلط ملط سے زبان عرب بگڑی جاتی ہے۔ چند روز یہی حالت رہی تو ہماری زبان تشریف لے جائیگی" حضرت علیؓ نے اس خیال کے آنے کا باعث پوچھا تو اپنی بیٹی کا واقعہ بیان کردیا۔ آپ نے کہا "اچھا تھوڑا کاغذ لاؤ" ابوالاسود ایک درہم کا کاغذ خرید کے حاضر ہوے تو حضرت علیؓ نے فرمایا لکھو۔ اور نحو کا یہ پہلا قاعدہ بتایا کہ "سارا کلام اس سے خالی نہین کہ یا تو اسم ہوگا یا فعل یا حرف" اسکے سوا اور کسی قاعدے کا بتانا حضرت علیؓ سے مروی نہین ہے۔ لیکن ابوالاسود کو اقرار ہے کہ اصول نحو اور ضروری اہمات قواعد مجھے حضرت علی نے بتائے تھے۔

اس کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ علاقۂ زندخان کا ایک عجمی نژاد شخص سعد اپنے اہل وعیال کے ساتھ بصرے مین آکے ابوسعید انصاریؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ ایک دن وہ اتفاقاً راستے مین ابوالاسود کو اس حال مین ملا کہ گھوڑے کا دہانہ پکڑے ہوے لیے جاتا تھا۔ ابوالاسود نے پوچھا "سعد۔ گھوڑے پر سوار کیون نہین ہوتے؟" سعد نے کہا "جی میرا گھوڑا ضالع ہے" کہنا چاہیے تھا "ضالع ہے" (شریر و بدلگام) مگر اسکی جگہ "ضائع" کہدیا۔ یہ سُن کے اکثر لوگ جو قریب موجود تھے ہنس پڑے۔ ابوالاسود نے کہا "ہنسو نہین بلکہ ان غریبون کی حالت پر ترس کھاؤ یہ لوگ مسلمان ہوکے ہمارے بھائی بن گئے ہین۔ ہمارا فرض ہے کہ انھین زبان عرب کی تعلیم دین" اور شاید اس موقع پر ابوالاسود خود ہی زیاد کے پاس دوڑے گئے۔ اور کہا "عجمیون کے اختلاف سے زبان عرب غارت ہوئی جاتی ہے۔ آپ کہین تو مین اس بارے مین ایک علم مدوّن کردون۔ جسکی تعلیم سے بہ آسانی صحیح زبان آسکے گی" مگر زیاد نے اُسوقت اُنکی اس درخواست کی قدر نہین کی۔

چند روز بعد زیاد کے سامنے آکے ایک شخص نے کہا "ماتَ اَبانا وخلفَ بنون" حالانکہ کہنا یہ چاہیے تھا کہ "مَاتَ اَبُونا وَ خلفَ بنین"۔ سنتے ہی زیاد نے اس جملے کو دوبارہ اپنی زبان سے ادا کیا اور آدمی کو حکم دیا کہ اسی وقت ابوالاسود کو بلاؤ۔ اور جیسے ہی ابوالاسود سامنے آئے کہا "مین نے آپ کو علم زبان کی تدوین سے روکا تھا مگر اب کہتا ہون کہ جس قدر جلد ممکن ہو اس فن کو مدون کیجیے"۔ چنانچہ اُسی وقت سے ابوالاسود فن قواعد لسان کی تدوین مین مصروف ہوگئے۔ اور اس فن کا نام "نحو" رکھدیا۔ نحو کے معنی مثل کے ہین۔ مطلب یہ تھا کہ جو قاعدے حضرت علی نے بتائے تھے اُن کے سے قواعد۔ ابن الندیم کی کتاب الفہرس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود ابوالاسود نے زیاد کے پاس جاکے اس فن کی تصنیف کا شوق ظاہر نہین کیا۔ وہ تو اُن چند قاعدون کو جو حضرت علیؓ سے حاصل ہوے تھے جواہرات کی طرح چھپایا کرتے تھے۔ زیاد ہی اُن سے باربار اصرار کرتا تھا کہ اس ضروری علم کو مدون کر دیجیے۔ ابتداءً تو وہ انکار کرتے رہے مگر جب دیکھا کہ اب خموشی داخل معصیت ہے تو زیاد کے پاس گئے اور کہا "اب مین آپ کے ارشاد پر عمل کرنے کے لیے تیار ہون"۔

کتاب الفہرس مین بعض روایات سے موجد نحو نصر بن عاصم لیثی اور عبدالرحمن بن ہرمز بتائے گئے ہین۔ ممکن ہے کہ ان لوگون نے فن کی تدوین مین کوشش کی ہو لیکن اس مین شک نہین کہ اصلی ایجاد کا تاج ابوالاسود دؤلی ہی کے سر پر ہے جس کے ثبوت مین علامہ ابن الندیم نے لکھا ہے کہ محمد بن اسحٰق کہتے تھے۔ "بغداد کی نئی آبادی مین جو مدینۂ حدیثہ (نئی بستی) کے نام سے مشہور تھی محمد بن حسین نام ایک شخص رہتا تھا جو ابی بعرہ کے لقب سے مشہور تھا۔ اُسے کتبخانہ جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔ اور پرانی کتابین اور تحریرین جتنی اُسکے پاس تھین مین نے کہین نہین دیکھین۔ اسی خزانۂ بے بہا کے شوق مین مین نے اُس سے دوستی پیدا کی۔ اور جب مجھ پر اُسے اطمینان ہوگیا تو اُس نے مجھے اپنے کتبخانے مین لیجاکے کھڑا کردیا۔ اور ایک بڑا تھیلا میرے سامنے کھولا جس مین تین رطل (تین من تیس سیر) کے وزن مین کھالین۔ تختے۔ مصری کاغذ۔ خراسان تہامہ اور چین کے پترا اور چمڑے تھے۔

عہ ہمارے والد مر گئے اور کئی بیٹے چھوڑ گئے۔

یہ وہ سب چیزیں ہیں جن پر اُن دنوں لکھا جاتا تھا۔ جن پر عرب کے قدیم خط میں قصائد اور متفرق اشعار اور چند قواعد نحو لکھے ہوے تھے۔ یہ شخص شیعہ تھا اور اس کا بیان تھا کہ کوفے کے ایک شیعہ نے بڑے اہتمام سے یہ علمی ذخیرہ جمع کیا تھا مرتے وقت اپنا سارا ذخیرہ اُس شخص کو دے دیا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے ان تحریروں کو اُلٹ پلٹ کے دیکھا تو مبہوت رہ گیا۔ اگرچہ یہ سب سامان بوسیدہ ہوگیا تھا مگر ایک عجیب چیز تھا ہر چیز کے نیچے یکے بعد دیگرے علماے سلف کی تصدیقیں تھیں کہ یہ فلاں شخص کی تحریر ہے۔ اس خزانے میں مجھے حضرت علیؓ کے دوست خالد بن ابی الہیاج کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید نظر آیا۔ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام کے ہاتھ کی تحریریں تھیں۔ حضرت علی اور دیگر کاتبان رسول اللہ صلعم کے لکھے ہوے معاہدے اور رموز تھے۔ ابن عمرو بن علاء اور ابو عمرو شیبانی اور اصمعی۔ اور ابن الدوابی۔ اور سیبویہ۔ اور فراء اور کسائی کی تحریریں نحو و صرف اور لغت کے فن میں تھیں۔ محدثین سلف میں سے سفیان ابن عینیہ و سفیان ثوری۔ اور اوزاعی وغیرہ کے ہاتھ کی تحریریں تھیں۔ اسی کتبخانے میں مجھے ابوالاسود کے بانی نحو ہونے کا ثبوت بھی مل گیا۔ چینی پتروں کے چار ورق نظر پڑے جن پر لکھا تھا "بحث فاعل و مفعول از ابوالاسود دوئلی"۔ اور یہ تحریر یحیٰی ابن یعمر کے ہاتھ کی تھی جو ابوالاسود کے شاگرد تھے۔ اس تحریر میں نیچے پرانے خط میں فلاں نحوی اور نضر بن شمیل کے دستخط تھے۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ اُس شخص کے مرنے کے بعد یہ کتبخانہ تلف ہوگیا۔ اور میں نے ہزار جستجو کی سوا اُس کلام اللہ کے جو اُس میں تھا اور کسی چیز کا پتہ نہ لگا۔

الغرض یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ نحو عربی کے سب سے پہلے موجد ابوالاسود دوئلی ہیں جنھوں نے اس فن کو حضرت علی سے حاصل کیا۔

(۲)

ان سب خوبیوں کے ساتھ ابوالاسود کا بخل نہایت مشہور ہوگیا تھا۔ عرب کی سوسائٹی میں کنجوسی اور بزدلی سے بڑے کوئی عیب نہ تھے۔ لیکن ابوالاسود کو بخیل کہنا ظلم ہے۔ اس لیے کہ وہ بخیل نہیں منتظم اور کفایت شعار تھے۔ اور غیر مستحق کو کچھ

دنیا ہرگز جائز نہ رکھتے تھے جو صفت کہ موجودہ عہد مین سب سے بڑا انسانی جوہر ہے لیکن اُس دور کے لوگون نے قدر جاننا درکنار اُنھین ملزم قرار دے دیا۔ یون تو عرب مین بہت سے بخیل گذرے ہین مگر چار بخیلون کی بڑی شہرت تھی۔ حطیئہ۔ حمید ارقط ابو الاسود دوئلی۔ اور خالد بن صفوان۔ ابو الاسود کا نام اس فہرست مین صرف اس بنیاد پر لکھ لیا گیا کہ کسی سائل کو خیرات مین ایک چھوہارا دیا اور کہا "خدا تجھے جنت مین بھی اتنا ہی دے"۔ اکثر کہا کرتے تھے "اگر ہم محتاجون کی آرزو کے موافق اپنے روپئے کو صرف کر ڈالا کرین تو ہماری حالت اُن سے بھی بدتر ہو جائے"۔ دوسرون کو نصیحت کرتے ہین "جو کچھ تمھارے ہاتھ مین ہے اُس کا روکنا بمقابل اس کے اچھا ہے کہ تم غیرون کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھرو"۔ خود اپنی نسبت فرماتے ہین۔

یلومونني في البخل جهلاً وضلة وللبخل خير من سوال بخيل

(لوگ جہالت و گمراہی سے مجھے بخل پر ملامت کرتے ہین۔ حالانکہ بخیل کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بخیل ہونا بہتر ہے)۔

کہتے ہین "فیاضی کرنے مین خدا کی مرضی کے خلاف نہ چلا کرو۔ وہ چاہے تو سب کو غنی بنا دے سکتا ہے لیکن جانتا ہے کہ بعض لوگون کے حق مین محتاج رہنا ہی بہتر ہے اور بعض کے حق مین دولتمند رہنا۔ تم اس تقدیرِ الٰہی کو بدل نہین سکتے"۔ بیٹے کو نصیحت کرتے ہین "سکینون کے فریب مین نہ آؤ۔ یہ جب تک تمھین بھی اپنا سا نہ بنا لین گے چین نہ لین گے۔ تم اُن کی محتاجی دور کرنے مین اپنا نقصان کرو گے تو سوکھ سوکھ کے مرجاؤ گے"۔

کوئی فقیر صدا لگا رہا تھا کہ "کون بھوکے کو کھلائے گا؟" فوراً اُسے بلوا کے پیٹ بھر کھانا کھلایا۔ جب وہ کھا پی کے چلا تو کہا "چلے کہان؟" بولا "اپنے گھر"۔ فرمایا "خوب مین نے اس لیے تھوڑے ہی کھلایا ہے کہ تم مسلمانون کو جا کے ستاؤ!" یہ کہتے ہی اُسکے پاؤن مین بیڑیان ڈلوا دین اور رات بھر قید رکھ کے صبح کو چھوڑا۔

ایک بار چند دوستون کے ساتھ شکار پر گئے۔ صحرا مین ایک بدوی فقیر ملا جس نے سامنے آ کے کہا "السلام علیکم" بولے "یہ کوئی نئی بات نہین ہے اپنا مطلب کہو"۔ اُس نے کہا "مین آؤن؟" بولے "نہین۔ پیچھے پلٹ جاؤ۔ زمین وسیع ہے"۔ اُس نے

کہا "بیٹھے ہوئے سنگریزون سے میرے پانون جھلس گئے ہین۔" کہا "تو اُن پر مُوت کے اُنھین ٹھنڈا کر لو۔" اُس نے کہا "کچھ کھلاؤگے بھی؟" بولے "ہم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہین۔ اگر اُن سے کچھ بچے گا تو بیشک کُتّے کے مقابلے مین تمھارا استحقاق زیادہ ہے۔" اُس نے برافروختہ ہو کے کہا "تم سے زیادہ ناپاک آدمی مین نے کبھی نہین دیکھا تھا۔" بولے "دیکھا تو ہے مگر تمھین یاد نہین۔ وہ تم خود ہو جس سے زیادہ ناپاک کوئی نہین ہو سکتا۔"

ایک دن اپنے دروازے پر بیٹھے تھے اور سامنے ٹوکری مین بھرے خرمے رکھے تھے۔ ایک بدوی نے آکے سوال کیا۔ اُنھون نے کہا "آگے بڑھو۔" اُس نے کہا "میرا نام بھی جانتے ہو؟ مین ابو الحمامہ (کبوتری کا باپ) ہون۔" اُنھون نے کہا "تم ابو الطاؤسہ (مورنی کے باپ) بنو مگر چلے جاؤ۔" اُس نے کہا "مین خدا کا واسطہ دلا کے کہتا ہون کہ جو کھا رہے ہو اُس مین سے مجھے بھی کھلاؤ۔" خدا جانے اس سوال پر کیون ترس آگیا کہ تین خرمے نکال کے اُسکی طرف پھینکے۔ اتفاقاً ایک زمین پر جا گرا۔ اور وہ اُسے اُٹھا کے اپنے کپڑے سے پونچھنے لگا۔ ابو الاسود نے کہا "پھینکو بھی۔ جس کپڑے سے پونچھ رہے ہو وہ خرمے سے زیادہ ناپاک ہے۔" بدوی نے کہا "مجھے یہ نہین پسند ہے کہ چھوڑ جاؤن اور شیطان اُٹھا کے کھا جائے۔" بولے "تو ہرگز نہ چھوڑنا۔ شیطان کیا معنی جبریل و میکائیل کے لیے بھی نہ رہنے دینا۔"

ایک دن کسی فقیر نے سوال کیا۔ اُنھون نے حسب عادت جواب خشک دیا۔ اُس نے کہا "افسوس تم مین ذرا سی بھی حاتمیت نہین ہے۔" بولے "کیون نہ ہوتی؟ مجھ مین تو پوری حاتمیت ہے۔" پھر اُسے حاتم طائی کا ایک شعر سُنایا جس مین اُس نے اپنی فیاض بیٹی ماویہ کو نا عاقبت اندیشی کی فیاضی سے روکا تھا۔

ایک بار اُنکے قبیلے کے لوگون یعنی بنی دُئل اور بنی لیث مین لڑائی ہوئی۔ بنی دُئل نے اپنے حریفون کے ایک شخص کو مار ڈالا۔ پھر اس اقرار پر صلح ہو گئی کہ بنی دُئل بنی لیث کو مقتول کی خونبہا ادا کرین۔ بنی دُئل نے روپیہ فراہم کرنے کی بہت کوشش کی مگر نہ جمع کر سکے۔ آخر ابو الاسود کے پاس آئے۔ اس لیے کہ

ہی قبیلے کی ناک اور دولتمند تھے۔ کسی دوئی نوجوان نے نہایت فصاحت و بلاغت سے اور بڑے جوش کے ساتھ ان کو آمادہ کرنا چاہا کہ یہ روپیہ دے دیں۔ ابوالاسود بھلا کب دینے والے تھے کہا "تم نے اصرار و الحاح میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ لیکن میری بھی تو سنو۔ انسان تین موقعوں پر روپیہ دیا کرتا ہے۔ یا تو اُس وقت جب اُسے اُمید ہو کہ جسے دیتا ہوں وہ مجھے ادا کر دے گا۔ یا اُس وقت جبکہ جان جانے کا اندیشہ ہو اور روپیہ صرف کرنے میں جان بچتی ہو۔ اور یا اُس وقت جبکہ ثواب آخرت کی اُمید ہو۔ یہاں اُن میں سے کوئی صورت نہیں ہے۔ اب رہی یہ بات کہ کوئی فریب دے کے اور باتوں میں پھسلا کے مجھ سے کچھ رقم وصول کر لے تو تمھارا اچھا (میں) ایسا بیوقوف نہیں ہے کہ دم میں آ جائے" غرض انھوں نے کچھ نہ دیا۔ اور وہ لوگ ناکام و نامراد واپس گئے۔

دروازے پر آدمی کے سینے تک اونچا ایک چبوترہ تھا جس پر وہ بیٹھا کرتے۔ اور اکثر وہیں کھانا کھاتے۔ کھانے کے وقت اتنا بڑا ایک خوان لا کے رکھا جاتا کہ ساری جگہ بھر جاتی۔ اور سوا اُنکے کسی کے لیے جگہ نہ رہتی۔ جب کوئی شناسا گذرتا تو فرض کر کے ٹوکتے اور کہتے آیئے کھانا کھایئے" بعض لوگ تو یوں ہی معذرت کر کے چلے جاتے۔ بعض کبھی آنے کا قصد کرتے مگر جب دیکھتے کہ جگہ تو ہئی نہیں کوئی بیٹھے تو کہاں؟ نادم ہو کے چلے جاتے۔ ایک شخص گھوڑے پر سوار جا رہا تھا۔ آپ نے کھانے کی صلاح کی۔ اُس نے غالباً انکے ستانے کے لیے ارادہ کیا کہ گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے کھا لے۔ گھوڑے کو چبوترے سے لا کے کھڑا کیا اور کھانے لگا۔ ابوالاسود اُس کے اس فعل کو ناگواری کے ساتھ دیکھ ہی رہے تھے کہ گھوڑا بھڑکا اور وہ اُسکی پیٹھ پر سے اُچھل کے اس زور سے سر کے بل گرا کہ گردن ٹوٹ گئی۔

مگر ایک نوجوان شخص نے جو پیدل جا رہا تھا بڑی دل لگی کی۔ جیسے ہی ابوالاسود نے کھانے کی صلاح کی اُس نے آنے کا قصد کیا اور جب دیکھا کہ چبوترے پر جگہ ہی نہیں ہے تو بے تکلف سارے خوان کو چبوترے پر سے اُٹھا کے نیچے سڑک پر رکھ لیا اور کھانے لگا۔ ابوالاسود جز بز تھے اور حیران ہو ہو کے اُسے دیکھ رہے تھے کہ اُس نے کہا "آپ دیکھتے کیا ہیں؟ کھانا ہو تو نیچے اُتر آیئے" آخر یہ بڑی ندامت

سے اُتر کے نیچے گئے اور اُس سے کہا "صاحبزادے! تمھارا نام کیا ہے؟" اُس نے سنکر اُسے کہا "لقمان حکیم"۔ جواب دیا "بیشک تمھارے بزرگون نے نہایت ہی مناسب نام رکھا ہے"۔

ایک اعرابی نے بڑی دل لگی کی۔ ابو الاسود اپنے دروازے کے چبوترے پر کھانا کھا رہے تھے کہ اُس نے آکے سلام کیا۔ اور بے پوچھے ادپر آکے کھڑے ہی کھڑے کھانے لگا۔ اور یہ ہاتھ روک کے اُس کی بیباکیون کو دیکھنے لگے۔ اُس نے کھاتے مین کہا "مین آپ کے گھر ہی کی طرف سے آرہا ہون"۔ یہ تھے تو اپنے گھر ہی مذاقاً کہا "ہان تھا، اگر اُسی طرف ہوگا"۔ بولا "جی ہان۔ لکہ آپ کی جورو حاملہ تھین"۔ اُنھون نے کہا "ہان مین اُنھین حاملہ ہی چھوڑ آیا تھا"۔ بولا "تو وضع حمل ہوچکا"۔ کہا "ہونا ہی چاہیے تھا"۔ بولا "اور دو بچے ہوے"۔ کہا "ہان مان کی حالت سے یہ پہلے ہی ظاہر ہوتا تھا"۔ بولا "دونون بچون مین سے ایک مرگیا"۔ کہا "افسوس دودھ کو دودھ نہ پلا سکی ہوگی"۔ بولا "پھر دوسرا بچہ بھی مرگیا"۔ کہا "بھائی کے مرنے کے بعد بھلا کیا جیتا"۔ بولا "اور مان بھی مرگئی"۔ کہا "دو دو بچون کا صدمہ۔ کیسے نہ مرجاتی؟" جب ان سب باتون کا ابو الاسود پر کوئی اثر نہ ہوا اور جیسے بیٹھے تھے ویسے ہی بیٹھے رہے تو اپنی شرارت سے تنگ آکے کہنے لگا "مگر آپ کا کھانا بہت ہی لذیذ ہے"۔ اُنھون نے جھنجلا کے کہا "اسی لیے تم اکیلے کھاگئے۔ مجھے تو خدا کی قسم چکھنے کی بھی نوبت نہین آئی"۔ آخر وہ تمام برتنون کو صاف کرکے چل دیا اور یہ بھوکے بیٹھے رہ گئے۔

ان کی ایک لونڈی تھی لطیفہ۔ اور اُس لونڈی کا بھی ایک غلام تھا جو لم کے نام سے مشہور تھا اور تجارت وغیرہ کی وجہ سے دولتمند ہوگیا تھا۔ لطیفہ نے اپنے اس غلام کو دولتمند دیکھ کے اُس کے لیے ایک لونڈی خریدی اور اُس کے ساتھ اُس کا نکاح کردیا۔ ان دونون سے ایک بچہ ہوا جس کا نام زید رکھا گیا۔ اس بچے کو لطیفہ بہت ہی عزیز رکھتی تھی۔ اور جب وہ بڑا ہوا تو اُسی کو اپنی ساری جائداد کا مختار اور منتظم مقرر کردیا۔ چند روز کے بعد لطیفہ بیمار ہو کے مرگئی۔ اُسکے مرتے ہی ابو الاسود نے ساری جائداد پر قبضہ کرلیا۔ زید سے حساب

طلب کرکے جو کچھ روپیہ پیسہ اُس کے پاس تھا سب چھین لیا - اور اُسے ایسا محتاج اور فقیر کر دیا کہ بصرے کی گلیوں میں ٹھوکریں کھاتا پھرتا تھا اور اُنھیں ترس نہ آتا تھا
اسی بخل اور کنجوسی میں بدنام ہونے کا یہ نتیجہ تھا کہ اکثر پڑوسیوں سے بگاڑ رہتا - اور پاس پڑوس والے ستاتے - ان کا مکان بنی دوئل یعنی اُنھیں کے قبیلے میں تھا - اور پچھواڑے ایک اور شخص کا مکان تھا جس کا دروازہ دوسرے قبیلے والوں کے محلّے میں تھا - درمیان کی دیوار میں دروازہ لگا تھا جس سے ان کو اور اُس کو دونوں کو آسانی تھی - انھیں پشت کی طرف جانا ہوتا تو اُسکے مکان میں سے ہوکے نکل جاتے - اور اُسے اس محلّے کی طرف آنا ہوتا تو اِن کے گھر میں سے ہوکے چلا جاتا - مگر چونکہ وہ ایک شریر آدمی تھا اور ابوالاسود کی مخالفت پر آمادہ تھا ارادہ کیا کہ بیچ کا دروازہ چھوپ دیا جائے - اہل محلہ نے سمجھایا کہ اس میں تمھارا کوئی فائدہ نہیں بلکہ دروازہ بند ہو جانے سے تمھیں اور ابوالاسود دونوں کو تکلیف ہوگی - مگر اُس نے ایک نہ مانی اور دروازہ بند کرہی کے چھوڑا - چند روز میں اُسے تکلیف ہونے لگی - اور اب آرزومند ہوا کہ پھر وہ دروازہ کھلے مگر ابوالاسود نے نہ مانا - اور گو کہ اُس نے اس غرض کے لیے بڑی بڑی سفارشیں اُٹھوائیں مگر ابوالاسود نے کسی کی نہ سُنی -

اس کے بعد ان کا ایک ہم قبیلہ یعنی دوئلی شخص جو پڑوس ہی میں رہتا تھا دشمنی پر آمادہ ہو گیا - راتوں کو ان کے گھر میں ڈھیلے پھینکا کرتا - ابوالاسود نے قبیلے والوں سے شکایت کی جس پر معززین قبیلہ نے جاکے اُسے لعنت ملامت کی اور کہا "ابوالاسود ہمارے قبیلے کے فخر اور بزرگ ہیں - تم جو اُنکے گھر میں پتھر پھینکتے ہو اس سے کیا مل جائے گا؟" اُس نے کہا "میں نہیں خود خدا اُنھیں سنگسار کر رہا ہے - اس لیے کہ وہ عزیزوں سے بے پروا اور بخیل ہیں" یہ جواب سُن کے لوگ مجبور ہو گئے - ابوالاسود کو جب اس کا حال معلوم ہوا تو اُنھوں نے محلّے اور قبیلے ہی کو خیرباد کہہ دی - اپنا وہ مکان بیچ ڈالا - اور بنی ہذیل کے محلّے میں دوسرا مکان مول لیا - اس کے بعد کسی نے پوچھا "آپ نے اپنا مکان بیچ ڈالا؟" جواب دیا "میں نے مکان کو نہیں بلکہ پڑوس کو بیچ ڈالا" اُن کا یہ جملہ اس قدر پسند کیا گیا

کہ عربی مین ضرب المثل ہو گیا۔

ابو الاسود کو شادی کا زیادہ شوق تھا۔ عرب کی سوسائٹی مین یہ کوئی معیوب بات نہ تھی۔ صوفیون کی وضع کا اتقا مسلمانون مین بعد آیا ہے۔ اُس وقت تمام معززین اسلام مرد ہون یا عورت۔ خاندان نبوت سے ہون یا کبار صحابہ سے یا دوسرے ائمہ دین ہون سب کا طرز عمل یہ تھا کہ جائز طریقے سے نکاح کرنے۔ حسین عورتون کو پیام دینے۔ اور خوبصورت لونڈیان رکھنے مین کسی قسم کا عیب نہین خیال کرتے تھے۔ یہی عرب کی سادی زندگی تھی۔ اور وہی زندگی تھی جس نے عربون مین اُلو العزمی پیدا کی۔

ابو الاسود کی بی بی اُم عوف تھین جو بنی قشیر کی بیٹی تھین۔ اور بی بی کے تعلقات کی وجہ سے اُنھین بعض اوقات بنی قشیر مین رہنا بھی پڑا۔ مگر خرابی یہ تھی کہ ابو الاسود مخصوص و ممتاز شیعیان علی مین تھے۔ اور بنی قشیر کا سارا قبیلہ معاویہ کا طرفدار شیعہ عثمانی تھا۔ اور خود اُنکی بی بی بھی شیعہ عثمانی تھین۔ ان کا اُن لوگون مین جائے رہنا قیامت تھا۔ روز بحث ہوتی۔ اور ہر وقت ایک جھگڑا رہا کرتا۔ وہ لوگ انکے ستانے کے لیے انکے سامنے حضرت علی کو برا کہتے۔ آپ پر حملے کرتے۔ انھین گھڑی گھڑی غصہ دلاتے۔ اور راتون کو انکے مکان پر ڈھیلے برسایا کرتے۔ صبح کو جب یہ پوچھتے کہ یہ ڈھیلے کون پھینکا کرتا ہے تو جواب دیتے کہ "ہم مین سے تو کسی نے ڈھیلے نہین پھینکے۔ غالباً تمھاری بدعقیدگی اور لامذہبی کی وجہ سے خدا ہی تمھین سنگسار کر رہا ہے۔" اس پر برہم ہو کے اُنھون نے چند شعر کہے جن مین پہلا شعر تو یہ ہے۔

یقولُ الارذلون بنی قُشَیر ۔۔۔ طوال الدَّہرِ لا تُنسی علیا

(رذیل بنی قشیر کہتے ہین کہ تو کبھی علی کو نہین بھولتا)

پھر درمیان کا ایک شعر ہے

فان یک حُبُّہم رُشداً اصبہُ ۔۔۔ ولست بمخطئٍ ان کان غیّا

(اگر اُن کی (اہل بیت کی) محبت کوئی خوبی ہے تو وہ مجھے حاصل ہو گی۔ اور اگر وہ غلطی بھی ہو تو مین خطاوار نہین ہو سکتا۔)

اُن کے اس شعر پر بنی قشیر نے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ خود معاویہؓ نے اعتراضاً کہا "اس سے تو معلوم ہوا کہ تمھیں محبت اہل بیت کی خوبی میں شبہ ہے؟" بھلا ابوالاسود کا سا عالم زبان ایسے اعتراض کے جواب میں خاموش رہ سکتا تھا؟ جواب دیا "کیا تمھیں قرآن بھی یاد نہیں رہا؟ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے "وَاِنَّا وَاِیَّاکُم لَعَلٰی ہُدًی او فی ضلالٍ مبین"۔ (ہم اور تم دونوں یا تو ہدایت پر ہیں اور یا گمراہی میں مبتلا ہیں)

چند روز بعد فاطمہ بنت وعمی نام قبیلۂ بنی عبدالقیس کی ایک لڑکی سے نکاح کیا جو نہایت ہی حسین و خوبرو اور صاحب جمال تھی۔ آخر عمر میں جب یہ پیر فانی ہوگئے اُسوقت پہلی بی بی اُم عوف نے تو پوری طرح نباہی اور بوڑھاپے میں خوب رفاقت کی۔ مگر فاطمۂ قیسیہ جو جوان و خوبرو تھی صبر نہ کرسکی اُس نے ان کا ناک میں دَم کردیا۔ اور شب و روز پریشان کیا کرتی۔ جس طرح اُسکو جدائی میں پیر فانی شوہر کی وجہ سے تکلیف تھی ویسی ہی تکلیف اُس نے انکو دی اور انکی زندگی عذاب کردی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے بھی مرتے دم تک اُسکی جان نہ چھوڑی۔ پریشان ہوتے اور اُس کی شکایت میں اشعار کہتے مگر طلاق نہ دینا تھی نہ دی۔

بصرے میں جس جگہ انکی نشست رہا کرتی تھی وہاں سامنے ہی ایک حسین و پریجمال عورت کا مکان تھا۔ اُس نے ان کی عزت و حرمت دیکھ کے خود ہی اُنھیں شادی کا پیام دیا۔ اور کہا "میں دستکار ہوں۔ خوش انتظام ہوں۔ اور تھوڑے پر قناعت کرلیتی ہوں۔ تمھیں منظور ہو تو میرا تمھارا نکاح ہوجائے"۔ انھوں نے منظور کیا اور فوراً شادی ہوگئی۔ عقد کے بعد وہ انکے گھر آئی تو بالکل اپنے بیان کے خلاف ثابت ہوئی۔ روپیہ چُرا کے غائب کردیا کرتی۔ اور ان کے اکثر مخفی راز عالم آشکارا کردیتی۔ آخر مجبور ہوکے انھوں نے اُسکے اُن تمام اعزا کو جو شادی کے دن آئے تھے جمع کیا اور نظم میں اُن سے پوچھا "جو شخص فریب دے کے کوئی معاہدہ کرالے پھر نقصان پہونچائے"۔ اور سمجھانے پر بھی اپنی حرکتوں سے نہ باز آئے اُس کی نسبت تم کیا کہتے ہو؟" سب نے کہا "اس طرح جو معاہدہ کرایا گیا ہو صحیح نہیں قابل فسخ ہے"۔ یہ جواب پاکے بولے "اس طرح کا معاہدہ کرانیوالی

تمھاری قوم کی یہ عورت ہے جس سے مین نے عقد کیا ہے - لہذا اب مین اُسے تمھارے سامنے طلاق دیتا ہون" یہ کہکے طلاق دے دی - اور وہ عزیزون کے ساتھ اپنے قبیلے مین گئی -

قبیلۂ عبد القیس کی ایک اور عورت کو بھی اُنھون نے پیام نکاح دیا تھا - اس عورت کا نام اسماء بنت زیاد تھا - اور اُس کی بہت سی دولت بعض معززین قبیلہ کی امانت مین تھی - جس سے ابوالاسود کو بڑی رقم ہاتھ آنے کی اُمید تھی - اسی خیال سے اس تحریک کو راز رکھا - مگر اپنے ایک دلی دوست ہیثم سے تذکرہ کر دیا - ہیثم ایسا پیٹ کا ہلکا تھا کہ ایک اور نوجوان سے ذکر کر دیا - یہ بھی اتفاق کی بات تھی کہ اُسی نوجوان کے ساتھ اسماء کی منگنی ہو چلی تھی - خود اسماء ابوالاسود ہی کے گھر مین آنا پسند کرتی تھی لیکن قبیلے کے دباؤ سے چاہتی تھی کہ اُنکے پیام کا واقعہ راز مین رہے - اور جب اچھی طرح پخت و پز ہو جائے اور قبیلے کے معزز لوگ راضی کر لیے جائین تب نکاح ہو - اسکے پہلے منگیتر کو جیسے ہی خبر ہوئی قبیلے کے معزز لوگون کے پاس دوڑ گیا اور کہا " اسماء خود سری سے ابوالاسود کے ساتھ نکاح کرنے والی ہے - جس طرح بنے اُسے روکیے ورنہ اختیار سے بالکل باہر ہو جائے گی - ابوالاسود سارا روپیہ آپ سے چھین کے اپنے قبضے مین کر لین گے" یہ سنتے ہی سب نے اسماء پر دباؤ ڈالا کہ ابوالاسود کو جواب صاف دے - اور اُن کے ساتھ نکاح ہونے کے خیال سے دست بردار ہو - ساتھ ہی سب نے زبردستی اُس کا نکاح اُس نوجوان کے ساتھ کر دیا اور ابوالاسود منہ دیکھ کے رہ گئے - اس پر جو اشعار اُنھون نے کہے ہین اُن مین ہیثم کے راز فاش کر دینے کی شکایت کی ہے -

اسی طرح ایک بار آپ بنی حنیفہ کی ایک حسین عورت پر فریفتہ ہوے اور بڑے ذوق و شوق سے جا کے اُسے پیام دیا - اُس نے انکی درخواست قبول کر لی - سب باتین طے کر کے باہر نکلے تو اُسکے ایک ابن عم نے گھر سے نکلتے دیکھ لیا پوچھا "حضرت! یہان کہان؟" کہا "تمھاری بنت عم کو نکاح کا پیام دینے آیا تھا - اور الحمد للہ کہ اُس نے میری درخواست قبول کر لی" اُس شخص کا چھوٹا بھائی اُس لڑکی پر

عاشق اور اُس کی آرزو مین ہیجان ہو رہا تھا۔ جیسے ہی یہ خبر سُنی بنی حنیفہ مین دوڑا گیا۔ اور سارے قبیلے والون کو خبر کردی۔ انھون نے کہا "یہ ہرگز نہین ہو سکتا کہ ابوالاسود ہمارے قبیلے کی لڑکی کو لیجائین"۔ چنانچہ اُنھون نے ایک شخص کو خاص اس کام پر مامور کیا کہ ابوالاسود جب کبھی بنی حنیفہ کی کسی صحبت مین آئین انھین چھیڑے ستائے۔ اور ذلیل کرے اس کے ساتھ انھین طرح طرح کی دھمکیان بھی دینا شروع کین۔ خلاصہ یہ کہ بیچارے کو اس حسینہ کی آرزو سے بھی دست بردار ہونا پڑا۔

اُنھون نے ایک لونڈی خریدی جو شکل وصورت مین تو بہت اچھی تھی لیکن آنکھون مین ذرا کجی تھی۔ جسے لوگ ٹینگھی کہتے۔ یہ اُس پر حد سے زیادہ فریفتہ تھے۔ لوگون نے نام رکھنا شروع کیا کہ آپ ایک ٹینگھی لونڈی کے عاشق ہین۔ اس الزام کا جواب اُنھون نے اشعار مین دیا ہے۔ جن مین کہتے ہین کہ آنکھون مین ایسا خفیف عیب ہونے سے حسن تھوڑے ہی جاتا رہتا ہے۔

ایک بار آپ نے سُنا کہ بازار مین کوئی لونڈی بکنے کو آئی ہے جو نہایت ہی حسین و نازنین ہے۔ خود دوڑے گئے۔ دیکھا۔ پسند کیا۔ اور گھر آکے اپنے غلام نافع کو جس کی کنیت ابوالصباح تھی روپیہ دے کے بھیجا کہ اُس لونڈی کو میرے لیے خرید لاؤ۔ وہ گیا۔ قیمت طے کی۔ اور مول بھی لے لیا۔ مگر انکے لیے نہین بلکہ خود اپنے لیے۔ جب یہ حال سُنا تو ہاتھ مَل کے رہ گئے۔ غلام پر بہت خفا ہوے۔ بگڑے۔ اور اُسکی مذمت مین شعر کہے۔ مگر لونڈی جس کی قسمت کی تھی اُس کی ہو گئی۔ ان کو نہ ملی۔

ایک مرتبہ آپ نے ایک لونڈی خدمت کے لیے لی۔ وہ چاہتی تھی کہ ہمبستری کی عزت حاصل کرے اور انھین یہ منظور نہ تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ وہ اکثر انھین چھیڑتی بار بار اُن کا دامن پکڑ لیتی۔ اور انکے دل مین جگہ پیدا کرنے کی کوشش کرتی۔ آخر جھنجلا کے انھون نے اُس کی مذمت مین بھی اشعار کہے۔ اور اُس سے صاف کہہ دیا کہ "مین نے تجھے خدمت گذاری اور گھر کے کام کاج کے لیے لیا ہے۔ ایسی شرارتون سے باز آ"۔

حکومت ۔ عزت ۔ شرافت اور علم وفضل نے اُن کے بہت سے دوست
پیدا کردیے تھے ۔ لیکن اکثر دوستون نے انجام مین ایسی بیوفائیان کین کہ اُنھین
اکثر دوستون سے شکایت رہی ۔ سب سے بڑا دوست ابوالجارود سالم بن سلمہ
ہذلی تھا ۔ وہ اپنے شعر اُنھین سناتا ۔ یہ اپنے اشعار اُسے سناتے ۔ اور دونون
گفتگو و صحبت رہتی ۔ اتفاقاً ابو الجارود کہین کا والی مقرر ہو گیا ۔ وہان
جاکے اُنھین ایسا بھول گیا کہ نہ کبھی کوئی خط بھیجا نہ قاصد ۔ اور اُنھون نے
جو خط بھیجے تو اُن کا جواب بھی نہ دیا ۔ ابوالاسود نے اُس کی بیوفائی کو اشعار
مین ظاہر کیا ہے ۔

اسی طرح کا ایک دوست معاویہ بن صعصعہ تھا ۔ جو پہلے دوست صادق
تھا پھر انکی مخالفت کرنے لگا ۔ انھون نے اس کی بیوفائی کا تذکرہ کیا تو اس نے
انکار کیا ۔ پھر اُنھین اُسکی مخالفت کا حال معلوم ہوا ۔ اور پھر اُس نے معذرت
کی ۔ کئی مرتبہ ایسا ہی ہوا ۔ اور وہ اس وضع سے باز نہ آتا کہ پیٹھ پیچھے تو
بُرائی کرتا اور سامنے معذرت ۔ آخر اُسکی بھی اشعار مین خبر لی ۔

ایک دوست نسیب بن حمید سلمی تھا جو اکثر گھر مین آتا ۔ مسجد مین آ کے
ان کے پاس بیٹھتا اور قسمین کھا کھا کے کہتا کہ دنیا مین تم سے بڑھ کے میرا کوئی دوست
نہین ہے ۔ ایک دن وہ ایک پوستین بیچنے کے لیے گھر سے لایا ۔ انھون نے پوچھا
"اس پوستین کو کیا کروگے؟" بولا "بیچون گا" کہا "تو ایک کام کرو ۔ بازار
مین دکھاؤ ۔ جو دام لگین مجھ سے لے لو ۔ اس لیے کہ مجھے ایک پوستین کی ضرورت
ہے" اُس نے کہا آپ کو ضرورت ہے تو آپ کی نذر ہے ۔ بھلا مین آپ کے
ہاتھ بیچون گا؟ لاحول ولا قوۃ" اُنھون نے کہا "یون تو مین نہ لون گا" اُس نے
ہزار اصرار کیا اُنھون نے قبول نہین کیا ۔ آخر اُنھون نے اپنے آدمی کے ہاتھ
اُس پوستین کو بازار مین دکھایا تو دوسو درہم دام لگے ۔ انھون نے پوستین رکھ لی
اور دوسو درہم اُسکے پاس بھیجدیے ۔ اُس نے روپیہ واپس کردیا اور کہلا بھیجا
کہ مین تو اڑھائی سو درہم سے کم پر نہ دون گا" یہ سُن کے اُنھین بڑا تعجب ہوا کہ
یا تو مفت نذر کر رہے تھے اور یا یہ کج ادائی کہ اڑھائی سو سے کم پر نہ ہوگی چنانچہ

اشعار کے ذریعے سے اُس کی بھی خبر لی۔ مگر یہ نہین معلوم کہ پوستین لی یا نہین۔ غالباً نہ لی ہوگی۔ کیونکہ روپئے کے صرف کرنے مین نہایت ہی محتاط تھے۔

گو کہ زیادہ محتاج نہ تھے لیکن اکثر لوگون کی مدد اور کفالت کو خوشی قبول کرتے بلکہ بعض سے امیدوار اعانت بھی ہوا کرتے۔ عبد الرحمٰن بن ابی بکرہ نے ایک بار اُنھین شکستہ حال اور کم حیثیت کپڑے پہنے دیکھ کے پوچھا "اس بھیجے کو آپ کب تک پہنتے رہین گے؟" بولے "اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی چیز سے اُکتا تو جاتا ہے مگر مجبوریان علٰحدہ نہین کرنے دیتین" اس جواب نے ابو بکرہ پر ایسا اثر کیا کہ گھر جا کے کچھ نقد اور کپڑون کے سو تھان بھیجے۔ اور کہلا بھیجا کہ "ان سے اپنا کام چلائیے"۔ انھون نے نہایت شکرگذاری کے ساتھ قبول کیا۔ اور اُنکی مدح مین شعر خوانی کی۔

حصین بن ابی الحر عنبری اور نعیم بن مسعود نہشلی حکومت زیاد کے زمانے مین مختلف مقامات کے حاکم تحصیل تھے۔ ابو الاسود سے چونکہ دونون کو تعلقات تھے لہذا ان دونون کے پاس آدمی بھیج کے مدد اور کفالت کی خواہش کی۔ نعیم نے تو ان کی آرزو کے مطابق خدمت کی۔ اور ایسا کچھ دیا کہ یہ خوش ہوگئے۔ مگر حصین نے برافروختہ ہو کے اُن کا خط پیچھے پھینکدیا۔ جو کہ اہل عرب مین سخت تحقیر کرنے کی علامت تھی۔ آدمی نے واپس آ کے جب یہ حال بیان کیا تو ابو الاسود نے حصین کی ہجو مین اشعار کہے جو اُن کی زبان سے نکلتے ہی عوام مین مشہور ہوگئے۔ حصین نے جب ان شعرون کو سُنا تو نہایت ہی برہم ہوا۔ اور اُنھین بُرا بھلا کہا اِن کو جب یہ حال معلوم ہوا تو انھون نے اشعار سے اُسکی اور زیادہ فضیحت کی جس نظم نے اُسے بہت ہی بدنام اور ذلیل کر دیا۔

اس سے بڑھ کے اور کیا ہوگا کہ اُسکے مدتون بعد اسی حصین کے پوتے عبد اللہ قاضی بصرہ تھے۔ کسی شخص نے اُن کے اجلاس مین اپنا دعوے پیش کیا۔ دوران مقدمہ مین کسی موقع پر بسبیل تمثیل قاضی عبید اللہ نے ایک شعر پڑھا۔ مدعی نے فوراً بڑھ کے کہا "مین کچھ پوشیدہ طور پر عرض کرنا چاہتا ہون"۔ قاضی صاحب نے کان قریب کرکے کہا "فرمائیے"۔ کہا "اس شعر کا چھپانا سب سے زیادہ آپ ہی

کام ہے - یہ اُن اشعار مین سے ہے جو ابوالاسود دوئلی نے آپ کے دادا حصین کی ہجو مین کہے تھے :- یہ سُن کے قاضی عبیداللہ ہنسے - اُس کا شکریہ ادا کیا - پھر دعویٰ جو بالکل بے بنیاد تھا خارج کر دیا - اور رقم مستدعیہ اس احسان کے معاوضے مین مدعی کو اپنے پاس سے دلوادی -

دودھ کا بڑا شوق تھا - اور دو ایک دودھ دینے والی اونٹنیاں ضرور رہا کرتین - ایک صاحب کو اُنکی ایک اونٹنی اتفاقاً پسند آگئی - اور اس فکر مین ہوے کہ کسی طرح اُسے سستے دامون ابوالاسود سے لے لین - ایک دن ملنے کو آئے تو اُس اونٹنی کے عیب بیان کرنا شروع کیے کہ اس مین یہ عیب ہے اور یہ خرابی ہے - لیکن اگر آپ اونے پونے نکال ڈالین تو مین اس خیال سے خرید لون گا کہ آپ بالکل گھاٹے مین نہ رہین - یہ اُن سے بھی بڑے اُستاد تھے - چنانچہ اُن کی کوئی بات پیش نہ گئی - اور ہر بات مین اُنھین قائل کر دیا - آخر وہ مجبور ہو کے واپس گئے - اور انھون نے اُنکی ہجو مین بھی چند اشعار کہہ ڈالے -

شاعری کا بہت زیادہ شوق تھا اور پورا دیوان موجود ہے - مگر فارسی اور اُردو شعرا کا سا دیوان نہین جس مین مختلف طرحون پر بے ضرورت طبع آزمائی کیجاتی ہے - اُن کے تمام اشعار واقعات - سچے جذبات - اور دلی جوش سے لبریز ہین - جب کوئی واقعہ پیش آتا یا کسی بات کا جوش دل مین پیدا ہوتا اُسے اشعار کے ذریعہ سے ظاہر کر ڈالتے - اسی وجہ سے اُن کا دیوان ایسا ہے جس سے اُن کی پوری سوانح عمری کا پتہ لگا کے اُن کی لائف مرتب کی جا سکتی ہے - بخلاف اسکے ہمارے شعرا نظم کے طومار جمع کر دیتے ہین جن سے اُن کی زندگی اور اُنکے حالات کو کوئی علاقہ نہین ہوتا - اور اگر سچ پوچھیے تو زندہ اور مُردہ شاعری مین یہی فرق ہے -

روزانہ پھرتے - اور باہر کی سیر سے ورزش کا فائدہ اُٹھانے کی برکت تھی کہ بہت بڑی عمر پائی - اور آخر عمر تک اُن کے حوصلون مین کسی قسم کا فرق نہین آنے پایا تھا ضعیف العمری مین کسی ضرورت سے ملک فارس کے سفر پر آمادہ ہو گئے - بیٹی نے کہا "باواجان - اب آپ کے قوٰی ویسے نہین رہے - یہ چلنے کا جاڑا - اور آپ فارس کو

چلے ہیں - جاڑوں کی شدت ذرا کم ہوئے اور قافلوں کی آمد ورفت جاری ہو جائے تب چلے جایئے گا - آج کل سفر مین مجھے ڈر لگتا ہے کہ آپ کے دشمنوں کو کوئی صدمہ نہ پہونچ جائے۔" اسکے جواب مین اُنھون نے اپنے چند شعر پڑھے جن مین ظاہر کیا ہے کہ "موت کا وقت مقرر ہے - انسان کو راضی بہ رضا رہ کے صبر وتحمل سے کام لینا چاہیے" - الغرض بیٹی کا کہنا نہ مانا اور لوپ کی تیاریان کردین -

وہان سے واپس آنے کے بعد فالج گرا - جس نے بہت کچھ معذور کر دیا - مگر پھر بھی روز باہر کی ہوا کھاتے اور جس طرح بنتا شہر کا ایک چکر ضرور لگا لیتے -

اُن کی اولاد کے متعلق صرف اس قدر پتہ لگ سکا کہ ایک بیٹا تھا اور ایک بیٹی - بیٹے کا نام تو ابو حرب تھا مگر بیٹی کا نام نہین معلوم - غالبًا یہی بیٹی تھی جس کی زبان کی غلطی دیکھ کے حضرت علیؓ کے پاس دوڑے گئے - اور علم نحو کے ابتدائی اصول حاصل کیے تھے - اور اُسی نے آخر عمر مین سفر فارس سے روکا تھا -

خود ابو الاسود کی قناعت وخانہ نشینی کا اُنکے بیٹے ابو الحرب پر بھی اثر پڑ گیا - چنانچہ انھون نے بھی باپ کی طرح دنیا طلبی اور کسب معیشت مین غفلت کرنا شروع کی - یہان تک کہ اُن کا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے بیٹھ رہنا ابو الاسود کو ناگوار گذرنے لگا - ابو الحرب نہ کہین نوکری کرتے - نہ کسی قسم کی تجارت کرتے - اور نہ کوئی ذریعہ تحصیل زر کا تھا - اس پر ابو الاسود نے اُنھین سرزنش کی تو کہا "میری قسمت مین جو ہے ہو رہا - اور جو کچھ ملنے والا ہے ہر طرح مل جائے گا" اسکے جواب مین ابو الاسود نے یہ دو شعر کہے -

وما طلب المعیشۃ بالتمنی ولکن اَلقِ دَلوکَ فِی الدِّلاءِ

(معاش کو تلاش کرنا کسی چیز کو زبردستی چاہنا نہین ہے - بلکہ لوگون کے ڈولون کے ساتھ تم بھی اپنا ڈول ڈال دو۔

تجئک بملئہا یومًا ویومًا تجئک بحمأۃ وقلیل ماءِ

(ایک دن تو وہ پانی سے بھرا ہوا آئے گا - اور ایک دن اُس مین زیادہ کالی مٹی اور تھوڑا سا پانی ہوگا)

آخر ۸۵ برس کے ہو کے سنہ ۶۹ھ مین مرض موت مین مبتلا ہوئے ، مرتے وقت

لوگون نے کہا "آپ کو ہم مغفرت اور نجات کی خوشخبری دیتے ہین"۔ ٹھنڈی سانس لے کے جواب دیا "افسوس - ایسی زندگی کہان سے لاؤن جس سے مغفرت کی اُمید ہو"۔ عام رائے یہ ہے کہ طاعون جارف مین جہان اور بہت سی خلقت نذر اجل ہوئی اُنھون نے بھی سفر آخرت کیا۔ مگر بعض لوگ کہتے ہین کہ اُس سے پہلے ہی انتقال کر چلے تھے - اس لیے کہ مختار کے عہد مین اُن کا کہین ذکر نہین آیا ہے۔ بہرتقدیر ایک طولانی زندگی بسر کر کے۔ اور حضرت علیؓ جن کی محبت کا مرتے دقت تک دم بھرتے رہے تھے اُن پر اور اُنکے محترم خاندان پر طرح طرح کے مظالم اپنی آنکھون سے دیکھ کے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ابن المعتز

دنیا مین عبرت و نامرادی کی جتنی مثالین دولتمندان اور ملوک و سلاطین مین ملتی ہین اور کسی طبقے کے لوگون مین نہین مل سکتین۔ مانا کہ بادشاہون کے ادنی ادنی حالات لوح زمانہ پر ثبت اور اوراق تاریخ مین درج ہو جاتے ہین اور دوسرون کے حالات کی کسی کو خبر نہین ہوتی - کوئی یہ بھی نہین جانتا کہ دنیا مین کب آئے - کیونکر جیے - اور کب رخصت ہو گئے۔ لیکن پھر بھی اس مین شک نہین کہ جو لوگ جتنے زیادہ معزز و سربرآوردہ ہوتے ہین اُسی قدر زیادہ آماجگاہ حوادث بنتے ہین - اور مصداق "نزدیکان را بیش بود حیرانی" سب سے زیادہ مصیبت اکثر بڑے لوگون اور بادشاہون کو جھیلنا پڑتی ہے۔

"ابن المعتز" جس کے محترم نام کو ہم نے زیب عنوان بنایا ہے سچ پوچھیے تو برائے نام ہی صاحب دولت و حکومت تھا۔ اُس کا شمار در اصل جادو بیانون اعلی درجے کے ادیبون اور مشہور و مقبول علما و فضلا مین ہے - اُس کی شاعری نے زبان عرب مین نئی جان ڈالی تھی۔ اور اُس کی عمر کا سارا حصہ علمی مشاغل اور اہل علم و فضل کی صحبت مین بسر ہوا تھا۔ صرف چوبیس گھنٹون کے لیے تاج و تخت کا گنہگار رہا - جس کا ایسا سخت خمیازہ برداشت کرنا پڑا کہ اُس کی حالت بہت بڑے نامرادان سلطنت سے بھی زیادہ عبرتناک ہے۔ اُسے تخت و تاج کا کچھ زیادہ

شوق بھی نہ تھا - مذاق بیت تمکنت - خودداری - اور حب جاہ وہوس پرستی کے عوض
بے نفسی و رحمدلی کا عنصر اس قدر غالب تھا کہ جب اراکین دولت اور عمائد بغداد
نے حاضر ہو کے تاج شہریاری پیش کیا تو کمال بے پروائی سے بولا "میں ایسے تخت و
تاج سے باز آیا جو خونریزی اور قتل و غارت سے ملتا ہو - اگر اس کا اطمینان دلادیا
جائے کہ میری تخت نشینی میں کسی ایک متنفس کا بھی خون نہ بہے گا تو بیشک قبول
کروں گا ورنہ مجھے خون کا بھرا تخت شاہی نہیں چاہیے" حاضرین نے زمین بوس
ہوکے عرض کیا کہ "حضور کی مرضی کے موافق ہی ہوگا - اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ
امیر المومنین کی مسند نشینی کے لیے کسی کی نکسیر تک نہ پھوٹے گی" بیشک یہ وعدہ
پورا ہوا - اور بغیر اسکے کہ کسی مخالف یا حریف سلطنت کی جان لی جائے وہ سریر
خلافت پر جلوہ افروز ہوگیا - لوگوں نے جوش و خروش کے ساتھ اُس کے ہاتھ پر
بیعت کی - لیکن اس بیعت کو چوبیس ہی گھنٹے گذرنے پائے تھے کہ کسی بدخواہ
سلطنت یا باغیِ خلافت کے عوض خود اُس کی قربانی تخت و تاج پر چڑھادی گئی
بے شرم ترکی سرداران فوج کے بے رحم ہاتھوں نے اسکو تخت شاہنشاہی سے کھینچ کے
نیچے گرادیا اور طرح طرح کے عذابوں سے اُس کی جان لی-

اس کا پورا نام و نسب عبداللہ بن محمد المعتز بن المتوکل بن المعتصم ابن ہارون
الرشید ہے - اپ دادا پردادا اور اُنکے بعد دیگر اجداد بڑے بڑے تاجدار اور آلِ
عباس کے نامور خلیفہ ہوتے آئے تھے - پردادا یعنی المعتصم باللہ جو عباسیوں
کا آٹھواں خلیفہ تھا عربوں کو عیش و طرب میں سرشار و مخمور دیکھ کے نوجوان
ترکی و تاتاری غلاموں کی ایک نئی فوج بھرتی کی - اور بغداد کے قریب ہی
"سُرمن رائے" نام ایک شہر نیا بسا کے اُس میں اُس کا کیمپ قائم کیا - ان نئے
سپاہیوں کی اطاعت اور خلیفہ کی شفقت و مرحمت سے اس فوج اور اس کے
سرداروں کا زور روز بروز بڑھتا گیا - یہاں تک کہ شرفائے عرب خانہ نشین تھے
اور حکومت کے تمام اعلیٰ عہدے اسی فوج کے ترکی و تاتاری افسروں کے
ہاتھ میں تھے - اور چند روز کے بعد خود خلافت و سلطنت انھیں لوگوں کے قبضے
میں تھی جسے چاہتے تخت خلافت سے اُتار دیتے اور جسکو چاہتے خلیفہ بنا لیتے-

بعینہ یہی حال دولت عثمانیہ کا ہوا۔ جہاں اُس خاندان کے دوسرے تاجدار سلطان اورخان نے سنہ [illegible]ھ میں نو عمر مسیحی اسیروں اور غلاموں کی ایک فوج مرتب کی جن کو اسلامی عقائد و عثمانی معاشرت کے ساتھ اعلیٰ درجے کی فوجی تعلیم دی جاتی تھی اور انھیں باور کرا دیا جاتا کہ سلطان کے سوا دنیا میں نہ اُن کا کوئی عزیز و قریب ہے اور نہ کوئی دوست آشنا۔ اور اُن کے دنیا میں رہنے کی غرض صرف دشمنان خلافت و دین سے لڑنا ہے۔ اُس عہد کے مشہور ولی اللہ حاجی بکتاش نے ان نئے کمسن سپاہیوں کو "ینی چری" (نئے سپاہی) کے نام سے نامزد کر دیا۔ جو لفظ یورپین گرفت کے "جان نزاری" بن گیا۔ اس نئی فوج نے ابتدائی زمانے میں بڑے بڑے کمالات دکھائے اور دولت عثمانیہ کے ابتدائی عروج و اقبال میں سب سے زیادہ دخل اسی فوج کو تھا۔ لیکن انجام میں ان لوگوں کا زور اس قدر بڑھا کہ سلطنت اُن کی لونڈی تھی۔ جسے چاہتے بادشاہ بناتے اور جسے چاہتے تخت سے اُتار دیتے۔ مگر دولت عثمانیہ میں آج سے تقریباً ایک صدی پیشتر سلطان محمود خان نے اس فوج کا استیصال کر دیا۔ اور تخت و تاج کو ہمیشہ کے لیے اُن سرکش سپاہیوں کے شر سے امن مل گیا۔ مگر دولت عباسیہ میں کوئی محمود خان نہیں پیدا ہو سکا جو خلافت کو ترکوں کی فتنہ انگیزیوں سے مصئون و مامون کر دیتا۔ چنانچہ ان سانپ کے بچوں (ترکی سپاہیوں) نے اُسی معتصم باللہ کے (جس نے انھیں آستین میں رکھ کے پالا تھا) دوسرے بیٹے المتوکل علی اللہ کو جو عباسیوں کا دسواں تاجدار تھا کاٹا اور اُسے سنہ ۲۴۷ھ میں نہایت بُری طرح تخت و تاج سے جدا کر کے مارا۔ اس ایک ہی واقعے نے اُن میں محسن کشی کا جوش اس قدر بڑھا دیا کہ متوکل کے بیٹے المستنصر باللہ کو تخت نشین کر کے چھ ہی مہینے بعد تخت و تاج سے جدا کر دیا۔ اور اُس کی اولاد کو محروم کر کے اُس کے چچا المستعین باللہ کو تخت پر بٹھایا جو کہ عباسیوں کا بارھواں خلیفہ تھا۔ مگر ترکوں کا تلون و تمرد یوماً فیوماً ترقی ہی کرتا جاتا تھا۔ المستعین باللہ کو جو کہ صاحب علم و ذی ہوش و فراست خلیفہ تھا تین ہی سال حکومت کرنا نصیب ہوا تھا کہ ترکی سرداران فوج خلاف ہو گئے۔ اور جب دیکھا کہ وہ ہماری

اطاعت نہین کرتا تو اُسے گرفتار کرکے قید خانے مین بند کردیا اور اُس کی جگہ متوکل کے دوسرے بیٹے محمد کو وارث سریر جہان بانی بنایا۔ جس نے تخت عباسی پر قدم رکھتے ہی اپنا لقب المعتز باللہ اختیار کیا۔ المعتز نہایت حسین و خوبرو شخص تھا اور تخت نشینی کے وقت اُس کی عمر ۲۳ سال کی تھی۔ اور یہی اُس شاہ خلیفہ کا باپ ہے جس کے حالات لکھنے کے ہم نے قدم اُٹھایا ہے۔ اس کی ماں ایک ترکن تھی جو حسن و جمال مین فرید زمانہ اور نہایت ہی ممتاز تھی۔ اور اسکے ساتھ نہایت ہی دولتمند تھی۔ مگر جتنی مالدار تھی اُتنی ہی بخیل بھی واقع ہوئی تھی۔ اسکے بیٹے المعتز باللہ نے جب عنان حکومت ہاتھ مین لی تو خزانہ خالی تھا اور فوج تنخواہ مانگ رہی تھی۔ معتز نے ماں سے کچھ روپیہ مانگا تو اُس نے دینے سے قطعی انکار کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہی سرداران ترک جنھون نے اُسے تخت پر بٹھایا تھا روپے کا تقاضا کرتے کرتے برافروختہ ہوکے ایوان خلافت مین گھس پڑے اور المعتز کی تخت نشینی کو ساڑھے تین ہی برس ہوے تھے کہ اُسے پاؤن پکڑ کے سریر خلافت پر سے کھینچ لائے۔ اور باہر دھوپ مین ڈال دیا۔ گرمیون کا موسم اور دھوپ کی تپش۔ المعتز نے پانی مانگا۔ مگر کسی نے نہ دیا۔ اور آخر دھوپ مین جھلس جھلس کے وہ بھوکا پیاسا مرگیا۔ یہ انجام تھا عباسیون کے تیرھوین خلیفہ کا۔ اب ترکون نے ‏۲۵۵ھ مین واثق باللہ کے بیٹے محمد کو خلیفہ بنایا جس نے المہتدی باللہ اپنا لقب اختیار کیا۔ اور یہ سلسلۂ خلافت مین چودھوان عباسی خلیفہ ہے اس غریب کو تخت پر بیٹھے پورا سال بھی نہین ہوا تھا کہ سرداران ترک نے اُس کے بھی تخت سے اُتارنے پر اتفاق کیا۔ اور قصر خلافت پر چڑھ گئے۔ مہتدی بہادر آدمی تھا تلوار لے کے باہر نکل آیا اور اُن سے لڑنے لگا۔ مگر کب تک اور کتنون سے لڑتا۔ آخر ترکون نے ہاتھ پکڑ کے اُسے گرایا اور اس اس شدت سے کچلا اور اُس کا پیٹ دبایا کہ روح پرواز کرگئی۔ مہتدی کے بعد ‏۲۵۵ھ مین متوکل کا تیسرا بیٹا علی خلیفہ ہوا جس کا لقب معتمد علی اللہ تھا۔ وہ ۲۳ سال تک حکومت کرکے اپنی موت سے مرا۔ یہ پندرھوان عباسی خلیفہ تھا۔ اسکے بعد ‏۲۷۹ھ مین اُس کا بھتیجا احمد بن طلحہ بن متوکل سولھوان وارث خلافت

قرار پایا - جس نے اپنا لقب المعتضد باللہ قرار دیا - اسکے بعد یکے بعد دیگرے معتضد کے دو بیٹے خلیفہ ہوے جن مین پہلا علی اور دوسرا جعفر تھا - علی نے ۲۸۹ھ مین خلیفہ ہو کے المکتفی باللہ اپنا لقب اختیار کیا - اور اُس کے مرنے پر اُسکے بھائی جعفر نے ۲۹۵ھ مین وارث خلافت قرار پا کے اپنا لقب المقتدر باللہ قرار دیا - سریر آرائی کے وقت اُس کی عمر صرف ۱۳ سال کی تھی - بنی عباس مین یہ عجب متلون القسمت خلیفہ تھا - تین بار تخت پر بیٹھا اور تینون بار سلطنت سے محروم کیا گیا - جن مین سے پچھلی مرتبہ نہایت ہی ذلت اور حد درجے کی بے رحمی و بے شرمی کے ساتھ ترک عسکریون کے ہاتھ سے مارا گیا - پہلی تخت کے ایک ہی سال بعد جبکہ وہ کمسن تھا ترکون نے اُسے تاج و تخت سے محروم کر کے تیرہوین عباسی خلیفہ المعتز باللہ کے بیٹے عبد اللہ بن المعتز کو ۲۹۶ھ مین تخت نشین کیا - چونکہ سلسلۂ خلافت مین بنی عباس کا اُنیسوان خلیفہ ہے اور اُسی کے حالات ہم اسوقت بیان کرنا چاہتے ہین -

اُس کا باپ المعتز جب ترکون کے ہاتھ سے بھوکا پیاسا مارا گیا ہے اُسوقت اسکی عمر پانچ چھ سال سے زیادہ نہ تھی - کیونکہ وہ ۲۴۶ھ یا ۲۴۷ھ مین پیدا ہوا تھا - اور اُسکا باپ المعتز ۲۵۲ھ مین مارا گیا - بچپن ہی مین اُسے زمانے کے ہاتھ سے ایسا عبرتناک سبق ملا تھا اور تیمیی نے کمسنی ہی مین ایسا ہوشیار کر دیا تھا کہ اگرچہ خلافت کے آغوش مین پرورش پائی تھی اور ایوان شاہنشاہی مین اُس کا نشو و نما ہوا تھا مگر حکومت و امارت سے دل اُٹھا ہو گیا - علم و ادب کی دنیا مین قدم رکھ کے اُس نے بعوض سریر جہانبانی کے اپنے لیے علم و فضل کا اعلیٰ تخت ڈھونڈھنا شروع کیا جس کے ساتھ اُسے طبعی مناسبت تھی - اور چند ہی روز کے اندر علمی دُنیا مین اُس کا ایسا سکہ بیٹھ گیا کہ صاحبان علم نے سب سے بڑا ادیب اور سب سے بڑا شاعر تسلیم کر لیا - اُس کا کلام سہل ممتنع ہوتا - الفاظ مانوس اور پیش پا اُفتادہ ہوتے مگر بندش کی چُستی اور تشبیہات و استعارات کی جدت ہر شخص کو اُس کا معترف بنا دیتی - اس مذاق کی وجہ سے اُس نے عباسی شاہزادون اور امیرون کی صحبت چھوڑ دی اور

شب و روز علما و فضلا اور دنیا کے مشہور و معروف ادیبون اور شاعرون کی صحبت رہتی۔ اور اس صحبت مین اُسے کچھ ایسا مزہ آنے لگا کہ امارت و حکومت کی طرف سے بالکل بے پروا ہوگیا۔

مگر اسکو کیا کرتا کہ خاندان شاہی سے تھا اور آبا و اجداد سب جہان بانی کر چلے تھے۔ جب نئے خلیفہ کے انتخاب کا وقت آتا لوگون کی نظرین خواہ مخواہ اسپر پڑجاتین۔ اسکے ساتھ بدنصیبی یہ کہ ترکی فوج کے صاحب اثر سردارون نے خلافت کو اپنے ہاتھ کا کھلونا بنا لیا تھا۔ آئے دن بغداد مین یہی انقلاب نظر آتے کہ ایک خلیفہ تخت سے اُتارا اور کمال بے رحمی کے ساتھ قتل کیا گیا اور دوسرا اُسکی جگہ بٹھا دیا گیا۔ المکتفی باللہ کے مرنے کے بعد جب خلیفہ کے انتخاب کا وقت آیا تو اکثر امرا و سردار عبداللہ بن معتز ہی کے طرفدار تھے۔ اور اُسکی علمی فضیلت اور مقبولیت عام کی وجہ سے چاہتے تھے کہ اُسے خلیفہ بنائین۔ مگر بعض صاحب اثر امرا نے ضد کی کہ مکتفی کا سیزدہ سالہ نابالغ بھائی ہی تخت نشین کیا جائے۔ چنانچہ اُنکی ضد پوری ہو کے رہی اور المقتدر خلیفہ ہوگیا۔ لیکن اُسکے حکمران ہو جانے کے بعد لوگون مین اختلاف پڑا کہ ایسے کمسن بچے اور امرا کے ہاتھ کے کھلونے سے انتظامات مملکت کیونکر چلین گے تو سارے عمائد سلطنت اور کُل ارکان شاہی اس بات پر متفق ہو گئے کہ المقتدر کو تخت سے اُتار کے عبداللہ بن معتز کو خلیفہ بنائین۔ اور اُنکے وکلا عبداللہ مذکور کے سامنے آ کے عرض کرنے لگے کہ سارے مسلمانون کو آرزو ہے کہ آپ کو خلیفۂ اسلام قرار دے کے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرین۔ ابن معتز جسے علمی مشاغل سے فرصت نہ تھی اُنکی یہ درخواست سُن کے بولا: "اگر سب لوگ پسند کرتے ہین تو مجھے عذر نہین ہے مگر شرط یہ ہے کہ میری تخت نشینی کی وجہ سے کسی کا خون نہ بہایا جائے۔ اگر تم لوگون نے کسی کے قتل کا ارادہ کیا تو مین حکومت سے باز آیا۔" سب نے اطمینان دلایا کہ آپ کی تخت نشینی کا آغاز خون ریزی سے نہ ہوگا۔" اور اس قرارداد کے ساتھ ہی سب نے اُسکے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ تاج شہریاری سر پر رکھتے ہی ابن المعتز نے اپنا لقب المرتضی باللہ قرار دیا۔ مگر بعض راویانِ تاریخ اُسکے دوسرے القاب بتاتے ہین۔ کوئی المنصف باللہ بتاتا ہے کوئی کہتا ہے

کہ المرتضی باللہ لقب تھا۔ لیکن غالب گروہ پہلے ہی لقب کو صحیح خیال کرتا ہے۔ الغرض اس نے تخت خلافت پر قدم رکھ کے محمد بن داؤد بن الجراح کو وزیر اعظم اور علی بن عیسٰی کو دیوان مقرر کیا۔ اور اسی وقت تمام ممالک میں امیر المومنین مرتضٰی باللہ ابو العباس عبد اللہ بن المعتز کے نام سے فرمان جاری ہو گئے۔

اس سے پیشتر یہ ہوتا آیا تھا کہ جو خلیفہ تخت سے اتارا جاتا قتل کر ڈالا جاتا۔ اور سلطنت کے ساتھ اس کی زندگی کا بھی خاتمہ ہو جاتا۔ مگر ابن المعتز خونریزی کا دشمن تھا اور اعیان سلطنت سے عہد لے چکا تھا کہ اس کی تخت نشینی کے لیے کسی کی جان نہ لی جائے۔ اسی اقرار کے مطابق بعوض اس کے کہ المقتدر کے قتل کی کوشش کی جائے اس کے نام ابن المعتز کی طرف سے اس مضمون کا خط پہونچا کہ ایوان خلافت اور حرم سرائے شاہی کو خالی کر کے آپ ابن طاہر کے مکان میں اٹھ آئیں تاکہ میں قصر خلافت میں سکونت پذیر ہوں۔" جس مکان میں ابن معتز رہتا تھا وہ ابن طاہر ہی کے نام سے مشہور تھا۔ لہذا اس نے کوشش کی کہ اپنے مکان میں خلیفۂ معزول کو رکھے اور خود قصر خلافت میں اٹھ جائے۔ مقتدر نے اگرچہ بچہ تھا نہایت متانت کے ساتھ جواب میں کہلا بھیجا "میں تعمیل کے لیے بسرو چشم حاضر ہوں۔ مگر اتنا چاہتا ہوں کہ مجھے آج رات کی مہلت دی جائے۔" رات گزر گئی۔ اور صبح کو جب مقتدر نے محل کے خالی کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے ہمراہیوں میں سے بعض نے کہا ہمیں بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے سلطنت نہ چھوڑ دینی چاہیے۔ لوگ اسی سوچ میں تھے کہ المعتز کے لوگوں نے پہونچ کے محل خالی کرنے کا تقاضا شروع کیا۔ اور جب تقاضے میں سختی ہوئی تو مقتدر کے غلام شاہی محل سے اور بالاخانوں کے پردوں کی آڑ سے مقابلہ کرنے لگے۔ اس مقابلے میں کسی قسم کی خون ریزی نہیں ہونے پائی۔ المعتز کی طرف سے کوشش تھی کہ بغیر خون ہوئے قصر پر قبضہ کیا جائے اور المقتدر کے لوگ اڑے ہوئے تھے کہ جان دینگے دے دینگے مگر محل نہ چھوڑیں گے۔

تھوڑی دیر کے بعد المقتدر کے لوگوں نے ارادہ کیا کہ دجلے میں کشتیوں پر سوار ہو کے چڑھاؤ کاٹتے ہوئے جائیں اور ابن طاہر والے محل پر جس میں ابن معتز

تھا۔ حملہ کر دین۔ چپکے ہی چپکے انھون نے صدہا کشتیان جمع کر لین اور اُنھین کھینے اور کھینچتے ہوے جا پہونچے۔ المعتز کے ہمراہیون نے ان لوگون کی کثرت دیکھی تو قبل اس کے کہ المقتدر کے لوگ پہونچین دُور ہی سے بھاگ کھڑے ہوے۔ المعتز کے پاس اُس کا سب سے بڑا حامی حسین بن حمدان تھا۔ سب سے پہلے وہ بھاگا اور اُسے دیکھ کے اورون نے بھی راہ فرار اختیار کی۔ اور بعض لوگون کا خیال ہے کہ وہ المقتدر باللہ سے مل گیا تھا اور پہلے ہی سے طے ہو چکا تھا کہ وہ بھاگ کھڑا ہو گا۔

بہر تقدیر جب سب لوگ بھاگ کھڑے ہوے تو مجبوراً عبداللہ بن المعتز گھوڑے پر سوار ہو کے قصر خلافت سے باہر نکلا۔ اس کا وزیر محمد بن داؤد ہمراہ رکاب تھا اور آگے آگے ایک غلام پکارتا جاتا تھا کہ "عوام الناس اپنے سنّی اور بربہاری خلیفہ کو دعاے دولت دو"۔ بربہاری کہنے کی یہ وجہ تھی کہ اُن دنون عوام بغداد اور خاصۃً حنبلیون کا سرغنا قاسم بن عبیداللہ بربہاری تھا اور سارے شہر کا اُسپر اثر پڑا ہوا تھا۔ ابن المعتز کو بربہاری ظاہر کرنے کی یہ وجہ تھی کہ بغداد کے عام لوگ اُسکے طرفدار ہو جائین۔ اور غالباً ابن المعتز اُن لوگون کا ہمخیال و ہم عقیدہ بھی تھا۔ لیکن وہ غلام ہزار پکارتا اور غل مچاتا رہا مگر کسی نے بھی ابن معتز کی طرف رخ نہین کیا۔

اسکے بعد ابن معتز نے آبادی سے نکل کے صحرا کی راہ لی تاکہ فوج والے جو اُسکے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہین شہر چھوڑ کے باہر نکل آئین اور اُس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہون۔ مگر ایک شخص بھی نہ آیا۔ اب مجبور ہو کے اُس نے ارادہ کیا کہ اگر کچھ فوجی لوگ مل جائین تو اُن کے ساتھ سُرمن راٰی مین چلا جائے۔ جو سب سے بڑا فوجی مرکز تھا۔ اور فوج سے مدد ملنے کی قوی اُمید تھی۔ کیونکہ سب نے بالاتفاق اور بغیر کسی اختلاف کے اُسے خلیفہ بنایا تھا۔ مگر کسی سپاہی نے ساتھ نہ دیا۔ آخر مجبور ہو کے خلیفہ اور وزیر دونون نے روپوش ہونے کا ارادہ کیا۔ محمد بن داؤد وزیر تو اپنے گھر مین جا کے چھپ رہا۔ مگر غریب ابن المعتز کے لیے کوئی گھر بھی نہ تھا۔ اتفاقاً جواہرات کے تاجر ابو عبداللہ حصاص کا مکان سامنے نظر آیا اور وہین جا کے آقا

و غلام روپوش ہو گئے۔

اب اس وقت ابن معتز اور اُس کا وزیر ہی نہین ملکہ اُسکے تمام طرفدار چھپتے پھرتے تھے۔ اکثر اپنے ہی گھرون مین کنڈیان بند کر کے بیٹھ رہے اور بعض نے دوسرون کے گھرون مین پناہ لی۔ اور سارے بغداد مین لوٹ مار ہونے لگی۔ دوکانین اور مکان لُٹنے لگے۔ راہگیرون پر حملے ہونے لگے۔ اور ہر طرف قتل و غارت کا بازار گرم تھا۔ موقع پاکے عیارون نے الگ سر اُٹھایا۔ ادنیٰ طبقے کے اراذل شرفا و معززین پر چیرہ دستی کرنے لگے۔ کوتوال ابن عمرویہ نے معتز کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اُسی کے لوگون مین مشہور تھا مگر اسوقت اُس نے یہ حرکت کی کہ اپنے جتھے اور بیڑے کے جوانون کو جمع کر کے بجائے المعتز کے المقتدر کے نام کے نعرے بلند کرنے لگا۔ عوام نے اُس کی یہ حرکت دیکھی تو بگڑے اور اُسے ریاکار اور جھوٹا کہہ کہہ کے سب طرف سے اُس پر ٹوٹ پڑے۔ شہر کا یہ رنگ دیکھ کے ابن عمرویہ بھاگ کھڑا ہوا۔ المقتدر نے فوراً اپنے ایک معتمد و مخصوص ترکی سردار مونس خازن کو کوتوالی کا خلعت دیا۔ اور ساتھ ہی المقتدر اپنے لشکر کو ساتھ لے کے قصر شاہی سے نکلا اور المعتز کے طرفدارون کو گرفتار کرنے لگا۔ وصیف بن صوار تگین کو پکڑ کے قتل کر ڈالا۔ قاضی ابو عمر و علی ابن عیسیٰ قاضی محمد بن خلف کو پہلے تو اسیر کر لیا پھر قصور معاف کر کے جان بخشی کی۔ پھر قاضی مثنیٰ احمد بن یعقوب کو قتل کرایا اس لیے کہ اُنھون نے المقتدر کی نسبت کہا تھا کہ "ہم ایک لونڈے کے ہاتھ پر بیعت نہین کر سکتے"۔

یہ دھر پکڑ ہو ہی رہی تھی کہ سوسن نام ابن جصاص کے ایک غلام نے مقتدر کے ایک سردار فوج صافی حرمی کو خبر دی کہ میرے مالک کے گھر مین ابن المعتز اور اُنکے بہت سے رفقا چھپے ہوے ہین۔ فوراً ابن جصاص کا مکان گھیر لیا گیا اور چند ہی منٹ کے اندر سپاہیون نے اندر گھُس کے ابن المعتز کو پکڑ لیا۔ رات تک گرفتار رکھا۔ اور رات کے اندھیرے مین اُسے گلا گھونٹ کے مار ڈالا۔ یہ سزا اُس شخص کو دی گئی جو سب سے بڑا ادیب اور علم و فضل مین مقبول انام تھا۔ مرنے کے بعد اُس کی لاش کپڑے مین لپیٹ کے اُس کے گھر بھیجدی گئی۔ عزیز و

اپنے مکان کے سامنے ہی ایک گڑھا کھود کے دفن کر دیا۔ اور یون ابن المعتز کی ۲۴ گھنٹے کی خلافت کا خاتمہ ہوا۔

مورخین کا خیال ہے کہ ابن المعتز کے واقعے نے بغداد مین دو عجیب قسم کی متضاد باتین ظاہر کین۔ اول تو یہ کہ جس وقت لوگون نے ابن المعتز کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اُسوقت معلوم ہوتا تھا کہ جیسے سارے بغداد مین کوئی اُس کا مخالف نہین۔ اور کل معززین عراق نے بالاتفاق اُسے خلیفہ بنایا ہے۔ لیکن چندہی گھنٹون کے بعد جب اُس کی حالت بگڑی تو معلوم ہوتا تھا کہ جیسے دنیا مین کوئی اُس کا دوست نہین ہے۔ دوسرے یہ کہ ابن المعتز نہایت ہی متعصب سُنّی تھا۔ یہان تک کہ اُس کے عقائد مین ناصبیت پائی جاتی تھی۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوءِ ظن رکھتا تھا اور اکثر آپ پر زبان طعن و تشنیع دراز کرتا۔ مگر ابن حمدان نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ اُس کے ہاتھ پر بیعت کی جو نہایت ہی سخت اور متعصب شیعہ تھا۔

ابن المعتز کے قتل کے بعد بھی اُس کے طرفدارون پر ظلم و ستم ہوتا رہا۔ ابن الجصاص سے جس کے مکان مین وہ روپوش ہوا تھا۔ بہت سا روپیہ جرمانے مین وصول کیا گیا۔ محمد بن داؤد جسے ابن المعتز نے خلعت وزارت دیا تھا گرفتار کرکے قتل کیا گیا۔ علی بن عیسیٰ جلاوطن کرکے شہر موصل مین بھیجدیا گیا جہان سے وہ چندروز بعد مقتدر کے وزیر ابن فرات سے سفارش اُٹھوا کے بصرے اور وہان سے مکۂ معظمہ مین جاکے سکونت پذیر ہوگیا۔ قاضی ابو عمر پر ایک لاکھ اشرفی جرمانہ ہوا۔

اب ابن المعتز کے معزز طرفدارون مین سے حسین بن حمدان باقی تھا اُسکی گرفتاری کے لیے موصل اور دیگر بلاد مین فوج بھیجی گئی مگر پتہ نہ لگا۔ تب وزیر مقتدر نے حسین مذکور کے بھائی ابو الہیجا کو لکھا جو حاکم موصل تھا کہ جس طرح بنے اپنے بھائی کو حاضر کرو۔ اس حکم کے مطابق وہ اُس کی تلاش مین روانہ ہوا اور حسین نے شہر سنجار مین پہونچ کے سُنا کہ میرا بھائی میرے تعاقب مین ہے۔ گھبرا کے وہان کے صحرا یعنی دشت سنجار مین چلا گیا۔ ابو الہیجا بھی ازادے کا ایسا پکا

تھا کہ وہ دشت کی خاک چھاننے لگا۔ اور دس روز کی صحرا نوردی کے بعد اس کے سر پہ جا پہونچا۔ دونون بھائیون مین لڑائی ہوئی۔ جس مین ابو الہیجا فتحیاب ہوا اور حسین کے چند سپاہی اُسکے ہاتھ مین اسیر ہو گئے۔ اب ابو الہیجا بھی تعاقب کرتے کرتے عاجز ہو گیا تھا اُس سے دس ہزار دینار جرمانہ وصول کر کے موصل مین واپس چلا آیا۔ اسکے بعد وہ بغداد مین آرہا تھا کہ راستے مین تکریت کے قریب پھر حسین سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ ابو الہیجا اب کی بھی غالب رہا۔ بھائی کے بہت سے ہمراہیون کو قتل کیا۔ اور خود اُسے اسیر کر کے ابن الفرات وزیر کے پاس بھیجا کہ امیر المومنین کی خدمت مین سفارش کر کے ان کا قصور معاف کرا دیجیے۔ اسی موقع پہ اور بھی بہت سے لوگون کے قصور معاف کیے گئے۔ جن مین پرانا کوتوال ابن عمرویہ بھی تھا۔ قصور معاف ہونے کے بعد حسین بن حمدان بغداد ہی مین۔ رہا یہان تک کہ علاقہ قم کا والی بنا کے بھیجا گیا۔ اپنے مستقر کی طرف روانہ ہوتے وقت اُس نے وہ فہرست دریاے دجلہ مین غرق کر دی جس مین اُن لوگون کے نام درج تھے جنھون نے مقتدر کے خلاف اُس کا ساتھ دیا تھا۔

ابن معتز کے باپ کا شمار تو خاندان عباسیہ کے خوبرویون مین تھا ہی وہ بھی بڑا خوش جمال تھا۔ رنگت کھلتی ہوئی گندم گون تھی۔ بال جلدی سفید ہو گئے تھے۔ چنانچہ چالیس برس کی عمر مین جب وہ تخت خلافت پر بٹھا کے قتل کیا گیا ہے خضاب لگاتا تھا۔

علم ادب مین اس کا پایہ اس قدر بلند ہے کہ اسکے اقوال حجت اور سند کے طریقے سے پیش کیے جاتے ہین۔ کہا کرتا کہ شعراے عرب مین چار ایسے ہین کہ اُن کی نسبت اُن کے اقوال کی بنا پر جو کچھ شہرت ہے وہ واقعات اور اُنکے افعال کے بالکل خلاف ہے۔ یعنی اُن کے اقوال اُنکے افعال کے مخالف ہین۔ پہلا ابو العتاہیہ جس کے اشعار سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بہت ہی بڑا عابد و زاہد اور متقی و پرہیزگار تھا۔ لیکن اصل مین ملحد و بے دین تھا۔ دوسرا ابو نواس۔ اشعار دیکھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا مین سب سے بڑا امرد پرست معلم ہے۔ حالانکہ

حد درجے کا زانی تھا اور اغلام سے اُسے کچھ بھی سروکار نہ تھا - تیسرا ابوعکمہ کاتب - اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت ہی پاکدامن ہوگا - مگر حقیقت پوچھیے تو بکر سے بھی زیادہ پُر شہوت تھا - چوتھا محمد بن حازم - اشعار دیکھ کے خیال گذرتا ہے کہ بڑا ہی بے پروا اور قانع شخص ہوگا لیکن واقعہ یہ ہے کہ کُتّے سے بھی زیادہ حریص تھا - مگر مورخین ابن حازم کا ایک ایسا واقعہ بیان کرتے ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑا ہی قانع اور بے پروا شخص تھا - خیر چاہے جو کچھ ہو مگر ابن معتز کا یہ قول علمی دنیا مین نہایت مشہور رہوا - اور جن لوگون کی نسبت اُس نے جو کچھ کہا ہے نہ بھی تھا تو اُن پر ٹھپ گیا -

عبداللہ بن المعتز نے دنیا مین تصانیف بھی چھوڑے - اُس کا دیوان مقبولیت عامہ کی وجہ سے چھپ گیا اور اہل ادب کے ہاتھون مین موجود ہے - دیگر تصانیف کی نسبت معلوم نہین کہ ہین یا نہین - مگر ان کی فہرست جو ابن خلکان نے دی ہے حسب ذیل ہے :-

(۱) کتاب الزہر والریاض (پھولون اور باغ کی کتاب) (۲) کتاب البدیع (فن بدیع مین) (۳) کتاب مکاتبات الاخوان بالشعر (اشعار مین بھائیون کی مراسلت کی کتاب) (۴) کتاب الجوارح والصید (شکاری جانورون کی کتاب) (۵) کتاب السرقات (سرقون کی کتاب) (۶) کتاب اشعار الملوک (بادشاہون کے اشعار کی کتاب) (۷) کتاب الآداب (۸) کتاب حلی الاخبار (۹) کتاب طبقات الشعرا (۱۰) کتاب الجامع فی الغناء (علم موسیقی مین ایک جامع کتاب) (۱۱) ارجوزۃ فی ذم الصبوح (مختصر رسالہ شراب صبوحی کی مذمت مین)

محمود و ایاز

محمود غزنوی اور اُس کے غلام ایاز کی محبت کے واقعات بہت مشہور ہین جنھین محمود نامے نے خاص شہرت دے دی ہے - اس سے چند ہی روز پیشتر محمود نامہ فارسی کی ایک عام پسند درسی کتاب مانا جاتا تھا - محمود کو ایاز سے جیسی کچھ محبت تھی اور ایسی محبت کہ محمود اُس کا عاشق مشہور ہو گیا - لیکن اُس کی

اصلیت اسی قدر ہے کہ ایاز کی تہذیب و شائستگی۔ تیزداری اور سلیقہ شعاری نے محمود کو اُس کا ایسا گرویدہ بنا دیا تھا کہ لوگ اُسے آیاز کا عاشق جانباز کہنے لگے۔

مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ محمود غزنوی کا دل عشق کی گرمی سے خالی تھا۔ یا فتوحات۔ تاخت و تاراج۔ اور قتل و غارت نے اُس کے دل کو اس قابل ہی نہ رکھا تھا کہ آتش حسن کی گرمی پا کے پگھلے اور کسی پر جمال کا شیفتہ و شیدا ہو جائے۔ یقیناً اس کے دل مین عشق کی ایک چنگاری تھی جس نے ایک زمانے تک بیقرار رکھا۔ مگر یہ عشق ایاز کے ساتھ نہین تھا بلکہ ایاز کی حسین و نازنین و نازک اندام و گلفام بہن کے ساتھ تھا۔

محمد عوفی نے اپنی دلچسپ کتاب جامع الحکایات مین جس کے انتخاب کا ترجمہ مسٹر ایلیٹ نے اپنی تاریخ ہند مین دیا ہے اس عشق کا حال مختصراً بیان کیا ہے۔ جو ناظرین دلگداز کے لیے غالباً لطف سے خالی نہ ہوگا۔ مصنف ممدوح کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بیتابانہ جوش عشق کو محمود غزنوی ایک مدت دراز تک نہایت ضبط و تحمل کے ساتھ اس طرح دل مین چھپائے رہا کہ کسی پر ظاہر نہ ہو سکا۔ وہ دل مین خیال کرتا تھا کہ اپنے ایک غلام کی بہن پر عاشق ہونا میری شان فرمان روائی اور سیرت و ضع عدالت گستری کے خلاف ہے۔ اور اگر ذرا بھی یہ ظاہر ہوگیا تو مین عام لوگوں کی نظر مین ذلیل و خوار ہو جاؤن گا۔

مگر عشق وہ خودمختار بادشاہ ہے جس کے دربار مین شاہ و گدا کا رتبہ ایک ہے۔ اور جس کا شعلہ کسی نہ کسی دن بھڑک ہی اُٹھتا ہے۔ آخر کار دل مین بخارات دروُنی کے حبس سے ناقابل برداشت اُمس پیدا ہوئی۔ اور محمود کے ایسے ضابط و متین بادشاہ کی یہ حالت ہوئی کہ صبر و تحمل نے جواب دے دیا۔ اور ایک رات کو یہ قصہ پیش آیا کہ جب ندیمان صحبت اور مشیران دولت رخصت ہو ہو کے اپنے اپنے گھرون کو جانے لگے تو محمود نے اپنا پاؤن ابو نصر مشکانی کی طرف بڑھا دیا۔ مطلب یہ تھا کہ پاؤن دبانے کے بہانے تم ابھی ذرا ٹھہرو۔ ابو نصر مذکور کو محمود غزنوی کے مزاج مین تمام امرائے دولت سے زیادہ خصوصیت تھی۔ اور وہی بادشاہ کا سب سے بڑا مزاجدان تھا۔

دل مین سمجھ گیا کہ آج قبلۂ عالم اپنا کوئی اہم راز ظاہر فرمانا چاہتے ہین۔ اور اسے اپنا فخر سمجھ کے پادشاہ کا پانون دبانے لگا۔

جب تھوڑی دیر تک وہ برابر چپی کرتا رہا اور بالکل تنہائی ہو گئی تو سلطان نے کہا "ابو نصر۔ حکیمون کا قول ہے کہ تین شخصون سے اپنا راز نہ چھپانا چاہیے۔ اول تو طبیب حاذق سے۔ دوسرے مہربان متبدل دین سے۔ اور تیسرے عقلمند نوکر سے۔" ابو نصر نے ادب کے ساتھ عرض کیا "غلام کو تو ان مین سے کوئی عزت بھی نہین نصیب ہے۔ لیکن اگر قبلۂ عالم سرفرازی عطا فرمائین گے تو غلام سے جہان تک بنے گا سچا آوری خدمت مین کوتاہی نہ کرے گا۔ اور اپنے آقا کو اُنکے نیک و بد سے مطلع کر دے گا۔" محمود نے کہا "یہی مین چاہتا ہون۔ خیر اب سنو۔ مدت دراز سے ایک خیال میرے دل مین کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے۔ اور ہزار کوشش کرتا ہون یہ پھانس کلیجے سے نہین نکلتی۔ مین ایاز کی بہن کی صورت زیبا پر فریفتہ ہون۔ اُسکے حُسن و جمال نے مجھے بیتاب کر رکھا ہے۔ اور کسی طرح دل کو قرار نہین آتا۔ اُس کی دلستان اداؤن۔ اُس کی ناز آفرینی کی حرکتون نے مجھے دیوانہ کر دیا ہے۔ اگر اس شوق سے باز آ جاؤن تو دل نہین مانتا۔ اور اگر اُسے اپنی محبوبۂ خاص اور اپنا شریک زندگی بناؤن تو ڈرتا ہون کہ قرب و جوار کے سلاطین سُن کے کیا کہین گے؟ اور میری رعایا پر اُس کا کیا اثر پڑے گا۔ مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ یہ راز ذرا بھی فاش ہوا تو مین تم سب لوگون مین یہان تک کہ خود اپنے نوکرون اور غلامون کی نظر مین بھی حقیر و ذلیل ہو جاؤن گا۔ ان سب پہلوؤن پر خیال کرکے بتاؤ کہ اس بارے مین تمھاری کیا رائے ہے؟ تاریخ پر تمھاری نظر بہت وسیع ہے۔ بھلا تم نے کسی تاریخ مین دیکھا یا سنا ہے کہ کسی بادشاہ نے اپنی کسی کنیز کے ساتھ شادی کی ہو؟"

محمود غزنوی اپنے آپ کو قدیم خسروان عجم اور سلاطین آل ساسان کی نسل سے خیال کرتا تھا۔ اُس کے اسی میلان طبع کے سبب سے شعرائے دربار نے تاریخ عجم پر ایسی طبع آزمائیان کین جو قیامت تک یادگار رہین گی۔ فردوسی طوسی نے شاہنامہ لکھا۔ حکیم اسدی طوسی نے گرشاسپ نامہ لکھا۔ چنانچہ ابو نصر مشکانی

نے بھی اس موقع پر فرمان روایان اسلام کی ایک آدھ نظیر پیش کرنے کے بعد مناسب سمجھا کہ تاریخ عجم سے ایسے شواہد پیش کیے جو بادشاہ کے دل پر پورا اثر کریں اور اُس کی فکریں دُور کر دیں۔

چنانچہ زمین بوس ہو کے عرض کرنے لگا "قبلۂ عالم یہ کوئی نئی بات نہیں۔ دنیا میں بارہا ایسے واقعات گذر چکے ہیں۔ سلاطین آل سامان میں جتوں نے اپنی لونڈیوں سے شادیاں کیں۔ آل سامان ہی وہ مسلمان تاجدار تھے جنھوں نے خاندان طاہریہ کے بعد خراسان و زابلستان میں آزادی کا جھنڈا بلند کیا تھا۔ اور انھیں سے بغاوت کر کے اُن کا غلام البتگین بادشاہ بنا تھا جو محمود کے باپ سبکتگین کا آقا تھا۔ اسکے بعد ابو نصر نے کہا "خداوند یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں جو حضور پر گراں گذرے یا جس کی وجہ سے دنیا میں کسی کی سبکی اور حقارت ہوتی ہو۔ غالباً حضور نے سنا ہو کہ دارائے ایران قباد جب ترکستان میں گیا ہے تو وہاں کے کسی کسان کی بیٹی سے اُس نے شادی کی تھی جس کے بطن سے نوشیروان عادل ایسا عدالت گستر تاجدار پیدا ہوا۔ اسکے علاوہ میں نے تاریخ عجم میں بہرام گور اور ایک مچھلی والے کی بیٹی کا واقعہ دیکھا ہے جو نہایت ہی دلچسپ ہے۔ اور اُسے سُن کے حضور پر روشن ہو جائے گا کہ ایسے واقعات سے سلاطین عالم کی عزت و وقار پر حرف نہیں آتا۔ محمود نے مشتاق ہو کے کہا وہ واقعہ کیا ہے اور ابو نصر مشکانی نے یوں بیان کرنا شروع کیا۔

"قبلۂ عالم! بہرام گور ایک دن شکار کو گیا تھا۔ جنگل میں کسی ہرن کے پیچھے گھوڑا ڈالا تو اپنے لشکر سے کوسوں دُور نکل گیا۔ آخر ہرن نظر سے غائب ہو گیا اور بادشاہ پیاس سے بیتاب تھا۔ پانی کی تلاش میں سرگردان تھا کہ ایک گانوں میں گذر ہوا۔ جہاں ایک مچھلی والا تالاب کے کنارے بیٹھا کپڑے دھو رہا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر اُس کی بی بی اور اُس کی نازک اندام دگل پیرہن بیٹی بیٹھی تھیں اور اُن کے آگے کپڑوں کا انبار لگا ہوا تھا۔ بہرام قریب گیا اور کہا "میاں مچھلی والے! مجھے تھوڑا سا پانی پلا دینا"۔ مچھلی والا صورت دیکھتے ہی پہچان گیا کہ حضور ظل اللہ ہیں۔ تعظیم کے لیے اُٹھا۔ اور بی بی سے پکار کے کہا "خداوند عالم

سکے لیے پانی لاؤ۔" اُس کی جورو نے اُٹھ کے کٹورا خوب مانج کے کئی بار دھویا۔ اور اُسے اپنی پری جمال بیٹی کے ہاتھ مین دے کے کہا "بیٹی۔ مجھے مرد کا ہاتھ لگ چکا ہے اس لیے مین اس قابل نہین کہ بادشاہ لوگ میرے ہاتھ کا پانی پیین۔ تو کنواری ہے اور تیرا پنڈا ابھی کورا ہے۔ اس لیے تو ہی پانی لاکے اپنے نازک اور اچھوتے ہاتھ سے بادشاہ کے سامنے پیش کر۔" لڑکی ایک چست و چالاک ہرنی کی طرح دوڑ کے پانی لائی۔ اور ایک معشوقانہ ادا سے شرما کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ بہرام نے دلدادگی کے ساتھ اُس کی اداؤن پر نظر ڈالی۔ کٹورا لے کے پانی پیا۔ اور اب سیراب ہو کے اُس کی صورت زیبا دیکھی تو

ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ   صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ

اُس کے حسن و جمال۔ اُس کی نازآفرینی و دلربائی۔ اور ان چیزون کے ساتھ اُس کے ادب اور سلیقے نے بہرام کے دل پر ایسا قبضہ کر لیا کہ بجاے ہرنی کا شکار کرنے کے خود ایک زیبا شمائل غزال رعنا کا شکار ہو گیا۔ دل مین سوچنے لگا کہ اس معشوقۂ نازآفرین کو کیونکر اپنا بناؤن؟ اور جب اُس محبوبۂ دوشیزہ کے باغ حُسن سے گل چینی کی کوئی تدبیر نہ بن پڑی تو مچھلی والے سے کہا "میرا جی چاہتا ہے کہ آج تمھارا ہی مہمان رہون۔ تمھین اس مین کوئی عذر تو نہین ہے؟" اُس نے زمین بوس ہو کے عرض کیا "قبلۂ عالم حقیر کی نان خشک اور غریب کا کھانا کھانے مین حضور مضائقہ نہ سمجھین تو ہم لوگ اُسے اپنی خوش نصیبی سمجھین گے۔" یہ کہہ کے مچھلی والے نے ایک اُجلی چاندنی لاکے ایک درخت کے سایے مین بچھا دی۔ اور عرض کیا کہ "حضور رونق افروز ہون"۔ پھر بادشاہ کے گھوڑے کو لیجا کے ایک درخت مین باندھ دیا۔ اور نازآفرین بیٹی کے ہاتھ مین ایک صاف اور پاکیزہ کپڑا دے کے کہا کہ "تو بادشاہ کے قریب کھڑی ہو کے مگس رانی کر۔" لڑکی باپ کے حکم سے اپنا فرض ادا کرنے لگی۔ اور وہ خود گانون مین دوڑا گیا اور دم بھر مین ایک ۔۔ روٹی۔ گوشت شراب وغیرہ ضروری سامان ضیافت لے آیا۔ واپس آتے ہی اس نے جام و صراحی لڑکی کے ہاتھ مین دیے اور کہا "تو ہی بادشاہ کی ساقیہ بن۔" لڑکی نے سلیقے اور نفاست کے ساتھ جام کو دھو مانج کے صاف کیا اور

آئے ہوئے ارغوانی سے لبریز کر کے ایک ایسی ادا سے بادشاہ کے سامنے پیش کیا کہ بہرام گور نے جو اس کے حسن کا دیوانہ اور جوشِ عشق سے بیتاب ہو رہا تھا بعوض ساغر کے ہاتھ سے لے خود اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بادشاہ کی اس بے اعتدالی پر نازآفرین لڑکی نے یہ حرکت کی کہ جھک کے اس کے دونوں ہاتھ چوم لیے اور پیچھے ہٹ کے ادب سے کھڑی ہو گئی۔ بادشاہ اس ادا سے اور بیتاب ہو گیا اور کمال ازخود رفتگی کے ساتھ بولا "دلربا نازنین! بوسہ لینے کی جگہ ہاتھ نہیں ہوتے ہیں"۔ شوخ ادا لڑکی نے مسکرا کے کہا "لیکن ابھی اس کا وقت نہیں آیا"۔ اس فقرے نے بہرام کو اور بھی اس کے حسن و جمال پر فریفتہ تو پہلے ہی سے ہو رہا تھا اب اس کی یہ باتیں سنیں اور انداز گفتگو کے ساتھ اس کی اعلیٰ فصاحت کو دیکھا تو بالکل دل ہاتھ سے کھو بیٹھا۔

اتنے میں بہرام کا لشکر اور اس کا جلوس سامنے سے نمودار ہوا۔ اس لیے کہ امرائے سلطنت اور سرداران فوج اسے ڈھونڈھتے ہوئے یہاں آ پہونچے تھے چونکہ مچھلی والے کی لڑکی اس کے دل میں جگہ پا چکی تھی اس لیے یہ گوارا نہ ہوا کہ اس کے رخ زیبا پر کسی اور کی بھی نظر پڑے۔ تاجدار عجم اس بارے میں نہایت ہی سخت تھے۔ یہاں تک کہ ان کے حرم کی کسی خاتون پر کسی غیر کی نظر پڑ جاتی تو وہ واجب القتل قرار پا جاتا۔ اس جذبے سے متاثر ہو کے بہرام نے بے اختیار اُس نازنین لڑکی سے کہا "تم اپنا منہ چھپا لو"۔ یہ گویا اشارہ تھا کہ اب یہ لڑکی ایک غریب مچھلی والی نہیں بلکہ تاجدار عجم کی دلدار ملکہ اور اس کے دل و جان کی مالک ہے۔ بادشاہ کا اشارہ پاتے ہی لڑکی نے منہ پر نقاب ڈال لی۔ اس کے بعد فوج نے سامنے صف باندھ کے سلامی لی۔ اور مخصوصین بارگاہ قریب آ کے زمین بوس ہوئے۔

اب بہرام گور میں صبر کی طاقت نہ تھی۔ اُسی وقت مچھلی والے کو راضی کر کے اُس کی ماہوش اور گل اندام بیٹی سے مروجہ رسوم کے مطابق عقد نکاح کر لیا۔ اور ایک گھڑی نہیں گذری تھی کہ وہ ماہ طلعت مچھلی والی شاہانہ لباس پہنا کے ہاتھی کی عماری زرنگار میں بٹھائی گئی اور چتر شاہی اُس کے سر پر سایہ افگن ہوا۔ اُسکے

ان باپ کو بھی دوسرے باقیون پر جگہ دی گئی - اور شاہانہ کر و فر اور پورے تزک و احتشام کے ساتھ اُس نازنین کی سواری دارالسلطنت غزنی مین داخل ہوئی ؎

اس قصے نے محمود غزنوی کے دل پر بے انتہا اثر ڈالا - دل مین کہنے لگا کہ "صد شکر میری معشوقہ اُس مچھلی والی سے بدرجہا زیادہ معزز و محترم ہے" پھر ابو نصر مشکانی سے کہا "تم نے میری بڑی فکر دُور کر دی" اور اُسے بہت کچھ انعام اکرام کے ساتھ رخصت کیا -

اس واقعے کو دو ہی دن گذرے تھے کہ ایاز کی پری جمال بہن کی شادی سلطان محمود کے ساتھ ہو گئی - جو کہ اب ایک غلام کی بہن اور لونڈی ہونے کے بجاے غزنی سے لے کے مشرق مین لب گنگا تک اور مغرب مین فارس و دیلم تک تمام ممالک کی پُر سطوت و جبروت ملکہ تھی -

میر علی شیر

علم و فضل جب دل پر سچا اثر ڈالتے ہین تو انسان مین جاہ پسندی عیش طلبی اور دولت و حکومت کی ہوس بالکل نہین باقی رہتی - لیکن اس قسم کے اعلیٰ کمال کے نمونے اکثر اُسی قوم مین نظر آیا کرتے ہین جو دنیا مین عز و وقار اور شرافت و نجابت کے لحاظ سے نہایت ممتاز ہو جاتی ہے - مسلمانون کا بھی کبھی ایسا زمانہ تھا کہ اُن مین علم و فضل کا ایسا ہی سچا ذوق رکھنے والے کثرت سے پیدا ہوا کرتے تھے - ہم مین یہ بات ابھی تھوڑے ہی دنون پیشتر تک موجود تھی کہ ہمارے شرفا و اکابر اور ہمارے صاحبان علم شرافت نفس اور اپنے سچے ذوق علم کے سامنے نہ سلطنت کی پروا کرتے تھے اور نہ عیش و راحت کی - مگر ہمارا وہ زمانہ گذر گیا - اب ہم مین کا ہر شخص دولت اور روپے کی ہوس مین تمام کمالات انسانی کو بھول گیا ہے - مال و دولت کے آگے کسی انسانی کمال کی قدر نہین باقی رہی ہے اور اگر تمتع دنیوی کی امید ہو تو ہر شخص ہر قسم کا ذلیل سے ذلیل اور بیہودہ سے بیہودہ کام کرنے کو تیار ہو جاتا ہے -

اسکے شریف النفس باکمالان اسلام مین ایک ہی میر علی شیر تھا جس کا نام اس مضمون کا زیب عنوان ہے۔ گو اُس کے نام کے ساتھ "میر" کا لفظ لگا ہوا ہے مگر اصل مین وہ تاتاری الاصل تھا اور چغتائی قبیلے کے ایک معزز و محترم خاندان سے تھا۔ ۸۴۴ھ (مطابق ۱۴۴۰ع) مین پیدا ہوا اور اپنے صاحب علم باپ کے آغوش مین پرورش پانے لگا۔ میر علی شیر کے پدر بزرگوار اگرچہ ایک سپہ گر اور صاحب سیف گروہ کی یادگار تھے اور غالب کا یہ شعر اُنکے حسب حال تھا کہ ع "سو پشت سے ہے پیشہ آبا سپہگری" مگر اُنھون نے ذاتی طور پر علم و فن مین ایسی اعلیٰ بصیرت حاصل کر لی تھی کہ علم کے شوق مین سارے مشاغل چھوٹ گئے تھے۔ اور سوا عالمانہ صحبتون کے اُنھیں کسی بات مین مزہ نہ آتا تھا چنانچہ اپنے بچون کو بھی اُنھون نے بجاے تیر افگنی و شمشیر زنی اور نیزہ بازی و شہسواری کے پڑھنے لکھنے کی تعلیم خاص توجہ سے اور بڑے انہاک و اہتمام کے ساتھ دلوائی۔ سلطان ابو القاسم بابر ابن تیمور کے عہد مین سلطنت کا ایک بڑا اور معزز محکمہ اُسکے سپرد تھا۔ اسی وجہ سے میر علی شیر کو تعلیم و تربیت ہی کے زمانے سے دربار شاہی مین جگہ مل گئی۔ اور خاص شاہزادہ ولیعہد کے ساتھ ہم سبق و ہم مکتب ہو جانے سے اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اس کا نشو و نما قصر سلطانی مین بلکہ بادشاہِ زمانہ کے آغوش مین ہوا۔ اور سلطان بابر کو اُس سے ایسا تعلق خاطر ہو گیا تھا کہ اُسے اپنا بیٹا اور فرزند کہا کرتا۔ اور اُسکے بعد جو جو اُس کا علمی ذوق بڑھتا گیا اور اُسکے اشعار مطبوع خلائق ہوتے گئے بادشاہ کی نظر مین اُسکی عزت و وقعت بھی ترقی کرتی گئی۔

اسی اثنا مین علی شیر کو ایک ناگہانی صدمہ پہونچا۔ وہ یہ کہ بادشاہ نے جو اُس کا مربی اور اُسکے حال پر حد سے زیادہ مہربان تھا سفر آخرت کیا۔ اور وہ دنیا سے کچھ ایسا برخاستہ خاطر ہوا کہ اپنے ہم سبق ولیعہد سلطنت کی بھی پروا نہ کی۔ اور دربار شاہی اور ایوان خسروی کو چھوڑ کے فقیرون اور آزاد مشرب صاحبان علم کی طرح مشہد مقدس مین جا بیٹھا۔ چند روز بعد مشہد کے قیام سے بھی دل اُکتایا تو سمرقند کی راہ لی۔ جو شہر کہ اُن دنون علم و فضل کا ایک بڑا بھاری مرکز تھا۔ اس دار العلم مین پہونچ کے اُس نے علوم عالیہ کی طرف توجہ کی اور چند روز مین ایک

فاضل گراں مایہ بن گیا۔
تھوڑے دنون بعد اُس کا ہم سبق اور بچپن کا رفیق سلطان حسین بہادر خان خراسان کا فرمان روا ہوا۔ اُس نے میر علی شیر کے ساتھ تعلیم پائی تھی۔ ہم سبق و ہم مکتب رہا تھا اور اُسکے ساتھ بچپن مین جو صحبت اور ہم مذاقی رہی تھی اُسے یاد کرکے اکثر مزے لیا کرتا تھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی میر علی شیر کو خط لکھ کے سمرقند سے بلوایا۔ اور جیسے ہی وہ حاضر ہوکے آستان بوس دولت ہوا اُسے خلعت سے سرفراز کرکے اپنا وزیر اعظم اور کُل مہمات سلطنت کا ذمہ دار بنا دیا۔ اگلی محبت اور بادشاہ کی صحبتون کو یاد کرکے وہ چلا تو آیا۔ مگر جسکے دل مین علم کا ذوق پیدا ہوگیا اُسے دنیاوی جھگڑون مین کیا لطف آسکتا تھا؟ تھوڑے ہی دنون بعد وزارت سے استعفا دے دیا اور کہا "حکومت و جاہ آپ کو مبارک مجھے تو اپنے علمی مشاغل کے لیے ایک گوشۂ عزلت چاہیے جہان تک حکمرانی و جہان بانی کے جھگڑے نہ پہنچے ہون"۔ مگر سلطان حسین کو اُس سے کچھ ایسی محبت تھی کہ کسی طرح استعفا نہ قبول کرتا تھا۔ اور آخر سمجھا بجھاکے اُسے اسپر راضی کیا کہ اگر وزارت نہین پسند ہے تو صوبۂ استرآباد کی گورنری قبول کرے۔ اور وہان اطمینان سے بیٹھ کے علمی مشاغل اختیار کرے۔ جبراً و قہراً علی شیر نے بادشاہ کی اس عنایت کو قبول کرلیا۔ مگر جب استرآباد کی عنان حکومت ہاتھ مین لی تو وہان بھی ویسے ہی جھگڑے نظر آئے۔ اور اپنے مذاق کی باتون اور علمی مشاغل کے لیے مطلقاً فرصت نہ ملتی۔ آخر اس حکومت سے بھی استعفا دیا اور ملک معاملات کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ کے تصنیف و تالیف مین مشغول ہوگیا۔ اور اسی مشغلے مین اپنی پوری زندگی صرف کردی اُسکے تصانیف فارسی اور ترکی زبانون مین ہین۔ جن کا شمار اکیس[۲۱] سے کم نہین بتایا جاتا ہے۔

اکثر صاحبان علم مین اُمرا اور رؤسا سے زیادہ نخوت پیدا ہو جاتی ہے اور علما کا تبختر اور اُن کی ریاکارانہ خودداری عوام مین مشہور رہے۔ وہ اپنے سامنے کسی کی ہستی نہین سمجھتے۔ اور اپنے کلام کے مقابل سب کے کلام کو لغو اور بے مزہ خیال کرنے لگتے ہین۔ لیکن میر علی شیر مین یہ کمال تھا کہ غرور نام کو بھی نہ تھا۔ اپنے کلام

اور اپنی تصانیف سے زیادہ قدر معاصر علما و شعرا کے علمی کارنامون کی کرتا۔ چونکہ ایک معزز و دولتمند خاندان سے تھا اس لیے اب وہ بجاے ملک پر حکومت کرنے کے اہل علم کے دلون پر متصرف تھا۔ اور علما و فضلا و شعرا و ادبا کا بڑا بھاری مربی بنگیا تھا۔ دولت شاہ سمرقندی نے جس کا تذکرہ اس قدر مشہور ہے کہ یورپ مین بڑے اہتمام سے چھاپا گیا ہے۔ اور ابدی زندگی پانے والے نامور مورخین میرخوند اور خوندمیر نے اُسی کی مربی گری سے شہرت دوام حاصل کی اور اپنے تصانیف کو اُسی کے نام سے معنون کیا ہے۔ جن مشہور شعراے گران پایہ نے اُسکی فیاضی و حوصلہ افزائی سے وقعت حاصل کی اُن مین سب سے زیادہ معزز و مقبول عام نام مولانا جامی کا ہے جو اُسی سے وابستہ تھے اور اُسی کی قدردانی سے طبع آزمائی و خیال آرائی کا جوہر دکھا رہے تھے۔

علم و فضل کے علاوہ میر علی شیر کو عمارت کا بھی بڑا شوق تھا۔ چنانچہ خاص اپنے روپیے سے بڑی بڑی عالیشان عمارتین۔ مدرسے اور پل۔ مسجدین اور خانقاہین تعمیر کرائین۔ اسوا اسکے اُسے علم موسیقی کا بھی بڑا شوق تھا۔ شوق ہی نہین اس لطیف فن مین اُسے اچھی اور مستند دستگاہ حاصل تھی۔ چنانچہ کہتے ہین کہ آج تک اُس کی ایجاد کی ہوئی دُھنین ایران و ترکستان مین مروج اور پسندیدہ ہین۔ اور اہل فن اُن کے بڑے معترف و مداح ہین۔

چغتائی یعنی خالص ترکی زبان مین اُسکے نغمات کا مجموعہ اس وقت تک موجود ہے۔ اُس مین اُس نے اپنا تخلص "نوائی" قرار دیا ہے۔ دس ہزار سے زیادہ شعر اُس مین ہین۔ اور خمسۂ نظامی کو جس خوبی سے اُس نے ترکی زبان مین نقل کیا ہے اُسی کا کام تھا اور اُسے ترکی شاعری کے عام ماہرین آج تک نہایت ہی قدر کی نگاہون سے دیکھتے ہین۔ حتی کہ وہ ترکی زبان کی بے مثل و بے نظیر نظم تصور کی جاتی ہے۔ اُس مین غالباً تیئیس ہزار اشعار ہین۔

فارسی زبان مین میر علی شیر "فنائی" تخلص کرتے تھے اُس مین بھی اُنکے اشعار کا مجموعہ موجود ہے۔ حاجی لطف علی نے اپنے تذکرۂ "آتشکدہ" مین اُن کے فارسی کے یہ اشعار نقل کیے ہین۔

اے شب غم چند دور از روے یارم می‌کشی
زندہ میدارم ترا ہر چہ کارم می‌کشی

ان دونون مسلمانان اہل سنت مین یہ مسئلہ مختلف فیہ تھا کہ یزید بن معاویہ پر لعنت بھیجنا جائز ہے یا نہین۔ اس مسئلے مین وہ اپنا عقیدہ اس قطعے مین بڑے لطف کے ساتھ ظاہر فرماتے ہین

اے کہ گفتی بر یزید و آل او لعنت مکن
زانکہ شاید حق تعالیٰ کردہ باشد عفوش

آنچہ با آل نبی او کرد اگر بخشد خدا
ہم بخشاید خدا اگر کردہ باشی لعنتش

سنہ ۹۰۶ھ (سنہ ۱۵۰۰ء) مین میر علی شیر نے سفر آخرت کیا۔ بہت سے علما و شعرا اور مصنفین و اہل علم اُن کی وفات سے پریشان حال ہو گئے۔ اور دنیا دی علوم نے اُن کی موت کو بڑی بیتابی کے ساتھ برداشت کیا۔ اور میر خوند نے الفاظ ”بنور رحمت“ سے اُن کی تاریخ وفات نکالی

عبداللہ بن ابی بکر صدیق

عشاق عرب مین یون تو بڑے بڑے مشہور نام موجود ہین مگر اولیت کا تاج عبداللہ بن ابی بکر کے محترم سر کے ساتھ مخصوص ہے جن کا محبت بھرا چہرہ صبح اسلام کے نمودار ہوتے ہی دنیا کو نظر آیا تھا۔ عبداللہ ممدوح حضرت ابوبکر صدیق کے فرزند دلبند تھے اور ان خوبرو و صاحب جمال جوانان قریش مین تھے جن کی آنکھین آفتاب اسلام کے طلوع ہوتے وقت تڑکے ہی کھل گئین۔ چونک کے اُٹھے۔ سچے ہادی برحق کی پُر اثر آواز سُن کے خداے واحد و ذوالجلال پر ایمان لائے۔ اور صحابہ کے محترم گروہ مین شامل ہو گئے۔

جس وقت حضرت رسالت (روحی فداہ) نے اعزا اور اہل وطن کے مظالم سے تنگ آ کے اور جان سے ہاتھ دھو کے حرم ربانی کو چھوڑا اور گھر بار کو خیرباد کہی ہے اُس وقت عبداللہ کا عنفوان شباب تھا اور مسین بھیگتی تھین۔ تین دن جب تک اُنکے پدر بزرگوار اور حضرت رسول خدا صلعم غار ثور مین رہے معمول تھا کہ روز رات کو سب کی آنکھ بچا کے غار مین آتے دونون بزرگون کے لیے کھانا لاتے قریش اور اہل مکہ کے حالات اور اُنکے ارادون سے آن حضرت کو مطلع کرتے۔ اور رات

کو ہین غار مین پڑے رہتے۔ صبح تڑکے پھر مکے مین واپس چلے جاتے۔ اسکے بعد جب یہ پہلے دونون داعی الی الحق مہاجر غار سے نکل کے عازم مدینہ ہوے تو عبد اللہ کا دل برابر اُن مین لگا رہا۔ ایک ایک سے جا جا کے خبر پوچھتے کہ ہمارے مظلوم سفرو کہان ہین؟ یہان تک کہ عبد اللہ بن اُریقط دیلی نے جو ارض یثرب سے آتا تھا مژدہ سُنایا کہ دونون بزرگ خیریت کے ساتھ مدینے پہونچ گئے۔ یہ سنتے ہی عبد اللہ بن ابی بکر نے سفر کی تیاریان کر دین۔ اور دو چار ہی روز بعد اُن بزرگون سے جا ملے۔

ہجرت کے آغاز مین عبد اللہ موصوف جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہین ایسے حسین و خوش رو نوجوان تھے کہ اُنکی جوانی مسلمانون کی نظر کے سامنے جنت کی تصویر لا کے کھڑی کر دیتی۔ اور قاعدہ ہے کہ جس طرح روپیہ روپیے کو کھینچتا ہے حسن بھی حُسن کو اپنی طرف کھینچا کرتا ہے۔ چنانچہ اُن کی شادی سعید بن زید کی بہن عاتکہ بنت زید کے ساتھ ہوگئی۔ جو ویسی ہی صاحب جمال تھین جیسے کہ عبد اللہ بن ابی بکر تھے۔ جوڑا نہایت ہی مناسب و موزون تھا۔ اور اس کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ دونون مین حد سے زیادہ محبت پیدا ہوگئی۔ چند ہی روز مین وہ محبت بڑھتے بڑھتے عشق کے درجے کو پہونچ گئی۔ جس نے عبد اللہ کو نازآفرین بی بی کی صحبت و نازبرداری کے سوا سارے معاملات زندگی بلکہ دین و دنیا سے بیخبر کر دیا۔ اور نکاح کے بعد ایک ہی سال کے اندر یہ حالت ہوگئی کہ عبد اللہ کو کسی چیز کا ہوش نہ تھا۔

عبد اللہ اور حضرت صدیق کے سارے خاندان کا ذریعہ کسب معیشت تجارت تھی۔ اور شام و یمن کے قافلے جب مدینے مین آتے تو اکثر تاجران مکہ و مدینہ بغیر دور و دراز کا سفر کیے گھر بیٹھے مناسب لین دین کر لیا کرتے۔ اتفاقاً شام کا قافلہ آیا۔ لوگ کاروبار مین مصروف ہوے۔ اور مال کا مبادلہ مناسب نرخ پر ہونے لگا۔ عبد اللہ بن ابی بکر کو اُس کے آنے کی خبر ہوئی۔ اور لین دین کے لیے گھر سے نکلے۔ مگر دو ہی قدم گئے تھے کہ معشوقۂ پری تمثال کی صورت نظر کے سامنے آگئی۔ اور کہا "اب کون جائے؟ ذرا چل کے پیاری عاتکہ کا جمال جہان آرا تو

دیکھ آؤن" فوراً عاتکہ کے پاس واپس آئے۔ اور معشوقۂ شیرین ادا کی باتون مین ایسے مصروف ہوے کہ تجار کا شامی قافلہ لدے کے چلا گیا اور یہ معشوقۂ پری تمثال کی نازو نیازہی مین پھنسے رہ گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق نے اس بات کو دیکھا مگر خاموش رہے۔ اور خیال کیا کہ عبداللہ نے اگر کاروبار مین غفلت کی تو کچھ اپنا ہی بگاڑا۔ اور کسی کا کیا نقصان ہوا؟ اور یہ تجربہ آیندہ کے لیے ان مین احتیاط پیدا کردے گا۔

اس کے چند روز بعد ایک جمعے کو حضرت صدیق نماز جمعہ پڑھ کے گھر مین واپس آئے تو دیکھا کہ صاحبزادے معشوقہ کے پاس بیٹھے ہین۔ اور اُس کی باتون مین اس قدر محو ہین کہ دین و دنیا کی خبر نہین۔ پوچھا "عبداللہ! تم نے جمعے کی نماز بھی پڑھی؟" عبداللہ نے نشۂ عشق سے چونک کے پوچھا "کیا نماز ہوگئی؟" یہ جواب سنتے ہی حضرت صدیق دم بخود رہ گئے۔ دل مین کہا "عشق نے پہلے تو اسے فقط دنیا سے بیخود رکھا تھا مگر اب یہ دین کی طرف سے بھی غافل و بے پروا" یہ ایسی بات نہ تھی جس کو حضرت صدیق کا سا سچا حق پرست صحابی ایک گھڑی کے لیے بھی برداشت کر سکتا۔ فوراً برہمی کے ساتھ کہا "عاتکہ کی الفت نے تمھین تجارت سے غافل کیا اور مین نے اُس کی کچھ پروا نہ کی بلکہ ایک کلمہ بھی زبان سے نہ نکالا۔ لیکن اب اس الفت نے تمھین نماز کی طرف سے غافل کر دیا جو ایک گھڑی کو بھی قابل درگذر نہین۔ لہذا اس کی سزا یہ ہے کہ اسی وقت عاتکہ کو طلاق دو" پدر بزرگوار کا یہ حکم نہ تھا تیر تھا جو بیکایک دل و جگر دونون مین ترازو ہوگیا۔ سعادتمند بیٹے تھے عذر و انکار کی مجال نہ تھی۔ اس کی بھی جرأت نہ ہوئی کہ باپ کے سامنے زبان سے اُف کا کلمہ نکالین یا آنکھون سے اشک حسرت کا کوئی قطرہ ٹپکے۔ صبر کی سل سینے پر رکھی۔ بے عذر و حجت معشوقۂ نازنین سے دست بردار ہو کے اُسے طلاق دے دی۔ اور باپ سے چھپ کے کونے مین جا کے رونے لگے۔ اُدھر غریب عاتکہ بھی جس کے دل مین عبداللہ کے سوا کسی کا خیال نہ آسکتا تھا جانباز شوہر سے چھوٹنے کے غم مین خون کے آنسو بہاتی ہوئی الگ جا بیٹھی کہ اب عبداللہ سے سروکار ہی نہین رہا۔

اس طلاق کے روز قیامت کے بعد جب شام ہوئی تو عبد اللہ کی یہ حالت تھی کہ بچھونے پر اس طرح تڑپتے تھے جیسے کوئی انگارون پر لوٹتا ہو۔ کروٹ پر کروٹ بدلتے اور کسی پہلو قرار نہ آتا۔ بار بار رو رو کے اپنے چند اشعار پڑھتے اور کلیجہ تھام کے رہ جاتے۔ ان شعرون مین سب سے پچھلا شعر تھا۔

فلم ار مثلی طلق الیوم مثلها ولا مثلها فی غیر شیئ تطلق

(تو مین نے اپنا سا کوئی عاشق دیکھا ہے کہ اُس کی سی نازنین کو آج طلاق دے دی اور نہ اُس کی سی نازنین کو سوا اس کے اور کسی بات پر طلاق دیجا سکتی ہے) اتفاقاً جس جگہ عبد اللہ بیتاب ہو ہو کے یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔ اسکے قریب ہی کوٹھے پر ابوبکر صدیق نماز پڑھ رہے تھے۔ بیٹے کی اس حالت اور آہ وزاری نے اُنکے دل پر بڑا اثر کیا۔ بہت ہی متاثر ہوے۔ اپنے پہلے علم پر پچھتائے۔ اور فوراً بیٹے کے پاس آکے کہا " تمھاری یہی حالت ہے تو مجبوری ہے۔ خیر جاؤ عاتکہ سے پھر نکاح کر لو" طلاق بائن تھی نہین اور دولھا دولھن دونون مین صدمۂ فراق برداشت کرنے کی تاب نہ تھی لہذا دوبارہ نکاح مین کوئی دشواری نہین پیش آئی اور فوراً نکاح ہو گیا۔ اور خدا نے دلدادہ عاشق و معشوق کو تھوڑی دیر کے لیے ہجر و فراق کا مزہ چکھا کے پھر ملا دیا۔ اور پھر وہی پہلی سی ناز و نیاز کی پُر لطف زندگی گذرنے لگی۔

اب ایک دن عبد اللہ نے جوش محبت مین اپنا ایک باغ پیاری معشوقہ عاتکہ کے نام لکھ دیا۔ اور اُس کا معاوضہ یہ قرار دیا کہ "میرے بعد تم جینی بچیا تو کسی اور سے نکاح نہ کرنا" اس شرط کو عاتکہ نے قبول کیا اور دونون بہت ہی عیش و کامرانی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اور گو کہ عبد اللہ حضرت رسول خدا صلعم کے ساتھ غزوۂ حنین اور فتح مکہ مین موجود تھے اور بہادری سے لڑے مگر خدا نے دونون مرتبہ چشم زخم حوادث سے بچایا۔ فتح مکہ کے بعد جب عبد اللہ علم رسالت کے ساتھ غزوۂ طائف مین گئے تو زمانے کی بے رحمیون سے نہ بچ سکے۔ بعض کہتے ہین کہ کوئی تیر آکے لگا۔ اور بعض کا بیان ہے کہ کوئی پتھر ایسا لگا کہ سخت زخمی ہوے۔ اس مین شک نہین کہ یہ زخم کاری ہونے پر بھی اچھا ہو گیا مگر اس کا اس قدر

اُنثر باقی رہ گیا تھا کہ زندگی کی بہت ہی کم امید تھی۔ اسی اثنا میں آنحضرت صلعم نے سفرآخرت کیا۔ اتفاقاً آپ کو حبرہ کی دو چادرون کا ایک کفن پہنا کے کسی مصلحت سے اُتار لیا گیا اور دوسرے کفن مین دفن ہوے۔ عبداللہ نے وہ پہلا کفن لے کے رکھ لیا کہ "یہ کپڑا چونکہ حضرت سرور عالم کے جسم اطہر کو مس کر چکا ہے اسکو مین اپنا کفن بناؤن گا" مگر پھر رائے پلٹ گئی۔ اور کہا "جس کپڑے کو خدا نے اپنے رسول کے لیے نہین پسند کیا اُسے مین بھی نہین پسند کرتا"۔ آنحضرت کی وفات کے بعد عبداللہ کے اُس طائف والے زخم نے بہت طول کھینچا جس سے جان بر نہ ہو سکے۔ اور آنحضرت صلعم کی وفات کے چالیس ہی روز بعد سفرآخرت کیا۔

پیارے شوہر کی موت کا عاتکہ کو بیحد صدمہ ہوا۔ اُنکے مرثیے مین چند شعر کہے جن مین اُنکی شجاعت کی بھی تعریف کی ہے۔ اور قسم کھائی ہے کہ "اب میری آنکھ ہمیشہ اشکبار رہے گی۔ اور میرا بدن ہمیشہ خاک آلود رہے گا"۔ مگر اُن دنون اہل عرب کا مذاق قدیم رواج اور شریعت غرا کی اجازت سے ایسا تھا کہ اگر کوئی عورت بیوگی مین خاموش بیٹھنا بھی چاہے تو شرفا و اکابر قوم بیٹھنے نہ دیتے تھے۔ جیسے ہی عاتکہ کا زمانۂ عدت ختم ہوا حضرت عمرؓ نے نکاح کا پیام دیا۔ عاتکہ نے عذر کے طریق سے عبداللہ کی وصیت اور باغ کے ہبہ کر دینے کا حال کہلا بھیجا۔ حضرت عمرؓ نے اس بارے مین جا کے حضرت علیؓ سے فتوے لیا کہ آپ کی اس بارے مین کیا رائے ہے؟ اُنھون نے غور فرما کے یہ فتوے دیا کہ عبداللہ کا وہ باغ اُن کے ورثا کو واپس کر دو اور نکاح کر لو۔ یہ فتوے سننے کے بعد حضرت عمرؓ نے وعدہ کیا کہ باغ کا معاوضہ ادا کرنے کو مین تیار ہون۔ تو عاتکہ مجبور ہوگئین پیام کو قبول کر لیا۔ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ عقد ہو گیا۔ نکاح کے بعد حضرت علیؓ نے عاتکہ کو اُن کا وہ مرثیہ یاد دلایا کہ "نہ کبھی میرے آنسو بند ہون گے اور نہ کبھی بدن دھلواؤن گی" اور فرمایا کہ "انسان جو کہے وہی کرے"۔ اس کے جواب مین عاتکہ حسرت کے ساتھ خاموش ہو رہین۔ کاش حضرت علیؓ نے دوسرے نکاح سے پہلے یاد دلایا ہوتا۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد عاتکہ کے ساتھ حضرت زبیر بن عوام نے نکاح کیا۔ جب وہ بھی جنگ جمل مین شہید ہو گئے تو حضرت علیؓ

نے پیام دیا۔ جس کے جواب مین عاتکہ نے کہلا بھیجا "مین جس سے نکاح کرتی ہون وہ شہید ہو جاتا ہے اور آپ کے لیے مین اس کو پسند نہین کرتی"۔ لیکن اسکے بعد جب حضرت امام حسینؓ نے پیام دیا تو عاتکہ راضی ہو گئین۔ اور آپ سے اُن کا چوتھا نکاح ہوا۔ پھر جب حضرت امام حسینؓ بھی میدان کربلا مین شہید ہوے تو عبد اللہ ابن عمرؓ نے کہا "جسے شہادت کا شوق ہو عاتکہ سے نکاح کر لے"۔ لیکن حضرت عاتکہ ایسی حسین و صاحب جمال تھین کہ اس کا بھی لوگون نے خیال نہ کیا۔ اور حضرت امام حسینؓ کے بعد آپ کو مروان نے نکاح کا پیام دیا۔ جس کے جواب مین آپ نے کہلا بھیجا "رسول اللہ صلعم کے گھر کی بہو بننے کے بعد مین کسی خاندان کی بہو نہ بنونگی" اور اسکے بعد ایسی خاموشی سے زندگی بسر کی کہ پھر تاریخ مین نام نہ سنا گیا۔

محمد علی پاشا

موجودہ وارثان دولت فراعنۂ قدیم اور خدیوان مصر کے خاندان کا پہلا بانی یہی محمد علی پاشا تھا یہ نامور شخص دنیا کے اُن ممتاز لوگون مین ہے جنھون نے ادنی درجۂ ذلت سے ترقی کرنا شروع کی۔ اور بڑھتے بڑھتے اپنے آپ کو انتہائی درجۂ کمال پر پہونچا دیا۔ انھین لوگون کے حالات دیکھ کے معلوم ہو سکتا ہے کہ اگر انسان مین طلب صادق اور سچی مستعدی ہو تو اپنے لیے ترقی کی راہین خود ہی پیدا کر لیا کرتا ہے۔ اور کوئی دشواری اور مزاحمت اسکو آگے بڑھنے سے نہین روک سکتی۔

یہ محمد علی صوبۂ البانیا کے لوگون مین سے تھا جنھین ترک لوگ ارناؤط کہتے ہین البانیا جزیرہ نماے بلقان کے جنوب و مغرب مین ہے۔ سارا ملک کوہستانی ہے۔ گویا پیچیدہ سلسلہ ہے کوہ کی ایک نہ نہ سلجھنے والی گتھی ہے۔ اور ویسی ہی پُر مشکل گتھی اُس کی موجودہ حالت بھی ہو رہی ہے۔ اس سنگستانی سرزمین مین درشت مزاج۔ جفاکش۔ اور ایسے خیرہ سر لوگ رہتے ہین جو بات بات پہ بگڑتے اور دل مین ٹھان لین تو ہر مشکل کا سامنا کرنے کو تیار ہو جاتے ہین۔ ابھی تک تو اس سرزمین مین مسلمانون کی تعداد عیسائیون سے زیادہ تھی۔ مگر آیندہ کی نسبت خدا ہی جانتا ہے کہ کون لوگ زیادہ ہون گے۔ اس لیے کہ متعصب نصارائے بلقان مسلمانون

کو طرح طرح سے فنا کر کے اپنی کثرت بڑھانا چاہتے ہیں۔ دولت عثمانیہ میں حمایت دین کی قوت نہیں۔ اور وہ دل یورپ کا نازک دل گو کہ ہر حصۂ ارض کی ادنیٰ بے اعتدالی پر دُکھ جاتا ہے مگر مسلمانوں کی مظلومی پر نہیں پسیجتا۔

الغرض محمد علی اسی ملک کا ایک بہت ادنیٰ اور معمولی درجے کا کسان تھا۔ اسے کسانی میں بھی اتنی حیثیت نہ تھی کہ اپنا اور اپنے خاندان کا پیٹ پال سکتا۔ اس لیے ترک وطن کر کے مقدونیا یعنی اُس صوبے میں چلا آیا جس میں خاص قسطنطنیہ واقع ہے۔ اور شہر قبالہ میں ایک چھوٹی سی ادنیٰ درجے کی دُکان کھول دی۔ لیکن جس طرح کسانی اسکے لیے کسب معیشت کا کافی ذریعہ نہ تھی دوکانداری بھی نہ ثابت ہوئی۔ مجبوراً تجارت کو بھی خیرباد کہی۔ اور ہنوز سترہ اٹھارہ سال ہی کی عمر تھی کہ دُکان بند کر کے فوج میں نوکری کر لی۔ اب وہ اُس ڈھرے پر پڑا جسے تقدیر نے اُس کی ترقی کا راستہ مقرر کیا تھا۔ بس اسی وقت سے وہ یوماً فیوماً عروج پانے لگا۔

اتفاقاً ان دنوں کانڈیا یعنی کریٹ کے دریائی ڈاکوؤں نے سر اُٹھایا تھا۔ دولت عثمانیہ نے ان بحری لوٹیروں کی سرکوبی کے لیے جو فوج بھیجی تھی اُس میں محمد علی بھی تھا وہاں بغاوت کے فرو کرنے اور سرکشوں کے ہموار کرنے میں اُس سے ایسی بہادری اور جانبازی ظاہر ہوئی اور اُس نے ایسی شجاعت کے ساتھ ہوشیاری و دانائی سے کام لیا کہ اُسکے افسر بے انتہا خوش ہوے۔ باب عالی میں اُس کے نمایاں خدمات کی رپورٹ کی۔ اور سلطنت اُس کی قدردانی و قدرافزائی پہ آمادہ ہو گئی۔

چنانچہ ۱۲۱۴ھ محمدی (۱۷۹۹ء) میں وہ ایک البانی لشکر کا سردار بنا کے مصر میں بھیجا گیا تاکہ فرانسیسیوں سے جو مصر پر قبضہ کیے لیتے تھے لڑے۔ اور انگریزوں کا ہاتھ بٹائے جو مصر کو فرانس کے تصرف سے بچانا چاہتے تھے۔ گو کہ اس زمانے میں اُس کی عمر ۲۱ ہی سال کی تھی مگر اُسے نمایاں کامیابی ہوئی۔ فرانسیسیوں سے لڑ کے انھیں قلمرو مصر سے مار نکال دیا اور خود مصر میں ٹھہر گیا۔

اس مہم میں محمد علی کو سب سے زیادہ قیمتی نفع یہ ہوا کہ انگریز اُسکے دوست

ہوگئے۔ جن کی حالت دیکھ کے اُس نے اپنی ذات اور اپنی فوج مین بہت سی اصلاحین کین۔ مصر مین اُس نے اہل مصر کے ساتھ بڑی ہمدردی کی۔ رعایا کو اپنا دوست بنا لیا۔ اور ہر جھگڑے کو والی مصر و شرفائے ملک کے درمیان مین پڑکے اہل وطن کی مرضی کے موافق طے کرا دیا کرتا۔

پُرانے مملوک جن کے ہاتھ سے کئی صدی پہلے دولت عثمانیہ نے ملک مصر کو لیا تھا اب تک موجود تھے۔ سلطنت کے ہاتھ سے نکل جانے کے باعث وہ دبے پڑے تھے مگر فنا نہین ہوے تھے۔ مصر کی پولیٹکل حالت دیکھ کے محمد علی نے اپنی ترقی و کامیابی کا ذریعہ اُنھین لوگون کو قرار دیا۔ اور اپنی قسمت بنانے کے لیے جو منصوبہ دل مین ٹھہرایا تھا اُس پر عمل درآمد شروع کر دیا۔

چنانچہ اب اُس نے یہ پالیسی اختیار کی کہ ابنائے وطن اور خصوصاً مملوکون کا طرفدار اور سرگروہ بن گیا۔ اور ہر امر مین اُن کی طرفداری کر کے سب کو اپنا ایسا گرویدہ کر لیا کہ وہ اُس کے حکم پر جان دینے کو تیار ہو جاتے۔ ان دنون سلطان کی طرف سے مصر کا گورنر جنرل خسرو پاشا تھا۔ محمد علی مملوکون کو اُس کے خلاف اُبھارتا اور روز نئے فساد اُٹھ کھڑے ہوتے۔ یہان تک کہ اہل مصر نے پوری قوت پکڑ لی۔ اور محمد علی ہی کو اپنا حاکم و فرمان روا منتخب کر لیا۔ اور جب اس کا ہنگامہ کسی طرح موقوف نہ ہوا تو مجبوراً سلطان نے ۱۲۳۵ھ محمدی (۱۸۰۵ء) مین محمد علی کو محمد علی پاشا بنا کے گورنر جنرل قاہرہ مقرر کر دیا۔ پھر اُس کی خوش انتظامی و لیاقت دیکھ کے دوسرے سال اُسے اسکندریہ کی گورنری بھی دے دی گئی۔ اور اب سارا ملک مصر اُسی چند سال پیشتر کے ادنیٰ ڈکاندار کے قبضہ مین تھا یہ فرمان باب عالی سے بظاہر تو یہ ترقیان اس لیے دی گئین کہ وہ اُن کا اہل تھا اور سلطنت کی اُس نے بڑی قابل قدر خدمتین کی تھین۔ لیکن درحقیقت اُس نے باب عالی کے تمام وزیرون اور سلطنت کے گرد و پیش والون کو بے انتہا رشوتین دے دے کے اپنے موافق بنا لیا تھا۔

اس انقلاب نے مملوکون اور امرائے مصر کا حوصلہ بڑھا دیا تھا۔ اور اُنکے دل مین یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ حاکم کو بدلنا ہمارے اختیار مین ہے۔ جب

چاہیں سرکشی کرکے اُسے نکال دے سکتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب محمد علی پاشا بلا شرکت غیرے حاکم ہوگیا تو اُس کی اطاعت میں بھی وہ چون وچرا کرنے لگے۔ اور ہر وقت بغاوت کا اندیشہ لگا رہتا تھا۔ سلطان کے دربار کو تو محمد علی رشوت دے کے موافق بنا سکتا تھا مگر ان لوگوں کا سیدھا کرنا بہت ہی دشوار بلکہ غیر ممکن نظر آیا۔

لیکن محمد علی پاشا نہ کمزور طبیعت کا حاکم تھا کہ دب جاتا اور نہ ایسا نرم دل اور سیدھا سادھا تھا کہ رعایا کے ہاتھ کی کٹھ پتلی بن جاتا۔ آمادہ ہوگیا کہ امرائے مصر اور مملوکوں کی قوت کا خاتمہ کردے۔ پہلے اُس نے سمجھا بجھا کے اور حکمت عملی سے کام لے کے اُنکو مطیع و منقاد بنانے کی بہت کوشش کی مگر مطلق کامیابی نہ ہوئی۔ آخر سنہ ۱۲۲۶ محمدی (سنہ ۱۸۱۱ع) میں اُس نے قاہرہ کی شہر پناہ کے اندر ۴۷۰ مملوکوں اور سرکش امیروں کی دعوت کی۔ اور جبکہ وہ غافل اور مستِ بادۂ عشرت تھے یک بیک اُن پر شمشیر بکف سپاہی ٹوٹ پڑے اور ایک آنا فانا میں سب کو کاٹ کے ڈال دیا۔ ساتھ ہی اُس نے حکم دے دیا کہ جہاں کہیں کوئی مملوک یا اُن لوگوں کا طرفدار ملے بے پوچھے قتل کر ڈالا جائے۔ چنانچہ ۴۷۰ چوٹی کے لوگوں کے علاوہ شہر اور قصبات میں ۱۲۰۰ معزز مملوک اور قتل ہوئے۔ دو ہی چار روز میں سرکشوں سے میدان صاف ہوگیا۔ اور ہر جگہ محمد علی پاشا کا ایسا رعب بیٹھ گیا کہ سارے ملک میں کسی کی مجال نہ تھی کہ اُس کے سامنے چون بھی کر سکے۔ لوگ اُس کے نام سے کانپتے۔ اور اُس کی صورت سے ڈرتے تھے۔ ملک کی ساری مخالفانہ قوتیں فنا ہوگئیں اور ساحل بحر روم سے بلندی مصر تک ہر جگہ اُسکے نام کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔

اسی اثنا میں ارض حجاز میں وہابیوں کا فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ یہ وسط عرب کے علاقۂ نجد کے لوگ مدت سے حنبلی یا اہل حدیث تھے۔ توحید کے زبردست حامی سنت نبی کے دلدادہ۔ رسوم شرک و بدعات کے سخت مخالف۔ اور قبر پرستی کے جانی دشمن تھے۔ ان میں عبد الوہاب نام ایک شخص پیدا ہوا جس نے اُن کا مقتدا بن کے سارے ملک کو اپنے زیر فرمان کر لیا۔ عبد الوہاب کے بعد جب اُسکا بیٹا محمد بن عبد الوہاب باپ کی گدی پر بیٹھا اور قوم کا مقتدا اور سرگروہ بنا۔ تو اُس نے

اُن لوگون مین حد سے زیادہ دینی جوش پیدا کر دیا اور فتویٰ دے دیا کہ جو لوگ شرک مین مبتلا ہون اور قبر پرستی کرین گو اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتے ہون اُن پر جہاد کرنا فرض ہے "

یہ حکم سنتے ہی سارا نجد جہاد کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا اور سب نے یکا یک نرغہ کر کے مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ پر قبضہ کر لیا - گو اس مین شک نہین کہ ان لوگون مین اعلیٰ درجے کی بدوی شجاعت تھی - مگر تمدن سے کوسون دُور تھے - جس کے باعث اُن کے ہاتھ سے حرمین کے لوگون پر نہایت ظلم ہوا - اور کہتے ہین کہ سوا روضۂ اقدس کے اُنھون نے تمام قبرین کھود کے پھینکدین - اس لیے کہ حدیث صحیح مین ہے کہ حضرت علی کو جناب رسول مقبول صلعم نے حکم دیا تھا کہ " جو قبر ملے اُسے کھود کے زمین کے برابر کر دین "

دولت عثمانیہ کو جب نظر آیا کہ وہابیون نے حرمین پر سے آل عثمان کی حکومت ہی اُٹھا دی تو محمد علی پاشا کے نام فرمان سلطانی صادر ہوا کہ فوراً جا کے وہابیون کی سرکوبی کرے اور حرمین شریفین مین پھر ہلالی علم بلند کرے - محمد علی پاشا زبردست فوج لے کے ارض حجاز مین گیا - چھ سال کی خونریزیون کے بعد وہابیون کو حرمین سے نکال کے ارض نجد کی طرف پھر بھگا دیا - اور حرمین کا بخوبی انتظام کر کے مصر مین واپس آیا -

محمد علی پاشا کی زندگی اُولوالعزمیون سے بھری ہوئی تھی - ارض حجاز کی مہم سے فرصت ہوئی تو اپنے ایک بیٹے اسمٰعیل پاشا کو ایک زبردست لشکر کا سالار بنا کے مملکت نوبیہ کی طرف بھیجا کہ اُسے فتح کر کے قلمرو مصر مین شامل کرے - اسمٰعیل نے اس مہم مین بڑی کامیابی حاصل کی - اور علاقہ جات ڈنگولا - سنعار - اور کرڈوفان وغیرہ کو فتح کر کے اپنے زیر علم کر لیا -

محمد علی نے ادھر نوبیہ کو فتح کیا اور اُدھر یورپ کے اُبھارنے اور بڑھاوے دینے سے یونانیون نے دولت عثمانیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا - سلطان نے باغیون کی سرکوبی کے لیے فوج بھیجی - اور محمد علی پاشا نے بھی ۱۶۳ جہازون کا ایک زبردست بیڑا اسواحل یونان پر بھیجا جس کا امیر البحر اُس کا بیٹا ابراہیم

پاشا تھا۔ اس مصری بیڑے نے یونانیوں کے ہوش پریشان کردیے۔ جس شہر پہ
پہونچا اُسے تہ وبالا کردیا۔ اور اُس کے سپاہیون نے جہان خشکی پر قدم رکھا
یونانیون کو پامال ہی کرکے رہے۔ مسلسل تین سال تک ان مصری جہازون
نے یونان کو نہایت ہی پریشان رکھا تھا کہ دول یورپ نے دیکھا کہ یونان کے
بنائے کچھ نہین بنتی لہذا متفقہ آواز بلند کی کہ "یونان کو آزادی دی جائے"
باب عالی نے اس کی کچھ پروا نہ کی اور انگلستان۔ فرانس۔ اور روس کے
متحدہ بیڑے یونانیون کی مدد کو آپہونچے۔ بندرگاہ نویری نو پر ۱۲۵۶ھ محمدی (۱۸۲۷ء)
مین دنیا کی وہ یادگار بحری لڑائی ہوئی جس مین یورپ کے متحدہ بیڑون نے
عثمانی اور مصری بیڑون کو بالکل تباہ کردیا۔ اور یہی وہ بدنصیبی کا دن تھا جس روز
دولت عثمانیہ کی بحری قوت کا خاتمہ ہوا۔ اب یورپ کی خواہش کے مطابق صلح
ہوئی۔ جس کی رو سے یونان کو آزادی ملی۔ او ڈنمارک کا ایک شاہزادہ
وہان کا از غیبی تاجدار بنایا گیا۔

گوکہ ترکون کا اس لڑائی مین بڑا بھاری نقصان ہوا تھا مگر باب عالی نے
اس امر کو تسلیم کرلیا کہ محمد علی پاشا کی فوج اور اُس کے بیڑے سے سلطان کو بڑی
مدد ملی۔ اور اُس کے صلے مین ۱۲۵۹ھ محمدی مین کانڈیا یعنی کریٹ کی گورنری
بھی اُس کو دی گئی۔ مگر یہ انعام و معاوضہ محمد علی پاشا کی امید سے کم تھا۔ اُسنے
درخواست کی کہ ان خدمات کے صلے مین ملک شام بھی میرے حوالے کیا جائے
اس درخواست کو باب عالی نے قطعاً نامنظور کیا۔ اور محمد علی پاشا نے برافروختہ
ہوکے خود ہی ملک شام پر فوج کشی کردی۔ سلطان کا لشکر ملک شام سے دُور
اور غیر منتظم حالت مین تھا۔ بخلاف اسکے مصر کی سرحد شام سے ملی ہوئی تھی اور
محمد علی پاشا کا لشکر خوب آراستہ اور تیار رہتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مصری فوج شہرون پر
شہر فتح کرتی چلی جاتی تھی اور سلطان کے بنائے کچھ نہ بنتی تھی۔ آخر چند ہی روز
مین محمد علی پاشا سارے ملک شام کا مالک ہوگیا۔ اور فتحمندی کے پھریرے
اُڑاتا ہوا ایشیائے کوچک مین داخل ہوا۔ ۱۲۶۱ھ محمدی مین شہر قونیہ کے نزدیک
ترکون اور مصریون مین ایک خون ریز لڑائی ہوئی جس مین عساکر سلطانی نے پسپا

ہوے - اور محمد علی پاشا جوش اور ولولے کے ساتھ خاص قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا -

مگر یہ امر دول یورپ کی پالیسی کے خلاف تھا کہ حاکم مصر سلطان پر غالب آئے - اور مشرق مین ایک نئی اسلامی زبردست دولت و قوت قائم ہو - چنانچہ سب نے درمیان مین دخل دیا - اور محمد علی سے کہا کہ اب خبردار آگے قدم نہ بڑھانا - محمد علی پاشا نے اپنے مربی و آقا کے کہنے کی تو کچھ پروا نہ کی تھی مگر یورپ والون سے ڈرا اور صلح قبول کی - شہر قلاہیہ مین دونون جانب کے سفیرون نے معاہدہ صلح کی تکمیل کی جس کی روسے محمد علی پاشا کو ملک شام اور علاقہ عدنہ دے دیے گئے -

اب ۱۲۵۵ھ محمدی (۱۸۳۹ء) آیا جبکہ محمد علی پاشا ستر برس کا بوڑھا تھا - اور بڑی شجاعت اور کمال ہوشیاری کے ساتھ مصر - سوڈان - شام - عرب - اور جزیرۂ کریٹ پر حکومت کر رہا تھا - یکایک سلطان دوم یعنی سلطان محمود خان ثانی نے ارادہ کیا کہ ملک شام کو محمد علی پاشا کے قبضے سے نکال لین - مگر پہلی ہی لڑائی مین سلطانی لشکر کو شکست ہوئی - اور سلطان نے مجبوراً انگلستان اور دول یورپ سے مدد مانگی - یہ اجنبی دول جو غیرون کے معاملات مین دخل دینے ہی کو اپنا ذریعۂ ترقی سمجھتی تھین فوراً مدد دینے کو تیار ہوگئین - محمد علی پاشا ان کی بحری قوت سے ذک اُٹھا چکا تھا مگر پھر بھی پروا نہ کی اور سب سے لڑنے کو تیار ہوگیا - ساحل شام پر بیروت کے قریب لڑائی ہوئی جس مین محمد علی پاشا کو شکست ہوئی - اور اسی قدر نہین بلکہ اُسے یہ بھی نظر آیا کہ دول کے جہازون نے اسکندریہ کا راستہ بند کر دیا ہے - اپنی بے دست و پائی دیکھ کے حریف کی شرطین قبول کرنے پر راضی ہوا - اور ملک شام سے دست بردار ہو کے صرف مصر وغیرہ کا حاکم رہ گیا -

لیکن اس معاہدے مین اُس کی اتنی اشک شوئی بھی کی گئی کہ وہ ملک مصر کا مستقل والی تسلیم کیا گیا - اور قرار پایا کہ گو وہ سلطان ہی کی جانب سے مصر کا گورنر جنرل ہوگا مگر اس ملک سے کبھی بدلا نہ جائے گا - اور ولایت مصر ہمیشہ اسی کی نسل مین رہے گی - یون ملک مصر اُس کی اولاد کا حق بن گیا -

اب اُس کی عمر زیادہ ہو چلی تھی - حوصلے اگرچہ بڑے بڑے تھے مگر جسمانی طاقت

نے جواب دے دیا۔ یہان تک کہ ۱۲۶۴ محمدی (۱۸۴۸ء) مین اپنے بیٹے ابراہیم پاشا کو اپنا وارث بنا کے حکومت سے علیحدہ ہوگیا۔ اور دوسرے ہی برس ۱۲۶۵ محمدی مین جبکہ اُسکی عمر پورے اسی برس کی ہو چکی تھی دنیا سے رخصت ہوگیا۔ اُسکے جانشین ابراہیم پاشا کی عمر نے وفا نہ کی چند ہی روز مین سفر آخرت کیا۔ اور اُسکی جگہ اُس کا بیٹا عباس پاشا والی مصر مقرر ہو کے باپ دادا کی مسند حکومت پر بیٹھا۔ زندگی کے آخری دو برس مین محمد علی پاشا کے حواس بجا نہ تھے۔ بڑھاپے نے دماغ ماؤف کر دیا تھا۔ لیکن اس مین ذرا شک نہین کہ وہ بہت ہی غیر معمولی آدمی تھا۔ اس نے یورپ کے نظام سلطنت کو اپنی قلمرو مین جاری کیا۔ اور مغربی اصول وآئین جنگ اختیار کر لیے تھے۔ اپنے ملک مین زراعت۔ تجارت۔ اور صنعت و حرفت کو ترقی دی۔ جنگی اور طبی مدرسے کھولے۔ اور اہل فرانس کی قابلیت کا اس قدر معترف تھا کہ غالباً مسلمان حکمرانون مین پہلا وہی شخص ہے جس نے ضرورت اور مصلحت دیکھ کے اپنے دو بیٹون کو تعلیم و تربیت کے لیے پیرس بھیجا۔

اُس نے اپنی زندگی خود ہی بنائی۔ اور بغیر کسی دوسرے کی مدد کے صرف اپنی کوششون سے ہر امر مین ترقی کرتا گیا۔ البانیا کے ایک ادنی ارناؤط کسان سے زبردست فرمان روا اور تاجدار بن گیا۔ تعلیم سے وہ پہلے بالکل بے بہرہ تھا۔ پینتالیس برس کی عمر مین لکھنا پڑھنا سیکھا۔ اور تحصیل علم مین ایسی محنت کی کہ جاہل دُکاندار سے ایک تعلیم یافتہ مدبر سلطنت ہوگیا۔

یہ امر البتہ افسوس کے قابل ہے کہ عروج حاصل کرنے کے شوق مین اُس کے ہاتھ سے بڑے بڑے مظالم ہوے۔ سازشون کا بازار گرم ہوا۔ اُس نے بدعہدیان کین۔ دغا بازیون سے کام لیا۔ اور بیگناہون کے خون سے ہاتھ رنگے۔ مگر طالبان سلطنت کے لیے یہ باتین ہمیشہ ایک معمولی چیز ہوتی آئی ہین۔

شبلی نعمانی

مولانا شبلی کی وفات سے مسلمانون مین جو کمی ہوگئی ہے اُس کا پورا ہونا بہت دشوار ہے۔ ہندوستان مین بہت سے علما و فضلا پیدا ہون گے۔ بہت سے شعرا پیدا ہون گے

بہت سے مصنف پیدا ہون گے۔ بہت سے انگریزی کے قابل و مشہور پیدا ہون گے
مگر شبلی پھر پیدا ہون ممکن نہین۔ وہ اُس عالم سرمدی مین گئے۔ اور جنت مین
یہان سے کوئی واپس نہین آتا۔ کسی کی یاد مین نوحہ و بکا کرنا اُسے ستاتا ہے۔
لہذا ہم اپنی آہ وزاری سے اُن کی وہان کی ابدی مسرت و فارغ البالی مین فرق
نہ ڈالتے اور اُنھین نہ ستاتے۔ مگر کیا کرین کہ شبلی مینو نشین نہ دنیا مین کوئی اپنا
نظیر چھوڑ گئے ہین اور نہ اُنکے سے محقق گران پایہ کے پیدا ہونے کی امید ہے۔ اور یہ
ایسا غم جان کاہ ہے کہ ہمین نہ آج ہی بہ چین سے بیٹھنے دے گا اور نہ کبھی آیندہ۔

مولانا کے علمی کارنامون کا آغاز ہماری آنکھون کے سامنے ہوا۔ ہمارے سامنے
ہی اُنھون نے ترقی کی شہرت حاصل کی۔ اور ہماری آنکھون کے سامنے دنیا سے
سدھار گئے۔ ہم سے اُن سے طالب علمی کے زمانے سے ملاقات تھی۔ اُن کا سنہ
ولادت تو ہمین یاد نہین مگر اتنا جانتے ہین کہ ہم وہ قریب العمر ہین۔ مولانا کو ہجوم
امراض قبض و بواسیر کی تکالیف۔ اور معدے کی کمزوری نے بہت ہی ضعیف و
ناتوان بنا دیا تھا۔ جس کی وجہ سے اُن کی عمر اصل سے زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ اُنکے
بیان کے مطابق اُنکی عمر پچپن چھپن سال سے زیادہ نہ تھی۔

ابتدائے عمر مین درسیات اور کتب معقول اُنھون نے اپنے وطن مین مولوی
محمد فاروق صاحب چڑیا کوٹی سے پڑھین۔ چند روز بہ حیثیت طالب علم جونپور
کے مدرسہ حنفیہ مین رہے۔ اور غالباً مولوی ہدایت اللہ خاں صاحب مرحوم سے
تحصیل کی۔ آخر مین ادب عربی کے شایق بن کے لاہور پہونچے اور مولانا فیض الحسن
صاحب سے پرائیوٹ طور پر ادب کی کتابین پڑھین۔ شاید اسی وجہ سے پنجاب
کے اخبارات مین شایع ہوا ہے کہ اُنھون نے پنجاب یونیورسٹی کی ڈگریان مولوی عالم
اور مولوی فاضل حاصل کین۔ مگر یہ بالکل بے اصل و بے بنیاد ہے۔ یہ ہمین نہین معلوم
کہ مولانا نے حدیث کی کتابین پڑھین یا نہین۔ اور پڑھین تو کہان اور کس سے
پڑھین۔

تحصیل علم کے بعد مولانا نے ارادہ کیا کہ قانونی پیشہ اختیار کر کے مختاری و وکالت
کی سندین حاصل کرین۔ جس غرض کے لیے چند روز تک ضلع بستی مین قیام کیا۔ مگر

حالت اور رجحان طبیعت سے آشکارا ہو رہا تھا کہ جس میدان میں فروغ پانے کے لیے وہ پیدا کیے گئے تھے وہ میدان یہ نہیں تھا۔ چنانچہ اُن دنوں اگرچہ مقدمہ فہمی اور عدالتی کارروائیوں سے کام رہتا تھا۔ مگر اُن کا مشغلہ علمی مباحث اور عالمانہ تصانیف ہی تھے۔

مولانا نے جن درس گاہوں میں تعلیم پائی اور جن اساتذہ سے پڑھا اُنکی صحبت نے ابتدا ہی میں اُنھیں سخت حنفی بنا دیا تھا۔ اسی شوق میں اُنھوں نے اپنے نام کے ساتھ "نعمانی" کا لقب لکھنا شروع کیا۔ جس کی وجہ سے بعض ناواقف لوگوں نے غلطی میں پڑکے اُنھیں نسباً نعمانی یعنی امام اعظم ابو حنیفہؒ کوفی کی نسل میں خیال کرلیا۔ مگر اس کی کوئی اصلیت وحقیقت نہیں ہے۔ وہ متشدد حنفی تھے۔ اور حنفیت میں اپنے آپ کو اوروں سے ممتاز ثابت کرنا چاہتے تھے۔ اسی جوش کا تقاضا یہ بھی تھا کہ امام صاحب کے سوانح عمری میں اُنھوں نے "سیرۃ النعمان" لکھی تو امام المحدثین محمد بن اسمٰعیل بخاری پر جابجا حملے کیے۔ اور علی العموم گروہ محدثین کے اصول سے اختلاف کیا کرتے۔ یہاں تک کہ امام ابو الحسن اشعری بھی محض اتباع حدیث کے باعث اُن کے مورد سہام بن گئے۔

اُن دنوں مولوی ابو الحسنات محمد عبد الحیؒ فرنگی محلی کی درس گاہ کی شہرت تھی جن کے فیض علمی سے سارا ہندوستان بلکہ ممالک دور دراز کے لوگ بھی بہرہ یاب ہو رہے تھے۔ مولانا عبد الحی صاحب کی یہ شان تھی کہ بخلاف تمام موجودہ علماے حنفیہ کے ائمۂ حنفیہ سلف میں سے جس کے قول کو اہل حدیث کے مذہب سے قریب تر پاتے اختیار کرلیتے۔ اور بہت سے مسائل میں اہل حدیث کے ہم خیال تھے۔ چنانچہ نماز میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں اُنھوں نے امام محمد کا مذہب اختیار کرلیا تھا۔ اور سورۂ فاتحہ پڑھنا مستحب بتاتے تھے۔ یہ امر مولانا شبلی کو سخت ناگوار ہوا چنانچہ اُن کی تردید میں ایک عربی رسالہ لکھ کے شایع کردیا۔ جس کا نام "سکات المعتدی" تھا۔ اور جیسے ہی اُسکی اشاعت ہوئی اُس کی تردید میں مولوی عبد الحی صاحب مرحوم کے فاضل شاگردوں سے مولوی نور محمد صاحب ملتانی مرحوم اور ملا شعیب نے اپنے اپنے رسالے شایع کیے جن میں علاوہ نفس مسئلہ کے ادبی غلطیاں بھی نکالی تھیں۔

مولانا انھین بھنون میں پڑے ہوئے تھے کہ علی گڈھ کالج کو عربی کے ایک اچھے ادیب اور فاضل مدرس کی ضرورت ہوئی۔ انھون نے مولوی فیض الحسن صاحب کی تصدیق وسفارش سے درخواست بھیجی۔ سید صاحب نے مولانا کی درخواست کو قبول کرلیا۔ چنانچہ مولانا بستی اور وہان کے قانونی شاغل کو چھوڑکے لکھنؤ ہوتے ہوے علی گڈھ گئے۔ مین اُسوقت داروغہ حیدر بخش کی مسجد مین اُن سے ملا تھا۔ اور اُنکے چہرے سے محسوس کررہا تھا کہ یہان کے طلبہ مین سے ہرایک کو وحشت و بدگمانی کی نظر سے دیکھتے تھے مگر باوجود اس وحشت کے طلبہ ہی مین تھے اس لیے کہ اسوقت تک پبلک سے اُن کو سروکار نہ تھا۔ علی گڈھ مین سید صاحب نے اُنھین اپنی کوٹھی کے احاطے کے اندر ایک چھوٹے سے مکان میں جگہ دی جو سب سے الگ بالکل باہمہ اور بے ہمہ تھا۔ اور ایک خاموش مقام تھا۔ ان مین جستجو و تحقیق کا سچا مذاق دیکھ کے سید صاحب نے اُن سے ربط و ضبط بڑھایا۔ اکثر کھانا ایک ساتھ کھاتے۔ اور روز گھنٹون صحبت رہتی۔

سید صاحب ہمیشہ اعتقادی وکلامی مسائل اور مورخانہ تحقیق کے غور وخوض مین رہتے اور تحقیق و تدقیق کی غرض سے اُنھین اکثر حدیث و فقہ و تاریخ و سیر کی کتابون کے مطالعے کی ضرورت پڑتی۔ اس کام کو اُنھوں نے مولانا شبلی سے لینا شروع کیا۔ اور مولوی شبلی نے اس خدمت کو ایسی خوبی اور قابلیت سے انجام دیا کہ جس قدر سید صاحب کی دقیقہ رسی و وسعت نظر کے مولانا شبلی قائل ہوتے جاتے تھے اس سے زیادہ سید صاحب اُن کی تلاش۔ جستجو اور جلب روایات کے معتقد و معترف ہوگئے تھے۔ اس زمانے مین مجھے بارہا مولانا شبلی کے پاس جاکے ٹھہرنے اور اُنکے ذریعے سے خود سید صاحب کا مہمان بن جانے اور دونوں کے ساتھ ہفتون کھانا کھانے اور شریک صحبت رہنے کا موقع ملا۔ مولانا سے مجھ سے حد درجے کی بے تکلفی تھی۔ اور مین اس بات کو ہر صحبت مین محسوس کرتا تھا کہ وہ اور سید صاحب دونون کس قدر ایک دوسرے کے علمی کمالات کے معترف ہوتے جاتے ہیں۔ سید صاحب کے اعتراف کی تو یہ حالت تھی کہ کوئی کام بغیر اُنکے مشورے کے نہ کرتے۔ اور مولانا شبلی کے اعتراف کا یہ ثبوت ہے کہ میرے علم مین اُن کی سب سے پہلی نظم

جو اُن دنون شایع ہوئی تھی امید ہے جس مین اُنھون نے مسلمانون کی غفلت اور سید صاحب کی برکت سے اُنکے بیدار ہونے کو نہایت ہی پر لطف اور موثر الفاظ مین ظاہر کیا ہے - اور اسی زمانے مین علی گڈھ کے ایک طالبعلمانہ تھیٹر مین اُنھون نے اپنی ایک قومی نظم سنائی تھی -

اِن چیزون نے اُنھین فارسی اور اُردو کا ایک مقبول عام شاعر ثابت کرنا شروع کر دیا تھا - اور اس مین شک بھی نہین کہ وہ ایک دقیقہ رس شاعر تھے اور اپنی نظمون کو ایسی نغمہ خیز دُھن مین سنایا کرتے تھے کہ پبلک نے بہت پسند کیا اور طلبہ نے اُسے اختیار کر کے قومی نغمہ خوانی کی ایک مقبول دُھن بنا کے سارے ہندوستان مین پھیلا دیا - مگر پھر بھی مین کہون گا کہ وہ شاعر نہ تھے اور نہ شاعری کے لیے پیدا ہوئے تھے - بلکہ علم کے عالم مین اُن کی شان ایک شاعر کے درجے سے بہت ہی ارفع و اعلیٰ تھی -

اب سید صاحب کے توجہ دلانے سے وہ تاریخی تنقید و تحقیق مین مصروف تھے جس کا سب سے پہلا نمونہ "مسلمانون کی گذشتہ تعلیم" پر اُن کا لکچر تھا جسے اُنھون نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے دوسرے یا تیسرے اجلاس مین پیش کیا تھا - یہ لکچر مسلمانون کی نظر مین بالکل ایک نئی اور دلچسپ چیز تھا - چنانچہ جب اس پر دلگداز مین ریویو ہوا ہے تو کوئی نہ تھا جو اُس کے دیکھنے کا مشتاق نہ ہو گیا ہو - اسی نوعیت کی اُن کی دوسری کتاب "المامون" تھی جو علی العموم بہت پسند کی گئی - اور اسی کتاب نے پہلے پہل پبلک کو بتایا کہ مولانا شبلی کس قسم کے مصنف ہین اور آیندہ کیسے ثابت ہونے والے ہین - اب سید صاحب کی صحبت اور پبلک کی حوصلہ افزائی نے مولانا کو اسی کوچے مین آگے بڑھانا شروع کیا - سیرۃ النعمان لکھی - سیرۃ الفاروق لکھی - اور تاریخی جستجو کا شوق اس قدر بڑھ گیا تھا کہ کتابون کی تلاش مین قسطنطنیہ ہو پہنچے اور واپس آ کے اپنا سفرنامہ شایع کیا - جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شوق مین وہان گئے تھے وہ پورا نہین ہوا - اور اسی وجہ سے اُن کی یہ تصنیف بھی ایک ناکام تصنیف ہے -

اس موقع پر اُن کے خیالات کے متعلق اس نازک انقلاب کا بیان کر دینا

بھی لطف سے خالی نہ ہوگا کہ سرسید دراصل غیر مقلد اور اہل حدیث کے گروہ میں تھے لیکن مسائل کلامی اور انگریزی اثر نے غیر مقلد سے ایک بڑی حد تک اُنھیں معتزلی بنا دیا تھا - سید صاحب کی صحبت کا مولانا شبلی پر کوئی اثر نہ ہوتا غیر ممکن تھا - مگر اہل حدیث کی طرف سے اُنکے دل میں جو بھڑک تھی وہ بھی ممکن نہ تھا کہ اُنھیں نعمانیت اور حنفیت کے دائرے سے باہر نکلنے دیتی - لہذا بغیر اس کے کہ غیر مقلدی کا کچھ بھی رنگ چڑھنے پاتا - وہ بلا واسطہ نعمانی سے معتزلی بننے لگے - اور آخر میں اس بات کی کوشش شروع کی کہ خود حنفیت کو اصلی اعتزال ثابت کریں - اور بخلاف متاخرین حنفیہ کے جو حنفیت کو اشعریت کی طرف کھینچنا چاہتے ہیں - اُنھوں نے اپنی حنفیت کو اشعریت کا سخت دشمن اور فقہ کے پردے میں چھپی ہوئی معتزلیت ثابت کرنا چاہا - جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ انگریزی کے طلبہ تو اُنکی باتوں سے خوش ہو ہوکے دینداری و خوش اعتقادی کے دھوکے میں معتزلی ہونے لگے اور موجودہ علمائے حنفیہ کو اُن سے سخت عناد ہوگیا -

اب اسکے ساتھ ہی اُن میں ایک دوسرا تغیر شروع ہوا - ان کی طبیعت میں باوجود انتہا درجے کے اخلاق کے خودداری کا خیال بہت بڑھا ہوا تھا - سید صاحب کی صحبت - علی گڈھ کالج کی مرجعیت - اور اُن کی ذاتی قابلیت نے اُنھیں ابتداءً اس حیثیت سے پبلک میں انٹروڈیوس کرایا کہ سید صاحب کے گروہ کے ایک نامور بزرگ اور اُن کی فوج کے ایک نامی پہلوان ہیں - خصوصاً جب وہ سید صاحب کے ہمراہ رکاب حیدرآباد گئے تو مسلمانوں میں اس خیال کو اور پختگی حاصل ہوئی - مگر خود مولانا شبلی کی خودداری اس حیثیت کو اپنی شان سے بہت کم بلکہ اپنی ذلت اور سبکی تصور کرتی تھی اپنی اُن تصنیفوں اور نظموں کو تو وہ مٹا نہ سکتے تھے جن میں خود ہی اپنی اس حیثیت کو آشکارا کر چکے تھے - لیکن اب اس بات کو ناقابل برداشت دیکھ کے علی گڈھ کالج سے علحدگی اختیار کرکے ندوۃ العلما میں شرکت کی اور سمجھے کہ اس ذریعے سے میں علما کا سرتاج اور شیخ الکل بن کے اس درجے پر پہونچ جاؤں گا جو سید صاحب کے درجے سے بھی مافوق ہے - میں نے اُن کو بارہا اس خیال سے روکا - اور اُسی زمانے میں کہہ دیا تھا کہ علما بس میں آنے والے

تھین ہین ۔ ان مرحومین امت مین سے ہر ایک پریسیڈنٹ کی حیثیت رکھتا ہے ۔ اور جس جماعت مین فقط پریسیڈنٹ ہی پریسیڈنٹ ہون اسپر آیۂ کریمہ لوکان فیہما آلہتان الا اللہ لفسدتا" پوری پوری صادق آتی ہے ... بہت سے ... ستون نے بھی روکا اور کہا کہ آپ کی ترقی کا میدان علیگڈہ کالج ہی ہے ۔ مگر اُنھون سنے نہ مانا ۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ گو اُنھون نے ندوہ کو بیحد فائدہ پہونچایا اور ندوہ کو ندوہ بنا دیا مگر آخر مین ندوہ والے مرحومین امت ہی کے ہاتھ سے مار کھا گئے ۔ جس کا اُن کے دوستون کو بیحد ملال ہوا ۔ اور وہ خود بھی اپنی اس محنت کے اکارت جانے پر کف افسوس ملتے ہوے مرے ۔

دوسری طرف علیگڈہ پارٹی سے علٰحدہ ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ نئے تعلیم یافتہ گروہ مین سے بہت سے قابل لوگ اُنکے خلاف ہوگئے ۔ جو ظاہر مین تو اُن سے موافق تھے مگر موقع پاتے ہی اُن پر اعتراض کر جاتے ۔ ادھر مولانا کے دل مین کچھ ایسی ضد پیدا ہوگئی کہ سید صاحب کا جو درجہ اُن کے قدر شناسون کے دل مین تھا اُس سے اُنھین گرانا چاہتے ۔ اور بعض صحبتون مین ایسی باتین کہہ جاتے جو لوگون کو اور زیادہ ناگوار گذرتین ۔ ندوہ کا انتظام ہاتھ مین لینے کے زمانے مین ان کی یہ حالت تھی کہ کالج مین اور مسلمانون کے ساتھ سید صاحب کا جو طرز عمل دیکھ چکے تھے اُسی کو اپنا دستور العمل قرار دے لیا تھا ۔ اور ساتھ ہی سید صاحب سے اپنی علٰحدگی اور برارت ثابت کرنے کی کوشش کرتے مگر دراصل یہ وہ باتین تھین جو اُن سے کبھی بنائے نہ بنین ۔

اسی دوران مین اُنھون نے کئی اور کتابین لکھین ۔ اُن کی سب سے زیادہ مقبول کتاب سیرۃ الفاروق علیگڈہ مین شایع ہو چکی تھی ۔ علم الکلام ۔ الکلام ۔ سوانح مولانا روم وہ کتابین ہین جو مسلمانون کے سامنے اعتزال کو نعمانیت کا لباس پہنا کے پیش کرتی ہین ۔ شاعرانہ مذاق مین تاریخی جستجو کے امتزاج نے اُن سے "موازنۂ دبیر و انیس" اور "شعر العجم" کو تصنیف کرایا ۔ مگر سب سے اہم تصنیف سیرۃ رسول صلعم ہے جس کو ناتمام چھوڑ کے دنیا سے گئے ہین ۔ اُن کی وصیت کے مطابق مولانا حمید الدین صاحب اور مولوی سلیمان صاحب ندوی نے اس کام کو اپنے ہاتھ

بن لیا ہے ۔ اور علیا حضرۃ بیگم صاحبہ بھوپال نے آخر تک مربی گری کرنے کا وعدہ فرمایا ہے ۔ کوشش ہو رہی ہے کہ یہ کام بہت جلد پورا ہو اور ہمین امید ہے کہ یہ مولانا کی اعلیٰ ترین اور مفید ترین تصنیف ثابت ہوگی ۔

مولانا کا اہم کام رسالہ "الندوہ" تھا جس نے مسلمانون کے لیے بہت سا محققانہ تاریخی سامان فراہم کر دیا ۔ اور اس کے سلسلے مین مولانا نے بڑے بڑے اہم مسائل مین تحقیق و تدقیق سے کام لیا ہے ۔ قیام قسطنطنیہ کے زمانے مین اُنھین عثمان پاشا مرحوم کی سفارش سے سلطان المعظم نے تمغۂ مجیدیہ عطا کیا ۔ اور گورنمنٹ سے اُن کو شمس العلما کا خطاب عطا ہوا جو چیزین خان بہادرون کے نزدیک چاہے کیسی ہی اہمیت رکھتی ہون ہمارے نزدیک چندان قابل لحاظ نہین ۔

تہمتن پہلوانان سلف

اگست ۱۹۱۵ء

قدیم قومون مین سے کوئی نہین جس نے اپنی قوم کے کسی ایسے ہیلتن اور قوی ہیکل پہلوان کا تذکرہ نہ کیا ہو جس کی طاقت انسان کے درجے سے بہت زیادہ اور مافوق العادۃ نہ ہو اور جس کے کارنامے معجز نمائی کے درجے کو نہ پہونچے ہوے ہون ۔ مگر ان مین سے چند قومون کے پہلوان ایسے ہین جن کے واقعات شہرت پاتے پاتے ادب و انشا پردازی کے ضروری عنصر بن گئے ہین ۔ کیونکہ طاقتوری و زور آزمائی مین وہی اعلیٰ درجے کی تشبیہون کا کام دیتے ہین ۔ اور اُنھین کے کارنامون کو پیش نظر رکھ کے ہر شخص اپنے جسم مین توانائی پیدا کرنا چاہتا ہے ۔ وہ چند ہیلتن بہادران سلف جو زیادہ مشہور ہوے حسب ذیل ہین ۔

(۱) شمسون ۔ جو بنی اسرائیل کا معجز نما قوت رکھنے والا پہلوان ہے ۔

(۲) ہرقل ۔ (ہرکیولس) جو یونانیون کا شیر افگن تہمتن ہے ۔

(۳) رستم ۔ جو ایرانیون کا ہیلتن پہلوان ہے ۔

(۴) مہابیرجی ۔ جو ہندوون کے پہلوان دیوتا اور مہاراجہ رام چندرجی کے لشکر کے پہلوان ہین ۔

(۵) عنترۃ بن شداد ۔ جو جاہلیت عرب کا عجیب و غریب پہلوان ہے ۔

ناظرین دلگداز کے لیے ان ناموروں کے دلچسپ کارنامے دلچسپی سے خالی نہ ہون گے۔ جن مین نسل انسان کی خودنمائی و تمکنت اور دیوتاؤن کی سی شجاعت و جلادت مضمر ہے۔ اور جن مین ویسا ہی مزہ ہے جیسا کہ انسان کو اپنی بچپن کی حماقتون اور نافہمی و بےعقلی کی باتون مین آیا کرتا ہے۔

لیکن اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ ہر قوم نے اپنے ابتدائی مذاق کے مطابق ان پہلوانون کے حالات مین مبالغے کیے ہین۔ اور تہذیب، تمدن کی جس قدر کمی تھی اسی قدر زیادہ اُنھین انسانیت کی حدود سے دُور کر دیا ہے۔ اسی طرح ان ناموران زور آورون کے کارنامے یہ بھی بتاتے ہین کہ اپنی قوم کے جس عہد اولین مین وہ تھے اُسوقت اُس قوم کی معاشرت کیسی اور کس درجے کی تھی۔

اب ہم اُن پہلوانون کے حالات حسب ترتیب مندرجۂ بالا عرض کرتے ہین

سمسون

یہ بنی اسرائیل یعنی یہود کے اُس عہد کا پہلوان ہے جب وہ مصر کی غلامی سے آزاد ہو کے ارض یہودا مین آئے ہین۔ ابھی شاہی جاہ و جلال کے کرشمے اُن مین نہین پیدا ہوے ہین۔ ایک جمہوریت کا سا مذاق ہے۔ ہر سبط یعنی اُن کا ہر گروہ خودسر اور اپنے علاقے پر متصرف ہے۔ فلسطینیون کے مقابلے مین سب ایک ہو جاتے ہین۔ اور اکثر آپس مین بھی صفائی نہین رہتی۔ اصلی حکومت قاضیون کی ہے جو ولیون یا پیمبرون کی شان سے نمودار ہو کے اُنکے دینی و دنیوی رہبر بنتے ہین۔ فی الحال پچاس برس سے فلسطین غالب آ کے اُنپر حکومت کرنے لگے ہین۔ اور غیرون کی اطاعت اُنھین نہایت شاق ہے۔

اُنھین دنون اسرائیلی قبیلۂ دآن کے ایک شخص مسمی منوحہ کی بی بی بانجھ اور اولاد سے مایوس تھی۔ یکایک اُس عورت سے ایک باوقار شخص ملا۔ اور کہا "حاملہ ہو گی۔ تیرے لڑکا ہو گا۔ اور وہ بڑا شخص ہو گا۔ اس لیے تجھ پر فرض ہے کہ شراب اور ہر قسم کے نشون سے پرہیز کرے۔ کوئی حرام چیز نہ کھائے۔ اور یہ بھی یاد رکھ کہ اُس بچے کے سر پر اُسترا نہ پھرے گا۔ اور وہ خدا کی طرف سے نذرانے

والا ہوگا“۔ عورت لاکھ پوچھتی رہی کہ آپ کون ہین اور کہان سے آئے ہین مگر اُس نے کچھ نہ بتایا اور غائب ہوگیا۔ تب عورت نے یہ واقعہ اپنے شوہر سے بیان کیا۔ اور اُس نے صدق دل سے دعا کی کہ ”بارالہٰا کبھی وہ شخص مجھے بھی ملے اور مین اُس سے دریافت کرون کہ یہ کیا واقعہ ہے“۔ اسکے بعد ایک دن عورت کھیت مین بیٹھی تھی کہ وہ شخص پھر اُس کے سامنے نمودار ہوا۔ عورت دیکھتے ہی عورت اُسے ٹھہرا کے اپنے شوہر کے پاس دوڑی آئی اور اُسے بُلا لے گئی۔ منوحہ جا کے اُس سے اخلاق کے ساتھ ملا۔ اُس کی پیشین گوئی کے متعلق جو کچھ پوچھنا تھا پوچھا اور ارادہ کیا کہ اُس کی دعوت کے لیے ایک بھیڑ کا بچہ ذبح کرے۔ اجنبی شخص نے کہا ”مین تو کچھ نہ کھاؤن گا۔ لیکن اگر تم چاہتے ہو تو اس بھیڑ کو خدا کی راہ مین قربانی کر دو“۔ منوحہ نے منظور کیا۔ اور اُس زمانے کے دستور کے مطابق چڑھاوے کی اور ضروری چیزون کے ساتھ بھیڑ کو ذبح کرکے ایک چٹان پر رکھ دیا۔ اور ساتھ ہی کیا دیکھتا ہے کہ آسمان سے آگ کا ایک شعلہ اُترا اور تمام قربانی کی چیزون کو جلا کے خاک کر دیا۔ دنیا کے آغاز مین قربانی کی مقبولیت کا یہی طریقہ تھا۔ مگر اُن دونون موقعون ہو چکا تھا۔ لہذا منوحہ اور اُس کی بی بی دونون گھبرا گئے۔ اتنی دیر مین کیا دیکھتے ہین کہ جب وہ آگ آسمان کی طرف واپس چلی تو اُسکے ساتھ ہی وہ اجنبی شخص بھی اوپر اُڑا چلا گیا۔ یہ دیکھ کے دونون میان بیوین کو یقین آیا کہ یہ پیشین گوئی کرنے والا کوئی انسان نہین فرشتہ تھا۔

اب وہ بانجھ عورت حاملہ ہوئی۔ اور فرشتے کی ہدایت کے مطابق اُس نے پوری احتیاط سے کام لیا اور پرہیزگاری اختیار کرلی۔ مدت حمل پوری ہوتے ہی اُسکے بطن سے توانا و تندرست لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام اُنھون نے سمسون رکھا۔ جب وہ بڑا ہوا تو زورآوری کے عجیب وغریب کرشمے اُس سے ظاہر ہونے لگے۔ اور ایسے ایسے کام کرتا کہ لوگ سناٹے مین رہ جاتے۔ زور و قوت کے ساتھ اُس مین بچپن ہی سے عشق کا مادہ نمایان نظر آنے لگا۔ ایک بار وہ شہر تمنت مین گیا جہان فلسطین لوگ آباد تھے۔ کسی فلسطینی کی ناموس لڑکی اُسکی

نظر سے گذری۔ دیکھتے ہی جان و دل سے عاشق ہو گیا۔ اور گھر واپس آ کے ماں
باپ سے کہا "اُس [illegible] سے میری شادی کر دو۔" والدین نے کہا "ہماری قوم
اور ہمارے خداپرست خاندان میں ایک سے ایک حسین و نازآفرین لڑکی موجود
ہے۔ اُن کو چھوڑ کے تم ایک بت پرست اور غیر مختون قوم کی لڑکی سے شادی
کرنا چاہتے ہو! یہ تمھارے لیے [illegible] نہیں۔ ماسوا اسکے وہ لوگ ہمارے
دشمن اور ہم پر حاکم ہیں۔" شمسون نے کہا "میں تو اُسی لڑکی کو اپنی بی بی
بنا دوں گا۔" اُس کی ضد سے ماں باپ خاموش ہو رہے اور دل میں خیال کیا
کہ شاید یہی [illegible]
شادی کو اسی جھگڑے کا بہانہ قرار دینا اُسے منظور ہو۔
چند دن والدین کو ساتھ لیے اُس نے پھر تمنت کی راہ لی۔ راستے
میں وہ تن تنہا ایک انگور کے باغ کے قریب آیا۔ اُس میں ایک شیر چھپا بیٹھا تھا
جو غرا کے اُس پر جھپٹا [illegible] اُس کی دونوں ٹانگیں پکڑ کے اُسے چیر ڈالا
مار کے وہیں ڈال دیا اور [illegible] مگر کسی کو اس واقعے
کی خبر نہ کی۔
اب تمنت میں پہنچ کے اُس لڑکی کے ماں باپ کو پیام دیا اور جس طرح
بنا شادی کی۔ اسکے ایک زمانے کے بعد اپنی بی بی کے لینے کو تمنت گیا۔ اب کی
بھی ماں باپ ساتھ تھے۔ راستے میں دل میں آیا کہ چلو اُس شیر کی لاش دیکھیں
اب بھی پڑی ہے۔ [illegible] کیا دیکھتا ہے کہ اُس کی لاش کے اندر
شہد کی مکھیوں نے چھتا لگا لیا ہے۔ وہ چھتا [illegible] چھڑا لیا۔ شہد کھاتا ہوا
واپس آیا۔ اور [illegible] کو بھی کھلایا مگر کسی کو یہ نہ بتایا کہ یہ شہد کہاں
ملا تھا۔
تمنت میں پہنچا تو فلستینی لوگوں نے اپنی قوم کے تیس نوجوان اُس سے
ملا دیے کہ اُن کی صحبت سے لطف اُٹھائے۔ ان لوگوں سے شمسون سے دوستی
بڑھی۔ اور ایک دن شمسون نے اُن سے کہا "بھلا میری پہیلی بوجھو گے؟ مگر شرط
یہ ہے کہ سات دن کے اندر یعنی جشن [illegible] تک کہ میں تمھارے یہاں مہمان ہوں

اُن کے بیچ مین ایک ایک مشعل رکھ کے باندھ دی - اور اُن سب کو مشعلین روشن
کرکے فلسطینیون کی طرف ہنکا دیا - ان گیدڑون نے چارون طرف آگ لگا دی -
اور اہل فلسطین کے کھیت باغ - انگور کی تاکین - اور زیتون کے درخت سب جل
کے خاک ہوگئے - اُن لوگون نے اس کا سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ فعل
تمنت والے فلسطینی کے داماد سمسون کا ہے جس کی جورو بہین کے دوسرے کو
دے دی گئی اس پر مشتعل ہوکے سب لوگ چڑھ آئے اور اُس تمنتی شخص کے
گھر مین آگ لگا دی جس مین سمسون کی جورو اور سسر دونون جل کے مرگئے -

مگر سمسون کو اس سے تسلی نہ ہوئی کہا "مین تم سے ابھی اور بدلا لون گا" پھر
اُن سب کی کمرون اور رانون کو مارتے مارتے قتل کر دیا - اور اسکے بعد علاقۂ
ایتام کی ایک پہاڑی کی گھاٹی مین چھپ کے بیٹھ رہا - اس امر سے انتقام لینے
کے لیے فلسطینی چڑھ آئے - اور ارض یہودا مین خیمے ڈال دیے - بنی اسرائیل
نے جو اُن کے محکوم تھے گھبرا کے پوچھا آپ لوگ کیون آئے ہین؟ اُنھون نے
کہا "سمسون سے بدلا لینے کو جیسا سلوک اُس نے ہم سے کیا ہے ویسا ہی ہم اُسکے
ساتھ کرین گے" ان کو برہم دیکھ کے تین ہزار اسرائیلی نوجوان اُس گھاٹی مین
گئے - اور کہا "تم نے یہ کیا غضب کیا؟ فلسطینیون کی حکومت ہے اور تم نے اُن
لوگون کو برہم کر دیا - اب ہم اس لیے آئے ہین کہ تم کو باندھ کے اُن کے حوالے
کر دین" سمسون نے پوچھا "خود تم لوگ تو مجھ پر حملہ نہ کرو گے؟" اُنھون نے کہا
نہین - ہم فقط تم کو رسیون مین کس کے باندھ لے جائین گے اور اُن لوگون
کے سپرد کر دین گے" سمسون نے منظور کیا - اور وہ سب اُسے باندھ کے فلسطینیون
کے پاس لے گئے - اُنھون نے دیکھتے ہی اُسے ڈانٹنا ڈپٹنا شروع کیا - ساتھ ہی
سمسون کی رسیان کچے دھاگے کی طرح ٹوٹ گئین - ہاتھ پاؤن کھل گئے - اور
اُس نے گدھے کے جبڑے کی ایک ہڈی جو زمین پر پڑی تھی اُٹھا لی - اور حملہ
کرکے اُس سے ایک ہزار فلسطینی مار ڈالے - اور اُن لوگون کا زور بالکل توڑ دیا
پھر وہ ہڈی وہین ڈال دی - اور اُسی وقت سے اُس مقام کا نام "راہت لحے"
ہوگیا - جس لفظ کے معنی جبڑے کی ہڈی پھینکنے کے ہین -

اب شمسون نہایت پیاسا تھا۔ درگاہِ الٰہی مین دعا کی کہ "تو نے میرے ہاتھ
سے اتنا بڑا کام تو کرا دیا لیکن اب کیا مین پیاسا مرون گا؟" خدا نے وہین
پر ایک چشمہ جاری کر دیا۔ جس کا پانی پی کے اُس کے حواس درست ہوئے۔
وہ چشمہ آج تک جاری ہے۔ اور شمسون نے اُس کا نام عین ہقورے رکھا۔
اسکے بعد شمسون نے بیس سال تک بنی اسرائیل پر حکومت کی۔

اسکے بعد شمسون شہرِ غزہ مین گیا۔ اور ایک فاحشہ عورت پر فریفتہ ہو کے
اُسکے پاس جا کے رہا۔ غزہ کے لوگون کو خبر ہوئی تو شہر کی ناکہ بندی کر دی پھاٹک
بند کر دیے۔ اور تہیہ کیا کہ صبح کو جب شمسون نکلے گا تو اُسے پکڑ لین گے۔ شمسون
نے یہ حرکت کی کہ آدھی رات کو اُٹھ کے شہر کے پھاٹک پر پہونچا۔ پھاٹک کو
مع چوکھٹ بازو کے اُکھاڑ کے کندھے پر رکھا اور پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اور حبرون
کے سامنے جو ٹیلہ کوہ ہے اُس پر رکھ کے چل دیا۔

شمسون مین ایک کمزوری تھی تو یہی کہ حسین عورتون پر اکثر فریفتہ ہو جاتا
چنانچہ ایک مدت بعد وادیِ سورق مین پھر ایک عورت کا دیوانہ ہوا جس کا نام
دلیلہ تھا۔ اس واقعے کی جیسے ہی شہرت ہوئی فلسطینی لوگون کے بہت سے
کاہن اور مقتدا دلیلہ کے پاس آئے اور کہا "شمسون کو بہلا پھسلا کے اگر تم
اس بات کا پتہ لگا دو کہ اُس کی یہ شہزوری کس وجہ یا کس چیز سے ہے تو ہم سب
گیارہ گیارہ سو روپیہ تمہاری نذر کرین گے۔ دلیلہ نے ناز و کرشمے کے ساتھ بہلا
بہلا کے پوچھنا شروع کیا۔ اور وہ ہر مرتبہ کوئی نئی بات کہہ دیتا۔ جو آزمانے پر غلط
ٹھہرتی۔ آخر اُس نے روہانسی صورت بنا کے کہا "تمہین مجھ سے ذرا محبت نہین ہے
کچھ بھی میری محبت ہوتی تو یون مجھے دھوکا نہ دیتے۔" آخر فریب مین آ کے شمسون
نے بتا دیا کہ میری طاقت کا سارا راز میرے بالون مین ہے۔ اگر بال مُنڈ گئے تو میری
طاقت جاتی رہے گی۔" دلیلہ نے خوش ہو کے فلسطینی مقتداؤن کو ایک کوٹھری
مین چھپا دیا جو روپیہ ساتھ لیتے آئے تھے۔ پھر شمسون کو اپنی گود مین سُلا یا۔
اور نائی بُلا کے اُس کے سر پہ جو بالون کی سات لٹین تھین ساتون کو مُنڈوا دیا
سر منڈتے ہی فلسطینیون نے آ کے شمسون کو پکڑ لیا۔ اُسے مار اپیٹا آنکھین پھوڑ ڈالین

چڑھا چڑھا کے کہتے اور چھیڑتے تھے کہ "تمھاری وہ قوت و طاقت کیا ہو گئی؟" پھر باندھ کے شہر غزہ میں لے گئے۔ اور برنجی زنجیروں میں جکڑ کے قید خانے میں رکھا۔ جہاں اُس سے چکی پسوائی جاتی تھی۔

اس کو کئی مہینے گذر گئے۔ اور اب سمسون کے سر میں پھر بال نکل آئے تھے۔ فلسطینیوں کے مقتداؤں نے سمسون کی مغلوبی اور اپنی کامیابی کی خوشی اور شکرگذاری میں جمع ہو کے بڑی دھوم دھام سے اپنے دیوتا جوئن کی پوجا کی۔ اور جب خوب خوشیاں منا چکے تو سب کی تجویز ہوئی کہ سمسون کو بُلا کے بنانا۔ نچانا اور اُسکی تضحیک کرنی چاہیے۔ اس غرض کے لیے وہ لایا اور ذلیل کیا گیا۔ ایک عالیشان مکان میں چھت کے اوپر تقریباً تین ہزار فلسطینی جمع تھے۔ نیچے ایک لڑکا اندھے سمسون کا ہاتھ پکڑے اُسے نچا اور کُدا رہا تھا۔ ہر چہار طرف سے اُس پر قہقہے اُڑ رہے تھے۔ اور ذلت کی نگاہیں پڑ رہی تھیں۔ اتنے میں سمسون نے لڑکے سے کہا "جن ستونوں پر مکان کی چھت قائم ہے مجھے پکڑا دے تاکہ اُن پر سہارا دیکر ذرا دم لے لوں"۔ چھت دو ستونوں پر قائم تھی۔ جو قریب قریب تھے۔ لڑکے نے دونوں ستونوں تک اُس کا ہاتھ پہونچا دیا۔ دونوں ہاتھوں سے دونوں کو پکڑ کے سمسون نے خدا کی طرف توجہ کی۔ اور عاجزی سے کہا "خداوندا وہی اگلا زور مجھے پھر عطا کر تاکہ ان لوگوں سے اپنی آنکھوں کا بدلا لے لوں۔ اور اسکے ساتھ ہی میری زندگی کا بھی خاتمہ ہو جائے"۔ یہ کہتے ہی اُس نے دونوں ستونوں کو کھینچ لیا۔ چھت نیچے آ رہی۔ سارا مکان بیٹھ گیا۔ اور وہ تین ہزار فلسطینی اور اُنکے ساتھ خود سمسون دب کے مر گئے۔

یہ تھا بنی اسرائیل کا تمدن۔ جس کے واقعات میں بت پرست قوموں کی دیوتا سے علیحدہ ہو کے خدا پرست اسرائیلیوں کی سی معجز نمائی تھی۔ اگرچہ اس میں عیاشانہ لغزشیں ہیں مگر توحید اور ہر امر میں خدا کی طرف رجوع کرنا اور اُس کی مرضی پر بھروسا کرنا ہے جو بات دوسری قوموں کے اُس کے ہم پایہ پہلوانوں میں نہیں ہے۔ جن کے حالات ہمارے ناظرین آیندہ نمبروں میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

ہرقل

جن غیر معمولی اور مافوق العادت زور آوران سلف کے حالات کا سلسلہ ہم نے شروع کیا ہے اُن مین دوسرا نمبر "ہرقل" کا ہے - یونانی اُسے ہرقلیس کہتے تھے - رومیون نے بگاڑ کے ہرقیولیس کہنا شروع کیا - عرب ہرقل کہنے لگے اور فی الحال انگریز ہرکیولیز کہتے ہین -

اُس کا زمانہ خالص دیوتاؤن کا زمانہ ہے جب انسان نے حیوانیت کے درجے سے ترقی کر کے پہلے پہل انسانیت کے عالم مین قدم رکھا تھا - اور اسی وجہ سے اُسکے کارنامے ہمارے فہم و ادراک سے بالکل باہر ہین - اور تمسون کے واقعات مین باوجود مافوق العادت ہونے کے جو پیمبرانہ ادائین تھین ہرقل کی شہرزوریان اُس سے بھی جدا ہین -

یونانیون کا سب سے بڑا دیوتا یا مہادیو جیوپیٹر تھا - جو اُنکے اعتقاد مین سارے دیوتاؤن اور آدمیون کا باپ - اور کُل عالم کا بادشاہ تھا - مافی الکون پر تصرف حاصل کرنے کے بعد اُس نے سمندر کی حکومت اپنے بھائی نیپچون کو - اور عالم سفلی کی فرمان روائی دوسرے بھائی پلوٹو کو دی - اور خود عالم علوی پر حکومت کرنے لگا - اُس کی جورو دیوی جونو جنّت کی ملکہ تھی - اور اُس مین رقابت یا سوتیا ڈاہ کا مادہ حد سے گذرا ہوا تھا - لیکن میان (جیوپیٹر) حد سے زیادہ عیاش اور شہوت پرست واقع ہوے تھے - چنانچہ جہان اُنھون نے دنیا کی اور بہت سی حسین عورتون کو خراب کیا اور تماش بینی کے عجیب عجیب کرشمے دکھائے وہان تھیبس (یونان) کے بادشاہ ایمفی ٹرون کی پری جمال ملکہ الکمینہ پر بھی فریفتہ ہو گئے - مگر کوئی زور نہ چلا اور موقع نہ ہاتھ آتا تھا - ایک دن ایمفی ٹرون کہین باہر گیا ہوا تھا آپ اُسی کی صورت اختیار کر کے الکمینہ کے پاس پہونچے اور بلا تکلف کامیاب ہو گئے - اُس زمانے مین ایمفی ٹرون نے سپارٹا کے بادشاہ پر چڑھائی کر کے اُسے مار ڈالا تھا اور انتقام لینے والون کے خوف سے تھیبس مین آ کے پناہ لی تھی - اُس کے آتے ہی الکمینہ کے بطن سے دو توام لڑکے

پیدا ہوے ایک افی کلوس جو اُس کے اصلی شوہر کے نطفے سے تھا۔ اور دوسرا ہرقل جو یونانی مہا دیوجی کا نطفہ نا تحقیق نہیں با تحقیق تھا۔ یہی ہرقل یونان کا پہلوان دیوتا ہے جس کے حالات ہم نذر ناظرین کرنا چاہتے ہین۔

جونو (سوتیلی ماں) نے جو سُنا کہ کسی اور جورو کے بطن سے میرے میاں جوپٹر جی کے ایک لڑکا پیدا ہوا ہے تو اُس کی دشمن ہوگئی اور اپنی غیر معمولی فطرت سے اُسکے ہلاک کرنے کے لیے نئی نئی تدبیرین کرنے لگی۔ ابھی بچہ اور گہوارے مین تھا کہ دو بار جونو نے دو اژدہے بھیجے کہ اُسے ڈس کے ہلاک کرڈالین۔ مگر اسی عمر مین خدا نے ایسی طاقت دی تھی کہ اُن دونون اژدھون کو ہاتھ سے دبا کے مار ڈالا۔ اور مروڑ کے پھینک دیا۔ اُس کی یہ قوت دیکھ کے بجاے اسکے کہ جونو کو رحم آتا اور طیش آیا۔ اور وہ کوہ استھاؤن پر سیر کر رہا تھا کہ سوتیلی ماں کا بھیجا ہوا ایک شیر ببر اُس پر جھپٹا کہ اُسے نرم نوالہ بنائے۔ مگر ہرقل نے اپنی شہزوری سے مار کے ڈال دیا۔

اب جونو کے غصے کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اور طرح زور نہ چلا تو اُسے اپنے جادو سے مجنون و فاتر العقل بنا دیا۔ اس جنون کے زمانے مین ہرقل نے اپنے بیٹون اور بھتیجون کو مار ڈالا۔ اور اپنی ذات کو بہت نقصان پہونچا لیا۔ خدا خدا کرکے بعد یہ جنون گیا۔ اور اب ہوش مین آکے ہرقل نے اپنی گذشتہ مجنونانہ حرکتین سنین تو اُسے بے انتہا ملال ہوا۔ اور رنج والم کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اسی اندوہ والم مین وہ کوہ اڈلفائی پر گیا کہ فال کھلوا کے اپنے دل کو تسلی دے۔ اس پہاڑ پر اُس کے بچا اپالو دیوتا کا عظیم الشان مندر تھا۔ جہان لوگ جا جا کے فالین کھلواتے اور وہان کی فال کو بالکل سچا اور واجب العمل جانتے تھے۔ جونو کی چتر بازی سے یہان بھی یہ فال نکلی کہ "اپنی بھلائی چاہتے ہو تو جاکے بارہ برس تک اپنے عزیز یورس تھیوس کی خدمت کرو۔" یہ حکم واجب العمل تھا۔ اور ہرقل نے پہاڑ سے اُترتے ہی یورس تھیوس کے گھر کی راہ لی۔ اور اُس کے خدام مین شامل ہوگیا۔

یورس تھیوس نے جو ہرقل کی شہزوری اور اُس کی طاقت کے عجیب و غریب کرشمے دیکھے تو دل مین ڈرا کہ بارہ برس کے بعد دیکھیے یہ میری کیا گت بناتا ہے۔

ادھر جونو نے بھی اُسے سخت بے رحمی کا اشارہ کر دیا۔ غرض اُس نے کوشش کی کہ ہرقل سے ایسے کام لے جو اُس کی ہلاکت کا باعث ہو جائیں۔

پہلے حکم دیا کہ جا کے مقام نیمیا کے شیر ببر کو مار ڈالو جس پر کسی کا زور نہین چلتا۔ ہرقل گیا۔ سامنا ہوتے ہی اُدھر شیر مُنہ پھیلا کے جھپٹا اور ادھر ہرقل نے جھپٹ کے اُس کی گردن پکڑ لی اور آناً فاناً مین اُسے گلا گھونٹ کے مار ڈالا۔ بیرحم آقا نے جب یہ حیرت انگیز قوت دیکھی تو اور زیادہ خائف ہوا۔ اور کہا اب جا کے مقام لرنیا کے سات سرون والے دیو (اژدہش) کو قتل کرو جس نے انسانون کو عاجز کر رکھا ہے۔ ہرقل بے عذر اس مہم پر بھی چل کھڑا ہوا۔ دیو اُس کی صورت دیکھتے ہی جھپٹا کہ اُسے ہضم کر جائے۔ مگر ہرقل نے اپنے برچھی گرز سے ایسا زبردست حربہ کیا کہ موذی دیو تیورا کے گرا اور تڑپ کے مرگیا۔

یہ سُن کے یورس تھیوس کے ہوش جاتے رہے اور ہرقل سے کہا اب کی تمھارے ذمے یہ خدمت ہے کہ سری نائیہ (افریقہ) کے طلائی سینگون والے بارہ سنگھے کو زندہ پکڑ لاؤ۔ یہ مہم بھی نہایت ہی سخت دشوار تھی جس کی کبھی کسی کو جرأت نہ ہو سکتی تھی۔ مگر ہرقل بے تکلف گیا۔ اُس بارہ سنگے کو پکڑ کے ایک کٹہرے مین بند کر لیا اور لا کے آقا کے سامنے حاضر کر دیا۔

اب جلاد آقا نے دل مین خیال کیا کہ اس پر کسی کا زور نہین چلتا۔ پھر سوچ کے کہا اچھا اب تم جا کے علاقۂ اری مان تھیا کے مشہور بنڈیلے کو مار ڈالو جس سے بڑے بڑے پہلوان ہار چکے ہین۔ ہرقل گیا۔ اور ایک ہی حملے مین اُس ظالم بنڈیلے کا بھی کام تمام کیا۔

جب اس مہم کو بھی سر کر کے ہرقل آگیا تو آقا نے حیران ہو کے کہا اب کی تم اسی وقت آوگیاس کے اصطبل کو جا کے دھو آؤ۔ آوگیاس شہر ایلیس کا فرمان روا تھا اور اُس کا اصطبل اتنا بڑا عظیم الشان تھا کہ کبھی کوئی اُسے دھو کے صاف نہین کر سکا تھا۔ اور اوگیاس کا وعدہ تھا کہ جو کوئی اُسے دھو دے گا اُسے وہ اپنے مویشیون اور گھوڑون کا چوتھائی حصہ دے دے گا۔ ہرقل نے پہونچتے ہی الفیوس[1]

[1] یونانی دیومالا مین الفیوس ایک نہر کا نام ہے۔ اور اُن کا عقیدہ تھا کہ اس نہر کا دیوتا کبھی ارتھوسا

کا پانی اُس پر چڑھا کے بہا دیا۔ اور اپنی غرض پوری کی۔ جب شرط پوری ہوچکی تو ہرقل نے اوگیاس سے خواہش کی کہ اپنی شرط پوری کرے اور اپنے مویشیون اور چوپاؤن کا چوتھائی حصہ دے۔ مگر اُس نے لیت و لعل کیا اور عذرات بارد پیش کرنے لگا۔ ہرقل نے فوراً لڑائی ٹھان دی۔ اوگیاس کو قتل کیا۔ لے لیس پر قبضہ کر لیا۔ اور اوگیاس کے بیٹے فیلیوس کو اُس کا جانشین کر کے واپس آیا۔

یہ حال سن کے آقا اپنی زندگی سے مایوس ہوگیا۔ اور سوچنے لگا کہ اب کون سی مہم بتاؤن جس سے یہ ظالم زندہ واپس نہ آئے۔ سوچتے سوچتے کہا اب تمھارے ذمے یہ خدمت ہے کہ مقام اسٹیم فالیا کے گوشت خوار طیور کو مار آؤ جنھون نے زبردست لوگون کو عاجز کر رکھا ہے۔ ہرقل فوراً تیار ہوگیا۔ وہان پہونچتے ہی اُن تمام طیور کو نیست و نابود کر دیا۔ اور غانم و سالم واپس آیا۔

اب کی یورس تھیوس نے یہ حکم دیا کہ جزیرۂ کریٹ مین جاؤ اور وہان کے اُس مہیب سانڈ کو پکڑ لاؤ جس سے وہان کی خلقت عاجز ہے۔ ہرقل گیا اور اُسے پکڑ کے باندھ لایا۔

یہ حکم بھی پورا ہوگیا تو بے رحم آقا نے کہا "اب تم جا کے شاہ ڈیومیڈیز کے وہان اُس کی زبردست مردم خوار گھوڑیون کو پکڑ لاؤ۔ اور میرے سامنے حاضر کرو۔ یہ شرط بھی ہرقل نے پوری کی اور اُن گھوڑیون کو لا کے سامنے کھڑا کر دیا۔

اس شرط کے پورے ہو جانے پر یورس تھیوس نے بظاہر مسرور اور باطن مین ملول ہو کے کہا امیزنون[عہ] کے ملک مین جاؤ اور اُن کی ملکہ ہیپولیڈ کی کمر دھنی چرا لاؤ

دیوی پر عاشق ہوگیا تھا جس کی سزا مین دیوتا دیوی نے ایک فوارہ بنا کے اور جیتا نام ایک چھوٹے جزیرے مین قائم کر دیا جہان سمندر سے نکل کر وہ اُچھلا کرتا ہے۔

عہ یونانی اپنے زمانے مین ایک علاقہ ایسا بتاتے ہین جہان صرف بہادر اور تیرانداز عورتین رہتی تھین جو امیزن کہلاتین۔ اور وہ کسی بڑے بہادر کو خطرے مین نہ لاتی تھین۔ انھین کی ملکہ کا نام ہیپولیڈ تھا۔

ہرقل تو ایسی مہمون کے لیے تیار ہی رہا کرتا تھا فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور اُن خونخوار عورتون مین جا کے اُن کی ملکہ کی کردھنی اُتار لایا۔

اُسکے بعد ہرقل کو حکم ملا کہ اس دفعہ تم جا کے مشہور موذی رہزن گیریون کو قتل کرو اور اُس کے بیلون کو پکڑ لاؤ۔ یہ حکم بھی اُس نے آسانی کے ساتھ پورا کر دیا۔ اُس موذی سے دنیا خالی کر دی۔ اور اُس کے بیل لا کے حاضر کر دیے۔

اب پھر سوچ کے یورس تھیوس نے ایک اور نئی مہم تجویز کی اور کہا "اب تم پھر جاؤ اور اُن زرین سیبون کا پتہ لگاؤ جو ہسپریڈس کے پہرے میں ہیں۔ یہ سیب ہرقل کی سوتیلی مان جونو نے اپنی شب زفاف مین اپنے شوہر جیوپیٹر کو دیے تھے اور اٹلیس دیوتا کی تین بیٹیون کے پہرے مین وہ چھپا کے رکھے گئے تھے۔ جہان ایک درخت مین لگے ہوے تھے۔ اور سو سرون والا اژدہا جو لیڈن کہلاتا تھا ہمیشہ اُس درخت کے نیچے حفاظت کے لیے موجود رہا کرتا۔ ہرقل نے جا کے اُس اژدھے کو مارا۔ سیبون کو لے کے آقا کے پاس آیا۔ اور اُن کے درخت کا پتہ نشان بتا دیا۔

اب یورس تھیوس سے کوئی بات بنائے نہ بنتی تھی۔ مگر غور و فکر کر کے کہا "اچھا اب ایک کام اور کر لاؤ۔ تحت الثرےٰ مین جاؤ۔ اور بہت سے سرون والا کتا سربرس جو عالم زیرین کے پھاٹک کا دربان ہے اُسے اوپر نکال لاؤ۔ ہرقل اس مہم پر بھی چل کھڑا ہوا۔ بڑی مشکلون سے تحت الثرےٰ مین گیا اور اُس عجیب الخلقت کتے کو لا کے حاضر کر دیا۔

ان بارہ مہمون مین بارہ سال پورے ہو گئے۔ اور اب وہ یورس تھیوس کی غلامی سے آزاد تھا۔ اُس کی یہ بارہ مہمین یونانی دیومالا مین نہایت مشہور ہیں کے مافوق العادت کارنامے ہین۔ اور جس طرح رستم کی سات مہمین ہفتخوان کہلاتی ہین اُسی طرح ہرقل کی یہ بارہ مہمین یونانیون کے نزدیک دوازدہ خوان ہین جن مین سمجھا جاتا ہے کہ بڑے بڑے دیوتاؤن کی مدد شامل حال تھی۔

اب وہ آزادی حاصل کرتے ہی اپنے وطن تھیبس مین آیا۔ اور شہزادی ہےکے

عجیب عجیب کرشمے دکھانے لگا - یونانی بت پرستون مین اُس کے صدہا قصے مشہور تھے - جن سے اُس کی شہزوری اور عاشق مزاجی دونون باتون کا پتہ لگتا ہے - اُس کے تمام حالات کا جمع کرنا دشوار ہے - اور ایک ہی قسم کے واقعات کی تکرار بے مزہ ہوگی - تاہم چند مشہور کارنامے ہم سنائے دیتے ہین -

اُن دنون افریقہ مین انطاؤس نام ایک زبردست آدم خوار دیو تھا - ہرقل اُس کے مقابلے کو گیا - وہ آدم زاد کی صورت دیکھتے ہی جھپٹا - مگر جیسے ہی قریب آیا ہرقل نے اُسے پکڑ کے اوپر اُٹھا لیا، ہوا مین بلند کیا - اور وہین بلندی پر اس زور سے گلا گھونٹا کہ دم نکل گیا - تب اُس کی لاش زمین پر پٹک دی -

اسی طرح کا ایک اور دیو جو کاکوس کہلاتا کوہ اونٹائن پر رہتا تھا اور انسانون کو ستایا کرتا - شامت جو آئے - ایک دن ہرقل کے چند مویشیون کو دُم پکڑ کے اپنے بھٹ مین کھینچ لے گیا - ہرقل خبر پاتے ہی بدلا لینے کو چلا - اور جیسے ہی وہ اپنے بھٹ سے نکلا لپک کے اُس کی گردن پکڑ لی - اور گلا گھونٹ کے مار ڈالا - پھر اس پہاڑی پر اپنے باپ جیوپٹر کا مندر قائم کر دیا -

اُن دنون ایک نہایت ہی عجیب الخلقت موذی مخلوق تھے جو سنٹور کہلاتے - ان کا اگلا دھڑ تو انسان کا سا ہوتا مگر پچھلا دھڑ گھوڑے کا سا - اُن کے آزار پہونچانے اور لوگون کو ستانے کا غلغلہ بلند ہوا تو ہرقل پہونچا - اور موذی سنٹورون کو اس کثرت سے قتل کیا کہ چند ہی زندہ بچ گئے ورنہ نسل ہی کا خاتمہ کر دیا تھا -

ہرقل نے افریقہ اور مصر مین بارہا سفر کیا تھا - اتفاقاً ایک مرتبہ وہان کے فرعون بوسی ریس نے حملہ کر کے اُسے گرفتار کر لیا - اور ہاتھ پاؤن باندھ کے اپنے دیوتا کی قربان گاہ پر رکھ دیا کہ اُسے چڑھاوے - ابھی تک تو ہرقل نے دل لگی دیکھنے کے لیے یہ سب باتین گوارا کر لی تھین مگر اب جو غصہ آتا ہے تو جن رسیون مین بندھا تھا چٹا چٹ توڑ ڈالین اور بوسی ریس اور اُس کے تمام اہل دربار کو مار ڈالا -

اُن دنون نسطور نام ایک زبردست فرمان روا تھا - ہرقل سے اُس سے لڑائی ہوئی - نتیجہ ظاہر تھا کہ ہرقل نے اس کے گیارہ بیٹون کو قتل کر کے میدان

مین ڈال دیا۔ بارھوین بیٹے کی کم عمری پر ترس کھا کے اُسے زندہ چھوڑ دیا۔ اور تاج بخشی کی۔

لیکن ان سب کارنامون مین آسمانی دیوتا اُس کے مدد معاون رہا کرتے۔ چنانچہ ایک بار یہ کھل گیا۔ وہ دریاے رون کے پار اُترنا چاہتا تھا کہ دو کوہ پیکر دیو آکے مزاحم ہوے مگر قبل اس کے کہ وہ شہزوری کا جوہر دکھائے دیوتاؤن سے اُن دیوون پر اتنے پتھر برسائے کہ اُنھین سنگسار کر کے مار ڈالا۔

مگر سب سے زیادہ پُر لطف وہ لڑائی تھی جس مین اُس نے سیدیا والون کے زبردست دیوتا اچیلوس کو قتل کیا۔ یہ لڑائی ایک عورت کے لیے تھی۔ ہرقل نے حملہ کیا ہی تھا کہ وہ لوٹ لگا کے ایک اژدہا بن گیا۔ ہرقل ذرا جھجک کے پھر بڑھا کہ اس اژدہے کو مارے کہ اُس نے دوسری لوٹ لگائی اور ایک خونخوار سانڈ بن گیا۔ اور سینگ بڑھا کے اُسکی طرف دوڑا۔ اب ہرقل نے اُس کا سینگ پکڑ کے ایسا جھٹکا دیا کہ سینگ ہاتھ مین رہ گیا اور سانڈ تھا اچیلوس دُم دبا کے بدحواس بھاگا۔

ہرقل کو دیوتاؤن سے بڑی عقیدت تھی۔ چنانچہ جب وہ افریقہ مین تھا اُس کا باپ جیوپٹر ایک مینڈھے کی صورت مین امون کے نام سے نمودار ہوا اور وہین ریگستان مین ایک چشمہ جاری کر دیا۔ ہرقل نے اُس جگہ اُس کا ایک مندر قایم کر دیا جو آخر تک موجود تھا۔ اور مصر فتح کرنے کے بعد سکندر اعظم بھی اُس کی زیارت کو گیا تھا۔

اسی جوش عقیدت کا ایک نمونہ یہ بھی تھا کہ جو قیمتی کردھنی اپنے دوازدہ خوان مین وہ امیزن عورتون کی ملکہ کی کمر سے کھول لایا تھا اپنی سوتیلی مان جونو کے مندر کی ایک پوجارن اومیتہ کی نذر کر دی۔

خود جوپٹر کی بیٹی ہیبہ جو اُس کی اصلی بی بی جونو کے بطن سے تھی جیوپٹر اور تمام دیوتاؤن کی ساقیہ تھی اور شباب کی دیوی مانی جاتی۔ وہ ہرقل کی چاہیتی بی بی تھی۔ اُس کے بطن سے اُس کا بیٹا انی کٹوس پیدا ہوا۔

لیکن اسکے ساتھ یہ بھی ہوا کہ لیڈیا کی ملکہ اُم فالہ کے دل مین بڑی تمنا تھی کہ

کسی طرح ہرقل کو دیکھے۔ اُس کی تمنا یون پوری ہوئی کہ ہرقل سخت بیمار ہوا۔ دماغ اُلٹ گیا اور مختلف امراض کا زور ہوا۔ علاج یہ بتایا گیا کہ ہرقل غلامون کی طرح بیچ ڈالا جائے۔ اس موقع پر اُم فالہ زلیخا کی طرح اپنے یوسف (ہرقل) کی خریداری کو پہونچی اور جو دام مانگے گئے دے کے اُسے اپنے ساتھ لے گئی۔ اس کے گھر پہونچتے ہی ہرقل اچھا ہوگیا۔ ہوش و حواس درست ہوے اور قوت آگئی۔ لیکن ان امراض سے صحت پاتے ہی وہ اُم فالہ کے عشق کے مرض مین مبتلا ہوا۔ ملکہ تو پہلے ہی سے فریفتہ اور دلدادۂ مشتاقون مین تھی۔ دونون مین تعلقات زن و شو ہو گئے اور اُسکے بطن سے ہرقل کا ایک اور بیٹا پیدا ہوا۔

اُس کے زور و قوت کی یہ حالت تھی کہ دیوتاؤن کو بھی اُس سے مدد لینے کی ضرورت پڑی۔ جب کبھی اُنھین کسی زبردست حریف سے مقابلہ کرنا ہوتا تو اپنی مدد پر اُسی کو بلاتے

ایسے شہزور کو دنیا مین اور کوئی تو مغلوب کر سکتا ہی نہ تھا اس لیے خدا نے خود اُس کی جان لینے مین بھی اُسی کے ہاتھون سے کام لیا۔ چنانچہ وہ آپ ہی کوہ اٹینا پر گیا۔ اور چٹان پر بیٹھ کے اپنے ایک زہرآلود تیر سے اپنا کام تمام کر دیا۔

رُستم تہمتن

(۱)

یہ قدیم دولت عجم کا نامی گرامی اور بے عدیل و نظیر پہلوان تھا جس کی قوت و توانائی انسانی فطرت کے حلقے سے باہر بتائی گئی ہے۔ اس کے نام کو ایرانی لٹریچر نے اس قدر شہرت دی کہ آج پہلوانی کا خیال آتے ہی ہر مشرقی بچے کی آنکھون کے سامنے رستم کی وہ تصویر پھر جاتی ہے جو فردوسی کے ایسے باکمال ادبی مصور کے ہاتھ کی کھینچی ہوئی ہے۔ ہمارے یہان کے اکثر شوقین اپنے بچون کا نام رستم خان یا رستم علی رکھتے ہین اور اس نامور عجمی پہلوان کی یاد ہمیشہ تازہ رکھی جاتی ہے۔

دراصل رستم کی تاریخ شاہ نامہ ہے۔ مگر ہم اُس کے مختصر حالات اپنے ناظرین

کی دلچسپی کے لیے "ہفتن پہلوانان سلف" کے سلسلے میں بیان کیے دیتے ہیں۔

"تاجدار عجم منوچہر کے دربار میں سب سے نامور پہلوان نریمان اور اُس کا بیٹا سام تھے۔ جو اصلی رہنے والے زابلستان و سیستان کے تھے۔ سام ہی منوچہر کا وزیر و مشیر تھا۔ اور اُسی کی قوت بازو سے سلطنت کی عظمت قائم تھی۔ سام کے ایک لڑکا ہوا جو "زابی" تھا۔ بال سفید تھے اور رنگت بہروپی کی سی۔ باپ بچپن ہی میں اُسے بدصورت دیکھ کے آشفتہ ہوا۔ اور کوہ البرز کی ایک چٹان پر ڈال کے چلا آیا۔ آتش پرستوں میں سیمرغ نام ایک جانور عقیدۃً مانا جاتا تھا جس میں دیوتاؤں یا فرشتوں کے ایسے صفات تھے۔ وہ کوہ البرز میں رہتا تھا۔ اس بچے کو بے مونس دیکھ کے اپنے غار میں اُٹھا لے گیا۔ اور پالا۔ یہاں تک کہ وہ بڑا ہوا۔ ان دنوں سام نے ایسے دو خواب دیکھے جن کی تعبیر کاہنوں نے یہ دی کہ تمہارا بچہ زندہ ہے اُسے کوہ البرز سے جا کے لے آؤ۔ سام اُسی وقت پہاڑ پر گیا۔ درگاہ رب العزت میں فرزند کے دیدار سے بہرہ یاب ہونے کی دعا کی۔ فوراً سیمرغ نمودار ہوا۔ اور بیٹے کا ہاتھ باپ کے ہاتھ میں دے کے کہا "تمہارا غلام پالتا تھا۔ اب تمہارا فرزند تمہیں مبارک رہے"۔ لڑکا سیمرغ اور بچپن کے رفیقوں سے چھوٹنے پر حیران ہوا تو سیمرغ نے اُسے اپنے چند پر دیے کہ "انھیں جب آگ میں دکھاؤ گے میں آ جاؤں گا"۔

بہرحال سام بیٹے کو واپس لایا۔ اور چونکہ بچپن ہی میں پیر صفت تھا اس لیے اُس کا نام "زال" رکھ دیا گیا۔ واپسی میں دونوں باپ بیٹے دارالسلطنت عجم کے پاس سے گزرے تو منوچہر نے اپنے ولیعہد نوذر کو بھیج کے اپنے دربار میں بلایا۔ زال کو دیکھ کے خوش ہوا۔ اور سیستان کی حکومت سام کو دے کے رخصت کیا۔

اب سام بعض مہموں پر تھا اور زال حکمران سیستان تھا کہ حاکم کابل مہراب کی بیٹی رودابہ پر عاشق ہو گیا۔ رودابہ بھی اس پہ فریفتہ تھی مہراب نے شادی کر دی۔ لیکن یہ نسبت سام اور منوچہر کو پسند نہ تھی۔ اس لیے کہ مہراب اہل عجم کے قومی دشمن ضحاک کی نسل سے تھا۔ مگر مجبور تھے۔ گوارا کیا۔

رودابہ حاملہ ہوئی۔ مگر حمل ایسا بھاری تھا اور روز بروز ناقابل برداشت

ہوتا جاتا تھا کہ ماں کی جان کے لالے پڑ گئے۔ خصوصاً درد زہ شروع ہونے کے بعد بھی جب ولادت کی کوئی صورت نہ نظر آئی تو رونا پٹینا پڑ گیا۔ زال نے گھبرا کے سیمرغ کے پر آگ پر ڈال دیے سیمرغ فوراً آیا۔ اور کہا "یہ بچہ یوں نہ پیدا ہوگا رودابہ کو بیہوشی پلا کے اُس کا پہلو چاک کر ڈالو۔ اور بچے کو نکال کے زخم میں ٹانکے لگا دو۔ پھر ایک گھاس منگوا کے دی اور کہا کہ اُس زخم پر اس پتی کا لیپ کر دو۔ یہی کیا گیا۔ رودابہ نے اُس نازک اپریشن کے بعد آنکھ کھولتے ہی حال پوچھا۔ اور کیفیت سُن کے کہا "رستم"۔ (میں اس آفت سے چھوٹی) اور یہی اُس بچے کا نام پڑ گیا۔ یوں رستم کی ولادت ہوئی۔ جس کی طفولیت کا یہ حال تھا کہ دودھ پلانے پر سات دائیاں مقرر تھیں اور اس پر بھی اُس کا پیٹ نہ بھرتا تو گائے کا دودھ پلایا جاتا۔ تین برس کا ہوا تو گھوڑے پر سوار ہونے لگا۔ اور دادا کا گرز گاؤسر اُٹھا لیا۔ اور بڑا ہوا تو گھوڑوں کو اُس کا بوجھ اُٹھانے کی طاقت نہ تھی۔ دادا پوتے کو دیکھنے آیا تو اُس کے استقبال کو ہاتھی پر سوار ہو کے گیا۔

بارہ برس کا تھا کہ بادشاہ کا قہار ہاتھی مست ہو کے چھوٹ گیا۔ ہر طرف بھگدڑ پڑ گئی۔ مگر رستم دادا کا گرز لے کے مقابلے کو دوڑ پڑا۔ شاہی دربان نے روکا تو گرز کے ایک اشارے میں اُس کا کام تمام کر دیا۔ اتنے میں اُس پر ہاتھی چنگھارتا ہوا جھپٹا۔ ادھر سے رستم آگے بڑھا۔ ہاتھی نے اُس کی کمر میں سونڈ لپیٹی کہ اُٹھا کے دے مارے۔ اتنے میں رستم کا گرز اس زور سے اُس کی مستک پر پڑا کہ تیورا کے گرا اور مر گیا۔ تمام لوگ اس قوت کو دیکھ کر حیران و ششدر تھے۔ یہاں تک کہ زال نے فرزند سے کہا "تمہارے یہی بزور بازو ہیں تو اپنے پر دادا نریمان کا بدلا تمہیں لو گے۔ وہ کوہ سپندوں کے قلعے کا محاصرہ کیے ہوئے تھے کہ کوئی پتھر شہر پناہ سے اُن پر ایسا پڑا کہ اُسی جگہ کچل کے مر گئے۔" رستم اُسی عمر میں اس پر آمادہ ہو گیا۔ نمک کے ایک تاجرانہ قافلے کا سرغنا بن کے اُس قلعے کے اندر پہنچ گیا۔ سارے ساربان اور تاجر اُسکے ساتھی سپاہی اور پہلوان تھے۔ موقع پاتے ہی سب نے حملہ کر دیا۔ اور دم بھر میں قلعے والوں کو قتل کر کے قلعے کی اینٹ

سے اینٹ بجادی۔

اب منوچہر مر گیا۔ اُس کا جانشین نوذر رعایا پر ظلم کرنے لگا۔ ملک میں بدنظمی ہوئی۔ اور موقع دیکھ کے افراسیاب بن پشنگ توران سے چڑھ آیا جو ایران کے خاندان شاہی کا بنی عم اور پرانا دشمن تھا۔ اور تور کے خون کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ اُس نے آتے ہی ایران پر قبضہ کر لیا۔ نوذر کو قتل کر ڈالا۔ اور زال کی قوت توڑنے کے لیے سیستان پر فوج بھیجی۔ ایک ایرانی سردار قارن نوذر کے ننھے بچوں کو لے کے علاقۂ فارس میں بھاگ گیا۔ سیستان میں سام مر چکا تھا۔ زال کو فکر ہوئی کہ کسے ایران کا فرماں روا بنائے۔ اُس کی نظر انتخاب افراسیاب ہی کے بھائی اغریث پر پڑی۔ اُسے بلایا۔ مگر وہ صاف باطنی سے خود ہی افراسیاب کے پاس چلا گیا۔ اور افراسیاب نے یہ سمجھ کے کہ زال اُسے شاہ عجم بنانا چاہتا ہے پکڑ کے قتل کر ڈالا۔

یہ سُن کے زال کو بڑی مایوسی ہوئی۔ کسی اور وارث تاج و دیہیم کو نظر ڈھونڈھ رہی تھی کہ سُنا طہماسپ بن سلم کا بیٹا زو کسی جزیرے میں موجود ہے۔ فوراً قارن کو بھیج کے اُسے بلایا۔ تخت پر بٹھایا۔ اور فوج کشی کر کے افراسیاب کو شکست دی۔ افراسیاب بھاگ کے توران گیا تو وہاں اُسکے باپ پشنگ نے لعنت و ملامت کی۔ اس لیے کہ اُسکے ہاتھ سے اپنے دوسرے فرزند اغریث کے مارے جانے کی خبر سُن کے وہ بہت ہی برافروختہ تھا۔ زو چند ہی روز میں مر گیا۔ اور اُس کا بیٹا گرشاسپ وارث تاج و دیہیم ہوا جو ابھی کمسن تھا۔ افراسیاب نے بادشاہ کو نااہل سُن کے پھر چڑھائی کر دی۔ اب کی اُسکے مقابلے کے لیے زال نے رستم کو سپہ سالار قرار دیا۔ رستم نے کہا مجھے گھوڑا اور گرز دیجیے۔ پھر دیکھیے کیا کرتا ہوں۔ سام کا گرز گاؤ سر تو اُسے دیدیا گیا۔ مگر گھوڑا نہ ملتا تھا۔ جس گھوڑے کی پیٹھ پر رستم ہاتھ رکھ دیتا اُس کا پیٹ زمین سے جا لگتا۔ آخر ایک خاص نسل کا زوردار بچھیرا ملا جو اُس کے بوجھ کو سنبھال سکا۔ سائیس نے کہا خدا کے لیے اسے نہ لیجیے۔ بڑا ظالم گھوڑا ہے۔ اور کئی جانیں لے چکا ہے۔ مگر رستم نے ایک نہ سُنی اور اُسی کو پسند کیا۔

اسی اثنا میں زال کو نظر آیا کہ گرشاسپ بے عقل و بدخصلت ہے اور حکومت کے قابل نہیں۔ نسل کیانی کے اور شہزادے تلاش کیے۔ آخر پتہ لگا کہ کوہ البرز پر نسل فریدون کا ایک شاہزادہ موجود ہے جس کا نام کیقباد ہے۔ خود رستم کو بھیج کے اُسے بلایا۔ اور گرشاسپ کو تخت سے اُتار کے اُسے بادشاہ بنا لیا۔

اب افراسیاب کا لشکر قریب آ پہونچا تھا۔ رستم فوج لے کے گیا اور لڑائی چھڑ گئی۔ رستم نے خود افراسیاب کو مقابلے پر بلایا۔ افراسیاب کو ابھی رستم کا تجربہ نہ تھا۔ ناتجربہ کار لڑکا سمجھ کے مقابلے پر آموجود ہوا۔ اور کہا بجائے گرز و شمشیر کے زور آزمائی ہو۔ رستم نے منظور کیا۔ افراسیاب نے رستم کی کمر میں ہاتھ ڈال کے لاکھ زور کیا وہ ہل بھی نہ سکا۔ مگر جیسے ہی اُس نے تمک کے ہاتھ روکا رستم نے گھوڑے سے اُتر کے زمین پر ٹپک دیا۔ چاہتا تھا کہ گھوڑے سے کود کے رسیون میں باندھ لے۔ اور کیقباد کے سامنے پکڑ لے جائے۔ مگر افراسیاب کی فوج والون نے نرغہ کر دیا۔ اور اپنے بادشاہ کو بھگا لے گئے۔ غرض اس جانستان میدان سے افراسیاب اپنی جان بچا کے توران میں پہونچا۔ اور رستم نے واپس جا کے کیقباد کو فتح کی مبارک باد دی۔ اس واقعے کے بعد پشنگ کی تحریک سے توران و ایران میں صلح ہو گئی۔ اسکے بعد کیقباد نے سفر آخرت کیا اور اُس کا بیٹا کیکاوس سریر آرائے عجم ہوا۔

شمالی ایران کا جو علاقہ کوہسار طالقان اور بحر خزر (کیسپین سی) کے درمیان ہے اُس میں اُن دنون دیوزاد بستے تھے۔ اور جادو کا زور تھا۔ کیکاوس سے پہلے اُس ملک کے فتح کرنے کا شوق سب کو رہا تھا مگر جرأت کسی کو نہ ہوئی تھی۔ کیکاوس نے تخت پر بیٹھتے ہی مازندران کے فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ وزرا اور پہلوانون نے مخالفت کی۔ اور کہا اُس سرزمین کا نام نہ لیجیے۔ انسان ہو تو مقابلہ کیا جائے۔ دیوون اور جادوگرون سے کون لڑ سکتا ہے؟ جب زال کی بھی یہی رائے ہوئی تو کیکاوس نے بگڑ کے کہا "تم سب یہین ٹھہر کے ملک کا انتظام کرو۔ میں اکیلا جا کے مازندران کو فتح کرون گا۔" بادشاہ کو دھن کا پکا دیکھ کے زال خود جانے پر

بدھنی ہوگیا۔ مگر ضدی بادشاہ نے کہا "اب تو میں اکیلا ہی جاؤں گا"۔ سب منع کرتے رہے اور اس نے لشکر جمع کر کے مازندران پر چڑھائی کر دی"۔

جب یہ لشکر مازندران کے حدود میں داخل ہو گیا تو سفید دیو لشکر لے کے آیا اور سارے عجمی لشکر کو تباہ کر دیا۔ کیکاوس اور اُس کے تمام ہمراہی پہلوان گرفتار ہو گئے۔ اُس وقت تاجدار عجم اپنے کیے پر پچھتایا۔ اور کسی تدبیر سے زال کو اپنی گرفتاری کی خبر دی۔ زال نے رستم کو آمادہ کیا۔ رستم کو معلوم ہوا کہ مازندران جانے کے کئی راستے ہیں مگر سب دُور کے ہیں۔ قریب کا ایک راستہ سات ہی دن کا موجود ہے مگر وہ بہت ہی خطرناک ہے۔ رستم اُسی رستے سے تن تنہا چل کھڑا ہوا۔

پہلی منزل میں رستم سو رہا تھا کہ ایک شیر حملہ آور ہوا۔ مگر گھوڑے نے بغیر اس کے کہ رستم کو جگائے "ٹاپیں مار مار کے اور دانتوں سے چبا چبا کے اُسے مار ڈالا۔ جاگنے کے بعد رستم نے شیر کی لاش دیکھی تو گھوڑے پر بگڑا کہ "تو نے یہ کیا حماقت کی؟ اگر تو مارا جاتا یا زخمی ہوتا تو میں آگے کیسے سفر کرتا؟"

دوسری منزل میں رات کو ایک اسّی گز کے کوہ نما اژدہے کو مارا۔ یہ اژدہا اندھیرے میں نکلتا اور جب گھوڑا ٹاپیں مار کے اور ہنہنا کے رستم کو جگاتا غائب ہو جاتا۔ کئی بار ایسا ہی ہوا۔ اور رستم گھوڑے کی اس حرکت پر بہت جھنجلایا۔ آخر اُس نے رستم کو اُس وقت جگایا جب اژدہا بالکل پاس آ گیا تھا۔ اب کی وہ غائب نہ ہو سکا۔ اور تہمتن کے گرز کی نذر ہوا۔

تیسری منزل میں ایک جادوگرنی محبوبۂ نازک اندام بن کے آئی۔ اور رستم کو عیش و عشرت میں لگا کے اپنا دیوانہ بنا چلی تھی کہ اتفاقاً اُس دیندار پہلوان کی زبان سے خدا کی تعریف نکل گئی اور جادوگرنی کا چہرہ اُتر گیا۔ یہ تغیر دیکھ کے رستم پہچان گیا کہ جادوگرنی ہے فوراً مار ڈالا اور آگے کی راہ لی۔

چوتھی منزل میں سو رہا تھا کہ وہاں کے محافظ دشت نے آ کے پاؤں پر ایک لٹھ مارا اور کہا "بھاگ کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑا ہے؟ اس جنگل کا مالک اولاد نام پہلوان ہے۔ جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا"۔ رستم نے اُٹھ کے اُس کے

دونون کان اُکھاڑ لیے اور ایک ایسا طمانچہ مارا کہ وہ روتا ہوا اولاد کے پاس گیا۔ اولاد طیش کھا کے ایک زبردست لشکر کے ساتھ آموجود ہوا۔ لڑائی ہوئی۔ رستم نے جو سامنے آیا مار کے گرا دیا۔ یہانتک کہ سب شکست کھا کے بھاگے۔ اور خود اولاد بھی بدحواس بھاگا۔ رستم نے تعاقب کیا۔ اُسے اپنی کمند مین پھانس کے پکڑا اور ایک درخت مین باندھ کے سو رہا۔

پانچوین منزل مین اور کوئی واقعہ تو نہین پیش آیا مگر اتنا ہوا کہ اولاد کی التجا پر اُس کی جان بخشی کی اور اُس سے وعدہ لیا کہ مازندران تک رہبری کرے گا۔ اور جہان اسیران عجم گرفتار ہین وہان تک پہونچا دے گا۔ رستم نے اُسے باندھ کے ساتھ لیا اور اُس کی رہبری سے شہر مازندران کے پھاٹک پر پہونچا۔ جہان دُور سے دیکھا کہ دیو آگ روشن کر کے تاپ رہے ہین۔ اب چونکہ رات تھی اس لیے لڑائی کو کل پر چھوڑ کے اولاد کو درخت مین باندھ دیا اور لیٹ کے سو رہا۔

چھٹی منزل۔ صبح کو آگے بڑھا تو اولاد نے ایک جگہ بتایا کہ یہان ارژنگ دیو کا پہرہ ہے۔ رستم نے اُس کے خیمے کے پاس جا کے للکارا۔ وہ نکلا اور مُنہ پھیلا کے دوڑا۔ رستم نے فوراً پکڑ لیا۔ اُٹھا کے دے مارا گرز سے اُس کا کام تمام کر دیا۔ اور سر کاٹ کے اُس کے ماتحت دیوُون کے سامنے ڈال دیا۔ جسے دیکھتے ہی وہ سب بھاگ کھڑے ہوے۔ اب اولاد رستم کو اس گھاٹی مین لے گیا جہان کیکاوُس اور اُسکے ہمراہی پہلوان اسیر اور پابزنجیر تھے یہ ایک گھاٹی تھی۔ جس سے نکلنا دشوار تھا۔ اور بارہ ہزار دیو پہرے پر تھے۔ جس وقت رستم پہونچا ہے اتفاق سے سب مست خواب تھے۔ اور وہ بے ہمت کیکاوُس کے پاس پہونچ گیا اُسے دیکھ کے شاہ عجم کی جان مین جان آئی۔ اب رستم قیدیون کی زنجیرین توڑنے کو تھا کہ دیو جاگ جاگ کے دوڑے اور گھیر لیا۔ رستم نے ڈانٹا اور کہا "جو ارژنگ دیو کا حال ہوا وہی تمھارا بھی ہوگا۔" آخر دیوُون نے ڈر کے اطاعت قبول کر لی۔ اور اُن تمام قیدیون کو جو اُن کی حراست مین تھے لا کے حاضر کر دیا۔ اس طریقے سے رستم کے ساتھ ایک عجمی لشکر موجود ہو گیا۔ جس مین خود کیکاوُس ایران بھی تھا۔

ساتوین منزل۔ اب اگرچہ رات تھی مگر رستم نے ارادہ کیا کہ اسی وقت مازندران

پر حملہ کر دے - اولاد نے کہا "دیو رات بھر جاگتے اور دن کو سوتے ہیں - اس لیے کل صبح ان پر حملہ ہو تو اچھا ہے" رستم نے یہ تجویز پسند کی - رات کو آرام کیا اور صبح ہوتے ہی اُٹھ کے روانہ ہوا - اور اُن دیوؤں پر حملہ کر دیا جو مازندران کے محافظ تھے - پہلے تو دیوؤں نے مقابلہ کیا - مگر جب دیکھا کہ اُن کے ساتھی قتل ہی ہوتے چلے جاتے ہیں تو بھاگے - میدان صاف دیکھ کے اولاد رستم کو اُس بڑے بھاری غار پر لے گیا جس میں سفید دیو رہا کرتا تھا - آہٹ پاتے ہی وہ نکلا - اُس کی صورت اور اُس کا قد و قامت دیکھ کے رستم سہم گیا - خدا سے فتح کی دعا مانگی - اور دل مضبوط کر کے تلوار کا ہاتھ مارا - جس سے دیو کی ران زخمی ہو گئی - مگر سفید دیو نے طیش میں آ کے - رستم کو اپنی بغل میں دبا لیا - رستم اگرچہ اس لڑائی میں زندگی سے مایوس تھا مگر اُس نے زور شروع کر دیا - اب دونوں طرف زور آزمائی ہونے لگی - یہاں تک کہ زور کرتے کرتے دونوں تھک گئے - اور دم لینے کو ذرا علیحدہ ہوئے - اُس وقت رستم نے دیکھا کہ دیو کا بہت سا خون ران کے زخم سے بہ گیا ہے اور وہ مضمحل ہے - فوراً لپک کے اُس کی کمر پکڑ لی - اور خدا کا نام لے کے زور جو کیا تو اُسے زمین سے اُکھاڑ لیا - اور پٹک کے گرز کا وسرے کام تمام کر دیا -

یہ رستم تہمتن کی فتوحات تھی جو یونانی پہلوان ہرقلیس کے دوازدہ خوان کے مقابل ایران میں دلچسپی کے ساتھ بیان کی جاتی تھی -

اب خود شاہ مازندران پر حملہ ہوا - اُس نے لکھا "سفید دیو اور زنگہ دیو کے ایسے ہزاروں دیو میرے یہاں پڑے ہیں" اور مقابلے کو موجود ہو گیا - بڑی خون ریز لڑائی ہوئی - مازندران کے لشکر کے آگے ہاتھیوں کا دل بادل تھا - رستم کے گرز نے جو قضائے مبرم کا کام کر رہا تھا ہاتھیوں کو پست کر دیا اب شاہ مازندران کا خود رستم سے سامنا ہوا - کچھ دیر لڑائی کے بعد جب دیوؤں کے بادشاہ نے دیکھا کہ اب میں مغلوب ہوا ہی چاہتا ہوں تو جادو کے زور سے ایک پہاڑ بن گیا - جسے رستم ناگہاں اپنے سامنے دیکھ کے ہکا بکا رہ گیا - اور کیکاؤس سے جا کے کیفیت بیان کی - اُس نے حکم دیا کہ اُس پہاڑ کو میرے دربار میں اُٹھا لاؤ - تمام پہلوانوں نے جا کے زور لگایا مگر پہاڑ کو جگہ سے حرکت

حرکت بھی نہ ہوئی۔ تب رستم گیا اور ایک ہی ہاتھ سے اُکھاڑ لایا۔ اُس کا یہ زور دیکھ کے ساری دنیا حیران رہ گئی۔ اور سب نے تسلیم کر لیا کہ اس سے زیادہ طاقتور انسان نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔ دربار میں جیسے ہی وہ پہاڑ لاکے رکھا گیا رستم نے ڈانٹ کے کہا "پہاڑ سے نکل ورنہ اس پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر ڈالوں گا" فوراً شاہ مازندران پہاڑ سے انسان بنا اور رستم کی نہنگِ شمشیر کا لقمہ ہوا۔

یوں مازندران فتح کر کے کیکاؤس ایران میں واپس آیا۔ یہاں آکے اُس نے شاہ ہاماوران کی بیٹی سوداوہ کے حسن و جمال کی تعریف سُنی۔ اُسے پیام بھیجا کہ کہ اپنی بیٹی میرے نکاح میں دے۔ اُس نے جبراً و قہراً منظور کر لیا۔ اور سوداوہ ایران کے حرم سرائے شہنشاہی میں آگئی۔ چند روز بعد شاہ ہاماوران نے کیکاؤس کو اپنے ہاں دعوت میں بُلایا۔ سوداوہ منع کرتی رہی کہ میرے باپ کا اعتبار نہیں آپ نہ جائیے۔ مگر کیکاؤس نے نہ مانا چلا گیا۔ اور بہت سے ہمراہی پہلوانوں کو بھی لیتا گیا۔ شاہ ہاماوران نے کھلا پلا کے مدہوش کیا۔ اور قابو ملتے ہی سب کو باندھ کے گرفتار کر لیا۔ یہ خبر سنتے ہی افراسیاب چڑھ دوڑا اور ایران پر قابض ہو گیا۔ جب یہ خبر سیستان میں زال و رستم کو ہوئی تو شاہ ہاماوران کو لکھا "اپنی خیریت چاہتا ہے تو شاہ کیکاؤس کو شوکت و عزت سے یہاں بھیج دے ورنہ تیری خیریت نہیں"۔ اُس نے سماعت نہ کی۔ رستم بلائے ناگہانی کی طرح اُسکے سر پر جا پہونچا۔ اُسکے لشکر کو شکست دی۔ خود اُسے کمند میں پھانس کے پکڑ لیا۔ بعد کامیابی اُس کی جان بخشی کر کے تاج بخشی کی۔ ایران میں واپس آکے افراسیاب کو شکست دے کے بھگایا۔ اور پھر مملکت عجم پر کیکاؤس کا تسلط ہوا۔

(۳)

ہاماوران کا جھگڑا طے ہونے کے بعد ایک اور عجیب واقعہ پیش آیا جسکی بنیاد یہ تھی کہ رستم پہلےتن ایک بار علاقۂ سمنگان میں جو مملکت توران میں تھا شکار کو گیا تھا۔ ہرن مارا۔ کباب لگا کے کھائے۔ اور پڑ کے سو رہا۔ بیدار ہوا تو گھوڑا غائب تھا۔ کمال برہمی کے ساتھ شاہ سمنگان کے پاس گیا اور شکایت کی۔ شاہ مذکور بڑی عزت سے پیش آیا۔ کہا "آج یہاں رونق افروز ہو جیے صبح کو گھوڑا

آجائے گا۔"

رستم اُس کے محل میں سویا تو آدھی رات کو ایک مہ جبینِ نازآفرین حسینہ نمودار ہوئی۔ جس کے حسن و جمال نے رستم کو محوِ حیرت بنا دیا۔ نام اور پتہ پوچھا بولی میں شاہ سمنگان کی بیٹی تہمینہ ہوں۔ آپ کی قوت و شجاعت کے حالات سُن کے آپ پر عاشق ہوئی۔ اور مدت سے اسی شوق میں تپاں تھی۔ آج میری خوش قسمتی سے آپ کے یہاں آنے کی خبر ملی۔ خدا کا شکر بجا لائی اور اپنے آدمی بھیج کے آپ کا گھوڑا پکڑوا لیا کہ اسی بہانے شاید آپ کا یہاں آنا ہو۔ اب اتنی تمنا ہے کہ والد کو میرے لیے پیام دیجیے۔ وہ آپ کے خلاف نہیں ہیں خوشی سے شادی قبول کریں گے۔" رستم نے وعدہ کرکے اُسے رخصت کیا۔ اور صبح ہوتے ہی شاہ سمنگان کو تہمینہ کے لیے پیام دیا۔ اُس نے فوراً منظور کر لیا۔ اور اسی وقت شادی کر دی۔ رستم ایک شب وہاں رہا۔ اور تہمینہ کو اپنے دادا سام کا ایک مُہرہ دے کے کہا "بیٹا ہو تو یہ مہرہ اُس کے بازو میں باندھ دینا اور بیٹی ہو تو اُس کی چوٹی میں" دوسرے دن رستم چلا گیا۔ اور مدتِ حمل پوری ہونے کے بعد تہمینہ کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو بچپن ہی میں غیر معمولی تن و توش کا نظر آیا۔ شاہ سمنگان نے سہراب نام رکھ کے اُسے پالا۔ رستم کو فکر لگی تھی اور بار بار دریافت کرتا تھا کہ تہمینہ کے بطن سے بیٹا پیدا ہوا یا بیٹی؟ تہمینہ نے اس اندیشے سے کہ بیٹے کا نام سُن کے رستم اپنے پاس بُلوا لے گا۔ کہلا بھیجا کہ "تمھارے بیٹی پیدا ہوئی ہے" اور رستم خاموش ہو رہا۔

سہراب جب بارہ تیرہ برس کا ہوا تو طاقت میں کوئی اُس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ کیسا ہی پہلوان سامنے آتا اُٹھا کے پٹک دیتا۔ اپنے سامنے کسی کی کچھ ہستی نہ سمجھتا۔ جب ماں سے سُنا کہ میرا باپ رستم ہے تو اُس کا جوش شجاعت اور بڑھ گیا۔ اکثر کہا کرتا "میں ایران میں جا کے کیکاؤس کو قتل کروں گا۔ اور رستم کو وہاں کا بادشاہ بنا دوں گا۔ اگر رستم باپ ہے اور میں بیٹا تو دنیا میں کوئی ہمارا مقابلہ نہ کر سکے گا۔" آخر سہراب کی اس تمنا نے ارادے کی صورت اختیار کر لی۔ ایک لشکر جمع کرکے فوج کشی کو تیار ہو گیا۔ اُسے بھی گھوڑا نہ ملتا تھا جیس

گھوڑے پر ہاتھ رکھتا پیٹھ زمین سے لگ جاتی - اتفاقاً جب رستم کے گھوڑے کو چرالائے ہین تو کوئی اچھی مادیان اُس سے حاملہ ہوگئی تھی - اُس کا بچہ سہراب سے نذ دیا - اور اُسی کو سہراب نے اپنے لیے پسند کیا -

افراسیاب کو جو سہراب کے اس ارادے کی خبر ہوئی تو بہت خوش ہوا - فوراً سہراب کو بنا کے زبردست لشکر دیا - بہت کچھ دولت وحشمت عطا کی - اور ہومان و بارمان نام دو ہوشیار سردار اُس کے ہمراہ کیے اور اُنھین ہدایت کردی کہ "اول تو تم اس کا خیال رکھنا کہ سہراب رستم کو یا رستم سہراب کو نہ پہچانے پائین - پہچان گئے تو قیامت ہو جائے گی - دوسرے غالبا سہراب رستم کو زیر کرکے مار ڈالے گا - ایسا ہو تو پھر اُسکے بعد تم سہراب کو بھی غافل کرکے قتل کر ڈالنا - تاکہ دُنیا ان دونون کے عذاب سے چھوٹے" غرض ان منصوبون کے ساتھ یہ زبردست لشکر سہراب کو اپنا سردار بنا کے ایران کی طرف روانہ ہوا -

سرحد عجم پر جو پہلا قلعہ ملا اُس کا قلعہ دار ہجیر مقابلے کو آیا - سہراب نے اُسے کمند پھینک کے گرفتار کر لیا اور رہبر کی طرح اپنے ساتھ رکھا یہین ایران کے ایک پہلوان کی بیٹی گُرد آفرید اُس کے مقابلے کو آئی - یہ بلائی قوی بازو اور جنگجو عورت تھی جو کسی بڑے سے بڑے پہلوان کو بھی خطرے مین نہ لاتی - سہراب اپنے حریفِ جنگ کی شکل وشمائل دیکھ کے حیران تھا کہ یہ مرد ہے یا عورت؟ لڑتا تھا مگر اُسے بچا بچا کے - اور زیادہ تر اُسے اسیر کر لینے کی کوشش مین تھا - آخر اُس پر کمند پھینکی جس مین وہ پھنس کے اپنے گھوڑے سے گری - خود الگ جا پڑا اور عنبرین زلفین پیٹھ اور شانون پر پیچ وتاب کھانے لگین - ساتھ ہی گُرد آفرید کا چہرۂ زیبا دلربایانہ نازو انداز سے نمایان ہوا - سہراب کا دل بے اختیار ہاتھ سے نکل گیا گُرد آفرید نے گرفتار ہوتے ہی کہا "اس قلعے کی مین الک ہون - چھوڑ دو تو تمھاری ہون - اور بہت کچھ مال و دولت بھی تمھاری نذر کردون گی" سہراب نے چھوڑ دیا اور گُرد آفرید نے واپس جا کے باپ بھائی سے کہا کہ "سہراب کا مقابلہ کوئی نہین کر سکتا - مکر و فریب سے جان بچا کے آئی ہون - اور اب میرا کچھ زور نہین چل سکتا - آپ کا جو جی چاہے کیجیے" وہ سب راتون رات بیٹی کو لے کے بھاگ گئے - اور

سہراب گرد آفرید کے شوق میں بیتاب ہو کے آگے بڑھا۔

یہ خبر کیکاؤس کو پہونچی تو گھبرا کے پہلوان گیو کو بھیج کے رستم کو زابلستان سے بلوایا۔ رستم نے چنداں پروا نہ کی۔ دو ہفتے تک شراب پینے میں صرف کر دیئے اور آنے میں دیر کی۔ آیا تو احمق کیکاؤس نے بگڑ کے اُسے حکم دیا کہ گیو و رستم دونوں کو لیجا کے سولی دو۔ رستم کو بھلا کون سولی دے سکتا تھا؟ طیش کھا کے سیستان کی طرف پلٹا۔ اور غضبناک ہو کے کہا "ساری سلطنت اور حکومت میرے دم سے ہے۔ میں نہ کیکاؤس کی کچھ اصل و حقیقت سمجھتا ہوں نہ کسی اور کی۔ مجھ سے یہ سلوک! لوگ مجھی کو بادشاہ بناتے تھے مگر میں نے منظور نہیں کیا۔ میں بھلا کسی کی کیا پروا کرتا ہوں؟" یہ حال دیکھ کے گودرز نے جا کے بادشاہ سے کہا "یہ آپ نے کیا غضب کیا کہ رستم کو ناراض کر دیا؟" اُس نے اپنی اس حرکت پر ندامت ظاہر کی اور کہا "جس طرح بنے اُسے سمجھا کے لاؤ۔" گودرز نے جا کے رستم کو راہ میں روکا اور کہا "کاؤس ہمیشہ کا بیوقوف ہے۔ آپ اُس کے کہنے کا خیال نہ کریں۔ آپ نہ ہونگے تو نہ کاؤس ہی رہے گا اور نہ تاج و تخت عجم۔" غرض سمجھا بجھا کے رستم کو واپس لایا۔ اور کاؤس و رستم لشکر عظیم لے کے سہراب کے مقابلے کو روانہ ہوئے۔

سہراب نے اس لشکر کو دیکھ کے ہجیر کو ساتھ لیا اور ایک بلندی پر چڑھ کے لشکر عجم کے ہر ہر خیمے اور پہلوان کو دریافت کیا۔ اُس نے سب بتایا مگر رستم کا پتہ نہ بتایا۔ اس لیے کہ ڈرتا تھا ایسا نہ ہو یہ جوش میں آ کے غفلت میں رستم پر حملہ کر دے اور وہ اس کے ہاتھ سے مارا جائے۔ سہراب نے لاکھ رستم کا پتہ پوچھا مگر اُس نے یہی کہا کہ وہ زابلستان سے نہیں آیا۔

اب سہراب لباس جنگ پہن کے میدان میں آیا اور کاؤس کو مقابلے پر بلایا۔ تمام نامور پہلوانان عجم بغلیں جھانکنے لگے۔ کسی کو قدم بڑھانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اور سہراب للکار رہا تھا کہ جسے دعوی ہو آئے۔ آخر کیکاؤس نے رستم کے پاس آدمی بھیجا کہ تمھارے سوا کسی کو اُس کے مقابل جانے کی جرأت نہیں ہوتی۔ تمھیں نکلو تو آبرو بچے۔ رستم چاہتا تھا کہ کسی اور کو سہراب سے لڑا کے اُس کا رنگ

دکھلے گر اب مجبور ہو کے مقابلے پر گیا۔ سہراب نے اُسے دیکھ کے کہا "مجھ سے لڑنا چاہتے ہو تو ہم دونوں فوج سے الگ ہو کے مقابلہ کریں"۔ رستم نے منظور کیا اور دونوں ایک طرف فاصلے پر جا کے کھڑے ہوئے۔ سہراب نے کہا "تم کیوں آئے ہو؟ میں ایک دم کے دم میں تمہارا کام تمام کر دوں گا"۔ رستم نے کہا "ابھی بچے ہو۔ بہادر دیکھے نہیں ہیں۔ میرا مقابل دنیا میں نہیں ہے۔ دیو سفید کو مار کے ڈال دیا۔ تم تو کیا چیز ہو؟" سہراب نے پوچھا "تو کیا تمھیں رستم ہو؟" جواب ملا "رستم کہاں؟ وہ تو انسان نہیں بلائے بے درمان ہے۔ میں اُس کا ایک ادنیٰ تابعدار ہوں"۔ اس جواب سے سہراب کو مایوسی ہوگئی۔ اور لڑائی شروع ہوئی پہلے نیزوں کی لڑائی ہوئی۔ پھر تلواروں سے لڑے اور لڑتے لڑتے تلواریں توڑ ڈالیں۔ آخر گرزبازی شروع ہوئی۔ گرز بھی ٹیڑھے ہوگئے۔ اب گھوڑوں میں تاب نہ تھی۔ زمین پر اُتر کے تیراندازی میں مقابلہ ہوا۔ ترکش خالی ہوگئے مگر زخمی کوئی نہ ہوا۔

جب سب ہتھیاروں نے جواب دے دیا تو کشتی ہونے لگی۔ دونوں نے لاکھ زور کیا مگر کوئی کسی کو جگہ سے نہ ہلا سکا۔ انجام یہ ہوا کہ سہراب نے جھنجلا کے پھر گرز اُٹھا لیا اور اس زور سے حربہ کیا کہ رستم زخمی ہوگیا۔ اور سہراب نے ہنس کے کہا "اب بھی لڑائی کا دم ہے؟" رستم نے کہا "خیر اب تو شام ہوگئی کل صبح کو مقابلہ ہوگا"۔ یہ سنتے ہی سہراب نے رستم کو چھوڑ کے ایرانی فوج پہ حملہ کر دیا۔ دوسری طرف رستم افراسیاب کے لشکر میں گھس پڑا۔ دونوں طرف دیر تک قتلِ عام ہوتا رہا۔ لیکا یک رستم کو خیال گذرا کہ ایسا نہ ہو سہراب زرین شاہ عجم کی زندگی کا چراغ گل کر دے۔ فوراً پلٹ کے سہراب کے قریب گیا اور کہا "اس قتلِ عام سے کیا حاصل؟ کل تو مقابلہ ہونے ہی گا۔ پھر جلدی کس بات کی؟"۔

لڑائی کے موقوف ہوتے ہی کیکاؤس نے رستم کو بلا کے سہراب کا حال پوچھا اُس نے سہراب کی زور آوری اور بہادری کی بڑی تعریف کی۔ بادشاہ نے کہا "جو کچھ ہو فتح آپ ہی کی ہوگی"۔ مگر رستم زندگی سے مایوس تھا۔ زواره کو وصیت

کر دی کہ اگر میں مارا جاؤں تو مقابلہ نہ کرنا بلکہ زال کے پاس سیستان میں جا کے جانا اور اُسے تسلی دینا۔ اُدھر سہراب نے واپس جا کے ہومان سے کہا "میرا حریف بلا کا پہلوان ہے۔ مجھے تو یہی رستم معلوم ہوتا ہے۔ اور رستم کی تمام نشانیاں اُس میں نظر آتی ہیں" ہومان نے کہا "یہ رستم ہرگز نہیں۔ کیا میں اُسے پہچانتا نہیں؟ ہاں شباہت البتہ ملتی ہے"

دوسرے دن دونوں حریف میدان میں آئے تو سہراب نے کہا "اے شخص میرے دل میں تیری محبت پیدا ہو گئی ہے۔ خدا کے لیے بتا کہ تو رستم تو نہیں ہے؟" رستم نے جواب دیا "اب ان فضول باتوں سے کیا فائدہ؟ آ اور کشتی لڑ" سہراب نے کہا "میں یہ نہ چاہتا تھا کہ تجھ سے زبردست و شہزور پہلوان کو گرفتار کروں مگر تو نہیں مانتا تو میں مقابلے کو موجود ہوں" اب دونوں میں زور آزمائی ہونے لگی۔ رستم نے لاکھ زور لگایا کچھ اثر نہ ہوا۔ لیکن سہراب نے جوش میں آکے زور کیا تو رستم کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اور چاروں شانے چت گرا۔ سہراب فوراً سینے پر چڑھ بیٹھا اور خنجر نکال لیا۔ مگر رستم نے کہا "اس کی سند نہیں۔ ہمارے یہاں دستور ہے کہ ہر پہلوان حریف کو دوبار گرا لے تب اُسے قتل کر سکتا ہے" سہراب فریب میں آگیا۔ اور فوراً چھوڑ کے واپس گیا۔ ہومان نے جب یہ حال سہراب سے سنا تو کہا "بڑا غضب ہوا۔ آپ نے اُسے قابو میں لا کے چھوڑ دیا۔ اور اُس نے فریب دے کے اپنی جان بچا لی" سہراب نے کہا "تو خوف کس بات کا؟ کل اُسے گرا کے مار ڈالوں گا"

مگر رستم جو اپنے خیمے میں گیا تو رات بھر خدا سے دعا مانگتا رہا کہ "بارالٰہا مجھے گذشتہ قوت و توانائی پھر عطا کر" کہتے ہیں کہ پہلے اُسکے زور کی یہ حالت تھی کہ زمین پر چلتا تو پاؤں زمین میں دھنس دھنس جاتے۔ عاجز آکے دعا کی تھی کہ خداوندا میری طاقت کم کر دے۔ اور خدا نے کم کر دی۔ اب رات بھر رویا کہ پھر وہی سابقہ توانائی جسم میں آجائے۔ خدا نے دعا قبول کی۔ اور اُس میں وہی زور پھر آگیا۔ اور صبح کو خوش خوش میدان میں گیا۔ سہراب نے کہا "معلوم ہوتا ہے تم زندگی سے تنگ ہو جو آج پھر میدان میں آئے" پھر لڑائی شروع ہوئی۔ آج

رستم نے زور کیا تو سہراب کو اٹھا کے دے مارا۔ اور چونکہ اُس سے خوف زدہ تھا موقع پاتے ہی بلا تامل اُس کے سینے میں خنجر بھونک کے دل چاک کر ڈالا۔

سہراب نے جینے سے مایوس ہو کے ایک آہ کی اور کہا "مین اپنے باپ سے ملنے کے شوق مین یہان آیا تھا۔ افسوس یہ تمنا نہ بر آئی۔ اور جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اب تم اپنی جان بچاؤ۔ اس لیے کہ جہان کہین جا کے چھپو گے میرا باپ تمھین زندہ نہ چھوڑے گا۔" پوچھا "تمھارے باپ کا نام؟" کہا "رستم!" یہ سنتے ہی رستم نے گھبرا کے پوچھا "رستم کی کوئی نشانی بھی ہے؟" کہا "اِن بازو مین مُہرہ بندھا ہوا ہے۔ مگر مجھ مین کھول کے نکالنے کی طاقت نہین۔ خود ہی دیکھ لو۔" یہ سنتے ہی رستم نے مُہرہ کھول کے دیکھا اور ایک چیخ مار کے سر پیٹنے اور گریبان پھاڑنے لگا۔ اور بولا "آہ۔ بدنصیب رستم مین ہی ہون۔" ناتوانی کی آواز مین سہراب نے کہا "مین نے تو بہت کوشش کی۔ ایک ایک سے پوچھا۔ او خود آپ سے بھی بار بار پوچھا۔ مگر نہ آپ نے بتایا نہ کسی اور نے۔ اب رونے سے کیا حاصل ہے؟ میری اتنی وصیت ہے کہ اب میرے ساتھیون اور میرے لشکر کو نہ ستانا۔ انھین واپس چلے جانے دینا۔" رستم زار و قطار روتا اور خون کے آنسو بہاتا تھا اور کہتا تھا کہ ہاے مین نے اپنے ہاتھ سے اپنے فرزند کا جگر چاک کیا۔ اب دونون لشکرون مین تشویش پھیل گئی۔ بہادران عجم سمجھے کہ رستم مارا گیا۔ آئے تو دونون کو تڑپتے دیکھا۔ اور قریب تھا کہ رستم خودکشی کر لے۔ مگر گودرز نے ہاتھ پکڑ لیا۔ اور جب یہ معلوم ہوا کہ مقتول رستم کا فرزند ہے تو تمام پہلوانان عجم اُس کے گرد کھڑے ہو کے ماتم کرنے لگے۔ اب رستم نے گودرز سے کہا "جلدی دوڑ کے کیکاؤس کے پاس سے نوشدارو لے آؤ۔ اگر وہ آگئی تو میرا بیٹا بچ جائے گا۔" گودرز گیا۔ مگر شاہ عجم نے دینے سے انکار کیا اور کہا "اکیلا ایک رستم ہے تو مجھے یون سر دربار ذلیل کرتا ہے۔ باپ بیٹے دو ہو جائین گے تو کیا ہوگا؟ مین نوشدارو نہ دون گا" یہ حال گودرز نے رستم سے کہا۔ تو وہ خود دوا لینے کو دوڑا گیا۔ مگر جب تک پہونچے پہونچے سہراب مرگیا۔ سپاہ ترک واپس گئی۔ جس سے مزاحمت نہ کی گئی۔ اور رستم سہراب کا تابوت لے کے روتا پیٹتا اور خاک اُڑاتا سیستان مین پہونچا۔ اور

وہین اُسے دفن کیا۔

سہراب کی ماں تہمینہ نے یہ خبر سُنی تو باپ سے کہا "رستم نے سہراب کو مار ڈالا آپ انتقام لینے کے لیے فوج کشی کیجیے"۔ اُس نے کہا "مین رستم کا مقابلہ نہین کرسکتا" تب وہ تنہا سیستان مین آئی۔ رستم اُسے دیکھ کے رونے اور سر پیٹنے لگا۔ اور تہمینہ خنجر کھینچ کے جھپٹی کہ رستم کا بھی جگر چاک کر ڈالے۔ مگر زال نے پکڑ لیا اور کہا "اگر سہراب کے زندہ ہونے کی اُمید ہو تو مجھے اور رستم دونون کو مار ڈالو۔ اور جب اس کی اُمید نہین تو اس سے کیا حاصل؟" یون سمجھا بجھا کے زال نے بیٹے اور بہو مین ملاپ کرا دیا۔ اب تہمینہ رستم کے ساتھ رہنے لگی اور چند روز بعد اس کے بطن سے رستم کا دوسرا بیٹا فرامرز پیدا ہوا۔

اب یہ ایک نیا واقعہ پیش آیا کہ طوس اور گیو پہلوانان عجم کو ایک جنگل مین شاہ بلغار کی بیٹی ملی۔ اُس کا باپ نسل فریدون سے تھا۔ اس پر دونون فریفتہ ہوے۔ اور یہ فیصلہ کرانے کے لیے کیکاؤس کے پاس لائے کہ دونون مین سے کون اسے اپنی جورو بنائے؟ کیکاؤس نے خود اُسے پسند کر لیا۔ اور داخلِ محل کیا۔ اس کے بطن سے کاؤس کا ایک نہایت ہی خوبرو بیٹا ہوا جس کا نام سیاؤش رکھا گیا۔ اور تعلیم و تربیت کے لیے وہ رستم کے حوالے ہوا۔ رستم نے پال کے بڑا کیا۔ اور اُس کی تعریف سُن کے کاؤس نے سیستان سے اپنے پاس بلوایا۔ یہان سودابہ اُس کی سوتیلی ماں اُس پر عاشق ہوگئی۔ اور لاکھ طرح پھسلایا۔ بہلایا۔ فریب دیا مگر شاہزادہ اُس کے قابو مین نہ آیا۔ آخر عاجز آ کے سودابہ نے غل مچایا کہ سیاؤش نے میری عصمت پر حملہ کیا۔ کاؤس آیا۔ دونون کا بیان لیا۔ اور کوئی الزام ثابت نہین ہوا۔ اب سودابہ نے چند روز بعد کاؤس کی ایک حرم کو اسقاط کرایا۔ اور جب اُس سے کاؤس نے پوچھا کہ یہ بچے کیسے اور کسکے ہیں؟ تو اُس نے کہا "سیاؤش کے"۔ غرض سودابہ نے ایسی تہمتین لگائین اور کاؤس کو اس قدر تنگ کیا کہ اپنی پاکدامنی کا ثبوت دینے کے لیے سیاؤش کو آگ مین پھاندنا پڑا۔ مگر وہ آگ سے زندہ و سلامت نکل آیا اور کاؤس سودابہ پر خفا ہوا۔ تاہم وہ سیاؤش کی دشمنی ہی پر لگی تھی۔

استنے مین خبر آئی کہ افراسیاب پھر لشکرِ ے کے مقابلے کو آرہا ہے۔ سیاوُش زندگی سے تنگ تھا ہی درخواست کی کہ مجھے اس مہم پہ بھیجیے۔ کاؤس کو تامل تھا مگر رستم نے وعدہ کیا کہ مین ساتھ لے جاؤن گا۔ چنانچہ وہ لشکرِ ے کے مع رستم کے روانہ ہوا۔ افراسیاب کی طرف سے پہلے تاژنان نام ایک سردار اور پھر اُس کا داماد گرشیوز آ کے مقابل ہوے۔ اور شکست کھا کے بھاگے۔ بلخ تک ایرانیون کا قبضہ ہوگیا۔ اور سیاوُش نے باپ سے دریاے جیحون کے پار اُتر کے حملہ کرنے کی اجازت مانگی۔ جس سے کیکاؤس نے منع کیا۔

سیاوُش بلخ ہی مین تھا کہ افراسیاب نے ایک مہیب خواب سے مرعوب ہو کے بہت سے تحفون کے ساتھ گرشیوز کو سیاوُش کے پاس واپس بھیجا۔ اور صلح کی درخواست کی۔ اور کہا حملہ آوران عجم جس شرط پہ صلح کرین مجھے منظور ہے۔ رستم کے مشورے سے سیاوُش نے یہ شرط کی کہ افراسیاب کے بہت سے اعزا و اُمرا بطورِ گرو کے سیاوُش کے پاس رہین۔ اور مغربی ترکستان پہ شاہزادے کا قبضہ رہے افراسیاب نے یہ بھی منظور کر لیا۔ ترکستان کے جن جن ناموروں کو کفیل مانگا بھیج دیے سیاوُش نے اس فاتحانہ صلح کی خبر رستم کو بھیج کے باپ کو کی۔ کاؤس نے بے عقلی سے کہا مین اس صلح کو نہین قبول کرتا۔ رستم نے لاکھ سمجھایا۔ ایک نہ سُنی۔ اور طوس کو روانہ کیا کہ "تم ترکستان پہ چڑھائی کرو۔ اور شاہزادے کو حکم دو کہ ان سب کفیلون کو لے کے یہان حاضر ہو"

باپ کا یہ حکم سن کے سیاوُش پریشان ہوا۔ دل مین کہا "اگر ان کفیلون کو لے کے جاؤن گا تو وہ سب کو قتل کر ڈالین گے۔ اور میری بات مین فرق آے گا علاوہ بریں وہان سودابہ میری دشمن ہے ایک گھڑی کو بھی چین سے نہ بیٹھنے دیگی آخر یہ فیصلہ کیا کہ باپ کو چھوڑ کے کہین چلا جائے۔ فوراً ترکی کفیل واپس کر دیے اور افراسیاب کو لکھا "والد صلح کو قبول نہین کرتے۔ اور مین اپنا عہد توڑ نہین سکتا اس لیے آپ کے کفیل واپس ہین۔ اور میرا ارادہ ہے کہ کہین ایسی جگہ جا کے قیام کرون جو والد کی دسترس سے باہر ہو۔ آپ ہی کوئی ایسی جگہ بتا دین"

یہ خط پڑھ کے افراسیاب خوش ہوا۔ اور لکھا کہ "اگر کاؤس سے ناراض ہو

تو میں تم کو اپنا فرزند بناتا ہوں۔ میرے پاس رہ کے رہو۔" سیاوش نے یہ تحریر پاتے
ہی باپ کو اپنے ترکستان چلے جانے کے وجوہ لکھے۔ اور روانہ ہوگیا۔ پہونچا تو افراسیاب
نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ عزت سے رکھا اور وعدہ کیا کہ تجھی کو ایران کا تاجدار بناؤں گا۔
دیسہ نام ایک معزز پہلوان ترک نے گلشہر نام ایک حسینہ سے اُس کی شادی کر دی۔
اس کے بعد افراسیاب نے اپنی بیٹی فرنگیس بھی اُسے دے دی۔ اور روز بروز اُس کا
رتبہ بڑھتا ہی رہا۔

چند روز بعد سیاوش ختن میں گیا۔ وہاں کی آب و ہوا موافق نہ آئی تو دریائے
گنگا کے کنارے ہندوستان میں آ کے مقیم ہوا۔ وہاں ایک عالیشان قلعہ بنوایا۔
اور اُس میں تمام شاہان عجم اور دربار عجم کے کل نامور سرداروں اور پہلوانان عجم کی
تصویریں لگائیں اور خوب آراستہ کیا۔ گلشہر حاملہ تھی اس لیے اسے اُس کے
میکے میں چھوڑ گیا تھا۔ اُس کے لڑکا ہوا تو افراسیاب نے گلشہر اور نوزائیدہ
بچے کو کرشیوز کے ہمراہ سیاوش کے پاس بھیجا اور مبارکباد دی۔ کرشیوز کو سیاوش
سے بغض تھا۔ اور اُس کی عزت و حرمت دیکھ کے جلا جاتا تھا۔ واپس جا کے
افراسیاب کو سیاوش سے بدظن کر دیا۔ اور ایسا بدظن کہ بیوقوف افراسیاب
شاہزادے کی جان کا خواہاں ہوگیا۔ اور اُسے بلوایا۔ پھر پیام لے کے کرشیوز
آیا۔ اور صلاح دی کہ وہ آپ سے بدگمان ہیں آپ نہ جائیں۔ سیاوش کو
اس کا یقین تو نہیں آیا۔ مگر کچھ عذر کر دیا۔ کرشیوز نے واپس جا کے اب ایسی
آگ لگائی کہ افراسیاب فوج لے کے اُس کے گرفتار کرنے کو چل کھڑا ہوا۔
یہ سن کے فرنگیس جو ان دنوں حاملہ تھی حیران ہوئی اور سیاوش سے کہا
"آپ ایران میں بھاگ جائیں۔ آپ کے بعد میں بھی چلی آؤں گی۔" آخر سیاوش
ایک ہزار بہادروں کو ساتھ لے کے چل کھڑا ہوا۔ راستے میں افراسیاب کا سامنا
ہوگیا۔ اُس کے ہمراہی ایک ایک کر کے سب مارے گئے۔ اور وہ زندہ گرفتار
کر لیا گیا۔ اُسے لے کے وہ گنگا کنارے والے محل میں آیا اور اُس کے قتل کا ارادہ
کیا۔ سنتے ہی فرنگیس روتی پیٹتی آئی اور خوشامد و لجاجت سے روکنا چاہا۔
مگر افراسیاب نے ایک نہ سنی اور اُسے قتل کر ڈالا۔ فرنگیس کو پیران ویسہ نے

بچا کے اپنے پاس رکھا۔ اور اُس کے بطن سے جب بچہ پیدا ہوا تو اُسے کیخسرو نام رکھ کے پالا۔

ان واقعات کی خبر ایران میں پہونچی تو ماتم بپا ہو گیا۔ اور ہر شخص انتقام لینے پر آمادہ ہو گیا۔ کیکاؤس نے سیستان سے رستم کو بُلوایا۔ رستم نے آتے ہی کہا "یہ سب خرابیاں آپ کی مکار ملکہ سوداوبہ کی ہیں" پھر محل میں گھس کے سوداوبہ کو قتل کر ڈالا۔ اور فوج لے کے چلا کہ افراسیاب سے بدلہ لے۔ افراسیاب نے اپنے بیٹے سرخہ کو مقابلے پر بھیجا۔ رستم کا بیٹا فرامرز اُسے گرفتار کر لایا۔ اور سیاؤش کی طرح سخت بے رحمی سے اُس کی جان لی گئی۔ اس صدمے سے بیتاب ہو کے خود افراسیاب میدان میں آیا۔ اس وقت اُس کے لشکر کا سب سے بڑا پہلوان پیران ویسہ کا بھائی پلیسم تھا۔ اُس نے ایران کے نامور پہلوانوں گیو اور فرامرز دونوں کو زخمی کیا تو رستم مقابلے پر آیا۔ اور اُسے نیزے پر اُٹھا کے طیش سے افراسیاب کے سامنے لایا۔ وہاں زمین پر پٹک کے مار ڈالا۔ اور افراسیاب کو سخت و سُست کہا۔ دوسرے دن افراسیاب کی طرف سے کوئی میدان میں نہ آتا تھا۔ آخر خود افراسیاب آ کے مقابل ہوا۔ رستم نے اُسے بھی نیزے کی نوک پر اُٹھا لیا ہوتا مگر گھوڑے کے بھڑکنے سے وہ زمین پر گرا۔ اتنے میں ہومان اُس کی مدد کو آ گیا۔ اور افراسیاب رستم کے ہاتھ سے جان بچا کے بھاگ گیا۔

اب رستم نے سارے توران پر قبضہ کر لیا۔ اور افراسیاب نے بھاگتے وقت کیخسرو کو چین میں بھجوا دیا کہ ایرانی اُس کو نہ پا سکیں۔ رستم مسلسل سات سال تک توران پر قابض رہا۔ اور اس مدت میں گیو جو کیخسرو کی تلاش میں بھیجا گیا تھا دشت و دور کی خاک چھانتا رہا۔ آخر سات سال کی صحرانوردی کے بعد ایک دن پیران ویسہ کے نامہ بر جو کیخسرو کے پاس جاتے تھے مل گئے۔ اُن سے دھوکے میں پتہ پوچھا اور اُن کے ساتھ ہو لیا۔ کئی منزلوں کے بعد وہ اُسے سوتا چھوڑ کے چلے گئے۔ اب وہ اُس پتے پر چل کھڑا ہوا جو اُن سے سُنا تھا۔ آخر ایک نوجوان ملا جس کے چہرے کو دیکھ کے گیو نے پوچھا "آپ ہی شاید سیاؤش کے فرزند کیخسرو ہیں؟" اُس نے مسکرا کے کہا "ہاں میں کیخسرو ہوں۔ اور تم شہسوار عجم گیو ہو۔" گیو کو حیرت ہو گئی

کا ساختہ و پرداختہ۔ بہادر و دانا۔ اور سب سے بڑا اقبالمند تاجدار نسل کیانی تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ باپ کا انتقام لینے کے لیے ہر وقت تیار رہتا اور افراسیاب کے خون کا پیاسا تھا۔

(۳)

افراسیاب کو باوجودیکہ بار بار شکستیں ہوتی تھیں مگر ہمت نہ ہارتا تھا۔ اور نہ کبھی ایرانیوں کو آرام سے بیٹھنے دیتا تھا۔ اصل یہ ہے کہ افراسیاب اپنی ذات سے نہایت ہی بہادر تھا۔ ایران کا تاجدار ہو یا وہاں کا کوئی پہلوان۔ کسی کی اُسکے سامنے کچھ ہستی نہ تھی۔ وہ ہارتا تھا تو ایک رستم سے۔ جس کے مقابل اُس کا کچھ نہ چلتا۔ اور اُسی کے مغلوب کرنے کو وہ روز کوئی نیا ہنگامہ اُٹھا کے کھڑا کر دیا کرتا۔ یہ سنکر رستم کو سیستان میں سن کے اُس نے پھر ایران پر حملہ کر دیا۔ اُسکے مقابلے کے لیے ایک طرف سے فریبرز اور طوس اور دوسری طرف سے کیخسرو مع تمام بہادران فارس کے روانہ ہوے۔ فریبرز کو پیران ویسہ نے افراسیاب کی طرف سے آکے شکست دی۔ دوسری لڑائی میں پھر طوس اُس کے مقابل ہوا۔ اور اس بار بھی ایرانیوں کو شکست ہوئی۔ آخر طوس باقیماندہ لشکر کے ساتھ بھاگ کے قلعۂ کوہ ہماوں میں پناہ گزین ہو گیا۔ اور ترکوں نے محاصرہ کر لیا۔ رستم کو خبر ہوئی تو فوراً آ پہنچا اور سخت لڑائی شروع ہو گئی۔

رستم کا آنا سن کے افراسیاب نے خاقان چین سے مدد مانگی جو اپنے زبردست لشکر کے ساتھ کمک کو آ گیا۔ اُس کے ہمراہ بڑے نامی پہلوان چین کاموس و شنگل اور اشکبوس تھے۔ رستم اور اشکبوس کی لڑائی تاریخ عجم کی ایک یادگار لڑائی تھی۔ جس میں اشکبوس رستم کے تیر خاراشگاف میں چھد کے رہ گیا۔ دوسرے دن رستم دوسرے چینی پہلوان کاموس کو کمند پھینک کے اسیر کر لایا۔ اور قتل کیا۔ تیسرے دن ایک اور چینی پہلوان اشکبوس کو لقمۂ نہنگ شمشیر بنایا۔ ساتھ ہی ترکی لشکر پر جھپٹ پڑا۔ اور قتل عام مچا دیا۔ ترکی لشکر کو تباہ ہوتے دیکھ کے پیران ویسہ جس نے دھوکے میں رستم کے ہاتھ سے سہراب کو قتل کرایا تھا سامنے آیا۔ اور کہا کیا آپ سہراب کی وصیت بھول گئے؟ یہ سُن کے رستم نے تلوار روک لی اور کہا جب تک

جانب سے کوئی کسی کی مدد نہ کرے گا۔ تب مین زور آوری کرنے کو موجود ہو جاؤ
شاہ ختن افراسیاب کو بُلانے گیا۔ اور رستم اتنی دیر مین ذرا سنبھل گیا۔ درگاہ
الٰہی مین دعا کی کہ "خداوندا مجھے زور دے کہ دشمن کو نیچا دکھا دُون۔"

اب افراسیاب آیا۔ اور قول و قسم کے ساتھ وعدہ کیا کہ "شاہ ختن کی مدد
کو کوئی نہ آئے گا۔" پھر جُھک کے شاہ ختن کے کان مین کہا "دیکھو اگر رستم کو
گرانا تو فوراً اُسکے سینے مین خنجر بھونک دینا۔ زندہ بچا تو قیامت کر دے گا۔"
یہ کہکے دُور جا کھڑا ہوا۔ اور رستم و شاہ ختن مین کُشتی ہونے لگی۔ رستم کی التجا خدا
نے سُن لی تھی۔ شاہ ختن نے لاکھ زور مارا اُس کے قدم زمین سے نہ اُکھاڑ سکا۔
اس کے بعد رستم نے جو زور کیا تو اس زور سے اُٹھا کے دے مارا کہ گرتے ہی
شاہ ختن بے دم ہو گیا۔ رستم اُسے مردہ سمجھ کے اپنے لشکر مین واپس گیا۔
اور شاہ ختن جو دم سادھے پڑا تھا رستم کو اپنے سے دُور دیکھتے ہی اُٹھ کے
بھاگا۔ اور افراسیاب سے جا کے کہا "رستم کا مقابل دنیا مین کوئی نہین ہے۔
مین تو اب بھاگتا ہون۔ آپ جانین اور آپ کا کام جانے۔" اس ناکامی کے
بعد افراسیاب کے قدم بھلا کب ٹک سکتے تھے؟ راتون رات توران و ختن کا
لشکر بھاگ گیا۔ اور رستم غانم و سالم کیخسرو کے دربار مین حاضر ہوا۔ جہان اُسکی
بہادری کی تعریفین ہونے لگین۔

اب ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ جس کے آگے یونانی دیومالا کی کہانیان
بھی شرمائی جاتی ہین۔ کیخسرو کی چراگاہ سے خبر آئی کہ ایک عجیب طرح کا گورخر
پیدا ہوا ہے جو کیانی اصطبل کے گھوڑون کو مار جاتا ہے۔ سُن کے بادشاہ کو
حیرت ہوئی کہ گورخر تو گھوڑون سے بہت کمزور ہوتا ہے۔ اُس مین اتنی طاقت
کہان سے آ گئی کہ گھوڑون کو مار ڈالے؟ بہرحال کیخسرو نے اُسکے مارنے پر
رستم کو مامور کیا۔ رستم گیا۔ اور جیسے ہی وہ گورخر قریب آیا اُس پر کمند پھینکی۔
کمند اُس پر پڑ تو گئی مگر اُس کے پڑتے ہی گورخر نظر سے غائب تھا۔ رستم متحیر تھا
کہ تھوڑے فاصلے پر گورخر پھر نمودار ہوا۔ دوڑ کے ایک تلوار رسید کی۔ تلوار
بھی پڑی مگر پھر غائب تھا۔ رستم حیران تھا کہ الٰہی یہ کیا اسرار ہے۔ اور مسلسل تین

دن تک اُس گورخر کے پیچھے حیران و پریشان رہا۔ اب موبدان مو بعنی مقتدائے اعظم سے اس راز کو دریافت کیا تو اُس نے اپنے علم باطن سے معلوم کرکے بتایا کہ "یہ گورخر کی صورت مین ایک دیو ہے جو اکوان دیو کہلاتا ہے۔" یہ سننے پر بھی رستم اُس کو رگیدتا رہا۔ تیسرے دن تھک کے زمین پر پڑکے سوگیا۔ اکوان دیو نے رستم کو دیکھ کے وہ قطعۂ زمین جس پر رستم سو رہا تھا چارون طرف سے کاٹ لیا اور اُسے سر پر اُٹھا کے اوپر ہوا مین اُڑا لے گیا۔ اور بلندی پر جگا کے کہا "اب بتاؤ کہان پھینکون؟ پہاڑون پر یا سمندر مین؟" رستم نے دل مین کہا کہ مین جو کہون گا یہ اُلٹا کرے گا۔ کہا "مجھے پہاڑون پر پھینک دو۔ شاید بچ جاؤن۔ سمندر مین گرا تو ڈوب جاؤن گا۔ اور جانور لاش تک کو کھا لین گے۔" اکوان دیو نے فوراً سمندر مین پھینک دیا۔ رستم پیرنا خوب جانتا تھا۔ گھڑیالون اور مگرمچھون سے مقابلہ کرتا ہوا کنارے پہونچا۔ اور پھر اُسی دُھن مین چلا کہ اکوان دیو کو جا کے قتل کرے۔ راستے مین اتفاقاً افراسیاب کے لشکر سے مڈبھیڑ ہوئی۔ اُسے مارتا کاٹتا اکوان دیو کے میدان مین پہونچا۔ اور اُسے قسم دلائی کہ اگر مرد ہے تو مقابلے کو آ۔ دیو طیش کھا کے نکل آیا۔ اور حیرت سے بولا "تو بچ کے پھر آ گیا؟" اِدھر اُس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے اور اُدھر رستم کی کمند اُس کے گلے مین تھی۔ کھینچ کے گرا لیا۔ اور ایک ہی گرز مین کام تمام کر دیا۔ پھر اُس کا سر لا کے کیخسرو کے دربار مین حاضر کر دیا۔ اور اجازت لے کے سیستان کی راہ لی۔

اس واقعے کو چند ہی روز ہوے تھے کہ بعض دہقانیون نے آ کے دربار کیخسرو مین شکایت کی کہ ہمارے گاؤن کو بنڈیلے غارت کیے دیتے ہین۔ جن کی کثرت سے ہمین جینا مشکل ہو گیا ہے۔ کیخسرو نے گیو کے بیٹے بیژن کو حکم دیا کہ جا کے بنڈیلون کا قلع قمع کر دے۔ اس نوجوان پہلوان کو ناتجربہ کار خیال کرکے کیخسرو نے گرگین نام ایک پُرانے شخص کو ساتھ کر دیا کہ اُسے کسی خطرے مین نہ پڑنے دے۔ بیژن نے اس علاقے مین پہونچتے ہی بنڈیلون کا قلع قمع کر دیا۔ اور گرگین کے ... سیر کرتا ہوا ایک نہایت ہی فرحت بخش وادی مین نکل گیا۔

"کسی کو وہان بیژن کی بھی فکر ہے - جو یہان کنوئین مین بند ہے؟ آخر رستم کہان بیٹھے رہا
اور اُس کے باپ گیو کو کیا ہوا؟" رستم نے ڈانٹا "کہ ہم لوگ تاجر ہین ہمین بادشاہون
اور پہلوانون کی کیا خبر؟" منیژہ رونے لگی - کسی قافلے والے نے رونے کا سبب پوچھا
اُس نے رو رو کے سارا ماجرا کہہ سنایا اور اپنی حالت بیان کی - رستم کو بڑا ترس
آیا - بٹھا کے کھانا کھلایا اور ایک روٹی پکوا دی - جس مین پکتے مین اپنی انگوٹھی رکھ
دی تھی - اور کہا "یہ روٹی اُس غریب ستم زدہ کو لیجا کے کھلا دو" منیژہ نے دعائین
دے کے روٹی لی - لا کے کنوئین مین ڈال دی - اور کہا "ایک سوداگر ایران سے
آیا ہے - یہ روٹی اُس نے دی ہے" بیژن نے اُسے توڑا - انگوٹھی نکلی - اُسے
پہچانا - اور قہقہہ مار کے ہنسا - منیژہ نے تعجب سے کہا "اس مصیبت مین تمھین کو
دیکھا - اور کوئی بھی بھلا ہنس سکتا تھا؟" بیژن نے کہا "وہ سوداگر نہین خود رستم تہمتن
ہے جو میرے چھڑانے کو آیا ہے - جاؤ اور اُس کو اپنے ساتھ یہان لے آؤ" منیژہ
خوش خوش پھر وہان دوڑی گئی - اور رستم سے بیژن کا قول بیان کیا - رستم چند
پہلوانون کو ہمراہ لے کے اُسکے ساتھ رات کے اندھیرے مین کنوئین پر آیا - پتھر کو
ایک ایسی لات ماری کہ اُڑ کے ملک چین مین جا گرا - رسّی ڈال کے بیژن کو باہر
نکالا - اُسے کپڑے پہنائے - ہتھیار دیے اور اُسی وقت افراسیاب کے محل پر
چڑھ گیا - دربانون سے جھگڑا ہوتے سُن کے افراسیاب بھاگا - اور رستم نے قصر
مین گھس کے جتنی عورتین پائین پکڑ لین - پھر شہر کو لوٹا - پامال و تاراج کیا - اور
فتح و فیروزی کے ساتھ دربار کیخسروی مین حاضر ہوا - بیژن سے سب لوگ ملے -
منیژہ جو ساتھ آئی تھی اُس کی محبوبہ بی بی بنی - گرگین قید سے آزاد کیا گیا - اور
جشن منائے جانے لگے -

(۴)

افراسیاب اگرچہ بار بار شکست کھاتا تھا مگر ہمت نہ ہارتا تھا - ایک دن چین
کی طرف جاتے ہوے ایک تومند و قوی ہیکل نوجوان مل گیا - اُس سے کہا "رستم
سے لڑو گے؟" اُس نے کہا "رستم کیا ہے جس سے کیسے لڑون" نام پوچھا - بتایا
"برزو" - دل مین اُمید پیدا ہوئی - اُسے لا کے فنون جنگ کی تعلیم دی - خوب تیار کیا

اور جب وہ اس درجۂ کمال کو پہونچ گیا کہ اپنے تمام اُستادوں کو ہرا دیا۔ اور
سب اُستادوں نے اُس کی عدیم المثال جنگ آوری کی تصدیق کی تو اُسے
فوج دے کے ایران پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کر دیا۔ اور خود بھی لشکرِ عظیم لیے
اُس کے پیچھے روانہ ہوا۔ جب ایرانیوں سے لڑائی ہوئی تو اکثر نامی
پہلوان برزو کے ہاتھ سے چوٹ کھا گئے۔ آخر رستم کا سامنا ہوا۔ اُس پر بھی
ایسا زبردست گرز پڑا کہ ہاتھ بیکار ہو گیا۔ مگر بوڑھے پہلوان نے [illegible] حریف پر
اپنی کمزوری نہ ظاہر ہونے دی۔ دوسرے دن مقابلہ کا وعدہ کر کے میدان سے
واپس آیا۔ اور کیخسرو سے کہا "میرا ہاتھ بیکار ہو گیا۔ لڑائی کی اب مجھ میں تاب
نہیں۔ آپ جانیں اور آپ کا کام جانے۔ میں سیستان جاتا ہوں۔ کاش
میرا بیٹا فرامرز ہوتا تو وہ برزو سے لڑ لیتا۔ مگر وہ ہندوستان پر حملہ آور ہے"
لشکرِ عجم میں رونا پیٹنا پڑ گیا۔ اور بادشاہ سے ادنیٰ سپاہی تک نا امید تھے کہ
خدا کی قدرت فرامرز آ گیا۔ اور کہا "برزو کی فوج کشی کا حال سن کے میں جلدی
جلدی کوچ کر کے آیا ہوں۔" اُسے دیکھ کے رستم کی جان میں جان آئی۔ اور دوسرے
ہی دن اُسے اپنے کپڑے پہنا کے برزو کے مقابلے کو بھیجا۔

فرامرز کو دیکھ کے برزو نے کہا "معلوم ہوتا ہے [illegible]
گرز کے صدمے سے مر گیا۔" فرامرز نے [illegible]
اٹھا لیا۔" اور ساتھ ہی گرز بازی شروع کر دی۔ فرامرز نے ایسی پھرتی سے تاو
گرز مارے کہ برزو گھبرا گیا۔ اور اسی گھبراہٹ میں ایک ضرب کھا کے گھوڑے سے
گرا۔ فرامرز نے کمند میں پھانس کے ارادہ کیا کہ کھینچ لے جائے۔ یہ دیکھ کے تورانی
ٹوٹ پڑے۔ اُدھر سے لشکرِ عجم نے بھی حملہ کر دیا۔ اور جنگ مغلوبہ ہونے لگی۔ اس
وقت رستم بھی بیٹے کی مدد کو جا پہونچا۔ اور دونوں باپ بیٹے برزو کو زندہ پکڑ
لائے۔ کیخسرو نے اُسکے قتل کا حکم دیا۔ مگر رستم نے سفارش کر کے جان بچائی اور
اپنے ساتھ سیستان میں لے جا کے خاص اپنے گھر میں زنجیروں میں باندھ کے رکھا۔

ان واقعات کی خبر برزو کی ماں شہرو کو جو ہوئی تو ایران سے آتی ہوئی سیستان
میں آئی۔ اور کہیں ٹھہر کے رستم کے گھر کی ایک لونڈی سے دوستی پیدا کی۔ اُسے ملے

ذریعے سے برزو کے حالات معلوم کیے۔ اور اُسی کے ذریعے سے کسی جا سے اپنی انگوٹھی اُسکے پاس بھیجدی۔ برزو دیکھ کے بہت خوش ہوا۔ اور چونکہ وہ ڈومنی ہمدرد اور موافق تھی اُس پہ ظاہر کر دیا کہ یہ میری ماں ہے جو میری مدد کو آئی ہے۔ اب ڈومنی نے جا کے شہرو سے ہمدردی ظاہر کی اور مدد کا وعدہ کیا تو اُس نے ایک سوہن دیا اور کہا "یہ اُسکو دے دینا۔ اور کہنا کہ فلان تاریخ تم اپنی بیڑیان کاٹ کے بھاگ آؤ۔" برزو نے یہی کیا۔ اُس ڈومنی کو بھی ساتھ لیا اور بھاگا۔ شہر کے باہر تین گھوڑے تیار ملے۔ جو شہرو نے مہیا کر رکھے تھے۔ اور تینون اُن پر سوار ہو کے ترکستان کی طرف چل کھڑے ہوے۔

اتفاقاً رستم شکار سے واپس آ رہا تھا کہ راستے مین مڈبھیڑ ہو گئی۔ دونون لڑنے لگے۔ لڑائی دیر تک رہی۔ مگر کوئی کسی پہ غالب نہ آیا۔ آخر رستم نے محسوس کر لیا کہ مین اس پر قابو نہ پا سکون گا۔ صلح کی باتین کرنے لگا۔ پوچھا کہ "تم بھاگ کیونکر سکے؟" برزو نے تمام واقعات جو پیش آئے تھے بلاکم و کاست بتا دیے۔ اور ڈومنی نے قبول کیا کہ "ہان مین نے قصور تو کیا ہے۔ آپ جو چاہین سزا دین۔" اب رستم نے ان لوگون کے پاس بطریق دعوت کھانا بھیجا۔ جس مین زہر ملا دیا تھا۔ ڈومنی کھا کے مر گئی۔ مگر ماں بیٹون نے اتفاق سے نہ کھایا اور بچ گئے۔ برزو نے بگڑ کے رستم کو ہزارون گالیان دین۔ اور کہا "بھلا یہ شریفون کا شیوہ یا بہادری ہے؟ مرد ہے تو آ کے مقابلہ کر۔" مجبوراً رستم کو پھر مقابلہ کرنا پڑا۔ اور لڑائی ٹھن گئی۔ دونون حریف ایک دوسرے پہ حربے کرتے کرتے تھک گئے۔ اور آخر مین زور آوری کر رہے تھے کہ رستم کے گھوڑے نے برزو کے گھوڑے کو اس زور سے چلت دی کہ وہ چیخ کے بھاگا۔ اور برزو جس کی کمر پہ رستم کا ہاتھ تھا گھوڑے سے علحدہ ہو کے زمین پر گرا۔ اتنا موقع پاتے ہی رستم گھوڑے سے کود کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور پیش قبض نکال کے چاہتا تھا کہ سینہ چاک کرے کہ شہرو نے بڑھ کے ہاتھ پکڑ لیا اور چلائی کہ "بیٹے کی تو جان لے چکا۔ کیا اب پوتے کو بھی قتل کرے گا؟" رستم نے گھبرا کے پوچھا "پوتا کیسا؟" شہرو نے کہا "برزو تیرا پوتا اور سہراب کا بیٹا ہے!" رستم نے کہا "مین نہ مانون گا۔ یہ بھی کوئی فریب ہے۔ اچھا اگر یہی ہے تو سہراب

کی کوئی نشانی دکھا اور ثبوت دے۔ شہرو نے فوراً سہراب کی انگوٹھی نکال کے دکھا دی۔ یہ دیکھتے ہی رستم نے اُٹھ کے پوتے کو گلے لگا لیا۔ خوش خوش گھر لایا۔ زال سے ملایا۔ اور اُس گھڑی سے برزو بھی ایران کی فوج کا ایک پہلوان اور کیخسرو کا جان نثار بن گیا۔

اب افراسیاب نے ایک گانے والی مکار رنڈی کو بھیجا کہ رستم اور اس کے ساتھیوں کو اپنے دام تزویر مین لا کے ہلاک کرے۔ پلیسم نامی پہلوان کو اس کے ہمراہ کیا کہ طاقتوری کے کامون مین مدد دے۔ یہ عورت جس کا نام سوسن تھا سیستان اور ایران کے درمیان مین آکے سرراہ ٹھہری۔ اپنا ایک قصر بنوایا۔ اور وارد و صادر کی خدمت اور مہمانداری کرنے لگی۔ اتفاقاً رستم کے گھر کسی تقریب مین دعوت تھی۔ تمام پہلوانان عجم موجود تھے۔ شاہزادہ طوس اور گودرز مین کچھ جھگڑا ہو گیا۔ طوس نے خنجر کھینچ لیا۔ رہام نے بیچ مین آکے خنجر چھین لیا۔ اس پر بگڑ کے طوس چلا گیا۔ گودرز معذرت کے لیے اور باقی تمام پہلوان بیچ بچاؤ کے لیے آگے پیچھے چل کھڑے ہوے۔ اور سب سوسن کے قصر پر پہونچکر اُس کے مہمان ہوے۔ سوسن نے اُنھین شرابین پلا پلا کے مدہوش کیا۔ اور پلیسم نے آکر باندھ لیا۔ اس طریقے سے طوس۔ گودرز۔ گیو۔ بیژن۔ گستہم۔ رہام۔ سب اس مہمان خانے مین پابزنجیر کر کے بٹھا دیے گئے۔ سب کے بعد زال پہونچا جو طوس کے منانے کو آیا تھا۔ اُسے کچھ شبہہ ہوا۔ اور آخر اپنی تجربہ کاری سے سمجھ گیا۔ اُس نے رستم کو خبر کی۔ رستم و فرامرز اور برزو سب آپہونچے۔ اور سوسن کے لوگون سے لڑائی ہونے لگی۔ افراسیاب بھی پاس ہی لگا ہوا تھا۔ زبردست لشکر لے کے وہ بھی آپہونچا۔ دوسری طرف سے کیخسرو بھی اپنا لشکر لے کے آگیا اور پورا میدان جنگ گرم ہو گیا۔ سوسن بھاگ کے افراسیاب کے لشکر مین ہو رہی مگر تھوڑی ہی دیر مین پلیسم اور نامور پہلوانان ترکستان کا رستم و فرامرز نے خاتمہ کر دیا۔

اب افراسیاب زندگی سے عاجز تھا۔ اپنی بُری بھلی تدبیرون مین نامراد و مایوس ہو کے جان دینے پر تُل گیا۔ اور میدان مین آکے کہا "اب لڑائی کا فیصلہ

یون ہوگا کہ کیخسرو میرے مقابلے پر آئے۔ اور ہم دونون آپس مین سمجھ لین گے۔" کیخسرو اُس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا مگر تیار ہو گیا۔ رستم اور تمام سرداران فوج نے روکا مگر کسی طرح نہ مانتا تھا۔ آخر برزو نے جا کے کچھ اس طرح التجا کی کہ مان گیا اور برزو افراسیاب کے مقابلے کو نکلا۔ اس کی صورت دیکھتے ہی افراسیاب نے کہا "مین نے تجھے اسی لیے پالا اور تیار کیا تھا کہ تو میرے مقابلے کو آئے؟" یہ کہ کے ایک آہ سرد کھینچی۔ برزو نے اُسکے جرائم و مظالم گنوائے۔ اور کہا "تو اسی قابل ہے کہ مین تجھے حلال کر دون۔"

اب دونون لڑنے لگے۔ اور جب شمشیر و نیزہ بازی مین عاجز آ کے گرز بازی پر جھکے تو افراسیاب کو اُسکے خیر خواہ اس اندیشہ سے ہٹا لے گئے کہ برزو کے گرز کی تاب نہ لا سکے گا۔ اور ساتھ ہی سارے تورانی لشکر نے برزو پر زغہ کر دیا۔ اسکی مدد کو رستم و فرامرز اور ایرانی سپاہی پہونچے۔ دیر تک عرصۂ حرب و ضرب خوب گرم رہا۔ آخر تورانیون کو ساتھ لے کے افراسیاب بھاگا۔ اور رستم نے کیخسرو کو سیستان مین لے جا کے اپنا مہمان کیا۔ وہان ایک ہفتے تک جشن عیش منایا گیا۔ پھر رستم نے دربار کی خدمت کے لیے فرامرز و برزو کو پیش کر کے اپنے لیے معافی حاصل کر لی۔ اور ارادہ کیا کہ اب مین کسی میدان مین نہ لڑون گا۔

اسکے بعد بھی کیخسرو اور افراسیاب مین متعدد لڑائیان ہوئین جن مین افراسیاب تاج و تخت اور ملک و سلطنت سے محروم ہو کے ایک غار مین جا چھپا۔ آخر وہان سے بھی گرفتار ہو کے آ گیا اور کیخسرو نے اپنے باپ کے انتقام مین اپنے ہاتھ سے سر کاٹا۔ مگر ان لڑائیون کو رستم کی معرکہ آرائیون سے کوئی علاقہ نہین ہے۔ وہ سیستان مین خاموش بیٹھا تھا۔ اور اُسکا دنیا سے الگ تھا۔

رستم کی اس خانہ نشینی کے زمانے مین سلطنت عجم مین بہت بڑے بڑے انقلاب ہو گئے۔ کیکاوس مرا اور کیخسرو مستقل تاجدار عجم ہوا۔ پھر کیخسرو نے بھی دنیا ترک کر دی۔ اور ایک چشمے پر جا کے غائب ہو گیا۔ جاتے وقت وہ کیکاوس کے داماد لہراسپ کو اپنا جانشین بنا گیا۔ لہراسپ کے دو بیٹے کیکاوس کی بیٹی سے تھے۔ شیراسپ اور اردشیر۔ اور دو بیٹے ایک دوسری بی بی سے تھے۔ گشتاسپ

اور ذریر۔ گشتاسپ سب فرزندوں میں لائق مگر ذرا بدمزاج تھا۔ اس وجہ سے لہراسپ
اس سے ناراض رہتا۔ گشتاسپ پہلے بگڑ کے ہندوستان چلا گیا۔ ذریر باپ کے
کہنے سے سمجھا بجھا کے لایا۔ مگر پھر بگڑی اور گشتاسپ بھاگ کے روم میں ہو رہا۔
وہاں بڑی مصیبت اٹھائی۔ اور آخر خوش قسمتی سے قیصر کی بیٹی کتایون سے شا
دی ہو گئی۔ قیصر نے ایک نام معمولی شخص خیال کر کے حقارت کی نظر سے
دیکھا تھا۔ مگر [illegible] غریب [illegible] سامنے دیکھ کے پہچانا کہ یہ تاجدار کیانی کا
[illegible] ہوا۔ [illegible] اپنی فوج کا سپہ سالار بنا دیا۔ اب لہراسپ
[illegible] روم میں [illegible] لا کے تخت عجم پر بٹھایا۔ اور خود ایک
[illegible] میں بیٹھ کے یاد خدا کرنے لگا

گشتاسپ کے قیصر کی بیٹی کے بطن سے دو بیٹے ہوئے۔ اسفندیار اور پشوتن
اس کا وزیر جاماسپ عقلائے روزگار میں تھا۔ اور بہت بڑا عالم کیا تھا۔ اس نے
اسفندیار کو [illegible] کے ساتھ [illegible] کے اسے روئیں تن بنا دیا۔ یعنی اس کا
جسم فولاد کا سا کر دیا۔ جس پہ کوئی حربہ کارگر نہ ہو سکتا۔ پھر اسفندیار کو اصول
فنون جنگ کی تعلیم دی۔ اور ایک بے نظیر سورما بنا دیا۔

اسی زمانے میں زرتشت نے ظاہر ہو کے دین آتش پرستی کی دعوت شروع کی
گشتاسپ اس کا پیرو اور مرید ہو گیا۔ اور آتش پرستی کو فروغ دینے لگا۔ ان
دنوں اس کا سب سے بڑا دشمن شاہ چین و ماچین ارجاسپ تھا جس کے
زیر حکم دیو و پری بھی تھے۔ زرتشت نے گشتاسپ کو ارجاسپ سے لڑنے پر
آمادہ کیا۔ چنانچہ دونوں تاجدار زبردست لشکر لے کے ایک دوسرے کے مقابل
صف آرا ہوئے۔ اس لڑائی میں ایران کے تمام شاہزادے اور نامی پہلوان
مارے گئے۔ اور سوا اسفندیار کے کوئی نہ بچا۔ جس کو ولی عہد بنا کے گشتاسپ
نے حکم دیا کہ جاؤ اور ساری دنیا میں ملت مجوس کو رواج دو۔ اسفندیار نے فوراً
کمر ہمت باندھی۔ روم و عرب و ہند میں سب جگہ آتش پرستی کو پھیلایا۔ اور باپ کو
اپنی کامیابی کا مژدہ سنایا۔

اتفاقاً ایک مفتنی شخص نے گشتاسپ کو یقین دلا دیا کہ اسفندیار آپ کا دشمن ہے

گشتاسپ نے اُسے قلعہ دژ گنبدان مین قید کر دیا۔ اور سخت زنجیرون مین باندھ کے رکھا۔ پھر خود سیستان مین جا کے رستم کو اپنا ہم مذہب بنایا۔ وہین تھا کہ خبر آئی کہ شاہ چین ارجاسپ نے پھر سر اُٹھایا ہے۔ بلخ پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور لہراسپ کو جو وہان کی خانقاہ مین عبادت گذار تھا اور لوگون کے مجبور کرنے سے میدان مین آیا تھا گھیر کے مار ڈالا۔ ملت مجوس اور ژند و اوستا کی توہین کی۔ یہ خبر سنتے ہی گشتاسپ نے گھبرا کے رستم سے کہا "یہ مدد کا وقت ہے"۔ اُس نے کہا "آپ چلین مین بھی سامان سفر کر کے حاضر ہوتا ہون"۔ گشتاسپ بلخ پہونچا۔ اور وہان دشمن کی قوت کو زبردست دیکھ کے رستم کو بلوایا۔ مگر اُس نے عذرات بارد کر دیے آخر لڑائی مین گشتاسپ کو بہت فاش شکست ہوئی۔ ایرانی بدحواس بھاگے شاہزادے اور نامور سردار مارے گئے۔ گشتاسپ کی بہنین چینیون کے ہاتھ مین اسیر ہوئین۔ خود گشتاسپ نے ایک پہاڑ پر جا کے پناہ لی۔ اور وزیر جاماسپ سے مشورہ کیا۔ اُس نے بتایا کہ آپ کو اب صرف اسفندیار کی معرکہ آرائی سے فتح ہو سکتی ہے۔ فوراً اُسے آزادی دیجیے۔ گشتاسپ نے اسفندیار کو بلا کے عذرخواہی کی اور کہا "اس فتح کے بعد مین گوشہ نشین ہو جاؤن گا اور تاج و تخت تمھارے ہونگے"۔ اسفندیار نے جا کے چینیون کو شکست دی۔ اور باپ کو آ کے مژدۂ فتح سنایا۔ گشتاسپ بہت خوش ہوا۔ اور کہا "اب تم میری بہنون کو چینیون کی قید سے چھڑا لاؤ تو تاج و تخت تمھارے حوالے کر دون"۔ اسفندیار نے یہ مہم بھی اپنے سر لی۔ اور ایک ہفتخوان طے کر کے جو رستم کی ہفتخوان سے بھی زیادہ سخت تھی چین کے قلعۂ دژ روئین پر پہونچا۔ جہان اُس کی پھوپھیان اسیر تھین۔ سوداگرون کے بھیس مین قلعہ کے اندر گیا۔ ارجاسپ اور اُسکے بیٹے کہرم کو قتل کیا۔ اور اپنی پھوپھیون کو لا کے گشتاسپ کے گلے لگا دیا۔

(۶)

اسفندیار یہ مہم بھی سر کر کے آ گیا تو باپ کو بجائے خوشی کے صدمہ ہوا۔ اور اُس کی طرف سے اور اوہام پیدا ہوے۔ بلا کے اُسکے ہفتخوان اور مہم کے حالات پوچھے اور خوشی ظاہر کی مگر تاج و تخت دینے کا وعدہ نہین پورا کیا۔ جس کی

اسفندیار کو سلطنت کی حد سے زیادہ ہوس تھی۔ ماں سے ہائے شکایت کی کہ دیکھیے
اب بھی باوا جان اپنا وعدہ پورا نہین کرتے۔" اُس نے کہا" بیٹا چند روز
صبر کرو۔ تمھارے سوا اور کون بادشاہ ہو سکتا ہے؟ تمھارے باوا بوڑھے
ہو چکے ہین۔ چند روز کے اور مہمان ہین۔ پھر تمھین تم ہو گے۔ اور یون بھی ساری
فوج تمام رعایا اور کل اُمرا بادشاہ سے زیادہ تمھارا پاس و لحاظ رکھتے ہین۔ پھر
جلدی کس بات کی ہے؟" مگر اسفندیار کے دل کو ماں کی اس نصیحت سے تسلی
نہ ہوئی۔ اور آخر ایک دن شراب کے نشے مین گشتاسپ کے منھ پر کہہ ہی بیٹھا کہ
"مین نے آپ کا ہر قول پورا کیا۔ مگر آپ نے ہمیشہ بد عہدی کی"۔ بوڑھے گشتاسپ
نے بیٹے کے گستاخانہ الفاظ ہنس کے ٹال دیے۔ مگر دل مین اُس کی طرف سے
زیادہ خائف ہو گیا۔

پھر ایک دن نجومی کو تنہائی مین بُلا کے کہا" ذرا اسفندیار کے طالع پر تو غور کرو
اور دیکھو اس کی موت کے کیا اسباب ہون گے؟" نجومی نے خوب غور کر کے اور
حساب لگا کے بتایا کہ" اسفندیار پر دُنیا کی کوئی قوت غالب نہین آ سکتی جس
سے لڑے گا اُسے قتل کر ڈالے گا۔ سوا رستم کے جس کے ہاتھ سے خود اسفندیار
کی موت ثابت ہوتی ہے۔" گشتاسپ کے اطمینان کے لیے یہ بہت کافی تھا۔ دوسرے
ہی دن ایک شاندار دربار کیا۔ اسفندیار کو بُلا کے نہایت عزت سے اپنے برابر
تخت فرمان روائی پر بٹھایا۔ اُس کی شجاعت و فتحمندی کی سر دربار تعریف کی
اور جب اُس کی تائید مین سارا دربار واہ واہ کے نعرون سے گونج اُٹھا ایک
ٹھنڈی سانس لے کے کہا" مین تاج و تخت کو اس جوان بخت فرزند کے سپرد کر کے
گوشہ گزین ہو جاتا مگر دل مین ایک کانٹا ایسا باقی ہے کہ جب تک وہ نہ نکلے گا
عزلت گزینی مین مجھے چین نہ آئے گا۔ جب چین کا لشکر ہمارے علاقۂ ترکستان پر
چڑھ کے آیا ہے اور خبر آئی کہ میرے والد شہنشاہ لہراسپ جنھین وہان کی رعایا
نے گوشۂ عبادت سے نکال کے حمایت وطن پر آمادہ کیا اُس کے ہاتھ سے مارے
گئے۔ ہمارے خاندان کے تمام نامور شہزادے نذر اجل ہوئے۔ اور ہماری جنیت
چینیون کے ہاتھ مین گرفتار ہوئین تو مین نے بذات خود جا کے رستم سے التجا کی کہ

ایسے نازک وقت پر میری مدد کرو۔ مگر ایسی مصیبت کے وقت بھی اُس نے میرے کہنے کی پروا نہ کی۔ آنے کا وعدہ کر کے مجھے مقابلے پر بھیجا۔ اور جب دشمنوں کے مقابلے پر پہونچ کے مین نے اُسے دوبارہ یاد دہانی کی تو حیلے حوالے کر کے ٹال دیا۔ اور نہ آیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود مجھے بھی ناش شکست ہوئی۔ اور سارے لشکر کے ساتھ قریب ہمارے خاندان شاہی کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اسفندیار اگر تو بہادر ہے اور کچھ خاندان کی غیرت رکھتا ہے تو جا کے اُسے سزا دے۔ تو اُسے قتل کرے یا میرے سامنے باندھ کے لائے تو میرا دل ٹھنڈا ہو۔"

اسفندیار نے باپ کی بدعہدی کی شکایت کی۔ اپنے کارنامے اور اُس کے بار بار کے وعدے یاد دلائے اور کہا "مین رستم کو بھی گرفتار کر کے لاؤن گا۔ مگر پہلے آپ مجھے تاج و تخت دیدین۔" گشتاسپ نے کہا "مین اُسی وقت سلطنت دون گا جب رستم کو پکڑ لاؤ گے۔" اس پر اسفندیار بگڑ کے دربار سے چلا گیا اور گشتاسپ کو اُس کی ناراضی سے اندیشہ ہو۔ مگر [illegible] ہوا کہ اسفندیار نے اگرچہ حامی نہین بھری تھی۔ مگر رستم کے مقابلے پر جانے [illegible]

اسفندیار کو رستم کے مقابلے پر جانے [illegible] ہزار [illegible] کا مگر ایک نہ سُنی۔ اور ایک زبردست لشکر کے ساتھ سیستان [illegible] رستم کے شہر سے ذرا فاصلے پر پڑاؤ ڈال [illegible] کو بُلا لائے۔ بہمن گیا تو رستم و زال [illegible] اپنا شاہزادہ تسلیم کر کے اُس کے آگے سر نیاز جھکا یا اور زال [illegible] رستم بے تکلف اسفندیار کے پاس چلا گیا۔ اسفندیار اپنے پڑاؤ سے تھوڑی دُور آ کے اُس سے ملا۔ اور جب رستم کو اپنے آگے قدمبوس ہوتے دیکھا تو گھوڑے سے اُتر کے اُسے گلے لگا لیا۔ اور تعظیم و تکریم کے ساتھ اپنے خیمے مین لے گیا۔ پھر بہت سی ادھر اُدھر کی باتون کے بعد کہا "شہنشاہ گشتاسپ کا حکم ہے کہ مین آپ کو قید کر کے پا بہ زنجیر اُنکے دربار مین حاضر کرون۔ لیکن آپ کی اِس محبت و فرمانبرداری نے مجھے آپ کا ایسا گرویدہ کر دیا ہے کہ بادشاہ کے اِس حکم کو تو مین نہین ٹال سکتا مگر وعدہ کرتا ہون کہ برائے نام قیدیون کی طرح لے چلون گا۔ او

قصور معاف کر کے دوسرے ہی دن آزاد کرا دون گا۔" رستم نے کہا "آپ میرے
گھر مین قدم رنجہ فرما کے پہلے میری دعوت قبول کرین پھر جس طرح کہیے گا آپ کے
ساتھ چلا چلون گا۔" اسفندیار نے کہا "اس مین میری سُبکی ہوگی۔ اور والد کہین
کہ مین نے آپ کو خوشامد کر کے آنے پر آمادہ کیا۔ اور مین یہ کرتا بھی مگر آپ سے
کمزور نہین ہون۔ یہ میرے اختیار مین ہے کہ جب چاہون آپ کو اسیر کر لون۔"
یہ کلمات سُن کے بھلا رستم کو کب تاب آسکتی تھی؟ جواب دیا "آپ ابھی
بچے ہین۔ بہادرون کو دیکھا نہین ہے۔ دولتِ عجم میری زیر بار احسان ہے۔
مین نہ ہوتا تو آج یہ سلطنت بھی نہ ہوتی۔ مجھ سے بارہا لوگون نے خواہش کی
کہ مین خود تخت شاہی پر قبضہ کر لون۔ اور شہنشاہ ایران بن جاؤن۔ مگر مین نے
خود ہی منظور نہین کیا۔" اسفندیار نے بھی اپنی بہادریان ظاہر کین۔ اپنی ہفتخوان
کی سرگذشت بیان کی۔ اور اپنے تمام کارنامے گنوائے۔ پھر رستم کے خاندان
پر حملہ کیا اور زال کو ایک مجہول النسب کوڑھی کہا۔ رستم نے جواب مین اور
تیزی دکھائی۔ اسفندیار کو اپنے آگے ایک طفل مکتب بتایا۔ اپنے آپ کو تاجدارانِ
عجم کا ہم نسب ظاہر کیا۔ اور کہا "معلوم ہوتا ہے گشتاسپ آپ کی جان کا دشمن
ہے جو میرے مقابلے کو بھیجا ہے۔ مجھ سے لڑنے والا کبھی میرے ہاتھ سے زندہ
بچ کے نہین گیا۔" اسفندیار نے پھر دون کی لی۔ اور اُسی صحبت مین اپنا
زور دکھانے کے لیے رستم کا ہاتھ پکڑ کے اس زور سے دبایا کہ اُسے تکلیف ہوئی
اور سمجھا کہ شاید اس سے رستم پر رعب پڑ جائے۔ مگر افراسیاب کا زیر کرنے والا
رستم بھلا کیا خطرے مین لاتا؟ غرض دوسرے دن لڑائی ٹھن گئی۔ اور صبح کو
مقابلے کا وعدہ کر کے رستم اپنے گھر آیا۔

زال کو یہ پسند نہ تھا۔ مگر وہ بھی مجبور ہو گیا۔ اور اس پیرانہ سالی مین
رستم کا ایک روئین تن اور جوانمرد حریف کے مقابلے پر جانا سارے خاندان
کو ناگوار تھا۔ مگر اس کے سوا کوئی تدبیر ہی نہ تھی۔ صبح کو سامنا ہوتے ہی اسفندیار
نے رستم سے عہد کیا کہ "ہم ہی تم سمجھ لین۔ فوج بیکار نہ کٹوائی جائے۔" پھر لڑائی
شروع ہو گئی۔ یہ غیر معمولی لڑائی تھی۔ دونون حریف برابر کے نامور اور ایسے

نبرد آزما تھے کہ دنیا اُن سے عاجز آ چلی تھی - تلوارین ٹوٹ گئین - نیزے بیکار ہو گئے - گرز ٹیڑھے ہو گئے - اور کشتی ہونے لگی - دونون نے بڑی توڑ کے زور لگایا - یہان تک کہ دونون کا دم پھول گیا اور الگ کھڑے ہو کے ہانپنے لگے - دن آخر ہونے کو تھا کہ تیر و کمان کی لڑائی شروع ہوئی - اس مین رستم کا کچھ زور نہ چلا - تیر اسفندیار کے جسم پر کچھ اثر نہ کرتے اور اسفندیار کے تیر رستم کو چھید ے ڈالتے تھے - اب شام ہونے کو تھی اور رستم سر سے پاؤن تک زخمی اور خون مین نہایا ہوا تھا -

ان کی لڑائی کے دوران مین یہ واقعہ پیش آیا کہ رستم کو زخمی ہوتے دیکھ کے لشکر سیستان کے بہادر جنھین دونون حریفون کے باہمی عہد و پیمان کی خبر نہ تھی ایرانیون پر چڑھ گئے - اور خون ریزی ہونے لگی - جس مین رستم کا ایک نامور شاگرد اِدھر سے مارا گیا اور ایرانیون مین سے خود اسفندیار کے دو بیٹے کام آئے - جس کا اسفندیار کو بیحد صدمہ ہوا -

شام ہوتے دیکھ کے دونون حریف کل کا وعدہ کر کے اپنے اپنے لشکر مین گئے - اور دونون دل مین حریف مقابل سے خائف اور زندگی سے مایوس تھے - خصوصاً رستم کو تو قطعی یاس ہو گئی جو اس قابل ہی نہ تھا کہ صبح کو میدان مین آئے - ایسے نازک وقت مین زال کے بُلانے سے سیمرغ آ پہونچا - اُس نے اپنے پرون کی معجز نمائی سے دم بھر مین رستم کے سب زخم اچھے کر دیے - پھر اُسے نیستان مین لیجا کے ایک دو شاخہ نیزہ دیا - اور کہا " اسی کا ایک دو شاخہ تیر بنا کے کل لیجاؤ - اسے جسم بھر مین جس مقام پر خیال کر کے پھینکو گے وہین پیوست ہو جائے گا - تم اسفندیار کی آنکھ کا نشانہ باندھ کے پھینکنا - اس لیے کہ اُسکے جسم بھر مین آنکھین ہی چوٹ کھا سکتی ہین - اور وہین کی چوٹ اُسکی موت کا باعث ہو گی -

صبح کو جب رستم خوش خوش - صحیح و سالم - چست و چالاک میدان مین آیا تو اُسے دیکھ کے اسفندیار کو حیرت ہو گئی - لیکن پروا نہ کی اور تیر افگنی شروع کر دی - رستم نے جو اپنا دو شاخہ تیر کمان مین رکھ کے مارا تو سیدھا جا کے اسفندیار

کی دونون آنکھوں مین پیوست ہوگیا۔ یہ تیر نہ تھا پیام مرگ تھا۔ اسفندیار نے زخمی ہوتے ہی کمال بیتابی سے گھوڑے کی زین پر سر رکھ دیا۔ اور اپنی بدقسمتی و موت پر رو دیا۔ پھر رستم سے کہا "اس مین آپ کا قصور نہیں۔ سب کیا دھرا میرے والد گشتاسپ کا ہے۔ اور میرے مرنے سے اُن کی تمنا بر آئی۔ اب آپ سے مرتے وقت میری یہ التجا ہے کہ میرے بیٹے بہمن کو اپنے ساتھ رکھ کے اُسے سپہگری کی تعلیم دیجیے۔ اور ایک زبردست پہلوان بنا دیجیے۔" رستم نے وعدہ کیا۔ اور اسفندیار کی روح پرواز کر گئی۔ اُدھر لوگ اُس کا تابوت لے کے ایران گئے۔ ادھر رستم بہمن کو ساتھ لے کے اپنے گھر آیا۔

رستم بہمن کو تعلیم دے ہی رہا تھا کہ ایک نیا واقعہ پیش آیا۔ اُس کا ایک سوتیلا بھائی تھا شغاد جو ایک کنیز کے بطن سے تھا۔ کابل کے فرمان روا کی بیٹی سے اُس کی شادی ہوئی تھی۔ جو رستم کا باج گذار تھا۔ ایک دن شغاد نے اُس سے کہا کہ "مین رستم سے بہت جلا ہوا ہون۔ اُسے اس کا خیال نہین کہ مین اُس کا بھائی ہون۔ مگر آپ سے باوجودیکہ میرے خسر ہین خراج کی ایک کوڑی نہین چھوڑتا۔" شاہ کابل نے کہا "مگر رستم پر کس کا زور چل سکتا ہے؟ تم ناراض ہو تو اُس کا کیا بگاڑ لوگے؟" شغاد بولا "ایک تدبیر ہے۔ مین روتا ہوا اُس کے پاس جا کے آپ کی بدسلوکی کی شکایت کرون گا۔ وہ آپ سے آپ دوڑا آئے گا کہ آپ کو سزا دے۔ آپ میرے بعد یہ کارروائی کر رکھیے کہ ایک شکارگاہ بنوائیے۔ اور اُس کے راستے مین برابر برابر چھ سات گہرے گڑھے کھدوائیے اور اُن کے اندر چھت سے تیر۔ نیزے۔ تلوارین خنجر وغیرہ کھڑے کھڑے نصب کرا کے اوپر سے اُنھین گھانس ڈال کے چھپا دیجیے۔ پھر مین آ کے سمجھ لون گا۔"

شاہ کابل نے یہی کیا۔ اور شغاد نے رستم کے پاس جا کے سسرے کی شکایت کے دفتر کھول دیے اور رو رو کے آنکھیں سُجا لین۔ رستم نے اسے لپٹا کے پیار کیا۔ تسلی دی۔ اور کہا "مین چل کے اُسے سزا دون گا اور اُس کی جگہ تمھین

کو کابل کا بادشاہ بنا دون گا۔" یہ کہتے ہی سفر کی تیاریان کر دین۔ اپنے بھائی
زوارہ اور چند پہلوانون کو ساتھ لے کے کابل پہونچا۔ اُس کے آنے کی خبر
ہی شاہ کابل زمین بوس ہوا۔ اور جب رستم نے شغاد کی شکایت بیان کی
تو بولا "ہان نشے کے عالم مین دو ایک کلمے میری زبان سے نکل گئے تھے
جن پر مین نہایت عاجزی سے معافی کا امیدوار ہون۔" رستم کا غصہ تھما تو
شاہ کابل نے دعوت کی درخواست کی۔ اور ساتھ ہی لیجا کے بڑی دھوم سے
دعوت کی۔ اور دو ایک دن غافل رکھ کے ایک دن شغاد اُسے شکار کھلانے
کو اُسی نئی شکارگاہ مین لے گیا۔ اُن گڑھون کے پاس پہونچ کے رستم کا گھوڑا
رُکا تو اُس نے چابک ماری۔ گھوڑے نے چمک کے جست کی اور گڑھے کے
اندر تھا۔ جہان بیسیون کاری حربے سوار و راہوار دونون کے جسمون مین
پیوست ہوگئے۔ یہ دیکھتے ہی گھوڑا زور کرکے اُچھلا۔ مگر ایک گڑھے سے
نکلتے ہی دوسرے مین جا پہونچا۔ اسی طرح تابڑ توڑ سات گڑھون مین گرا۔
ہر ایک مین صدہا کاری زخم کھائے اور جست کرکے نکل آیا۔ مگر رستم کو زخم
ایسے کاری لگ گئے تھے کہ جان بری کی کوئی امید نہ تھی۔ دیکھا تو شغاد کا چہرہ
بشاش تھا۔ کہا "افسوس تیری مدد کے لیے مین یہان آیا اور تو ہی نے دغابازی
کی!" شغاد کو رستم کی موت کا یقین تو ہو ہی چکا تھا جواب دیا "رستم! تیری
یہی سزا تھی۔ اس لیے کہ تو نے دنیا مین بڑی خون ریزی کی ہے۔"

مگر شاہ کابل نے کہا "مین چلیے نوشدارو پلا کے آپ کو ابھی اچھا کر دون"
رستم نے جوش کے ساتھ کہا "اپنی نوشدارو رہنے دے۔ مجھے ضرورت نہین۔
میرے مرنے کا وقت آگیا۔ دنیا مین کوئی ہمیشہ رہنے کو نہین آیا ہے۔ ان
آنکھون کے دیکھتے ہی دیکھتے کیسے کیسے بادشاہ دنیا سے رخصت ہوگئے۔ مین تو
اورون کے اعتبار سے زیادہ جیا۔ اب مجھے زندگی کی آرزو نہین ہے۔ مگر ذرا
میرے تیر و کمان اُٹھا دو کہ کسی درندے کو اپنے قریب نہ آنے دون۔" اس پر
شغاد ہنسا۔ اور تیر و کمان اُٹھا کے لا دیے۔ رستم نے فوراً تیر کو کمان مین رکھ کے
اُس کا رُخ شغاد کی طرف پھیرا تو وہ بھاگ کے ایک تناور درخت کی آڑ مین

ہو گیا۔ مگر رستم نے سارے جسم کا زور لگا کے ایک ایسا زبردست تیر مارا کہ درخت کو چھید کے شغاد کے سینے میں ترازو ہو گیا۔ شغاد نے اُسی جگہ گر کے جان دیدی اور رستم نے خوش ہو کے کہا "بس میں نے اپنا بدلہ لے لیا۔ اور اب بہت خوشی سے جان دوں گا"۔ یہ کہتے ہی اُس نے بھی دَم توڑ دیا۔ اور سارے سیستان میں کہرام مچ گیا۔ رستم کے بھائی اور ہمراہیوں کا بھی یہی انجام ہوا۔ صرف ایک شخص بھاگ کے سیستان پہونچا اور خبر کی۔ زال اور رستم کی ماں نے سنتے ہی ماتم کرنا شروع کر دیا۔ اور ہر طرف پٹس پڑ گئی۔ فرامرز بڑے غیظ و غضب کے ساتھ کابل پہ چڑھ آیا۔ شاہ کابل مقابلے کی کیا تاب لا سکتا تھا؟ بھاگ کے پہاڑوں میں چھپ رہا۔ اور فرامرز نے جب کسی کو نہ پایا تو اُس شکارگاہ میں گیا جہاں رستم و زوارہ اور اُنکے ہمراہیوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ مگر جا کے دیکھا تو سارے گوشت و پوست کو درندے اور مردارخوار طیور کھا گئے تھے۔ فقط ہڈیوں کے ڈھانچے باقی تھے۔ جنھیں تابوتوں میں رکھ کے بڑے کروفر کے ساتھ سیستان میں لائے۔ اور آغوش لحد کے سپرد کیا۔ اس بے گور و کفن لاشوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد پھر فرامرز نے کابل پر حملہ کیا اور اس طرح یکایک جا پہونچا کہ شاہ کابل کو بھاگنے کا وقت نہ ملا۔ چنانچہ فرامرز نے اُسے پکڑ کے قتل کر ڈالا۔ اور سیستان کی حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔

بہمن رستم کے مرتے ہی ایران واپس گیا۔ اور دادا کے مرنے پر وارث تاج کیانی ہوا۔ اُس نے تخت پر قدم رکھتے ہی ارادہ کیا کہ اپنے باپ کے خون کا بدلہ رستم کے خاندان سے لے۔ چنانچہ ایک زبردست لشکر لے کے سیستان پر چڑھ آیا۔ اور بوڑھے زال کو گرفتار کر لیا۔ فرامرز اُس کے مقابل صف آرا ہوا۔ اور بڑی سخت لڑائی ہوئی جس میں فرامرز کی قوت بڑھتی ہی جاتی تھی اور قریب تھا کہ لشکر عجم کو شکست ہو کہ یکایک ایک آندھی آئی جس کا رُخ فرامرز کے لشکر کی طرف تھا۔ دم بھر میں سارا سیستانی لشکر تباہ ہو گیا۔ رستم کے تمام اعزا و اقارب اور زابلستان کے نامی گرامی پہلوان مارے گئے۔ اور بہمن کو فتح حاصل ہوئی۔

فتح کے بعد بہمن کو زال کی التجاؤن اور اُس کے بڑھاپے پر ترس آیا ۔ تاج بخشی کی ۔ اور پھر اُسے فرمان رواے سیستان بناکے واپس گیا ۔ اس واقعے نے رستم کے خاندان کو بالکل فنا کر دیا ۔ اور چند روز بعد جب زال بھی مرگیا تو سام کی نسل کا کوئی شخص دنیا مین نہ تھا ۔

حاجی ریاض الدین احمد

(۱)

ہماری صحبت مین اکثر زندۂ جاوید انجہانیون اور بقاے دوام کا جام پینے والے غیر فانیون کا تذکرہ رہا کرتا ہے ۔ ابکی جی چاہتا تھا کہ حریفان صحبت کو اپنے کسی زندہ دوست کی تصویر دکھائین ۔ اتفاق سے حاجی ریاض الدین احمد صاحب ملنے کو آگئے ۔ اور قرعۂ انتخاب اُنھین پر پڑ گیا ۔ اس لیے کہ ہمارے ہمہ گیر و ہرفن دوست حاجی صاحب مین کچھ ایسی دلکش نیرنگیان ہین کہ جب کبھی اُن کی صورت نظر آئی بے اختیار زبان سے یہ مصرعہ بھی نکل گیا ۔

ہر لحظہ بہ شکل دگر آن یار بر آمد

زبان پر لاتے ڈر لگتا ہے کہ لوگ ہمین مشرک نہ کہدین مگر دل سے یہ خیال نہین مٹ سکتا کہ حضرت رب العزت کی صفت لاہوتی " کل یوم ہو فی شان " جس تکمیل کے ساتھ ہمارے حاجی صاحب کی صورت زیبا سے نمایان ہوتی ہے کہین اور نہین دیکھی گئی تھی ۔

طبقات اولیا مین اقطاب اوتاد اور ابدال وغیرہ مختلف صفات کمال کے حاملان باطن بتائے جاتے ہین جن مین سے ابدال کی یہ شان سُنی گئی ہے کہ کسی جگہ یا کسی حال پر اُنھین قرار نہین آتا ۔ اُنھین سُنا اور حاجی صاحب کو دیکھا ۔ آپ عالم پالٹکس یا مسلمانون کی تمدنی دنیا کے اُن بے بدل ابدال مین ہین جن کا شعار رہے

" درویش روان رہے تو بہتر آب دریا بہے تو بہتر "

سچ یہ ہے کہ حاجی صاحب اگر دنیا کے عہد اولین مین ہوتے جب ممتاز و

نامور ایسا نے زمین کسی خاص صفت میں صاحب کمال ہونے کے باعث اُس صفت کے دیوتا بن جایا کرتے تھے۔ تو جس طرح کوئی عشق کا۔ کوئی حسن کا کوئی علم کا۔ کوئی دولت کا۔ کوئی صلح کا۔ کوئی لڑائی کا دیوتا بنا ہمارے حاجی صاحب بالاتفاق انقلاب پسندی و بیقراری کے مسلم الثبوت دیوتا بن جاتے ایسے نامور دوست کے حالات نہ لکھے جاتے تو بڑا ظلم تھا۔ اور دراصل گھڑی گھڑی کی جدت طرازیوں کی وجہ سے جو لطف اور مزہ آپ کی لائف میں ہے کسی لائف میں نہیں ہو سکتا۔

حاجی صاحب اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ۔ پکے مسلمان۔ سچے دیندار۔ پاک باطن و ستودہ کردار۔ خلیق و متواضع۔ فیاض و ہمدرد۔ اور پُرجوش ہی خواہ قوم واقع ہوئے ہیں۔ ان تمام صفات نے اُن کے اخلاق میں ایسی دلکشی پیدا کر دی ہے کہ جو دیکھتا ہے آنکھیں بچھانے لگتا ہے۔ مگر دو ہی چار روز کے اندر جہاں اُن کی طبیعت میں روانی آئی پھر اُن کا روکنا ہوا کا مٹھی میں تھامنا ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ وہ کہیں اور جا پہونچتے ہیں اور اُن کا شیدا ہاتھ مَل کے رہ جاتا ہے۔

ہمدردی قوم نے اُنھیں دنیا کا سب سے بڑا انجمن باز بنا دیا ہے۔ اور انقلاب پسندی نے ایک "جنرل اُمیدوار" جو سب سے زیادہ کامیاب ہو۔ کوئی نوکری ہو اُس کے اختیار کرنے کو وہ ہر وقت تیار رہیں۔ اور کمال یہ کہ اگر کسی انجمن اور کمیٹی میں ملیے تو اُن کی پُرشکن پیشانی۔ آتش بار آنکھوں غضبناک لہجے۔ اور شعلہ فگن الفاظ سے شان جلالی ہویدا ہوتی ہے۔ اور چشم دایرو بقول مصنف اندر سبھا امانت مرحوم کے کہتے ہوتے ہیں ع "شعلہ ہوں بھبھو کا ہوں غضب ہے مرا غصہ" لیکن چند ہی منٹ بعد کسی پرائوٹ صحبت اور خلوت کی مُغرا میں دیکھیے تو نہے بڑے منکسر المزاج بُردبار۔ ایسے سچے جان نثار اور ملنسار۔ اور شان جمالی کی ایسی جادو بھری تصویر نظر آئیں گے کہ جواب نہ ہوگا۔ حاجی صاحب صدہا مقاموں اور شہروں میں رہے ہیں۔ اور جہاں چار روز بھی رہے لوگوں کو اُبھار کے کوئی نہ کوئی انجمن ضرور قائم کر دی۔

گذشتہ تیس پینتیس برس مین جتنی کانفرنسین - کانگریسین - اور کمیشیان ہوئی مین قریب قریب سب مین ہمارے حاجی صاحب شریک ہوے - اور جب جب ضعف کی قوت غالب آگئی تو سوا اسکے کہ معزز قسم کی ریٹیرمنٹ اختیار کی ہو کبھی سرنڈ نہین ہوے - پسپائی اختیار کر لی گر ہتھیار نہ رکھے -

حاجی صاحب کا وطن مالوف یا آپ کے دائرۂ تغیرات کا مرکز بریلی کا مردم خیز خطہ ہے - آپ کے والد بزرگوار مولوی حکیم محمد ابراہیم صاحب بدایون کے ہائی اسکول مین ہیڈ مولوی تھے - غالباً حدود ۱۸۵۵ء مین حاجی صاحب پیدا ہوے - اس لیے کہ ۱۸۷۵ء مین جب بریلی کو چھوڑا ہے تو بیس سال کی عمر تھی - تعلیم پہلے بریلی کے اسکول مین پائی - پھر وہان کے کالج مین آئے - اور وہین کے بورڈنگ ہاؤس مین قیام اختیار کیا - بورڈنگ مین اور بھی دس بارہ مسلمان لڑکے تھے - جن کو ملا کے اور دوست بنا کے ہمارے دوست نے طلبہ کی ایک انجمن قائم کی - اُس انجمن مین پہلی شان جلالی آپ سے یہ ظاہر ہوئی کہ ایک رزولیوشن پاس کرا دیا کہ جمعے کے دن نماز کے لیے چھٹی ملنے کی پرنسپل سے درخواست کی جائے - مسٹر ٹمپلٹن پرنسپل نے اُس درخواست کے قبول کرنے سے قطعی انکار کیا - اُس پر آپ نے سب لڑکون مین ایسا جوش پیدا کر دیا کہ کالج کے لڑکے نماز جمعہ کے وقت خود ہی کلاس سے اُٹھ کے چلے آئے - اور اسکول کے بہت سے چھوٹے مسلمان لڑکون کو بھی لگا دیا جنھون نے یہ طریقہ اختیار کر لیا کہ جمعے کے دن جو مسلمان لڑکا کلاس مین چلا جاتا اُس کی خوب مرمت کرتے - اور ڈھیلے مار مار کے اسکول چھوڑنے پر مجبور کر دیتے - لڑکون کی یہ سرکشی دیکھ کے مسٹر ٹمپلٹن کو بڑا غصہ آیا - اور سختیان کرنے لگے - تب آپ نے ایک عرضی ڈائرکٹر صاحب کے پاس بھیجی اور اسکول کی مضطربانہ حالت لکھی - وہ گھبرا کے خود دوڑے آئے - مقدمے کی تحقیقات کی - مسٹر ٹمپلٹن کو سختی سے روکا - لڑکون کا قصور معاف کیا - اور تمام اضلاعِ ممالک متحدہ مین حکم بھیجا کہ "ہر جمعے کو ایک بجے سے دو بجے تک کل کالجون اور اسکولون مین مسلمان لڑکون کو نماز کے لیے چھٹی دیدی جایا کرے" اس طریقے سے آپ اپنے اُس پہلے معرکے مین کامیاب

ہوئے اور سارے ممالک متحدہ مین آپ کی یہ پہلی برکت نمودار ہوئی جس کی جتنی قدر کی جائے کم ہے۔

۱۸۷۵ء مین آپ نے کالج چھوڑا تھا۔ ۱۸۷۶ء کے آغاز ہی مین مارہرہ ضلع ایٹہ کے ایک امدادی مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوگئے۔ اس کو چند ہی روز ہوئے تھے کہ گورنمنٹ نے اُس مدرسے کی امداد بند کردی اور وہ ٹوٹ گیا۔ ہمارے دوست کی عام انگریزی دانون کے خلاف یہ حالت تھی کہ مسلمانون کی وضع ولباس مین رہتے۔ مسجدون اور خانقاہون مین آمدرفت رکھتے۔ مساجد مین جا جاکے اذانین دیتے۔ اور جوش دینداری سے سید شاہ آل رسول صاحب مارہروی کی خدمت مین اکثر آیا جایا کرتے۔ اُن کے حالات واوقات اور مشاغل کو دیکھا تو عقیدت پیدا ہوئی۔ اور اُن کے مُرید ہوگئے۔ وہ انگریزی تعلیم کے رواج کا ابتدائی زمانہ تھا۔ لوگ انگریزی دانون کو بُرا سمجھتے تھے۔ اور اُن سے ملنا جلنا تک پسند نہ کرتے۔ ہمارے دوست مولوی ریاض الدین نے اپنے اخلاق وعادات سے انگریزی دانی کا ایک ایسا مقبول عام نمونہ پیش کیا کہ لوگون کو انگریزی کی طرف سے جو وحشت ونفرت تھی کم ہونے لگی اور اکثر امرا وشرفا آمادہ ہوگئے کہ اپنے لڑکون کو بھی اسی نمونے پر انگریزی کی تعلیم دین۔

مگر مارہرے کی ماسٹری۔ ارادت۔ اور تمام باتون کا خاتمہ ایک ہی سال کے اندر ہوگیا۔ ۱۸۷۶ء مین اُس صحبت کو چھوڑکے میرٹھ پہونچے۔ اور جاتے ہی وہان کے گورنمنٹ ہائی اسکول کے تھرڈ ماسٹر مقرر ہوگئے۔ گر چار ہی پانچ مہینے مین دل اُچاٹ ہوگیا۔ اتفاقاً گورنمنٹ گزٹ کے کسی نمبر پر نظر پڑ گئی۔ اور اس مضمون کا اعلان دیکھا کہ جو لوگ انجینئرے پاس ہون اُنھین فوجی رکروٹون کے مدارس مین جگہ دی جائیگی۔ اُن کا شمار فوجی لوگون مین ہوگا۔ اُنھین برابر فوجی گریڈ ملتے رہین گے۔ اور ماہوار کے علاوہ اُنھین الاؤنس بھی دیا جائے گا۔ یہ اشتہار دیکھتے ہی بلا تکلف درخواست بھیجدی۔ منظوری مین بھلا کیا دیر ہوسکتی ؟ فوراً، رنگال کیولری (رسالہ) مین ماسٹر مقرر ہوگئے۔

اور مرار کی چھاؤنی مین قیام ہوا - مگر اب یہان شان ہی اور تھی - عبا قبا اُتار کے وردی ڈانٹی - بندوق کندھے پر رکھی - اور قواعد کرنے لگے - لیکن یہ فوجی زندگی اختیار کیے تین ہی مہینے ہوے تھے کہ دل گھبرایا ایڈجوٹنٹ سے جا کے کہا ہمارا ارادہ ہے کہ نوکری چھوڑ کے چلے جائین - اُس نے کہا "یہ فوج ہے کوئی اسکول نہین - آپ نے کیمپ سے اپنا قدم باہر نکالا اور کورٹ مارشل ہوا - تین سال کا معاہدہ ہے - اس مدت کے اندر آپ کہین جا نہین سکتے" درحقیقت ہمارے دوست کے لیے یہ بڑی سخت مصیبت کا وقت تھا - جس پر تمام ناظرین کو اُن سے ہمدردی کرنی چاہیے - پارے کا سودا تھا - رسیان تڑاتے تھے اور نہ ٹوٹتی تھین - خدا خدا کر کے وہ قیامت کے تین سال جو تین قرنون کے برابر تھے ختم ہوے - پارے کی بستہ گولی مین پھر حرکت پیدا ہوئی - یعنی آپ کو آزادی نصیب ہوئی -

اس عذاب سے چھوٹتے ہی چرچ مشن ہائی اسکول میرٹھ مین سکنڈ ماسٹر ہو گئے - اس تعلق کو چھ ہی مہینے ہوے تھے کہ کسی سے سُنا اُن کے ہم وطن دوست منشی رضا حسین صاحب ریاست جاؤرہ مین ہیڈ ماسٹر ہین - بے تکلف نوکری چھوڑ کے وہان پہونچے - اور منشی صاحب نے سکنڈ ماسٹر مقرر کرا دیا - مگر پورا ایک سال نہین گذرنے پایا تھا کہ جی گھبرایا - اتفاقاً اودھ اخبار مین دیکھا کہ منشی نولکشور صاحب کو اپنے اخبار کے لیے انگریزی اخبارات کا ترجمہ کرنے والون کی ضرورت ہے - چپکے ہی چپکے خط و کتابت سے طے کیا - اور یک بیک بغیر کسی سے ملے ٹلے جاورے سے جو اُڑتے ہین تو لکھنؤ مین آ کے دم لیا - اور اسسٹنٹ ٹرنسلیٹر اودھ اخبار مقرر ہو گئے - اُن دنون ہمارے مجدد السنۂ مشرقیہ مولانا شوکت اودھ اخبار کے ایڈیٹر تھے -

مگر حاجی صاحب کا دل مترجمی سے چھ ہی مہینے مین اُکتا گیا - اور یکایک اودھ اخبار کا تعلق چھوڑ کے چرچ مشن اسکول لکھنؤ مین سکنڈ ماسٹری حاصل کر لی - اُن دنون آپ نے آغا میر کی ڈیوڑھی پر ایک انجمن قائم کی - اور ایک بہت ہی پر جوش جماعت اپنی ہم مذاق و ہم خیال پیدا کر لی تھی کہ وحشت کا زور ہوا - چرچ مشن مین مشکل سے تین مہینے پڑھایا ہوگا کہ سُنا بانکی پور پٹنہ کے ایک دولتمند مسلمان مولوی فضل الرحمن صاحب رئیس ڈومری کو انگریزی کتابون کے

ترجمے کے لیے کسی مسلمان مترجم کی ضرورت ہے ۔ خاموشی کے ساتھ طے کر لیا۔ اور یک بیک احباب لکھنؤ سے کہا "تم رہو یہان ہم تو اپنے گھر چلے"

بانکی پور پہونچے ۔ مولوی فضل الرحمن بہت اخلاق سے پیش آئے ۔ اور پندرہ بیس روز بعد اپنے علاقے ڈومری مین لے گئے ۔ وہان اُنکے مکان کے پاس ایک تالاب تھا جس مین آب کشی کے لیے اُنھون نے ایک انجن لگا رکھا تھا۔ گھر پہونچ کے دیکھا کہ انجن بگڑا ہوا ہے ۔ حاجی ریاض الدین صاحب سے کہا "مولانا۔ آپ ہی تکلیف کر کے کہین سے مستری بُلا لائین"۔ کہا "بہت خوب"۔ اور مستری کی تلاش مین نکلے ۔ راستے مین اپنے دل مین کہا "اچھے رہین سلے ۔ بُلایا تو کتابون کا ترجمہ کرانے کو ہے اور کام یہ لیا جاتا ہے کہ مستری بلا لاؤ"۔ یہ خیال آنا تھا کہ اسباب وہین چھوڑا اور خیز بو کرتے ہین تو بمبئی مین تھے ۔

بمبئی مین پہونچنے کی دیر تھی ۔ نوکری تو ہمیشہ اُن کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی رہتی ہے ۔ فوراً مدرسہ انجمن اسلام بائدھونی کے فرسٹ اسسٹنٹ ماسٹر ہو گئے ۔ اور مقامات کی بہ نسبت یہان دل ذرا زیادہ لگا کہ ایک سال تک ٹِک گئے ۔ اور اسی زمانۂ قیام مین آپ نے بمبئی سے اخبار "خیر خواہ اسلام" نکالا اور ایک انجمن تہذیب قائم کی ۔ ان علمی کامون مین مصروف تھے کہ سُنا سکندرآباد دکن مین ایک محمڈن کالج ہے اور اُسکے لیے پرنسپل کی ضرورت ہے ۔ درخواست بھیجدی ۔ جواب آیا کہ آپ کا تقرر ہو گیا فوراً آئیے ۔ سب چھوڑ چھاڑ کے سکندرآباد مین پہونچے مگر اپنا اخبار ساتھ لیتے گئے ۔ جو ایک ٹریولنگ اخبار (سفری اخبار) کی شان سے مدتون آپ کی رفاقت کرتا رہا ۔ سکندرآباد پہونچ کے اُس محمڈن کالج کو دیکھا تو اُس مین صرف مڈل کلاس تک کی پڑھائی ہوتی تھی ۔ یہ زمانہ سرسالار جنگ اول کا تھا ۔ حیدرآباد کی سیر کے شوق مین دس گیارہ مہینے تک اُس کالج کی پرنسپلی نباہ دی ۔ مگر اتنی مدت گذرنے کے بعد یکایک جو دل گھبرایا تو گھر کی سیدھی راہ لی ۔

اثنائے سفر مین کڑے کے مولوی فریدالدین صاحب سے ملاقات ہوئی ۔ اُنھون نے بیان کیا کہ "مین نے کڑے مین ایک مدرسہ جاری کیا ہے اُسکے لیے ایک ہیڈ ماسٹر

کی ضرورت ہے ۔" کہا "مین حاضر ہون ۔" باتون باتون مین ایجاب و قبول ہو گیا اور آپ اُن کے ساتھ کرٹے مین پہونچے ۔ وہان جا کے کیا دیکھتے ہین کہ ایک یورشین ہیڈ ماسٹر صاحب پہلے سے موجود ہین ۔ اُن کو جواب نہ دیا گیا اور حاجی صاحب مقرر کر لیے گئے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسکول مین دو ہیڈ ماسٹرون کے احکام ہونے لگے ۔ جن کے مقابلے اور اختلاف نے آیۂ کریمہ " لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا " کا سمان باندھ دیا ۔ اور مولوی فرید الدین صاحب کو مروت نے ایسا کمزور بنا دیا تھا کہ دونون مین سے کسی کو بھی جواب دیتے نہ بنتی تھی ۔ کئی مہینے تک یہی رنگ رہا ۔ آخر وہ یورشین ہی اس دوعملی کو برداشت نہ کر سکا ۔ خود ہی نوکری چھوڑ کے چلا گیا ۔ اور حاجی صاحب بلا شرکت غیرے کشتی مدرسہ کے ناخدا بنے ۔ لیکن رقیب کے جانے کے چند ہی ماہ بعد آپ کا بھی دل اُچاٹ ہو گیا ۔ گھر یاد آیا ۔ اور چل کھڑے ہوے ۔

چند مہینے گھر مین رہے ۔ اسی اثنا مین ایک بار علیگڈھ سے بریلی آتے ہوے چندوسی مین اُتر پڑے ۔ اُن دنون اودھ روہیلکھنڈ ریلوے کے ٹریفک سپرنٹنڈنٹ کا قیام چندوسی ہی مین رہتا تھا ۔ اسٹیشن سے اُترتے ہی اُس کے پاس پہونچے ۔ ملے ۔ اور صورت دیکھتے ہی کہا " کیون صاحب ۔ مسلمانون کو قابل ہونے پر بھی آپ کے محکمے مین کیون جگہ نہین ملتی ؟ یہ آپ کا عتاب ہے یا گورنمنٹ کا ؟" اُس نے کہا " ان باتون سے کیا حاصل ؟ یہ بتایئے کہ کیا آپ نوکری چاہتے ہین ؟" کہا " نہ چاہتے تو آتے کیون ؟" اُس نے ہیڈ کلرک کے پاس رقعہ بھیجا کہ کوئی جگہ خالی ہو تو بتاؤ ۔" آپ نے اُس سے کہا " بیکار ٹالنے اور میرا اور اپنا وقت ضائع کرنے سے کیا حاصل ہے ؟ چونکہ مین امیدوار ہون لہذا یہی جواب آنے گا کہ کوئی جگہ نہین ہے ۔" اُس نے کہا " ذرا دم لیجیے ۔ جب ایسا جواب آئے گا تب ہی دیکھا جائیگا " حسن اتفاق سے انکی پیشین گوئی پوری ہوئی اور یہی جواب آیا کہ " فی الحال کوئی جگہ خالی نہین ہے ۔" اُس نے فوراً ایک نئی جگہ تصنیف کی اور ان کو کلرک اسٹیشن ماسٹر بنا کے بریلی بھیجدیا ۔ جہان پہونچکر آپ نے فوراً کام کا چارج لے لیا اسکے بعد جمعے کا دن جو آیا تو انھون نے یوروپین اسٹیشن ماسٹر بریلی سے چھٹی مانگی

وہ خوش مزاج اور نیک آدمی تھا۔ ہنس کے کہا "یہ مدرسہ یا اسکول نہیں ہے میں اتوار کو کام کرتا ہوں تم جمعے کو کام کرو"۔ کہا "جناب یہ مذہبی معاملہ ہے۔ میں ایسی نوکری نہیں کرتا"۔ اور اُسی وقت اپنے گھر کا راستہ لیا۔

ایک مہینے بعد ہائی اسکول پیلی بھیت کے ہیڈ ماسٹر ہو گئے۔ وہاں پانچ ہی مہینے پڑھایا تھا کہ ایک سرکاری اشتہار نظر سے گذرا جس میں الہ آباد ہائیکورٹ کے لیے مترجم کی ضرورت ظاہر کی گئی تھی۔ آپ نے درخواست کی وہ منظور ہوئی اور آپ الہ آباد پہونچے۔

اس تعلق کو پورا سال نہیں ہوا تھا کہ سُنا کراچی میں آخوند حسن علی وکیل ٹرسٹی کانسل علیگڈھ کالج کے اصول پر ایک محمڈن کالج کھولنا چاہتے ہیں۔ بے تکلف کراچی میں جا دھمکے۔ اور اُس نئے اسلامی مدرسے کے فرسٹ اسسٹنٹ ماسٹر مقرر ہو گئے اب آپ کا وہ ٹریولنگ اخبار کراچی سے نکل رہا تھا جس نے سال بھر وہاں دوکا۔

اس اثنا میں سُنا کہ رنگون کے مدرسہ اسلامیہ میں ایک ماسٹر کی ضرورت ہے درخواست بھیجدی۔ اور وہاں بُلائے گئے۔ مگر اُدھر کا قصد کرنے سے پہلے وطن مالوف میں آئے۔ اب آپ کے مرشد کا وصال ہو چکا تھا۔ اُن کے مزار پر انوار پر فاتحہ پڑھنے کے شوق میں مارہرے کی راہ لی۔ سفر رنگون کے شوق میں وہاں زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ نہ تھا۔ مگر دھوبی کو کپڑے دیے اور اُس کمبخت نے کپڑے لانے میں دیر لگائی۔ مجبوراً دو چار دن وہاں قیام کرنا پڑا۔ اور پرانے احباب سے ملے۔ ان کی صورت دیکھ کے مارہرے والوں کو پھر تعلیم کا شوق ہوا۔ اور چندے سے ایک مدرسہ کھول ہی دیا۔ اب آپ کو رنگون کیوں یاد آنے لگا تھا اُس کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہو گئے۔ یہ مدرسہ غازی الدین حیدر کی کوٹھی میں کھولا گیا۔ اور بفضلہ تعالیٰ آج تک قائم ہے۔ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب اُس کے بڑے مربی ہیں۔ اور محمد امین صاحب ڈپٹی کلکٹر کی سعی مشکور سے ریاست بھوپال سے پچاس روپئے ماہوار مقرر کرا دیے۔ لیکن دراصل یہ مدرسہ ہمارے حاجی صاحب کے مارہرے کے ایک پھیرے کی یادگار ہے

(۲)

ارہے ہیں اگرچہ دینی کشش بھی ہوئی تھی اور ہمارے مولانا کو اُس مبارک خطے سے دلی عقیدت کا تعلق تھا مگر یہ ممکن نہ تھا کہ وہاں کا جذب اُنھیں چند ماہ سے زیادہ روکتا۔ وحشت دل جو بڑھی تو یک بیک چل کھڑے ہوئے اور جاکے نصیر آباد کی چھاؤنی میں دم لیا۔ وہاں بھی خوش نصیبی سے نوکری ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ مشن اسکول کے سکنڈ ماسٹر مقرر ہوگئے۔

وہیں قیام تھا کہ اجمیر شریف کا عرس ہوا۔ آپ بغرض حصول ثواب وہاں تشریف لے گئے۔ اور خواجہ صاحب کے مزار پُرانوار کے سامنے درگاہ رب العزت میں یہ التجا کی کہ "خداوندا کوئی ایسا سامان کر کہ مجھے اپنے پورے خاندان کے ساتھ سفر حجاز اور اداے حج کا موقع ملے"۔ اتفاقاً اُن دنوں ٹامس کوک اینڈ سنز نے حاجیوں کے جدے لے جانے اور لانے کا ٹھیکہ لیا۔ اور کسی تعلیم یافتہ مسلمان منتظم کے لیے اخباروں میں اشتہار دیا۔ آپ نے دیکھتے ہی درخواست بھیجدی۔ جو منظور ہوئی۔ اور آپ کمپنی کے ملازم اور روانگی حجاج کے منیجر ہوگئے۔ ایک ہی سال کے اندر مکۂ معظمہ کے مطوفوں اور معزز عہدہ داران جدہ سے خوب راہ و رسم ہوگیا۔ اور دوسرے برس موسم حج میں آپ نے اپنے اور اپنے خاندان کی تمام بیبیوں اور بچوں کے لیے فرسٹ کلاس کے ٹکٹ اپنے حق الخدمت کے معاوضے میں طلب کیے جو بخوشی عطا کیے گئے۔ اور آپ اپنے گھر کی چوٹی چوٹی کو ساتھ لے کے بڑی عزت کے ساتھ مقدس ارض حجاز میں پہونچے۔ نہایت اطمینان کے ساتھ حج کیا۔ مطوفوں نے جدے میں آکے بڑے جوش و خروش سے استقبال کیا۔ حج کرایا۔ اور مدینۂ منورہ تک ساتھ گئے۔ تاکہ راہ میں کسی بات کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ غرض بڑی کامیابی کے ساتھ حج مبرور و زیارت تربت رسول اکرم سے شرفیاب ہوکے وطن مالوف میں واپس آئے۔

مگر ٹامس کک کی نوکری گویا حج کرنے ہی کے لیے تھی۔ عرب سے واپس آتے ہی ترک تعلق کرلیا۔ کمپنی نے ہزار روکا۔ سمجھایا۔ بڑے بڑے لالچ دلائے مگر ایک نہ سُنی اور گھر میں آکے بیٹھ رہے۔

اُن دنون ریاست رامپور مین تمام اختیارات جنرل اعظم الدین خان کے ہاتھ مین تھے۔ آپ سے اُن سے پہلے کی شناسائی تھی۔ جا کے اُنھین اپنے تعلیمی تجربون سے آگاہ کیا۔ اُنھون نے آپ کو ریاست کے جملہ مدارس کا انسپکٹر جنرل مقرر کر دیا۔ لیکن چند ہی مہینے اس خدمت کو انجام دیا تھا کہ سُنا راجہ صاحب محمود آباد نے لکھنؤ مین ایک مدرسۂ اسلامیہ قائم کیا ہے۔ اور نہایت ہی کریم النفسی و بے تعصبی سے اُس مین شیعہ و سُنّی دونون فریقون کے بچون کو تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ مژدہ سُنتے ہی دل مین جوش پیدا ہوا تو بے تکلف رامپور چھوڑ کے لکھنؤ مین آ پہونچے۔ اور اُس مدرسے کے سکنڈ ماسٹر مقرر ہو گئے۔ یہ مدرسہ رفاہ عام کی عمارت مین کھلا تھا۔ اور کھلتے ہی بہت سے مسلمان لڑکے اُس مین شریک ہو گئے تھے۔ حاجی صاحب نے سال بھر اس مدرسے مین تعلیم دی تھی کہ لکھنؤ سے جی بھر گیا۔ نوکری چھوڑ کے بھیکم پور ضلع علیگڈھ مین پہونچے۔ اور وہان کے رئیس اعظم عبد الشکور خان صاحب مرحوم کے پوتون محمد صالح خان۔ محمد عابد خان۔ اور محمد عمر خان کے اتالیق مقرر ہو گئے سال کے اندر ہی یہ تعلق بھی چھوڑ دیا۔ اور رُڑکی کے متصل قصبۂ منگلور مین پہونچکے وہان کے رئیس قاضی ناظم حسن صاحب کے فرزند کے اتالیق مقرر ہو گئے۔

منگلور مین تھے کہ سُنا جبل پور کی انجمن اسلامیہ کو ایک ہیڈ اسسٹنٹ سکرٹری کی ضرورت ہے۔ بے تکان اُدھر کی راہ لی۔ جاتے ہی اُس خدمت پر مامور ہو گئے۔ اور انجمن کا کام انجام دینے لگے۔ چند روز مین اس نوکری سے بھی جی ہٹ گیا۔ گھر واپس آئے۔ جہان سے حسن عقیدت پھر آہرے لے گیا اور جاتے ہی پھر وہان کے مدرسۂ اسلامیہ کے ہیڈ ماسٹر ہو گئے۔

اس زمانے مین اتفاقاً بھوپال کے نواب سلطان دولہا مرحوم کے اُستاد مولوی حکیم علاء الدین صاحب بھیکم پور مین مولوی عبد الشکور خان صاحب کے مہمان تھے۔ اُنھون نے ایک دن بسبیل تذکرہ کہا کہ ”ولیہ عہد بھوپال نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ (حال والیۂ بھوپال) کو اپنے فرزند اکبر نواب صاحبزادہ نصر اللہ خان بہادر کے لیے ایک ایسے اتالیق کی ضرورت ہے

جو انگریزی دان ہونے کے ساتھ خوش عقیدہ ہو - دیندار ہو - پابند شرع ہو - اور وضع قطع بھی مسلمانوں کی سی رکھتا ہو" عبد الشکور خان صاحب مرحوم بڑے پختہ مغز رئیس تھے - اور حاجی صاحب کے حالات و خیالات سے بخوبی واقف تھے - کہا " یہ تمام صفات تو حاجی ریاض الدین احمد صاحب سے زیادہ کسی میں نہیں ہیں" حکیم صاحب نے بہت اشتیاق ظاہر کیا - اور عبد الشکور خان صاحب نے حاجی صاحب کو مارہرے سے بلا کے پیش کر دیا - حکیم صاحب اُن کو دیکھ کے بہت خوش ہوے - اور کہا " آپ بھوپال کی اس ملازمت کو پسند کریں گے ؟" حاجی صاحب کی تو شان ہی یہ تھی کہ جس طرح نوکری چھوڑنے میں آندھی ہیں اُسی طرح ہر نوکری کے قبول کرنے کو بھی تیار رہا کرتے ہیں - فوراً ملازمت قبول کر لی - اور حکیم صاحب کے ہمراہ بھوپال پہونچے - اور بعد حال بھوپال کو تعلیم دینے لگے - مگر دل کی بیقراری کا اب بھی وہی رنگ تھا - ایک ہی سال کے اندر اس تعلق سے بھی اُکتا گئے -

چلنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ کسی سے معلوم ہوا بمبئی میں حاجی عبد اللہ عرب (میمن) کو ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو قرآن مجید کے تمام انگریزی ترجموں پر نظر ڈال کے اور غلطیاں دُور کر کے ایک ایسا ترجمہ مرتب کر دے جو عمدہ اور مستند ہو - ایسی دینی خدمت کو بھلا حاجی صاحب کیا چھوڑ سکتے تھے ؟ فوراً بمبئی میں جا پہونچے - ترجمے کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا - اور کتب خانۂ آصفیہ سے فائدہ اُٹھانے کے لیے حیدرآباد دکن میں آئے - اور چونکہ مجھ سے پرانی ملاقات تھی اسلیے اکثر ملاقات ہوا کرتی - مگر حاجی صاحب حیدرآباد دکن میں کتابوں کی ورق گردانی ہی کرتے رہے اور حاجی عبد اللہ عرب سارا کاروبار چھوڑ چھاڑ بغیر کسی کو خبر کیے ارض عرب میں چلے گئے - حاجی ریاض الدین احمد کو اپنی زندگی میں ایک یہ بزرگ البتہ ملے جن کا مرتبہ وارفتہ مزاجی میں اُن سے بڑھا ہوا تھا - جب کوئی ممد و معاون ہی نہ رہا تو خود بھی ترجمۂ قرآن کے کام سے دست بردار ہو گئے اور گھر واپس آئے -

جن دنوں حاجی صاحب ٹامس کوک کمپنی کے ملازم تھے آنریبل شاہ دین بیرسٹر

لاہور اور آنریبل ہرکشن لال بیرسٹری کے لیے انگلستان جانا چاہتے تھے - حاجی صاحب نے ٹامس کوک کے ذریعے سے اُنکے سفر انگلستان کا قابل اطمینان انتظام کر دیا تھا - اب سُنا کہ آنریبل ہرکشن لال نے ولایت سے واپس آکے لاہور مین بڑی ترقی کی - اور ایک بھارت انشورنس کمپنی قائم کی ہے جو نہایت ہی کامیابی سے چل رہی ہے - اتنا سُننا تھا کہ حاجی صاحب نے مسٹر شاہ دین کو لکھا کہ ہرکشن لال کو ہماری یاد دلائیے - اور کہیے کہ اپنی کمپنی مین ہمین بھی جگہ دین " آنریبل ہرکشن لال نے سنتے ہی بُلا لیا - اور آپ لاہور پہونچے - اُنھون نے صدر دفتر لاہور مین کمپنی کا پروبیشنری سکرٹیری مقرر کر دیا - اور جب آپ نے بیمہ کا کام سیکھ لیا تو کمپنی کی اُس شاخ مین بھیجدیا جو فیض آباد مین قائم تھی - چھ مہینے تک حاجی صاحب نے یہ ملازمت بھی کرکے دیکھ لی مگر اس مین بھی مزہ نہ آیا - اور دامن جھاڑ کے الگ ہوگئے -

ان دنون آئی ڈاکٹر حکیم محمد شریف نے اشتہار دیا تھا کہ اُنھین ایک مترجم کی ضرورت ہے - آپ نے اُن کے پاس بلا تکلف درخواست بھیجدی - جو فوراً منظور ہوئی - اور آپ نے پھر لاہور پہونچ کے دفتر اخبار وطن مین قیام کیا - اس نوکری کو مہینہ ہی بھر ہوا تھا کہ حاجی صاحب نے حکیم صاحب سے ترجمے مین مدد لینے کے لیے کوئی معمولی ڈکشنری مانگی - اُنھون نے دینے مین تامل کیا - اور حاجی صاحب بگڑ کے چلے آئے -

اُس زمانے مین انجمن تعلقداران اودھ کے انگریزی اخبار ایکسپرس کا انتظام منشی اطہر علی مرحوم کے ہاتھ مین تھا - اُنھون نے حاجی ریاض الدین احمد صاحب کو اُسکا اسسٹنٹ ایڈیٹر مقرر کرکے لکھنؤ مین بُلا لیا - آپ نے فوراً آکے کام شروع کیا - مگر چھ مہینے مین ایڈیٹری سے جی بھر گیا - اور کسی سے پتہ لگا کہ فتحپور ہنسوہ مین ایک مدرسہ اسلامیہ ہے جس کے لیے مسلمان ہیڈ ماسٹر کی ضرورت ہے - آپ نے بلا تامل درخواست بھیجدی - جو حسب معمول منظور ہوئی - اور آپ وہان پہونچ کے پڑھانے لگے - چھ ماہ بعد سُنا کہ الہ آباد مین مسٹر گمیسٹر نام ایک یوروپین کسی ایسے اُستاد کو مستقل طور پر نوکر رکھنا چاہتے ہین جو اُنھین اُردو کا امتحان ہائیر اسٹنڈرڈ پاس

کرا دے۔ حاجی صاحب فوراً الہ آباد جاکے اُن سے ملے۔ انھون نے چالیس روپیہ ماہوار پر نوکر رکھ لیا۔ اور وعدہ کیا کہ جو انعام ملے گا وہ بھی آپ ہی کی نذر کردونگا یہ یوروپین چونکہ ٹریننگ کالج لکھنؤ کے پرنسپل مقرر ہوگئے تھے اس لیے حاجی صاحب کو اپنے ساتھ لکھنؤ مین لائے۔ اور اپنے کورس مین محنت کرنے لگے۔

اسی زمانے مین حاجی صاحب نے لکھنؤ سے "الریاض" نام ایک عربی و اُردو اخبار جاری کیا۔ اور مولوی عبد العلی صاحب آسی مدراسی مرحوم کو اُس کا منیجر قرار دیا۔ یہ اخبار مدت تک جاری رہا۔ اور حاجی صاحب چاہے کہین ہون مولانا آسی مدراسی اُسے چلاتے رہتے تھے۔ یہان تک کہ کئی سال بعد جب ہمارے حاجی ریاض الدین احمد صاحب دوبارہ حج کو گئے ہین (جس کا ذکر آیندہ آئے گا) تو مولوی عبد العلی صاحب نے اُس اخبار (الریاض) کو بند کرکے ویسا ہی اور اُسی وضع کاشان کا اخبار "البیان" خود اپنے نام سے جاری کر دیا۔

خیر یہ تو ایک ضمنی واقعہ تھا کیمشر صاحب پڑھ لکھ کے خوب تیار ہوگئے تو امتحان دینے کے لیے کلکتے گئے۔ اور حاجی صاحب کو بھی ساتھ لے گئے تاکہ امتحان کے دن تک اُن سے مدد لیتے رہین۔ کلکتے مین حاجی صاحب خان بہادر شمس العلما مولوی محمد یوسف صاحب جعفری کے مکان پر ٹھہرے۔ امتحان دینے کے زمانے تک تو مسٹر کیمشر حاجی صاحب کے بڑے دوست تھے مگر امتحان سے فارغ ہوتے ہی جیسے اُن سے کچھ سروکار ہی نہ تھا۔ اُن کو کلکتے ہی مین چھوڑا اور بے خبر کیے وہان سے غائب ہوگئے۔ حاجی صاحب کے پاس ریل کا کرایہ بھی نہ تھا کہ واپس آتے۔ اور کوئی ہوتا تو سخت پریشان ہو جاتا مگر اُنھون نے پروا بھی نہ کی اور خان بہادر مولوی ابو الحسن خان صاحب سابق جج عدالت خفیفہ کلکتہ کے پاس گئے۔ اور نوکری کی خواہش کی۔ وہ محمدن آرفیلیج پریس کے سکرٹری تھے۔ اُنھین ایک قابل اور روشن خیال مسلمان دیکھ کے اُس پریس کا سپرنٹنڈنٹ مقرر کر دیا۔ جس کام کو پانچ چھ مہینے تک آپ نے انجام دیا۔

یہان کے زمانۂ قیام مین اتفاقاً آپ سے ایک بنگالی منجم صاحب سے ملاقات ہوگئی جنھین غیب دانی اور حکم لگانے کے بڑے بڑے دعوے تھے۔ اور انڈین ڈیلی

کے شاندار لقب سے مشہور تھے۔ اُنھوں نے حاجی صاحب سے کہا" اگر آپ میرے پرائیوٹ سکرٹری ہونا منظور کریں تو ہم آپ ہندوستان کا سفر کریں۔ اور مین وعدہ کرتا ہون کہ جو کچھ ہاتھ آئے گا اُس کا پانچوان حصہ آپ کی نذر کرونگا حاجی صاحب نے دل مین کہا" سب کھیل کھیلے ہین مگر یہ نہین کھیلا۔ آؤ یہ بھی کھیل کے دیکھ لین"۔ بلاتامل منظور کرلیا۔ اور زڈکیل صاحب کے ساتھ کلکتے سے چل کھڑے ہوے۔

پہلے بنارس مین وارد ہوے۔ بدنصیبی سے مہاراجہ بنارس بیمار تھے اُن سے ملاقات نہ ہوئی۔ مایوس ہوکے آگے بڑھے۔ اور بھوپال پہونچے۔ نواب شاہجہان بیگم مرحومہ کا زمانہ تھا اور خان بہادر مولوی عبدالجبار خان صاحب وزیر اعظم ریاست تھے۔ اتفاقاً یہان بھی دال نہ گلی۔ بیگم صاحبہ بیمار تھین۔ اور وزیر صاحب ایسے لغویات مین پڑتے نہ تھے۔ یہان سے بھی بے نیل مرام نکلے۔ اور اندور پہونچے۔ یہان بھی راجہ صاحب سے ملاقات نہ ہوئی۔ وزیر صاحب نے سو روپئے دے کے منجم صاحب کو رخصت کردیا۔ اور یہ پہلی فتح تھی جو اس اُلوالعزمی کے جہاد مین نجومی صاحب کے ہاتھ آئی۔ اور اتنی ناکامیون کے بعد ہاتھ آئی تھی کہ دونون صاحبون کو غنیمت معلوم ہوئی۔ حاجی صاحب منتظر تھے کہ خمس غنیمت مجھے ملے گا۔ زڈکیل صاحب دل مین سمجھ گئے کہ یہ جو مل گیا یہ بھی غنیمت ہے اب کہین سے کچھ امید نہین۔ چپکے سے کلکتے کھسک گئے۔ اور حاجی صاحب کو بیچ منجدھار مین چھوڑ گئے۔

ناکامی مین ہمیشہ خدا یاد آتا ہے اور دین کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ چنانچہ اس نامرادی کا کچھ ایسا اثر پڑا کہ ہمارے حاجی صاحب اندور سے روانہ ہوکے ناگپور پہونچے۔ جہان مدرسے کی ماسٹری گویا آپ کے لیے خالی ہی تھی۔ آتے ہی پھر یہان کے ہیڈ ماسٹر ہوگئے۔ چند مہینے بعد وحشت دل نے اُبھارا اور علیگڈھ پہونچے۔ یہان اتفاقاً مولوی ولایت حسین صاحب سکنڈ ماسٹر کالجیٹ اسکول علیگڈھ سے ملاقات ہوئی۔ اُنھون نے صورت دیکھتے ہی کہا" آپ خوب آگئے! یہان چندے سے ایک محمڈن فری اسکول کھلا ہے۔ اور کسی اچھے ماسٹر

کے نہ ملنے سے اُس کی حالت خراب ہو رہی ہے - آپ اُس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لین گے تو سنبھل جائے گا" حاجی صاحب نے کہا "مجھے یہ خوشی منظور ہے اور اس شرط کے ساتھ کہ پہلے مہینے مین تو پچاس روپے دے دیجیے - پھر اسکے بعد مین خود ہی چندہ وصول کرکے اپنی تنخواہ نکال لیا کرون گا - چندے میں جو کچھ آئے پچاس روپے تک میرا ہوگا - اُس سے زائد جو کچھ وصول ہوگا وہ آپ کی نذر کرون گا - نہ ملنے کی صورت مین پچاس روپے کا بھی پابند نہ رہونگا دس پانچ جو کچھ ملین گے اُسی پر قناعت کرون گا" اس سے آسان شرطین کیا ہو سکتی تھین؟ مولوی صاحب نے فوراً قبول کر لین - اور پہلے مہینے کی تنخواہ پچاس روپے لا کے دے دیے - اس کے بعد مولوی ولایت حسین صاحب کو خدا جانے کسی نے کیا بھر دیا جیسا کہ حاجی صاحب سے کسی نے بیان کیا تھا کسی دل لگی باز نے اُنکے کان مین یہ ڈال دی کہ گورنمنٹ حاجی صاحب کو مشتبہ نگاہ سے دیکھتی ہے" وہ گھبرا گئے - اور دو ہی چار روز بعد ایک دن راستے مین ملے اور کہنے لگے "آپ کی تنخواہ زیادہ ہے - پچاس روپے ماہوار سُن کے منتظمین مدرسہ ناراض ہو گئے" حاجی صاحب نے کہا "مین نے تو پہلے ہی کہ دیا کہ جو کچھ وصول ہوگا اُسی پر بسر کر لون گا - دس ہون یا پانچ - پچاس روپے تو اُسی صورت مین ہین جب آمدنی کافی ہو" انھون نے کہا "یہ نہین - مین یہ چاہتا ہون کہ آپ کو مقرر ہوے جتنے دن ہوے ہون اُن کی تنخواہ وضع کر لیجیے باقی پچاس مین سے جو کچھ بچے مجھے واپس بھیجیے" اُنھون نے کہا "معقول - روپیہ اب میرے پاس کہان؟ آیا اور گیا" یہ کہتے ہی "السلام علیکم" کہ کے روانہ ہو گئے اور خدا حافظ - خوش نصیبی سے اُسی دن حاجی مولوی محمد یونس خان صاحب رئیس دتاولی ضلع علیگڈھ سے ملاقات ہوئی - اُنھین اپنے فرزند محمد اُنس خان صاحب کے لیے ایک اتالیق اور نگرانِ تعلیم کی ضرورت تھی فوراً حاجی صاحب کو نوکر رکھ لیا - یہ صاحبزادے چونکہ بلند شہر کے ہائی اسکول مین تعلیم پاتے تھے اس لیے حاجی صاحب نے بھی اُنکے ساتھ جا کے بلند شہر مین کمر کھولی - مگر چند ہی روز مین دل گھبرایا اور یکایک یہان سے جو غائب ہوتے ہین تو حسن آباد پنجاب

کی ہوا کھا رہے تھے۔

اب پنجاب میں حاجی صاحب فقط وحشتِ دل کا علاج کرنے اور سیر سپاٹے کو گئے تھے۔ دل میں آئی کہ چلو ذرا مرزا غلام احمد صاحب قادیانی سے بھی مل لیں۔ دیکھیں کس قماش کے بزرگ ہیں۔ لاہور سے روانہ ہو کے قادیان میں پہونچے۔ مرزا صاحب مرحمت و اخلاق سے ملے۔ اپنی کانگریگیشن کے رکنِ اعظم حکیم نورالدین صاحب مرحوم سے ملایا۔ اور پھر مرزا صاحب نے اپنے حجرے میں جو مسجد سے ملحق تھا اپنی خلوت خاص میں جگہ دی۔ اتنے میں نماز کا وقت آ گیا۔ حکیم نورالدین صاحب نے محراب مسجد میں کھڑے ہو کے نماز پڑھائی اور مرزا صاحب اپنے حجرے ہی میں کھڑے ہو گئے۔ نماز کی ایک رکعت ہوئی تھی کہ کیا دیکھتے ہیں مرزا صاحب نیت توڑ کے گھر کے اندر چلے گئے۔ اور حاجی صاحب سخت حیران کہ کیا اُفتاد پیش آئی جو مرزا صاحب کو نماز کی نیت توڑ دینے پر مجبور ہونا پڑا۔ نماز کے بعد حاضرین مسجد سے یہ واقعہ بیان کیا اور اس کا سبب پوچھا۔ معلوم ہوا کہ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ مرزا صاحب پر نماز میں جب کبھی وحی نازل ہوتی ہے تو آپ بیتاب ہو کے اندر چلے جاتے ہیں۔

خیر جو کچھ ہو حاجی صاحب پر مرزا صاحب کا کچھ اثر نہیں پڑا۔ اور اُنکی طرف سے زیادہ بدظن ہو کے لاہور میں واپس آئے۔ یہاں کسی اخبار میں ایک اشتہار پر نظر پڑ گئی۔ جو مولوی محمد صدیق صاحب مینیجر ایکسپرس اخبار لکھنؤ کی طرف سے تھا اور اُس میں لکھا تھا کہ "جوار لکھنؤ کے ایک معزز تعلقدار صاحب کو پرائیوٹ سکریٹری کی ضرورت ہے"۔ انھوں نے فوراً لکھ بھیجا "یہ خدمت مجھے خوشی سے منظور ہے۔ آپ ٹھیک کر کے اطلاع دیجیے"۔ اُنھوں نے تار کے ذریعے سے جواب دیا کہ "آپ کا تقرر ہو گیا۔ بے تکلف چلے آیئے۔ اور فوراً آیئے"۔ یہ تار پاتے ہی حاجی صاحب لکھنؤ میں آ گئے۔ مولوی محمد صدیق صاحب نے رات ہی کو راجہ صاحب جہانگیر آباد کی کوٹھی پر بھیجدیا۔ جہاں کھایا پیا۔ اور بڑے آرام سے سوئے۔ صبح کو آنکھ کھلی تو راجہ صاحب موصوف کا ایک آدمی سامنے کھڑا تھا۔ جس نے کہا "راجہ صاحب آپ سے بہت نادم ہیں"۔ اِنھوں نے کہا "میں نے ابھی اُنکی صورت تک تو دیکھی

نہین ۔ اُن کے نادم ہونے کی وجہ ؟" جواب ملا" جی اُنھین نے آپ کو اپنا
سکریٹری مقرر کرکے بُلایا تھا ۔ اپنے پہلے سکریٹری سے وہ ناراض ہوگئے تھے ۔ اور اُن کا
ہرگز ارادہ نہ تھا کہ اُنھین پھر اپنے پاس رکھین ۔ مگر نواب محسن الملک بہادر اور
دیگر معززین کی سفارش سے مجبور ہوگئے اور اُن کا قصور معاف کرکے پھر رکھ لیا"
یہ کہہ کے اُس شخص نے پچاس روپیہ حاجی صاحب کے ہاتھ مین رکھے اور کہا
"یہ آپ کی اس زحمت کا معاوضہ ہے" حاجی صاحب کو بھلا ایسی باتون کا کیا
خیال ہو سکتا تھا؟ بڑی خوشی سے روپے لے کے جیب مین رکھے ۔ شگفتگی سے
کڑک کے کہا "السّلام علیکم" اور راجہ صاحب کی کوٹھی سے نکل کے "ملک خدا
تنگ نیست پاے مرا لنگ نیست" کہتے ہوے شہر کی سڑکون کی ہوا کھانے
لگے ۔

لیکن اب کی لکھنؤ مین قدم ٹکانے کا موقع نہین ملا ۔ فوراً ریل پر سوار ہوکے
بھوپال پہونچے ۔ اور جاتے ہی وہان کے اسکول کے سکنڈ ماسٹر ہوگئے ۔ لیکن قبل
اس کے کہ حاجی صاحب اس ملازمت سے اُکتا کے کسی اور طرف توجہ کرین بھوپال
کا گزیٹر تیار کرنے کا اہم کام اُنکے سپرد ہوا ۔ اس تاریخی کام کو شروع ہی کیا تھا
کہ کسی سے خبر ملی حیدرآباد دکن کے مُلّا عبدالقیوم حجاز ریلوے کے لیے فراہمی چندہ
کی کوشش کر رہے ہین ۔ ایسی قومی خدمت اور ایسے کار خیر کو سنتے اور دل مین ولولہ
نہ پیدا ہوتا ؟ سب چھوڑ چھاڑ بے تکلف حیدرآباد کی راہ لی ۔ مُلّا صاحب نے حاجی
صاحب کو اپنا سفیر و نائب بنا کے مسلمانان ہند کے پاس روانہ کیا ۔ چنانچہ
اسی خدمت کے انجام دینے کے لیے آپ لکھنؤ آئے ۔ اور چند معززین شہر کو آمادہ
کرکے ایک جلسہ کیا ۔ مگر بعض حضرات نے مخالفت کی ۔ اور لوگون کا رنگ بدلا دیکھ
کے آپ برخاستہ خاطر ہو ہی رہے تھے کہ سنا پڑیانوان ضلع پرتابگڈھ کے تعلقدار جناب
شیخ احمد حسین خان صاحب مذاق کو ایک اتالیق کی ضرورت ہے ۔ بے تکلف درخواست
پیش کر دی جو منظور ہوئی اور آپ وارد پڑیانوان ہوے ۔

یہان پہونچنے کے آٹھوین دن حاجی صاحب نے ایجوکیشنل کانفرنس کی شرکت
کے لیے ایک ہفتے کی چھٹی مانگی ۔ خان بہادر نے کہا "کانفرنس کی شرکت کے لیے

تو میں چھٹی نہ دوں گا۔" انھوں نے کہا "تو میں اُس رئیس کی نوکری نہیں کرسکتا جو کانفرنس کے لیے چھٹی نہیں دیتا۔" اور بے تکلف چلے آئے۔

(۳)

اب ہمارے حاجی صاحب کو ہمارے نئے اور بانکے خان بہادر مولوی بشیرالدین صاحب ایڈیٹر البشیر سے سابقہ پڑا۔ اُنھوں نے آپ کو اٹاوے میں بلایا۔ اور اپنے اسلامیہ ہائی اسکول کا تھرڈ ماسٹر اور اسلامی بورڈنگ ہاؤس کا منتظم مقرر کرلیا۔ مولوی بشیرالدین آپ کی شان بیقراری سے خوب واقف تھے کہا "اب آپ یہیں رہیں اور یہیں مریں۔ بورڈنگ ہاؤس کے صحن میں آپ کی قبر بنے گی اور اُس پر یہ کتبہ لگایا جائے گا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے کہیں قرار نہ پکڑا مگر یہاں زبردستی روکا گیا۔ ع سر شوریدہ بر بالین آسایش رسید اینجا" حاجی صاحب نے اس شرط کو بھی قبول کرلیا۔ مگر اپنی طرف سے یہ شرط پیش کی کہ "آپ نماز پابندی سے پڑھا کیجیے۔ اگر کبھی آپ نے نماز قضا کی تو میں بے پوچھے چلا جاؤں گا۔" مولوی بشیرالدین صاحب نے بھی یہ شرط قبول کرلی۔ اور دونوں اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے میں معروف ہوے۔ مولوی بشیرالدین صاحب صبح کو دن چڑھے تک سویا کرتے تھے۔ حاجی صاحب نے معمول کرلیا کہ روز انھیں جگا کے شریک جماعت کرتے۔ اتفاقاً مارسین صاحب پرنسپل علیگڈھ کالج سے ملنے کو گئے۔ رات وہیں بسر ہوئی صبح کو مولوی بشیرالدین صاحب پڑے سویا کیے اور حاجی صاحب اُن کو ویسے ہی سوتا چھوڑ کے غائب ہوئے تو علیگڈھ بھر میں پتہ نہ تھا۔

حاجی صاحب چھوٹتے ہی بھوپال پہونچے۔ اب رئیسۂ حال نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ کا عہد معدلت مہد تھا۔ وہ کسی کو اپنی والدۂ محترمہ کے حج بدل کے لیے مکہ معظمہ بھیجنا چاہتی تھیں۔ حاجی صاحب نے کہا "اس دینی کام کو میں بڑی خوشی سے انجام دوں گا۔" بیگم صاحبہ نے قبول کیا۔ اور آپ اپنی قسمت پہ ناز کرتے ہوئے ارض مقدس حجاز کو روانہ ہوے۔ کامیابی و جوش عقیدت سے دوسرا حج کر کے ہندوستان میں آئے تو خدا جانے کیونکر ضلع بارہ بنکی (اودھ) کے قصبۂ رودولی میں پہونچے اور وہاں کے انگریزی

مدرسے کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہو گئے - اور ردولی کی خوش نصیبی سے اتنے دنون قیام رہا کہ دوسرے سال کا موسم حج قریب آگیا - اتفاقاً یہان چودھری خلیل الرحمن صاحب اپنی مرحوم بیٹی کی طرف سے ایک حج کرانا چاہتے تھے - اُنھون نے اسکا حاجی صاحب کے سامنے تذکرہ کیا - آپ نے فوراً اپنے تئین پیش کیا - چودھری صاحب نے پسند کیا - اور اب آپ تیسرے حج کے لیے عازم ارض عرب ہوے -

اس تیسرے حج سے واپس آنے کے بعد آپ کا گذر علیگڑھ مین ہوا - اتفاقاً حاجی محمد یوسف خان صاحب رئیس بڑہاسی نے کہا " ہمارے قصبے چھترے مین ایک اسکول اور بورڈنگ ہاؤس ہے اُسکے لیے ایک منتظم اور ہیڈ ماسٹر کی ضرورت ہے " ہمارے حاجی صاحب نے اپنی عادت کے مطابق فرمایا " مین حاضر ہون " انھون نے فوراً مقرر کر کے چھترے بھیجدیا - اتفاقاً اس اسکول مین ایک نوجوان سکنڈ ماسٹر تھے - اُنکو حاجی صاحب کا آنا ناگوار ہوا - اس لیے کہ وہ خود ہی ہیڈ ماسٹری کے آرزومند تھے - حاجی صاحب کے پریشان کرنے کے لیے اُنھون نے لڑکون سے سازش کی - اور ایسا بہکایا کہ سب نے اسٹرائک کر دی - اس کی تحقیقات کی تو پتہ چلا کہ سارا کیا دھرا اُن سکنڈ ماسٹر صاحب کا ہے - اس کی رپورٹ حاجی صاحب نے حاجی محمد یوسف خان کو کی - اور اسٹرائک کے تمام واقعات کو قلمبند کرنے کے بعد لکھا " مین اِن سکنڈ ماسٹر کے ساتھ کام نہین کر سکتا " اُنھون نے اس رپورٹ کی طرف چندان توجہ نہ کی - اور ہمارے حاجی صاحب مدرسہ چھوڑ کے چل دیے -

چھترے کی ملازمت مین ایک دن اخبار پانیر مین ایک نوٹ دیکھا کہ " ترکستان کے شہر اندکوئی مین زلزلہ آیا - روسی گورنر جنرل تاشقند نے جا کے وہان کے تباہی زدون کی حالت دیکھی - اور غریبون کی امداد کی " - یہ خبر پڑھ کے ہمارے حاجی صاحب کے دل مین ایک ولولہ پیدا ہوا - اور جوش مین آ کے گورنر جنرل تاشقند کو ایک خط لکھ بھیجا - جس مین اُس کی اس ہمدردی کا مسلمانان ہند کی جانب سے شکریہ ادا کیا اور آخر مین اتنا اور لکھ دیا کہ " روسی فوج کے افسرون کو زبان اُردو کی تعلیم کی ضرورت ہے - اگر آپ کے وہان یہ ضرورت تسلیم کی جاتی ہو تو مین حاضر

ہوکے اس خدمت کے انجام دینے کو تیار رہوں" اس کا جواب آپ نے بھوپال اینڈ بمبئی کے سفیر روس کے ذریعے سے طلب کیا تھا۔

یہ خط بھیجنے کے بعد چھترے کی ملازمت ترک کرکے آپ جزیرہ نماے کاٹھیاوار مین پہونچے۔ اور جاتے ہی سمندر کے کنارے شہر پوربندر مین مدرسۂ اسلامیہ کے ہیڈ ماسٹر ہوگئے۔ وہین تھے کہ بھوپال اور بریلی سے واپس ہوکے آپ کو سفیر دولت روس متعینۂ بمبئی کا تار ملا جس کا مضمون یہ تھا کہ "آپ کی درخواست منظور ہوگئی مجھ سے بمبئی مین آکے ملیے۔ آمد و رفت کا کرایہ یہان سے دیا جائے گا" خوش خوش بمبئی پہونچے۔ سفیر روس سے ملے اور اُسے اپنے سرٹفکیٹ دکھلائے۔ وہ دل کے خوش ہوا اور انکے تقرر کی سفارش کردی۔ جس کی منظوری بھی آگئی۔ مگر اس ملازمت مین شرط یہ تھی کہ تین سال تک ترکستان مین رہنا ہوگا۔ سو روبل (سوا دو سو روپیہ) تنخواہ دی جائے گی۔ اور سفر خرچ کے لیے چھ سو جاتے وقت اور چھ سو روپیہ واپس آتے وقت ملین گے۔ لیکن اگر آپ نے تین سال کے اندر آنا چاہا تو واپسی کا سفر خرچ نہ ملے گا

ترکستان کا ملک نقشے مین دیکھیے تو ہندوستان سے قریب معلوم ہوتا ہے۔ پشاور سے افغانستان مین جایئے۔ اور افغانستان کے اُس طرف شمال و مغرب مین ترکستان ہے۔ مگر یہ راستہ اس قدر خطرناک۔ اذیت رسان۔ اور ناقابل برداشت ہے کہ کسی کو اُدھر جانے کی جراءت نہین ہوسکتی۔ آسان راستہ بہت دُور کا اور دنیا بھر کا چکر کھائے ہے۔ یہان سے مصر ہوتے ہوے قسطنطنیہ جایئے۔ قسطنطنیہ سے بحر اسود مین سفر کرکے اُسکے مشرقی بندرگاہ باطوم مین اُتریے۔ وہان سے ریل پر سوار ہوکے کوہ قاف کے دامن دامن تفلیس ہوتے ہوے شہر باکو مین جایئے جو بحر خزر (کیسپین سی) کے کنارے ہے۔ وہان سے جہاز پر سوار ہوکے اُس سمندر کے مشرقی ساحل پر اُترکے ریل پر بیٹھیے اور تاشقند پہونچیے۔

سفر نہایت ہی دلچسپ اور بڑے لطف کا تھا۔ مگر حاجی صاحب کو دل مین اندیشہ ہوا کہ مجھے تین سال تک رہنا عذاب ہوجائے گا۔ اور اس مدت کے درمیان مین آنا چاہون تو کرایہ نہ ملے گا۔ اور وہان کرایے کی کوئی صورت ہونا

امکان سے باہر ہے - آخر یہی فیصلہ کیا کہ مجھے اس پابندی سے بچنا چاہیے - اپنے بھائی حاجی خلیل الدین احمد صاحب کو بلا کے سفیر روس سے ملا دیا - اور کہا "میرا جانا تو دشوار ہے - آپ سفارش کر کے انھین وہان بھجوا دیجیے" اُس نے منظور کیا - اور حاجی صاحب بھائی کو روسیون کے ہاتھ رہن رکھ کے پھر جولانیان دکھانے لگے -

حاجی خلیل الدین احمد صاحب ترکستان مین جا کے بڑے آرام سے رہے حکام روس اُن سے بہت ہی اچھی طرح اور بڑے اخلاق سے پیش آئے - او تین سال بعد بڑی عزت سے رخصت کیا - مگر اُنکے روس جاتے ہی ہمارے حاجی ریاض الدین احمد صاحب نے سُنا کہ اُنکے پُرانے دوست آنریبل مرزا عباس علی بیگ ریاست جوناگڈھ کے دیوان ہین - اُنھین لکھا کہ "ہمین نہین بلاتے؟" اُنھون نے جواب دیا "بے تکلف چلے آئیے" اور جیسے ہی یہ پہونچے انھین وہان کے مدرسے کا سکنڈ ماسٹر مقرر کر دیا -

اس تعلق کو جو ایسے شوق سے حاصل کیا گیا تھا چند ہی روز گذرے تھے کہ معلوم ہوا رنگون کے تاجر اعظم سیٹھ عبد الکریم جمال کو ایک انگریزی دان مسلمان کی ضرورت ہے - خبر پاتے ہی حاجی صاحب نے درخواست بھیجدی - اور سیٹھ صاحب کو ایسے قابل قدر مسلمان کا مل جانا اس قدر غنیمت معلوم ہوا کہ تار کے ذریعے سے منظوری کی اطلاع دی - تار ہی پر سفر خرچ کے لیے روپیہ بھیجدیا - اور سو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کر دی - حاجی صاحب کو جاتے کیا دیر لگتی تھی؟ جا پہونچے اور کام کرنے لگے - اس تنخواہ کو ایک مہینہ ہی ہوا تھا کہ سیٹھ صاحب نے ایک دن حاجی صاحب کو اپنے دفتر مین بلا کے کہا "آپ کو تجارت کا کام تو آتا نہین ہے - میرے بھتیجون کو پڑھا دیا کیجیے - اور اسکی تنخواہ مین پچھتر روپیہ مہینہ دونگا" حاجی صاحب نے کہا "نوکری مین آج تک مین نے کبھی تنزل نہین گوارا کیا ہے - کام جو کہیے وہ کرونگا مگر تنخواہ مین کمی نہین ہو سکتی" اُنھون نے کہا "تو پھر ہم آپ کو نوکر نہین رکھ سکتے" جواب دیا "بہت خوب - خدا حافظ" اور اُٹھ رہے تھے کہ سیٹھ صاحب کو یاد آیا حاجی صاحب آتے ہی چار سو روپیہ اُن سے قرض لے چکے ہین

کہا "تو دو روپیہ تولا دیجیے" جواب دیا "روپیہ میرے پاس کہاں؟ نوکری کرتا تو دیتا" سیٹھ جی یہ جواب پا کے خاموش ہو رہے۔ اور حاجی صاحب "السلام علیک" کہہ کے دکھنوں میں گشت لگانے لگے۔

اسی گشت میں وہاں میمنوں کا ایک اسلامی اسکول مل گیا۔ وہاں گئے۔ اور سو روپیہ ماہوار پر ماسٹر مقرر ہو گئے۔ چند ہی روز نوکری کی تھی کہ کسی نے کہا "یہاں سال میں پورے سات مہینے برسات رہتی ہے۔ اور شدید بارش ہوتی ہے" سنتے ہی گھبرا اٹھے۔ دل میں کہا "یہ سات مہینوں کی برسات کون جھیلے گا؟" اسی وقت نوکری چھوڑ دی۔ اور جہاز پر بیٹھ کے گھر کا راستہ لیا۔

اب جو گھر میں آئے تو دو چار روز بعد مراد آباد گئے۔ اور جاتے ہی مسلم ہیوٹ اسکول کے تھرڈ ماسٹر مقرر ہو گئے۔ اس مدرسے کی تعلیم میں مصروف تھے کہ مولوی انوار الحسن اور مولوی نور الحسن صاحب رئیسان کاکوری سے ملاقات ہوئی۔ جو سفر حج کے لیے تیار تھے۔ اُنھوں نے باتوں باتوں میں کہا "ہم اپنے والد مرحوم کی جانب سے ایک حج کرانا چاہتے ہیں۔ اور اس غرض کے لیے کسی معقول دیندار آدمی کی ضرورت ہے" حاجی صاحب نے کہا "میں موجود ہوں۔ اور اگر آپ مجھے پسند کریں تو اپنی خوش نصیبی سمجھوں گا" اُنھوں نے قبول کیا۔ اور آپ فوراً نوکری کو بالاے طاق رکھ کے اُن کے ساتھ ہو لیے۔ اور اُن نہایت ہی شریف النفس اور دیندار نوجوانوں کا ساتھ تھا۔ حاجی صاحب کا بیان ہے کہ "اسلامی معاشرت۔ دینداری۔ اور نیک نفسی کا بہترین نمونہ اپنی زندگی میں میں نے اِنھیں دونوں صاحبوں کو پایا۔ کوئی تعلیم یافتہ مسلمان جو تہذیب و پابندی شرع میں اُن کا ہم پایہ ہو میری نظر سے نہیں گذرا۔"

اس چوتھے حج سے واپس آ کے حاجی صاحب ڈیرہ غازی خان پہنچے اور مدرسہ اسلامیہ کے ہیڈ ماسٹر ہو گئے۔ ان دنوں دہلی کے ایک دولتمند پنجابی تاجر کو اپنے فرزند کی تعلیم کے لیے ایک اتالیق کی ضرورت تھی۔ حاجی صاحب نے اپنا نام پیش کیا اور منظور کیا گیا۔ اس لڑکے کی تعلیم شروع کی تھی کہ دولتمند باپ نے حاجی صاحب کے سامنے یہ شرط پیش کی کہ میرے بیٹے کو (جو سات آٹھ سال کا تھا) آپ پانچ سال

مین ڈل کا امتحان پاس کرا دیجیے تو مین آپ کو پانچ سو روپیہ ماہوار دون گا۔ حاجی صاحب کو یہ شرط لغو معلوم ہوئی۔ اور دل مین کہا سوداگر صاحب جانتے ہی نہین کہ تعلیم کیا چیز ہے۔ مہینہ ہی بھر پڑھایا تھا کہ دل اُچاٹ ہو گیا۔ اور بلا تامل چھوڑ کے چلے آئے۔

راستے مین سنا کہ چودھری لیاقت علی صاحب رئیس مہنڈو ضلع ہاترس کو اپنے لڑکے کے لیے کسی اتالیق کی ضرورت ہے۔ خط و کتابت سے طے کیا۔ اور مہنڈو مین پہونچے۔ مگر اُس گانوُن مین جی نہ لگا۔ دو ہی روز بعد بھاگ کھڑے ہوئے اب آپ امروہے کے مسلم اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہو گئے۔ یہان حاجی صاحب کا دل لگا۔ اور اپنی مستعدی و کوشش سے اُس مدرسے کو بڑی ترقی دی۔ اتفاقاً سُنا کہ اُن کا بیٹا معین الدین سخت بیمار ہے۔ بلا تامل نوکری چھوڑ دی۔ گھبرائے ہوے گھر آئے۔ فرزند کے علاج مین جہان تک بنا دوڑ دھوپ کی۔ مگر تقدیر سے کون لڑ سکا ہے؟ علاج کا اُلٹا اثر ہوتا۔ اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہوتی تھی۔

از قضا سرکنگبین صفرا فزود روغن بادام خشکی می نمود

آخر ۱۹۱۲ء ماہ اپریل مین سفر آخرت کیا۔ اور حاجی صاحب کے دل کو ایسا داغ دیا کہ اُن کے جسمانی و دماغی قوی کمزور پڑ گئے۔ دل بجھ سا گیا۔ اور وہ جوش دل جو کہین قدم ٹکنے نہین دیتا تھا سُست پڑ گیا۔

فرزند کے دوران مرض مین بھی آپ نے ایک نوکری کی۔ خان بہادر غلام محی الدین حیدر رئیس شیخو پور ضلع بداوُن کے اتالیق مقرر ہوے۔ مگر فرزند کی فکر دل و دماغ پر اس قدر حاوی تھی کہ تقرر کے ایک ہی ہفتہ بعد دل گھبرایا۔ بھاگے اور گھر مین آ کے دم لیا۔ صاحبزادے کی وفات کے بعد حاجی صاحب گورکھپور کے اسلامیہ ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہو کے پورب مین آئے۔ اور وہان ایسا دل لگا کہ اُسے خوب ترقی دی۔ مسلمانون کو بچون کی تعلیم پر آمادہ کیا۔ اور طلبہ کی تعداد بہت بڑھا مگر اس نوکری کو تھوڑا ہی زمانہ ہونے پایا تھا کہ بیمار پڑ گئے۔ اور وہ بیماری ترک تعلق کا بہانہ ہو گئی۔ گھر واپس آئے۔ اور تین مہینے تک کسی طرف کا قصد نہین کیا۔

لیکن کب تک؟ بھوپال کا ارادہ کرکے گھر سے چلے - مگر دہلی ہوتے ہوئے گئے - تقریباً دہلی میں اتر پڑے - وہاں محلہ فراش خانہ کے مدرسہ مظہرالاسلام کے لیے ہیڈ ماسٹری ضرورت تھی - آپ سے زیادہ تجربہ کار ماسٹر کہاں نصیب ہو سکتا تھا! فوراً مقرر کر لیے گئے - اور اسی زمانے میں اخبار ہمدرد کی مترجمی کا کام بھی کرنے لگے تین چار مہینے میں ہمدرد بند ہو گیا - آمدنی میں جو کمی ہوئی تو آپ نے مدرسے کی بھی نوکری چھوڑ دی -

اتفاقاً نومبر ۱۹۱۴ء کے دلگداز میں "اکرموا عزیز قوم ذل" کے عنوان سے ایک مضمون نکلا تھا جس میں یادگار خاندان مغلیہ کی تباہ حالت دکھا کے مسلمانوں کو بتایا گیا تھا کہ اُن کے بچوں کو تعلیم دلانا اور اُنھیں سنبھالنا ہمارا قومی فرض ہے - اس مضمون نے حاجی صاحب کے دل پر کچھ ایسا اثر کیا کہ آپ نے اسی خدمت کے انجام دینے کا بیڑا اُٹھا لیا اور مستعد ہو گئے کہ دہلی میں ایک مدرسہ کھول کے قدیم شاہی خاندان کے بچوں کو تعلیم دیں - اس کے لیے قوم سے مدد مانگی - اشتہارات شایع کیے - مگر کچھ نتیجہ نہ ہوا - مگر اب بھی وہ اسی دھن میں ہیں - اگرچہ بسر اوقات کے لیے اُنھیں دہلی سے چلا آنا پڑا -

دہلی سے روانہ ہو کے آپ کانپور میں آئے - اور فی الحال مدرسہ الٰہیات میں تعلیم دے رہے ہیں - تاہم دل اسی فکر میں لگا ہے کہ شاہزادگان آل تیمور کی تعلیم و تربیت کا کوئی بند و بست کریں - اسکے ساتھ ہی انجمن ترقی اُردو کے لیے کوشش کرنے کا بھی بیڑا اُٹھایا ہے -

حاجی صاحب کو ہم نے موجودہ حالت تک پہونچا دیا - اگرچہ اطمینان نہیں کہ انکی تمام ملازمتوں اور کوششوں کو ہم قلمبند کر سکے - اس لیے کہ اُنکے بیسیوں ایسے کارنامے ہیں جو خود اُنھیں یاد نہیں -

قطع نظر اسکے ہم نے جو کچھ بیان کیا صرف ملازمتوں اور نوکریوں تک محدود ہے - اس لیے کہ اُنھوں نے جہاں جہاں جتنی انجمنیں اور کمیٹیاں قائم کیں اور کلب کھولے اُن کا استقصاء بہت دشوار ہے - لیکن اس سے بھی اندازہ کر لیا جا سکتا ہے کہ اتنے دنوں میں اُنھوں نے جو کچھ کیا ہم لوگوں کی حالت کے

دیکھنے بہت ہے - اور پھر ابھی کون کہہ سکتا ہے کہ آیندہ اور کیا کیا کرین گے اور کہان کہان جائین گے - ہم صدق دل سے دعا کرتے ہین کہ اُنکے آیندہ کارنامے ان مذکورہ گذشتہ کارنامون سے بہت زیادہ ہون - اور خدا اُنکی مفید ملت زندگی مین برکت دے - مگر اُن کی زندگی کا جس قدر حصہ دکھایا گیا اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کی ملازمتون کی تعداد اُن کی عمر کے برسون سے بہت زیادہ ہے - اور در حقیقت وہ تعلیمی دنیا کے آبدال ہین جن کا کام یہ ہے کہ جہان جائین تعلیمی سرگرمی و مستعدی پیدا کرکے آگے کی راہ لین -

اکثر لوگ اُنھین الزام دیتے ہین کہ متلون مزاج ہین اور اُنکے کسی کام کو ثبات نہین - بظاہر یہ الزام صحیح نظر آتا ہے مگر معترضین اس کا خیال نہین کرتے کہ اپنے جوش دینی اور اپنی علمی برکتون سے محض اسی بے ثباتی کے باعث اُنھون نے مسلمانون کو کس قدر فائدہ پہونچایا؟ اور اُن کی برکتون کا دائرہ کس قدر زیادہ وسیع ہے؟

نیکی کا بدلہ بدی

اس عنوان کے سلسلے مین مولانا نے چند ایسے لوگون کی سیرتین تحریر فرمائی تھین جن کی کوشش سے کسی سلطنت کی بنیاد پڑی - اور پھر اسی سلطنت نے اُنکی زندگی کا خاتمہ کیا -

یہ ایک عجیب اُلٹا اصول ہے جو بظاہر تو خلاف قیاس نظر آرہا ہے مگر غور سے دیکھیے تو دنیا مین اکثر ہوتا ہی ہے - اور اسی وجہ سے اس مقولے نے ضرب المثل کی شان حاصل کرلی ہے - ہم اس قول کو بچپن سے سنتے آئے ہین - اور اسکے متعلق کئی کہانیان بھی ہین جو اس کی تصدیق کرتی ہین - مگر پھر بھی دل کو اطمینان نہین ہوتا کہ نیکی کا بدلہ بدی ہو - جس کسی کے ساتھ بھلائی کی جائے یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ بُرائی کی جراءت کرے - بنی اسرائیل کا ابتدائی عقیدہ یہی تھا کہ ہر بُرے بھلے کام کا ویسا ہی بدلہ دنیا مین مل جایا کرتا ہے - اُن کی تاریخ اس قسم کے ہزارہا واقعے پیش کر رہی ہے - جو ماسبق کی بُرائی یا بھلائی کے تابع تھے -

ہندوؤن - پارسیون - اور قدیم یونانی و رومی فلسفیوں کے نزدیک بھی مسئلۂ تناسخ کی بنیاد اسی اصول پر قائم ہے کہ جو جیسا کرتا ہے ویسا پاتا ہے -

ایک زیادہ مشہور و مقبول مثل ہے "جیسا کرنا ویسا بھرنا" جس نے عقیدے کی صورت اختیار کر لی اور جس کسی نے یہ مثل سُنی ہرگز نہ مانے گا کہ دنیا مین نیکی کا بدلہ بدی ہوا کرتا ہے -

مگر باوجود اسکے ہم حیرت سے دیکھتے ہی ہین کہ دنیا مین اکثر نیکی کا بدلہ برائی ملا کرتا ہے - چھوٹے چھوٹے معمولی واقعات جو ہین اکثر پیش آتے رہے ہین اُن کا لحاظ نہ بھی کیجیے تو تاریخ مین اکثر ایسے ایسے اہم واقعات نظر آتے ہین جو اس ناپسند اور غیر مطبوع اصول کی تصدیق کرتے ہین - اور انکو دیکھ کے قطعی طور پر یقین ہو جاتا ہے کہ فی الحقیقت دنیا مین اکثر نیکی کا بدلہ بدی ہی ملا کیا ہے -

مسلمانون کی تاریخ مین سب سے اہم تین خاندان خلافت ہین - جن کے تاجدارون کو دعویٰ تھا کہ وہ اولی الامر ہین - اور حکمرانی کے ساتھ دینی پیشوائی بھی اُنھین کا حصہ ہے - ہم ابتدائی خلفاے راشدین سے بحث نہین کرتے جن کے فرمانروا صحبت یافتۂ رسولؐ ہونے کے باعث معصوم نہ تھے تو معصومی کے درجے کے قریب ضرور پہونچے ہوے تھے - اُن کے بعد جن خاندانون نے مسند خلافت پر جلوس کیا اُن مین سب سے پہلے بنی اُمیۂ شام تھے - بعد ازان بنی عباس جن کا مرکز خلافت عراق تھا - اور پھر اُن کے بعد بنی فاطمۂ مصر تھے -

ان تینون خلافتون کے جو بانی تھے وہ اُنھین لوگون کے ہاتھ سے مارے گئے جن کو اُنھون نے محکومی اور مفلوک الحالی کے گڑھے سے نکال کے اورنگ شہریاری پر بٹھایا تھا - اور ایک ادنیٰ شخص سے شاہنشاہ صاحب دیہیم بنا دیا تھا -

ہم نہین کہتے کہ وہ بے وجہ مارے گئے - یقیناً اُن سے قصور سرزد ہوے - مگر جس کسی نے ایسے زبردست حقوق حاصل کر لیے ہون اُس کے ساتھ کچھ تو مروت ہونی چاہیے ؟ اور گو ممکن ہے کہ کبھی اُنھون نے اپنے احسانات کے

غرور و ناز مین آداب شاہی کی نگہداشت نہ کی ہو - مگر اتنی ہی بنا پر اُسنکے احسانون کو بھول کے محسن کُشی کرنا اور خود اپنے محسن کے خون مین ہاتھ رنگنا انسانیت سے بہت بعید معلوم ہوتا ہے - اب ہم تینون مذکورۂ بالا خلافتون کے بانیون کے حالات اور اُنکے قتل ہونے کی سرگذشت جدا جدا تفصیل سے بیان کرتے ہین تاکہ دنیا کو عبرت ہو کہ اُس کی سواد مین کیسی کیسی بیوفائیان اور احسان فراموشیان ہو چکی ہین اور وہ کیسی سرد مہریون کا گھر ہے ؟

خلافت بنی امیہ کا بانی عمرو بن سعید

یہ شخص ابو العاص بن اُمیہ کا پوتا - مشہور صحابی عمرو بن ابی العاص کا بھتیجا پہلے اُموی خلیفہ مروان بن حکم کا چچا زاد بھائی - اور اپنے وقت کا ایک نامور سپہ سالار تھا - جب ۱۴ - ربیع الاول سنہ ۶۴ھ کو یزید بن معاویہ مرا اور اُس کے مرنے کے تین مہینے بعد اُس کا بیٹا اور ولیعہد معاویہ بن یزید بھی خلافت سے دست بردار ہو گیا تو قلمروِ خلافت مین جا بجا نئے نئے جھگڑے اُٹھ کھڑے ہوئے - دمشق و شام مین اُموی خاندان والے چاہتے تھے کہ خلافت ہمارے ہی ہاتھ مین رہے اہل عراق خونِ حسینؓ کے انتقام مین سرگرم تھے - اور حضرت علیؓ کے بیٹے محمد بن حنفیہ کو اُبھار کے صاحب تاج و دیہیم بنانا چاہتے تھے - مکہ معظمہ مین عبد اللہ بن زبیر نے لوگون سے اپنے ہاتھ پر بیعت لے کے علم خلافت بلند کیا - اور اُنکے داعی مصر و شام مین جا پہونچے -

یہ رنگ دیکھ کے ملک شام مین معززین بنی اُمیہ نے مروان بن حکم بن ابی العاص کو دعوئے خلافت کرنے پر آمادہ کیا - دو چار روز ان لوگون مین اختلاف رہا اور آخر ۴ - ذیقعدہ سنہ ۶۴ھ کو روح بن زنباع کی ایک مدلل و پُراثر تقریر نے طے کر دیا کہ اس وقت مروان کے ہاتھ پر بیعت کی جائے جو یزید کی بیوی کے ساتھ عقد کر کے اُسکے کمسن بیٹے خالد بن یزید کا ولی بن گیا تھا - پھر مروان کے بعد خالد بن یزید خلیفہ ہو اور اُسکے بعد ہی عمرو بن سعید بن ابی العاص - جس کے حالات ہم لکھنا چاہتے ہین -

اس قرارداد کے مطابق لوگوں نے مروان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور عمرو بن سعید مذکور اُس کا سپہ سالار قرار پایا جس نے اس اُمید میں کہ آخر مجھی کو مسند خلافت ملے گی بڑی جان بازی و شجاعت سے مروان کی خلافت کے مضبوط کرنے کی کوشش شروع کی۔ پہلے اُس نے بڑھ کے اُن لوگوں کی قوت توڑ دی جو اطراف مصر میں ابن زبیر کی جانبداری کر رہے تھے۔ پھر دیگر بلاد شام میں سفر کر کے دشمنوں کا زور توڑا۔ اور مصعب بن زبیر کو ارض شام میں ایسی زبردست شکست دی کہ پھر اُنکے کسی طرفدار کو اس ملک میں آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور مروان کی کی حکومت پورے شام و مصر میں قائم ہو گئی ان فتحمندیوں کے دوران میں کسی دن اُس کی زبان سے یہ کلمہ نکل گیا کہ "مروان کے بعد میرے سوا کون خلیفہ ہو سکتا ہے؟" لگانے والوں نے یہ خبر مروان کو پہونچا دی وہ گھبرایا۔ اور تخت نشینی کے دوسرے ہی برس ۶۵ھ میں ایک دن دربار کر کے تمام ارکان دولت سے اپنے دونوں بیٹوں عبد الملک اور عبد العزیز کی ولیعہدی کی بیعت لے لی۔ اس کارروائی کو پورا سال نہیں ہوا تھا کہ خالد بن یزید کی ماں نے جو اپنے بیٹے کے تاج و تخت سے محروم کر دیے جانے پر برافروختہ تھی مروان کو تکیوں کے نیچے کچل کے اور گلا گھونٹ کے مار ڈالا۔ اور عبد الملک اُس کا جانشین ہو گیا۔ اس لیے کہ وہ ولیعہد قرار پا چکا تھا۔

اب خالد ابن یزید اور اُس کی ماں کو تو اپنی محرومی کا انتقام مل گیا تھا۔ مگر عمرو بن سعید کو اپنی ناکامی پر کسی طرح چین نہ آتا تھا چار ہی سال کے اندر اُس کی یہ بیقراری عبد الملک پر کھل گئی۔ اسی اثنا میں عبد الملک کو سفر کی ضرورت پیش آئی۔ اُس نے عبد الرحمن بن اُم الحکم الثقفی کو اپنا نائب بنا کے دمشق میں چھوڑا۔ اور عمرو بن سعید اور دیگر سرداروں کو ہمراہ لے کے چل کھڑا ہوا۔ اطراف حلب تک پہونچنے پایا تھا کہ ایک شب کو صبح ہونے سے پہلے ہی عمرو اُس کا ساتھ چھوڑ کے دمشق کی طرف پلٹ پڑا۔ حمید اور زہیر نام دو صاحب اثر رفیقوں کو اپنے ساتھ لیا۔ دمشق پر پہونچتے ہی بلا تامل دھاوا کر دیا۔ عبد الملک کا نائب بھلا کیا تاب لا سکتا تھا؟ بھاگ کھڑا ہوا۔ اور عمرو نے بے زحمت دمشق میں داخل

ہو کے قصر شاہی اور مسند خلافت پناہی پر قبضہ کرلیا۔ خزانہ اور شاہی محل لوٹ لیے۔ عبدالرحمن کا گھر کھود ڈالا۔ معززین شہر کو جمع کرکے اُن سے اپنی خلافت پر بیعت لے لی۔ اور اُن سے ساتھ دینے کا عہد و پیمان بھی کرلیا۔

سواد حلب مین صبح کو جب عبدالملک کی آنکھ کُھلی تو عمرو کو غائب پایا۔ لوگون سے پوچھا کہاں گیا؟ جن لوگون کو اُس کا منشا اور ارادہ معلوم تھا اُنھون نے بلا تامل اصل حقیقت بیان کردی۔ یہ سُن کے عبدالملک بھی دمشق کی طرف پلٹا۔ مگر عمرو نے ایسا سامان جمع کرلیا تھا اور شہر کی ایسی مضبوطی کرلی تھی کہ جس آسانی سے اُسے دمشق مین داخل ہونے کا موقع مل گیا تھا عبدالملک کو نہ ملا۔ اور دونون جانب سے لڑائی شروع ہوگئی۔ جس کا سلسلہ چند روز تک جاری رہا۔ اور دونون جانب ایسے زبردست اور نبرد آزما سپہ سالار تھے کہ کسی طرح لڑائی کا فیصلہ ہونے کو نہ آتا تھا۔ عمرو کی طرف سے جب حُمید بن حریث سپہ سالار بن کے آتا تو اُس کے مقابلے مین عبدالملک کی طرف سے سفیان بن ابرو کلبی نکلتا۔ اور جب زہیر بن ابرو کلبی عمرو کی طرف سے آتا تو اُسکے مقابلے کو عبدالملک کی طرف سے حسان بن مالک بن بحدل نکلتا۔ لطف کی یہ بات تھی کہ ابرو کلبی کے دو بیٹون زہیر اور سفیان مین سے ایک عمرو بن سعید کی طرف تھا اور ایک عبدالملک کی طرف۔ جو حتی الامکان ایک دوسرے کا سامنا کرنے سے اعراض کرتے۔

آخر کار عبدالملک نے تھک کے اور عاجز آکے عمرو بن سعید سے صلح کرلی۔ ایک تحریری معاہدہ ہوگیا جس مین دونون کے حقوق مشخص و مقرر کردیے گئے۔ اور اُس کی تکمیل کے بعد عبدالملک کو دمشق مین داخل ہونا نصیب ہوا۔ اس معاہدے کی رو سے اگرچہ عبدالملک ہی خلیفہ رہا تھا مگر عمرو بن سعید کو جو آزادی و مطلق العنانی حاصل ہوگئی تھی اُس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ صلح کے بعد عمرو اپنے سوارون کے جلوس کے ساتھ عبدالملک سے ملنے کو آیا تو ہمراہی سوارون نے خاص عبدالملک کے خیمون کی طنابین گھوڑون کی ٹاپون سے روند روند کے توڑ ڈالین۔ اور خیمون کو گرادیا۔ عبدالملک نے یہ سب باتین دیکھین مگر دم نہ مارا۔ اور عمرو سے بہت اچھی طرح پیش آیا۔ اور دونوں بظاہر ایسی صفائی

سے ملے کہ ہیتون کو خیال ہوا کہ دونون کے سینے کدورت سے پاک ہین۔

اب پھر عبداللہ بن زبیر کی مہم پیش آگئی۔ اس لیے کہ اُنکے شجاع و جانباز بھائی نے عراق و فارس کے ملکون مین اپنا سکہ جما دیا تھا۔ اور سارے عرب پر حاکم و متصرف تھے۔ عبدالملک کو اُن کے مقابلے کے لیے عراق کی طرف کوچ کرنا پڑا۔ اور چونکہ یہ مقابلہ خاندانی عزت و وقار کا تھا اس لیے عمرو بن سعید نے بھی اُس کا ساتھ دیا۔ مگر بین کسی موقع پر اُس نے عبدالملک سے کہا "اب تو ہم آپ عراق کے عازم ہین لیکن مجھے یہ کہنا ضروری ہے کہ آپ کے والد نے آپ کے بعد مجھی کو مستحق خلافت قرار دیا تھا۔ اور اسی وجہ سے مین نے اُنکی طرفداری مین اپنی جان بھی لڑا دی۔ اب آپ مجھے اپنا ولیعہد تسلیم کرلین تو پھر مین ہمہ تن آپ کا ہو جاؤن۔ اور آپ کے لیے جوہر شجاعت دکھاؤن۔" عبدالملک یہ سُن کے ٹال گیا اور کچھ جواب نہین دیا۔

اس لڑائی سے عبدالملک کامیاب و فتحمند ہو کے دمشق مین واپس آیا تو ایک دن عمرو کو اپنے گھر مین مہمان بُلایا۔ جس وقت ہرکارہ عمرو کے پاس یہ پیام لایا ہے اُس کے پاس عبداللہ بن یزید بن معاویہ بیٹھا تھا جو عمرو کا داماد تھا۔ اُس نے کہا "مجھے آپ سے بے انتہا محبت ہے۔ اور میری رائے ہے کہ آپ نہ جائین۔" عمرو نے پوچھا "کیون؟" عبداللہ نے کہا "اس لیے کہ کعب احبار کی بیٹی بتاتی کی پیشین گوئی ہے کہ بنی اسماعیل کا ایک شخص لپٹ جائے گا۔ اور اُس پر دمشق کے دروازے بند ہو جائین گے۔ اسکے بعد وہ دمشق سے نکلے گا۔ اور پھر مارا جائے گا۔" عمرو نے اسکی پروا نہ کی۔ اور جواب دیا کہ "واللہ عبدالملک مجھے سوتے مین بھی نہین روک سکتا۔ اور نہ مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت کر سکتا ہے کل رات کو مین نے خواب مین دیکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مجھے اپنا کُرتا پہنا دیا۔" یہ کہہ کے ہرکارے سے کہا "اُن سے کہنا کہ مین شام کو آؤن گا۔"

شام کو عمرو نے زرہ پر قبا پہنی۔ ہتھیار لگائے۔ اور اُٹھ کے چلا۔ اتفاقاً فرش کی شکن مین ٹھوکر کھا کے گر پڑا۔ حمید بن حریث (پرانا رفیق) پاس بیٹھا تھا۔ یہ دیکھ کے کہنے لگا "اب اس وقت آپ نہ جائین۔" یہی عمرو کی بی بی نے بھی کہا۔ مگر اُسنے

کسی کی نہ سُنی اور سو غلامون کو ہمراہ رکاب لے کے چل کھڑا ہوا۔
عبد الملک کی صحبت مین اُس وقت آل مروان کے تمام لوگ جمع تھے۔ عمرو دروازے پر پہونچا تو کچھ غلام باہر روک لیے گئے۔ اور دوسرے پھاٹک پر کچھ اور غلام روک لیے گئے۔ یون ہی متعدد پھاٹک ملے۔ اور ہر پھاٹک کے باہر عمرو کے کچھ غلام روک رکھے گئے۔ یہان تک کہ جب خاص ڈیوڑھی پر پہونچا تو فقط ایک غلام باقی تھا جو ساتھ اندر داخل ہوا اندر جا کے عمرو نے تمام بنی مروان اور اپنے دشمن حسان بن بحدل کلبی وغیرہ کو دیکھا تو دل مین کھٹکا۔ اور پلٹ کے غلام سے کہا جاؤ میرے بھائی یحییٰ کو بُلا لاؤ۔ اُس نے بے سمجھے "لبیاب" کہدی۔ اور اسپر جھنجلا کے عمرو نے کہا "جہنم مین جاؤ"۔
اتنے مین عبد الملک کے اشارے سے حسان وغیرہ اُس کے استقبال کو بڑھے وہ لوگ عمرو کو اندر لے گئے۔ اور دروازہ بند ہو گیا۔ جس کے بعد وہ باقیماندہ غلام بھی چھوٹ گیا عبد الملک نے اُسے اپنے برابر تخت پر بٹھا لیا۔ اور باتین کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد عبد الملک نے اپنے ایک غلام کو حکم دیا کہ "ان کی تلوار لے لو"۔ عمرو نے یہ سن کے "انا للہ" پڑھی اور کہا "امیر المومنین آپ یہ کیا فرماتے ہین؟" جواب ملا "بھلا یہ مناسب ہے کہ آپ تلوار لگا کے میرے برابر بیٹھین؟ ساتھ ہی غلام نے تلوار لے لی۔ اور پھر باتین ہونے لگین۔
تھوڑی دیر کے بعد عبد الملک نے کہا "ابو اُمیہ (یہ عمرو کی کنیت تھی) آپ نے جب مخالفت کی ہے تب مین نے قسم کھائی تھی کہ جب میری نظر آپ پر پڑے گی آپ کو رسی مین باندھون گا"۔ تمام بنی مروان ورفقا جو شریک صحبت تھے سب نے خلیفہ کی زبان سے یہ کلمات سنتے ہی متفق اللفظ ہو کے کہا "تو امیر المومنین کی قسم کو ضرور پورا ہونا چاہیے"۔ اور عبد الملک بولا "مگر یہ محض قسم ہی پوری کرنے کے لیے مین چاہتا ہون۔ باندھنے کے بعد ہی آپ کو فوراً کھول دون گا۔ اُنکے باندھ رکھنے مین میرا کیا فائدہ ہے؟" عمرو نے بھی شرما شرمی قبول کر لیا۔ اور عبد الملک نے فرش کے نیچے سے رسی نکال کے عمرو کو اُس مین خوب کس کے باندھا اور جکڑ کے ڈال دیا۔ عمرو نے کہا "امیر المومنین! مجھے باندھا ہے تو اس حالت

مین مجمع عام کے سامنے نہ نکالیے گا۔ ورنہ میری بڑی رسوائی ہوگی ؛ عبدالملک نے اس کے جواب مین ہنس کے کہا" ابو امیہ! مرتے وقت بھی تم فریب سے باز نہ آئے ا بے شک تم اس حالت مین باہر نہ نکالے جاؤ گے۔ اس رسی جیسی چاہو قسم لے لو" یہ کہتے ہی رسی کا سرا پکڑ کے ایسا جھٹکا دیا کہ عمرو اوندھے مُنہ گر پڑا۔ اور دو دانت ٹوٹ گئے۔ اور کہنے لگا" امیرالمومنین! میری ایک ہڈی ٹوٹ گئی۔ بس اس سے زیادہ سختی میرے ساتھ نہ ہو" عبدالملک بولا" افسوس تمھارے یہ دو دانت ایسے ٹوٹ گئے ہین کہ اب تم مجھے بالکل اچھے نہیں معلوم ہوتے "

اب عبدالملک نے اپنا ارادہ صاف صاف بیان کر دیا اور کہا" عمرو۔ اگر مجھے اعتبار ہوتا کہ مین تم کو زندہ چھوڑ دون گا تو تم بھی میرے ساتھ ایسی ہی رعایت کرو گے اور تمام قریش کو راہ راست پر لے آؤ گے تو بیشک مین تمھین چھوڑ دیتا۔ مگر سچ یہ ہے کہ مجھ مین تم مین جو نسبت و علاقہ ہے ایسے تعلقات کے دو آدمی آج تک امن و امان کے ساتھ کبھی دنیا مین نہ جمع ہوے ہین اور نہ ہونگے۔ اور جب کبھی ایسا ہوا ہوگا تو ایک نے دوسرے کو نکال باہر کیا ہوگا" جب عمرو نے یہ کلمات سنے اور یہ رنگ دیکھا تو زندگی سے یاس ہوئی۔ اور طیش مین آ کے کہا" او کرنجی[ع۵] عورت والے! ایسا غدر!"

اتنے مین موذن نے جامع دمشق مین اذان دی۔ عبدالملک نماز پڑھانے کے لیے باہر گیا۔ اور اپنے بھائی عبدالعزیز سے کہتا گیا کہ" میرے آنے سے پہلے ہی اس کا کام تمام کر دینا" اس ہدایت کے مطابق عبدالعزیز تلوار کھینچ کے عمرو بن سعید کے سر پر پہونچا تو اُس نے کہا" عبدالعزیز خدا کو یاد کرو۔ اور میرا خون اپنی گردن پر نہ لو۔ اس کام کیلیے کسی ایسے کو منتخب کرو جس سے قرابت نہ ہو" اس کا عبدالعزیز کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ تلوار ہاتھ سے پھینک دی۔ اور خاموش

ع۵ یہ عبدالملک ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ مروان اور اُس کے تمام لڑکے باعث ذلت و تحقیر کے موقع پر" کرنجی والے" کہلاتے تھے۔ کرنجی دراصل مروان کی دادی زرقا بنت موہب تھی جو جاہلیت مین ایک بازاری رنڈی تھی۔ مگر غالباً آخر مین ابوالعاص بن امیہ نے اُس کے ساتھ عقد کر لیا تھا۔

بیٹھ رہا۔

عبد الملک جلدی جلدی نماز ادا کر کے قصر کے تمام پھاٹک یکے بعد دیگرے بند کرتا ہوا جب اندر آیا تو عمرو کو زندہ پا کے عبد العزیز سے سبب پوچھا۔ اُس نے اصل حقیقت بیان کر دی۔ عبد الملک نے بگڑ کے بھائی کو سخت سست کہا۔ اور خود نیزہ ہاتھ میں لے کے عمرو پر حربہ کیا۔ جو بالکل کارگر نہ ہوا۔ دوسرا وار کیا۔ اور وہ بھی بیکار گیا۔ یہ دیکھ کے اُس نے عمرو کے شانے پر ہاتھ مارا تو معلوم ہوا کہ قبا کے نیچے زرہ پہنے ہے۔ طعن کے لہجے میں بولا "جی۔ زرہ بھی زیب تن ہے؟ خوب تیار ہو کے تشریف لائے ہیں؟" یہ کہہ کے لوگوں کو حکم دیا کہ "اسے چِت لٹا دو" اور جیسے ہی اس حکم کی تعمیل ہوئی خنجر ہاتھ میں لے کے عمرو کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ اور خنجر سے ذبح کر ڈالا۔ اور جب اس کے جسم کا پھڑکنا محسوس ہوا تو اُچک کے سینے سے اُترا۔ اور اپنے تخت پر جا بیٹھا۔

یہاں اندر تو یہ ہوا۔ اُدھر باہر لوگوں نے جب دیکھا کہ عبد الملک کے ساتھ عمرو بن سعید نماز کو نہیں نکلا۔ اور عبد الملک کے واپس جاتے ہی قصر خلافت کے پھاٹک بند کروا دیے گئے۔ تو لوگوں نے دوڑ کے عمرو کے بھائی یحییٰ کو خبر کی۔ وہ سپھگر دن کا ایک انبوہ کثیر لے کے محل پر چڑھ آیا۔ عمرو کے ایک ہزار غلام جو یہاں موجود تھے اور اُس کے بہت سے اور رفقا بھی آ گئے اور سب نے محل کو گھیر کے غل مچانا شروع کیا کہ "اے ابو اُمیہ! (عمرو) ہمیں اپنی آواز سنا دو کہ اطمینان ہو۔" حمید اور حریث نے دھکے دیدے کے قصر کا دروازہ توڑ ڈالا۔ اور دربانوں اور حامیان قصر پر تلواریں برسانا شروع کر دیں۔ یہاں تک کہ ایک گہری تلوار خود عبد الملک کے بیٹے ولید کے سر پر پڑ گئی۔ اور اُسے زخمی دیکھ کے ابراہیم بن عربی جو دیوان خلافت تھا اپنے دفتر میں اُٹھا لے گیا۔ اب تمام آل مروان اور اُن کے رفقا اُن لوگوں کے روکنے کے لیے قصر سے باہر نکل پڑے اور سخت لڑائی ہونے لگی۔ یحییٰ اور اُس کے طرفدار سخت یورشیں کر رہے تھے اور طرفداران خلافت کو اپنی حالت خطرناک نظر آتی تھی۔

اتنے میں عبد الرحمن بن اُم الحکم ثقفی نے عمرو بن سعید کا سر لا کے یحییٰ کے

سامنے ڈال دیا - مطلب یہ تھا کہ "جس کے لیے لڑ رہے ہو اُسکی تو یہ حالت ہوئی اب لڑائی سے کیا حاصل ہوگا؟" مگر اپنے سردار اور معزز عزیز کو مقتول دیکھ کے یحییٰ اور اُس کے رفقا کو، ورطیش آیا - اور سب آمادہ ہو گئے کہ عبدالملک سے اُسکے خون کا انتقام لے لین۔

یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی تو عین اُس لڑائی کی حالت مین عبدالعزیز، روپیون اور اشرفیون کے بہت سے توڑے لے کے قصر کے، ویہ چڑھ گیا - وہان توڑون کے منہ کھول دیے - اور لڑنے والون پر سونے چاندی کا مینہ برسانے لگا - جس کا فوری اثر یہ ہوا کہ لوگ لڑائی بھول گئے - دوڑ دوڑ کے روپیہ اور اشرفیان لوٹنے لگے - اور دم بھر مین سارا ہنگامہ فرو ہوگیا - مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد جب لوگون کا جوش خون ریزی فرو ہوگیا تو عبدالملک نے حکم دیا کہ جن جن لوگون نے روپے اشرفیان لوٹی ہون اُن سے چھین کے پھر خزانۂ خلافت مین داخل کر لی جائین -

اب ہر طرف سے اطمینان کر کے عبدالملک نے اپنا تخت قصر سے نکلوا کے مسجد مین بھجوایا - اور ارادہ کیا کہ تمام شورش کرنے والون کو سزا دے - لیکن یہ سُن کے کہ ولید اس ہنگامے مین زخمی ہو کے گرا تھا اور اُس کا کہین پتہ نہین ہے گھبرا گیا - اور کہا "ان لوگون نے اگر ولید کو مار ڈالا ہے تو اُنھون نے خدا کی قسم عمرو بن سعید کے خون کا بدلہ لے لیا۔" یہ کہہ ہی رہا تھا کہ اُس کے دیوان ابراہیم نے آ کے عرض کیا "وہ زخمی بے شک ہوے - مگر زخم خطرناک نہیں ہین - اور مین اُنھین اپنے دفتر مین اُٹھا لے گیا ہون"

بیٹے کی طرف سے مطمئن ہو لے عبدالملک نے پھر سزا دہی کی کارروائی شروع کی - اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ ابوالعاص بن اُمیہ کی نسل ہی کو فنا کر دیا چاہتا ہے - پہلے لوگ عمرو کے بھائی یحییٰ کو پکڑ لائے - اور عبدالملک نے دیکھتے ہی قتل کا حکم دیا - مگر اُس کے بھائی عبدالعزیز نے آ کے کہا "کیا آپ ایک ہی دن مین سارے بنی اُمیہ کا خاتمہ کر دین گے؟" یہ سُن کے عبدالملک نے اُس کا خون معاف کر کے اُسے قید خانے مین بھیج دیا - اسی طرح عمرو کے

دوسرے بھائی عنبسہ اور عامر بن اسود کلبی کی بانہیں بھی عبدالعزیز کی سفارشوں سے بچیں۔ پھر مقتول بن سعید کے چار بیٹے اُمیہ۔ سعید۔ اسمٰعیل۔ اور محمد پکڑکے حاضر کیے گئے۔ ان سب کی گرفتاری کا حکم ہوا۔ اور چند روز کے بعد وہ چارون مع اپنے چچا یحییٰ کے مصعب بن زبیر کے پاس چلے گئے۔ اس لیے کہ مصعب اُنکے صحیح حامی ہو سکتے تھے۔ اور اُمید تھی کہ وہ ان لوگون کی قدر کرین گے۔ اور شاید اُنکے ذریعے سے ان کو اپنا انتقام مل جائے۔

ان سب لوگون کو سزائین دینے کے دو چار روز بعد عبدالملک نے عمرو بن سعید کی کلبیہ منکوحہ کے پاس کہلا بھیجا "مین نے عمرو بن سعید کو جو صلح نامہ لکھ کے دیا تھا اُسے میرے پاس بھیجدو"۔ اُس بہادر عورت نے قاصد سے کہا "اُن سے جاکے کہدینا کہ وہ صلح نامہ تو عمرو کے کفن مین رکھوا کے اُن کے ساتھ دفن کرا دیا گیا۔ تاکہ وہ اُسے تمھارے مقابل خدا کے سامنے پیش کرین"۔

اسکے چند روز بعد جب مصعب بن زبیر عبد الملک سے شکست کھا کے شہید ہوے تو عمرو بن سعید کے چارون بیٹے پھر عبدالملک کے پاس آئے۔ اُن کی صورت دیکھتے ہی عبد الملک بولا "تم لوگ اُس گھرانے کے ہو جس گھرانے والے اپنے آپ کو اپنی ساری قوم سے افضل و اعلیٰ خیال کرتے ہین۔ حالانکہ خدا نے یہ فضیلت درصل تم کو دی نہین ہے۔ رہا میرا اور تمھارے باپ کا معاملہ۔ تو یہ جھگڑا آج کا نہ تھا۔ تمھارے مورث ہمارے مورثون کے ساتھ ایام جاہلیت مین بھی بغض رکھتے تھے"۔ اسکے جواب مین بڑے بھائی اُمیہ کی زبان نے تو کچھ یاری نہ دی مگر دوسرا بھائی سعید بولا "امیرالمومنین خدا نے جب اسلام کو ظاہر کردیا تو اب ہمین جاہلیت کی باتون اور عداوتون کو نہ یاد کرنا چاہیے۔ اسلام نے اُن سب جھگڑون کو مٹا دیا۔ رہا والد کا اور آپ کا معاملہ۔ تو وہ آپس کا معاملہ تھا۔ وہ آپ کے چچا زاد بھائی تھے اور اُن کے ساتھ آپ نے جو کچھ کیا ہوگا کچھ جان ہی کے کیا ہوگا۔ عمرو خدا کے پاس پہونچے۔ اور اُنکے معاملے کو وہی خوب جانتا اور سمجھتا ہے۔ لیکن

اس واقعے کی بنا پر اگر ہم آپ کی نظر میں مشتبہ قرار پا گئے تو پھر ہمارے لیے زمین کے اوپر رہنے کے مقابل یہ بہتر ہوگا کہ اُس کے اندر سما جائیں۔" یہ جواب سُن کے عبدالملک کو ترس آیا۔ اور کہا "سنو۔ تمھارے باوا میں اور مجھ میں کبھی بدی نہ تھی کہ یا وہ مجھے قتل کریں یا میں اُنھیں قتل کروں۔ مجھ سے اپنی جان دیتے نہ بنا اس لیے میں نے اُن کی جان لے لی۔ رہے تم۔ تو تم اپنے عزیز اور فرزند ہو۔ اور خون ملا ہوا ہے۔" یہ کہہ کے اُن کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔

ابو مسلم خراسانی

خلفاے بنی اُمیہ کے ہاتھ سے اپنے محسن اور اپنی سلطنت کے بانی کو جو خوفناک بدلا ملا اُس کا حال ہم سبی کے دگداز میں بیان کر چکے۔ اب یہ بتاتے ہیں کہ بنی عباس نے اپنی خلافت کے بانی اور اپنے محسن کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ خلافت عباسیہ کا اصلی بانی ابو مسلم خراسانی تھا جس نے سب کے پہلے خراسان میں عباسیوں کا علم بلند کیا۔ اور اپنی حیرت ناک کوششوں سے ساری دنیا کا رخ ایک طرف سے پھیر کے دوسری طرف کر دیا۔ لہذا ہم آج اُسی کے حالات اور اُس کا لرزا دینے والا انجام اپنے ناظرین کو بتاتے ہیں۔

ابو مسلم کی اصلیت میں اختلاف ہے۔ بعض لوگ اُسے غلام بتاتے ہیں اور بعض آزاد گھرانے کا لڑکا۔ جو لوگ آزاد کہتے ہیں وہ اُس کا نام و نسب ابراہیم بن عثمان بن بشار بن سدوس بن جودرزدہ بتاتے ہیں اُسکی پرانی کنیت ابو اسحٰق سکتے ہیں۔ اور دعوی کرتے ہیں کہ وہ نوشیروان عادل کے مشہور وزیر اور حکیم عجم بزرجمہر کی نسل سے تھا۔ سات برس کا تھا کہ باپ نے سفر آخرت کیا اور اُسے ابو موسیٰ عیسیٰ بن موسیٰ عجلی کی نگرانی میں چھوڑ گیا اسکے بعد کا واقعہ یہ ہے کہ کوفے میں سنہ ۱۲۴ھ میں اسی عجلی خاندان والوں میں سے عاصم بن موسیٰ عجلی اور معقل عجلی کے دو بیٹے ادریس اور عیسیٰ

بنی اُمیہ کی مخالفت کے جرم مین اسیر تھے اور قید خانے مین ہی لڑکا ابو مسلم جو اسوقت ابو اسحٰق ابراہیم کہلاتا تھا اُنکی خدمت کرتا تھا۔ اتفاقاً لاہیز قحطبہ۔ اور سلیمان بن کثیر خراسان سے مکہ معظمہ جاتے ہوے کوفے مین ٹھہرے اور قید خانے مین جاکے ان پولیٹکل قیدیون سے ملے۔ ابو مسلم کی صورت اور اُسکے حرکات و سکنات مین کچھ ایسی دلکشی تھی کہ جو دیکھتا اُس کا گرویدہ ہو جاتا۔ چنانچہ اُن نو وارد لوگون نے عاصم سے پوچھا "یہ کون لڑکا ہے؟" جواب ملا "ہماری خدمت کرتا ہے اور ہم کو بنی سراج والون سے ملا ہے"۔ سلیمان نے کہا "اگر مضائقہ نہ ہو تو اس کو ہمین دے ڈالیے"۔ عاصم نے کہا "شوق سے لیجائیے"۔ اس طور پر یہ لوگ اُس لڑکے کو لے کے مکہ معظمہ مین آئے اور چونکہ ابراہیم امام سے عقیدت رکھتے تھے اور انھین امام زمانہ تسلیم کرتے تھے اس لیے اُن کی خدمت مین حاضر ہو کے دو لاکھ بیس ہزار درہم بہت سا مشک خالص اور دیگر قسم کا سامان نذر کیا۔ اور ساتھ ہی اُس نوعمر لڑکے ابراہیم کو بھی پیش کر کے کہا "اسے حضور اپنا غلام سمجھین"۔ یون یہ پارسی نژاد لڑکا خاندان بنی عباس مین پہونچا۔ اور امام ابراہیم کی خدمت مین رہنے لگا اُنھون نے اپنا ہم نام سُن کے اس کا نام بجاے ابراہیم کے عبدالرحمٰن رکھ دیا۔ اور کنیت ابو اسحٰق کے عوض ابو مسلم قرار دی۔

اب اُن لوگون کا بیان بھی سُن لیجیے جو ابو مسلم کو غلام بتاتے ہین۔ وہ کہتے ہین کہ بکیر بن ماہان کسی والی مصر کا منشی تھا۔ وہ کوفے مین آیا اور شیعیان بنی عباس کی صحبت مین رہ کے اُن کا ہم خیال ہو گیا۔ شیعیان بنی عباس چونکہ چاہتے تھے اور ساعی تھے کہ خلافت بنی امیہ کے ہاتھ سے نکل کے بنی عباس کو مل جائے اس لیے سلطنت کے باغی اور مجرم خیال کیے جاتے۔ بکیر کی نسبت جیسے ہی شہرت ہوئی کہ بنی عباس کا طرفدار ہے قید کر لیا گیا۔ ان دنون قید خانون مین زیادہ تر اسی قسم کے مجرم تھے جو بنی اُمیہ کی حکومت کو ناپسند کرتے۔ اور اُنھین غیر مستحق خلافت بتاتے تھے۔ چنانچہ کوفے کے محبس مین ابو عاصم اور عیسیٰ بن معقل عجلی تھے۔ اور اُن کی خدمت مین ابو مسلم تھا۔ بکیر نے چند

کے اندر ان دونون کو بھی اپنا ہم خیال بنا لیا۔ اس کے بعد عیسیٰ بن معقل نے ابومسلم کی نسبت پوچھا "یہ لڑکا کون ہے؟" اُنھون نے کہا "ہمارا غلام ہے"۔ کہا "بیچو گے؟" جواب ملا "آپ یون ہی لے لیجیے"۔ کہا "نہین مین بغیر قیمت دیے نہ لون گا"۔ جواب ملا "آپ کو اختیار ہے جس طرح چاہیے لے لیجیے"۔ غرض بکیرنے چار سو درہم دے کے ابومسلم کو لے لیا۔ اور اپنے پاس رکھا۔ اس کے بعد جب ان لوگون کو قید سے چھٹکارا ملا تو بکیر ابومسلم کو لے کے امام ابراہیم کے پاس آیا اُنھون نے اُسکو ابوموسیٰ سراج کے سپرد کیا کہ اُسے تعلیم دین۔ اس طریقے سے اُس کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ اور خراسان کے شیعیان بنی عباس کے پاس آنے جانے لگا۔

کہتے ہین کہ پہلے ۱۲۸ھ مین ابراہیم الامام نے اُسے ۱۹ برس کی عمر مین اپنی طرف سے خراسان بھیجا۔ اور لوگون کو لکھا کہ "یہ میرا نائب ہے اس لیے تم سب اسکی اطاعت کرو"۔ اور جب خراسان مین اُس نے ابراہیم کی طرف سے دعوت شروع کی تو ایک ہی سال کے اندر اُس کا زور بندھ گیا اور ہر گانوٗن مین پھیرا۔ ادنیٰ و اعلیٰ سب کو ابراہیم کے موافق بنایا۔ انکی جانب سے بیعتین لین۔ چپکے ہی چپکے فوجین جمع کین۔ اپنے تمام طرفدارون کی یہ پہچان مقرر کی کہ اُنکے بازو پر ایک سیاہ دھجی بندھی ہو۔ اُن لوگون مین سیاہ عباسی علم کھڑا کیا۔ یہان تک کہ ۱۳۲ھ مین اپنی قوت کا پورا اندازہ کرکے علانیہ دعوت شروع کر دی۔ اور خلافت بنی اُمیہ کے مقابلے پر کھڑا ہو گیا۔ پھر جب خلافت کا پہلا لشکر اس فتنے کے استیصال کو آیا تو اُسے شکست دیدی۔ اور بنی امیہ کا قتل عام شروع کر دیا۔

آخری خلیفۂ اُموی مروان نے اس شکست کا حال سُنا تو ابراہیم امام کو جو اُسکے بس مین اور اُسکے مقبوضہ علاقے مین مقیم تھے گرفتار کرکے قتل کر ڈالا۔ انھون نے اسیر ہوتے وقت اپنے دوستون سے کہا "میرا اس قید سے چھوٹنا غیر ممکن ہے۔ دشمنون کے ہاتھ سے یقیناً مارا جاؤن گا۔ اسلیے میری خواہش ہے کہ میرے بعد تم طرفداران بنی عباس میرے بھائی ابوالعباس عبداللہ کے ہاتھ پر بیعت

کرین جن کو مین اپنا جانشین قرار دیتا ہون" ابراہیم کے گرفتار ہوتے ہی ابوالعباس کمے سے بھاگ کے کوفے مین چلے آئے - اور بنی اُمیہ کے ہاتھ سے بچ گئے - آخر اسی سال ۱۳۲ھ مین سریر خلافت پر قدم رکھ کے دنیاے اسلام کے فرمان روا ہوگئے - اور خلافت عباسیہ کا آغاز ہوا - ابوالعباس نے کُل چار سال حکومت کی - مگر یہ چار سال صرف لوٹ مار اور قتل و غارت مین گذرے - بنی امیہ چُن چُن کے اور ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے قتل کیے جاتے تھے اُنکے قصر و ایوان لٹتے تھے - اُنکی عورتین بے آبرو ہوتی تھین - اور اُن کے گذرے ہوے ناموروں اور خلیفوں کی قبرین کھود کھود کے گڑی ہڈیاں اُکھیڑی اور بے عزت کی جاتی تھین - غرض ایسے ایسے مظالم ہوتے رہے - کہ ابوالعباس کا لقب سفاح (سخت خونریز) مشہور ہوگیا - مگر ابومسلم کا یہ زمانہ انتہائی عروج کا تھا - اور خاندان بنی عباس مین کسی کو وہ اپنا ہم رتبہ نہ پاتا تھا - چنانچہ اُس نے اپنا نسب بھی عباسیون سے ملا لیا - اور سلیط بن عباس کی نسل مین ہونے کا دعوے کیا -

۱۳۶ھ مین ابوالعباس عبداللہ سفاح نے سفر آخرت کیا تو اُنکے بھائی ابوجعفر عبداللہ منصور خلیفہ ہوے جو دوسرے عباسی خلیفہ ہین - ابومسلم کا رنگ سفاح کے آخر عہد ہی مین بگڑ چلا تھا - یہ لازمی بات ہے کہ خلافت اُسی کے ہاتھ کی بنائی ہوئی اور اُسی کی دلائی ہوئی تھی - اس لیے اُسے اس پر جس قدر فخر و ناز ہوتا بجا تھا - اور تاجداران بنی عباس کا بھی فرض تھا کہ چاہے وہ کیسی ہی باتین کرتا اور اپنی حد سے جس قدر چاہتا بڑھتا اُس کے دم واپسین تک تو اُسکے ساتھ حُسن سلوک کو نباہ دیتے - مگر سچ یہ ہے کہ نباہنا مشکل ہے -

سفاح کے زندگی کے آخری سال مین ابومسلم نے اُسے لکھا تھا کہ "میرا ارادہ حج کا ہے - آپ اجازت دین تو مین اس سفر کا ارادہ کرون" سفاح نے اجازت دی تو ابومسلم کی دوسری درخواست اس امر کی آئی کہ "آپ مجھی کو امیر حج مقرر فرمائین" یہ بات سفاح کو پسند نہ تھی - اُسکے نزدیک ایک

بوسلم عجمی الاصل غلام کا امیر الحج قرار پانا جس مین اکابر قریش اور معززین بنی عباس شریک ہوتے تھے ہرگز مناسب نہ تھا۔ مگر ابوسلم تھا ایسا شخص کہ صاف انکار کرنے کو بھی جی نہ چاہتا تھا۔ ٹالنے کے لیے سفاح نے اپنے ولیعہد بھائی ابوجعفر کو جو الجزیرہ۔ ارمن۔ اور آذربائیجان کا والی تھا لکھا "ابوسلم نے حج کی اجازت مانگی تو مین نے دیدی۔ اب وہ امیر الحج مقرر ہونے کا آرزومند ہے۔ اور یہ مناسب نہین۔ اسکے ٹالنے کی بہتر تدبیر یہ ہے کہ تم بھی مجھ سے سفر حج کی اجازت مانگو۔ اور جب تم بھی حاجیون مین موجود ہوگے تو اُسے اپنی فوقیت ظاہر کرنے کا حوصلہ نہ ہوگا۔"

خلیفہ بھائی کے اس اشارے کے مطابق ابوجعفر نے حج کی اجازت حاصل کی اور کوچ کرکے انبار پہونچا۔ ابوسلم نے جو اُس کے سفر حج کا حال سُنا تو اپنی صحبت مین کہا "منصور کو حج کے لیے یہی سال تھا!" اور بعض ایسے کلمات زبان پر لایا جن سے بغض و حسد کی بو آتی تھی۔ اسکے بعد وہ عازم حج ہوا۔ اور اس شان سے سفر کیا کہ راستے مین غریبون کو کھلاتا پلاتا اور اُنھین کپڑے پنھاتا جاتا تھا۔ جو سڑکین خراب ہوتین اُنھین درست کراتا۔ جہان پانی نہ ہوتا وہان کنوئین کھدواتا۔ غرض سفر بھر مین اُس نے ایسی ایسی فیاضیان دکھائین اور ایسے ایسے ناموری کے کام کیے کہ عربون مین اُسکی دھوم ہوگئی۔ اور جن لوگون نے اُس کے مظالم اور کبر و نخوت کے واقعات سنے تھے متحیر ہو ہو کے کہنے لگے "ہم اُسے بہت ہی بُرا آدمی سنتے تھے مگر یہ تو بڑا فیاض اور بہت ہی اچھا آدمی نکلا۔ لوگون نے غلط مشہور اور بدنام کر رکھا ہے۔" واپسی مین ابوسلم منصور سے پہلے ہی چل کھڑا ہوا۔ اور آگے نکل آیا۔

دونون معزز حاجی راستے ہی مین تھے کہ سفاح کے مرنے کی خبر آئی۔ اسکے افسوس مین ابوسلم نے منصور کو تعزیت کا خط لکھا۔ مگر اُس مین نہ اُسے خلیفہ ہونے کی مبارکباد دی اور نہ یہ خیال کرکے کہ اب یہی خلیفہ ہے اُسکے پاس نذر دینے کو حاضر ہوا۔ بلکہ کوچ کرکے انبار مین پہونچ گیا۔ اور وہان کے حاکم عیسیٰ بن موسیٰ سے کہا "اب سفاح کے بعد تم لوگون کو چاہیے کہ مجھی کو

اُس کا جانشین و خلیفہ تسلیم کر کے میرے ہاتھ پر بیعت کرو۔ اُدھر منصور کے پاس جب ابو مسلم کی طرف سے مبارکباد کا خط نہ گیا تو اُس نے عتاب کیا۔ اور ابو مسلم نے فوراً مبارکباد کا خط بھیج کے اُسے خاموش کر دیا۔

اب منصور کو خبر ہونچی کہ عبداللہ بن علی فاطمی میری خلافت کے مخالف ہین اور مقابلے پر آمادہ ہین۔ منصور نے سنتے ہی ابو مسلم کو لکھا کہ تم فوراً لشکر لے کے جاؤ اور اس فتنے کا استیصال کرو۔ اور اپنے ایک معتبر سردار حسن بن قحطبہ کو یہ فرمان دے کے ابو مسلم کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ تم بھی اس مہم مین اُس کے ساتھ رہنا۔ ابن قحطبہ نے ابو مسلم سے ملنے کے بعد منصور کے وزیر ابو ایوب کو لکھا "یہان مین نے عجب رنگ دیکھا۔ ابو مسلم کو فرمان خلافت دیا تو اُس نے پڑھ کے اُسے مالک بن ہیثم کے سامنے ڈال دیا اور اُس نے بھی پڑھا۔ اسکے بعد دونون دیر تک قہقہے لگاتے اور اُس فرمان کا تمسخر کرتے رہے۔

مگر ابو مسلم فوراً اس مہم پر روانہ ہو گیا۔ ارض عرب مین داخل ہو کے عبداللہ کے لشکر کو شکست دی۔ اور واپس آ رہا تھا کہ راستے مین ابو الخصیب نام ایک معزز شخص منصور کا فرمان لے کے اُس کے پاس آیا اور کہا "امیر المومنین نے پوچھا ہے کہ اس مہم مین آپ کو کیا کیا اور کس قدر مال غنیمت ہاتھ آیا؟ اور آپ نے اُسے کیا کیا؟" یہ سوال سنتے ہی ابو مسلم کو ایسا طیش آیا کہ قریب تھا ابو الخصیب کو قتل کر ڈالے۔ مگر خود ہی کچھ سوچ کے رُک گیا۔ اور کہا "مین جانون کا تو امانتدار ہون مگر روپے کا خائن ہون!" یہ کہہ کے منصور کی نسبت چند سخت سُست کلمات زبان پر لایا۔ ابو الخصیب نے واپس جا کے منصور کو ان واقعات کی اطلاع دے دی۔

اب منصور کو ابو مسلم کی سرکشی کا یقین ہو گیا۔ اور دل مین کہا "ایسا نہ ہو یہ خراسان پہونچ جائے۔ جہان کا یہ عالم ہے۔ وہان کے لوگ اس کا دم بھرتے ہین۔ اگر وہان چلا گیا تو بڑی خرابی ہوگی۔" یہ سوچ کے اُسے لکھا "مین نے تمھین مصر و شام کا والی مقرر کیا۔ جو ملک تمھارے لیے خراسان سے زیادہ مناسب ہے۔ سیدھے اُدھر ہی جاؤ۔ فارس مین جانے کی ضرورت نہین۔

خود شام مین ٹھہرو۔ اور مصر مین کسی کو اپنا نائب بنا کے بھیجدو۔ اس انتظام مین تم مجھ سے قریب رہوگے۔ اور عنقریب مین تمھین اپنے پاس بلوا دون گا۔" یہ فرمان پاکے ابو مسلم نہایت برہم ہوا۔ اور کہا "مجھے مصر و شام سے کیا واسطہ؟ میرا علاقہ تو خراسان ہے۔" مخبر نے یہ خبر بھی منصور کو پہونچا دی۔

اب ابو مسلم علانیہ نافرمانی پر آمادہ تھا۔ عرب سے الجزیرہ مین پہونچا۔ اور وہان سے خراسان کی راہ لی۔ خود منصور اسوقت تک شہر انبار مین تھا۔ ابو مسلم کا یہ رنگ دیکھ کے مدائن مین آگیا۔ اور ابو مسلم کو لکھا کہ "یہان آ کے مجھ سے ملو۔" اس کا جواب یہ ملا کہ "اب امیر المومنین کا کوئی دشمن نہین باقی رہا۔ اور ہمارے یہان شاہان آل ساسان کے زمانے سے یہ کہاوت چلی آتی ہے کہ وزرا کے لیے سب سے زیادہ خوفناک وہ زمانہ ہے جب سلطنت مین کوئی فتنہ و ہنگامہ نہ باقی رہے۔ لہذا ہم آپ کے پاس رہنے سے بھاگتے ہین۔ اظہار وفاداری کے بیشک شایق ہین مگر دور ہی سے۔ اس لیے کہ اسی مین خیریت ہے۔ اس مین اگر آپ راضی ہوت تو ہم آپ کے غلام ہین۔ اور اگر آپ اسکے خلاف پر مجبور کرنا چاہتے ہین تو پھر مین نے جو اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کیا ہے اُسے توڑ دون گا۔ اور جس طرح بنے گا اپنی جان بچاؤن گا۔"

منصور کو یہ خط ملا تو اُس نے جواب لکھا "مین تمھارا مطلب سمجھا۔ مگر تم اُن دغاباز و بدباطن وزرا مین نہین ہو جو اپنے بے انتہا جرائم شدید کے باعث اپنی دولت و سلطنت کو درہم برہم کرنا چاہتے تھے۔ تم نے خواہ مخواہ اپنے آپ کو ایسے وزیرون مین کیون شامل کر لیا؟ تمھاری فرمان برداری۔ خیرخواہی اور خیراندیشی خلافت تو جیسی ہے صاف ظاہر ہے۔" بعض لوگ کہتے ہین کہ اس جواب کے بعد بھی ابو مسلم نے ایک متمردانہ تحریر بھیجی۔ اب منصور نے اکثر امراے بنی ہاشم کی طرف سے اس کے پاس اس مضمون کے پرائوٹ خطوط بھیجوائے کہ "بلا تامل چلے آؤ۔ ورنہ کرو۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔" مگر ابو مسلم نے ایک نہ سُنی۔ اور حُلوان کا راستہ لیا۔

اب منصور نے آخری کارروائی یہ کی کہ ابو حمید مرو روزی کے ہاتھ استمالت

کی ایک اور تحریر بھیجی - اور اُسے سمجھایا کہ تم پہلے بہت ہی نرم الفاظ مین زبانی سمجھانا - اور جب دیکھنا کہ کسی طرح نہین مانتا تو کہنا امیرالمومنین کہتے ہین تم نسل بنی عباس سے نہین ہو - میرے حکم پر نہ آئے اور سرکشی و تمردکی راہ سے آگے بڑھنے کا قصد کیا تو یاد رکھنا کہ مین مسلمان نہین اگر تمھارا معاملہ خود اپنے سوا کسی اور پر چھوڑ دون - جہان جاؤگے تعاقب کرون گا - دریا مین ہوگے تو دریا مین غوطہ لگاؤن گا - اور آگ مین ہوگے تو آگ مین پھاند پڑون گا"

ابو حمید حلوان مین ابومسلم سے ملا - منصور کا خط دیا - زبانی سمجھایا - اور کہا" لوگ آپ کے پاس سے جا کے طرح طرح کی باتین امیرالمومنین سے لگاتے ہین - حالانکہ وہ آپ کے دوست اور آپ کی خیرخواہیون اور جان نثاریون کے شکر گذار ہین - اور سینیے - آپ امیر آل محمدؐ کے محترم لقب سے مشہور ہین - دنیوی جاہ و ثروت سے زیادہ آپ کا اجر آخرت بڑھا ہوا ہے - خدا کے لیے اس اجر کو غارت و کالعدم نہ کیجیے - اور شیطان کے فریب مین نہ آئیے"! کہتے ہین کہ ان باتون کا ابومسلم پر اس قدر اثر پڑا کہ وہ منصور کے پاس چلے جانے پر آمادہ ہو گیا تھا - مگر اُس نے اپنے دوست مالک بن ہیثم سے مشورہ لیا تو اُس نے روکا اور کہا" نہین ایسا غضب نہ کیجیے گا - آپ وہان گئے اور جان سے مارے گئے"

یہ سُن کے آگے بڑھنے کا قصد کیا - اور اپنے معتمد علیہ حاکم رَے نیزک کو بُلا کے دریافت کیا کہ تمھاری اس مین کیا رائے ہے؟ اُس نے بتایا کہ"آپ خراسان جائیے اور نہ مدائن مین منصور کے پاس جائیے - بلکہ میرے ساتھ رَے مین چل کے ٹھہریے" اس مشورے کے بعد ابو مسلم نے منصور کے پاس جانے سے قطعی انکار کیا - جب ابو حمید نے دیکھا کہ مانتا ہی نہین تو منصور کا آخری پیام بھی پہونچا دیا - جسے سن کے ابو مسلم ڈرا اور سہم کے رُکا -

اس اثنا مین خلیفۂ منصور نے جو ابو مسلم کی طرف سے بالکل بدظن ہو چکا تھا اُس کے نائب خراسان ابو داؤد کو لکھ بھیجا" خراسان کی ولایت مدت العمر

کے لیے تم کو دی جاتی ہے - اور اب تم ابو مسلم کے ماتحت نہین بلکہ مستقل والی ہو"
ابو داؤد نے یہ فرمان خلافت پاتے ہی ابو مسلم کو لکھ بھیجا "ہم خلفاے الٰہی
اور اہل بیت رسالت کی نافرمانی نہین کر سکتے - لہذا مین آپ کو مشورہ دیتا
ہون کہ اپنے امام کی مخالفت نہ کرین - اور بغیر اُن کی اجازت کے ادھر کا
قصد نہ فرمائین" یہ خط پڑھ کے ابو مسلم کے رہے سہے ہوش و حواس جاتے
رہے - اور فوراً ابو الحمید کے پاس کہلا بھیجا "میرا ارادہ خراسان جانے کا
تھا - مگر اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہین ٹھہرکے اپنے وکیل ابو اسحٰق کو
امیر المومنین کی خدمت مین بھیجون تاکہ معلوم ہو کہ اُنکی مرضی کیا ہے؟" اور یہ
کہتے ہی ابو اسحٰق کو مدائن کی طرف روانہ کر دیا-
یہ شخص دربار خلافت مین پہونچ کے معززین بنی ہاشم سے ملا تو سب اُس سے
اچھی طرح پیش آئے - خود منصور نے بھی اُس کی عزت افزائی کی - اور کہا "تم
ابو مسلم کو خراسان نہ جانے دو - اس کے معاوضے مین مین تمھین کو والی خراسان
مقرر کیے دیتا ہون" یہ کہہ کے اُسے سند ولایت بھی لکھدی - ابو اسحٰق نے واپس
آکے ابو مسلم سے کہا "آپ کو لوگون نے دھوکا دے رکھا ہے - وہان تو مین نے
سب کو آپ کا دوست بہی خواہ اور ہمدرد ہی پایا - میرے نزدیک آپ کے
وہان چلے جانے مین کوئی اندیشہ کی بات نہین ہے - سب لوگ آپ کا ادب
کرتے ہین - اور آپ کے حقوق کے معترف ہین - آپ بے تکلف جا کے
امیر المومنین سے ملین - اور اُن کے حکم پر عمل کرنے مین جو تاخیر ہوئی ہے اُسکے
بارے مین کوئی معمولی عذر پیش کر کے معذرت کر لین"
اس مشورے کے مطابق ابو مسلم مدائن جانے پر آمادہ ہو گیا- اُس کا دوست
نیزک اس کے خلاف تھا - مگر جب اُس نے دیکھا کہ نہین مانتا اور جاتا ہی ہے
تو کہنے لگا "خیر اب آپ نے جانے کا قصد کر لیا ہے تو اسی مین خدا کی کچھ مصلحت
ہوگی - مگر میری ایک بات یاد رکھیے گا - جیسے ہی منصور کا سامنا ہو جان پر
کھیل کے تلوار کے ایک ہی وار مین اُس کا کام تمام کر دیجیے گا - اسکے بعد
پھر جسکے ہاتھ پر چاہیے گا بیعت کر لیجیے گا - کوئی ہو آپ کے خلاف نہ ہوگا"

اب ابو مسلم نے منصور کو اپنے آنے کی اطلاع دی - اپنی فوج میں سے تین ہزار سوار چُن کے ساتھ لیے اور باقی فوج پر ابو نصر کو افسر بنا کے وہیں چھوڑ دیا۔
منصور کو جو ابو مسلم کا خط ملا تو اُس کو وزیر ابو ایوب کے سامنے ڈال دیا اور کہا "میں تو سامنا ہوتے ہی اُسے قتل کر ڈالوں گا"۔ ابو ایوب سُن کے چپ ہو رہا اور دل میں ڈرا کہ اگر خلیفہ امیر المومنین نے یہ کیا تو ابو مسلم کے طرفدار بلوہ کر کے چڑھ آئیں گے اور میری اور امیر المومنین دونوں کی جانوں کی خیریت نہیں ہے۔ سوچتے سوچتے اُس نے سلمہ بن سعید نام ایک معزز و طامع شخص سے کہا "میں تمہیں علاقہ کسکر کی پوری آمدنی دوں گا جس سے پشتہا پشت کے لیے دولتمند ہو جاؤ گے - اتنا کام کرو کہ ابو مسلم سے راستے میں جا کے ملو - اور اُسے اطمینان دلاؤ کہ امیر المومنین تم سے بہت ہی خوش ہیں - اور تمہیں ماوراء النہر کی حکومت کے لیے تجویز کیا ہے - تاکہ وہ پوری طرح مطمئن ہو کے خوش خوش یہاں آئے۔
سلمہ نے بغیر منصور کی اجازت کے اس خدمت کے انجام دینے میں تامل کیا تو اس نے خلیفہ سے بھی اجازت دلوا دی - بلکہ منصور نے یہ کہا کہ "تم میری طرف سے جا کے ملو - اور میرا اسلام اور خیر مقدم پہونچا دو"۔
یہ کارروائی بھی ہو گئی - اور ابو مسلم شادان و فرحان منصور کے پاس آیا - منصور نہایت ہی خندہ جبینی سے ملا - ملاقات پر بڑی مسرت ظاہر کی - اور کہا "تین دن تک حمام کیجیے اور آرام فرمائیے - اور جب کسل سفر دُور ہو لے تو چوتھے دن مجھ سے آ کے ملیے"۔ وہ زیادہ مطمئن ہو کے اپنی فرودگاہ میں آ کے ٹھہرا - اور منصور نے دوسرے دن صبح کو عثمان بن نہیک اور چار فوجی افسروں کو بُلا کے کہا "ابو مسلم کو قتل کرنا تمہارے ذمے ہے - جب وہ دربار میں آئے تم بھی پردے کے پیچھے تیار کھڑے رہنا - اور میں جیسے ہی تالی بجاؤں نکل پڑنا اور بغیر مجھ سے پوچھے اُسے کاٹ کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا"۔
اب دربار کا دن آیا - جس میں ۱۳۷ھ اور شعبان کی پچیسویں تھی - جلاد تخت کے پیچھے چھپ کے کھڑے ہو گئے - اور ابو مسلم ملنے کو آیا - منصور نے دو چار باتوں کے بعد اُس سے اُن اُمور میں سوالات شروع کیے جنکی شکایت

تھی۔ ابومسلم معذرت پیش کرنے لگا۔ اُن میں سے چند سوالات یہ ہیں "عبداللہ بن علی کے مقابلے میں جو تیرلے تھے کہاں ہیں؟"

ابومسلم۔ (ایک تیر نکال کے) "اُن میں سے فقط یہی ایک بچا ہے وہ حاضر ہے"۔ منصور نے وہ تیر لے کے بچھونے کے نیچے رکھ لیا۔

منصور۔ (عتاب کے لہجے میں) "تم مکے سے واپس آتے وقت مجھ سے آگے کیوں بڑھ آئے؟"

ابومسلم:۔ "میں نے خیال کیا کہ میرے اور آپ کے دو لشکر راستے کے کنووں پر پڑاؤ ڈالیں گے تو وہاں کے لوگوں کو پانی کی تکلیف ہو گی"۔

منصور:۔ "اچھا اسی سفر میں جب لوگوں نے تم کو میرے آنے کا مشورہ دیا تو تم نے کیا جواب دیا تھا؟"

ابومسلم:۔ "اس کی وجہ بھی وہی تھی جو اس سے پہلے عرض کی گئی"۔

منصور:۔ "تم نے عبداللہ بن علی کی حرم کو اپنے تصرف میں لانے کا ارادہ کیا تھا؟"

ابومسلم:۔ "میں نے اس اندیشے سے کہ وہ ضائع نہ ہو جائے اُسے خیمے میں لا کے رکھا۔ اور پہرہ مقرر کر دیا۔ مگر اس کو تصرف میں لانے کا قصد ہرگز نہیں کیا"۔

منصور:۔ "اچھا تو پھر تم منع کرنے پر بھی خراسان جاتے تھے؟"

ابومسلم:۔ "مجھے خیال تھا کہ آپ کے دل میں میری طرف سے کچھ ملال پیدا ہو گیا ہے اس لیے ارادہ تھا کہ جلدی خراسان پہونچ کے عذرخواہی و معافی کی درخواست پیش کر دوں"۔

منصور:۔ "اور وہ روپیہ جو تم نے خراسان کے خزانے میں جمع کیا تھا کیا کیا؟"

ابومسلم:۔ "فوج میں تقسیم کر دیا"۔

منصور:۔ "اور خط و کتابت میں تم اپنا نام پہلے لکھتے ہو۔ اور میرا پیچھے؟ اور یہاں تم نے میری چچی آمنہ بنت علی کے لیے اپنا پیام دیا تھا؟ اسی قدر نہیں۔ تمھارا خیال ہے کہ تم سلیط بن عبداللہ بن عباس کی اولاد میں ہو؟ تمھارا دماغ عرش پر پہونچ گیا ہے۔ اور خیر یہ تو بتاؤ کہ تم نے سلیمان بن کثیر کو کیوں قتل کیا؟ حالانکہ

اُس نے ہماری امامت کی دعوت مین کوشش کی تھی۔ اور تم سے پہلے ہمارا طرفدار تھا"
ابومسلم:۔ "اُس کے قتل کی وجہ یہ ہے کہ وہ میرا مخالف ہوگیا۔ اور نا فرمانی کی تھی"۔

اب منصور کے چشم و ابرو سے غضب کے آثار نمایان تھے۔ منہ مین کف آگیا تھا۔ اور ساعت بہ ساعت دھمکانے اور سزا دینے کا لہجہ اختیار کرتا جاتا تھا۔ رنگ بدلا دیکھ کر ابومسلم خوشامد کے طریقے سے منصور کا ہاتھ چومنے اور معذرت کرنے لگا۔ جس پر منصور نے بگڑ کے کہا "تیری حرکتون سے میرا غصہ بڑھتا ہی جاتا ہے"۔

ابومسلم:۔ "امیرالمومنین ان باتون کو جانے دین۔ اور مین خدا کے سوا کسی سے نہین ڈرتا ہون"۔

اس جملے نے منصور کے تن بدن مین آگ لگا دی۔ بہت ہی بگڑا۔ اُسے گالیان دین۔ اور ساتھ ہی تالی بجا دی۔ جس کی آواز سنتے ہی جلاد تلوارین کھینچے ہوے نکل پڑے۔ عثمان بن نہیک نے آتے ہی ابومسلم کے پرتلے پر اپنے تیغے کا ایک ہاتھ مار کے تلوار کمر سے کاٹ کے گرا دی۔ دوسرا وار نہین کرنے پایا تھا کہ ابومسلم نے فریاد کے لہجے مین کہا "امیرالمومنین۔ مجھے زندہ رکھیے۔ دشمنون کے مقابل آپ کے کام آؤن گا"۔

منصور:۔ "تجھ سے دشمن سے درگذر کرنے کے لیے خدا مجھے زندہ نہ رکھے"۔ اب اُس پر چارون طرف سے تلوارین پڑنے لگین۔ وہ معافی کے لیے چلاتا اور شور کرتا ہی رہا مگر تلوارون نے قیمہ قیمہ کر ڈالا۔ اور اُس کی لاش چٹائی مین لپیٹ کے کنارے کر دی گئی۔

یون خاندان عباسیہ کے بانی اور محسن کا اُسی خاندان کے دوسرے خلیفہ کے ہاتھ سے خاتمہ ہوا۔ اور کون محسن؟ جس نے اُن کے لیے خون کی ندیان بہا دین۔

اُس کے قتل کے بعد اتفاقاً عیسیٰ بن مریم قریشی آیا جو منصور کا عزیز اور اُس کے معتمد علیہ لوگون مین تھا۔ اور ابومسلم کی نسبت اچھی رائے رکھتا تھا۔ اُس نے

آتے ہی پوچھا "امیرالمومنین۔ ابومسلم کہاں ہیں؟ ابھی یہیں تو آئے تھے"
منصور نے شماتت سے کہا "ہاں ابھی یہاں تھے"
موسیٰ "آپ تو یقین ہے امیرالمومنین کو اُن کی فرماں برداری و وفاداری معلوم ہو گئی ہو گی۔ اور حضور کو یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کے بزرگ اور محترم بھائی ابراہیم امام کی اُن کی نسبت کیا رائے تھی؟"
منصور "تم بڑے احمق ہو۔ بھلا دنیا میں ہمارا تمہارا اُس سے بھی بڑا کوئی دشمن ہے؟ لو اُسے دیکھ لو۔ وہ چٹائی میں لپٹا پڑا ہے" عیسیٰ نے چٹائی اُلٹ کے دیکھی۔ اور کہا "انا للہ و انا الیہ راجعون"
منصور "خدا نے تمہارا دل پھیر دیا ہے۔ بھلا ابومسلم کے جیتے جی تمہیں ملک سلطنت اور حکومت نصیب ہو سکتی تھی؟"
عیسیٰ "خیر اب آپ نے اُس کے ساتھ سختی کی ہے تو اُسے زندہ نہ چھوڑیے۔" ساتھ ہی اُس کی لاش کو غور سے دیکھ کے کہا "امیرالمومنین۔ یوں سمجھیے کہ آج کے دن سے آپ کی خلافت کا آغاز ہوا ہے"۔
ابومسلم کو قتل کرنے کے بعد ابوجعفر منصور نے عام لوگوں کے سامنے ایک تقریر کی جس میں کہا "ابومسلم کا آغاز اچھا تھا اور انجام بُرا۔ اُسکے دل میں کھوٹ تھا۔ اور ہم نے اُس کھوٹ کو پہچان لیا جو کوئی اُس کے حالات سے واقف ہوگا ہمیں اُس کے قتل کرنے پر الزام نہ دے گا وہ بیعت کے خلاف جذبات ظاہر کرتا تھا اور عہدشکنی پر آمادہ تھا اسی وجہ سے ہم پر اُس کا خون حلال ہوگیا۔ اور ہم نے وہی کیا جو ہمیں کرنا چاہیے تھا"
ابومسلم کوئی اچھا شخص نہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ ایک عباسی خلیفہ کے ہاتھ سے اُس کا قتل ہونا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ مگر وہ واقعی مستحق اسی کا تھا بنی اُمیہ کو مغلوب کرکے اُس نے دنیا میں جیسے جیسے مظالم کیے ہیں قیامت تک نہیں بھول سکتے۔ چھ لاکھ آدمیوں کا خون اُس کی گردن پر تھا۔ اور نہایت ہی جابر و سخت گیر تھا۔
بنی عباس کے دربار کا رنگ جو سیاہ قرار پایا اُس کی ابتدا بھی اُسی سے

ہوئی۔ اس لیے کہ اُسی کی تجویز سے طرفداران بنی عباس نے اپنے بازوؤن پر سیاہ دھجیان باندھی تھین۔ اب کامیاب ہونے کے بعد جب وہ رنگ دربار اور عہدہ داران خلافت کا لباس ہوگیا تو ایک دن کا واقعہ ہے کہ ابو مسلم سیاہ قبا پہنے ممبر پہ کھڑا تقریر کر رہا تھا۔ کسی نے اُٹھ کے کہا "یہ آپ کے جسم پر سیاہی کیسی نظر آرہی ہے؟" چونکہ اُن دنون استدلال صرف حدیث سے ہوا کرتا تھا۔ اس لیے ابو مسلم نے کہا "مجھ سے بیان کیا ابو الزبیر نے کہ جابر بن عبداللہ کہتے تھے فتح مکہ کے روز رسول اللہ صلعم سیاہ عمامہ باندھے ہوے مکے مین داخل ہوے تھے۔ اس رنگ کے کپڑون سے لوگون کے دلون پر ہیبت طاری ہوتی ہے۔ اور یہی لباس دولت عباسیہ کا ہے۔" یہ جواب دیتے ہی اپنے غلام کو اشارہ کیا کہ "اس شخص کو قتل کرڈالو۔" حکم کے ساتھ ہی وہ آزاد منش آدمی مار ڈالا گیا۔

عبداللہ بن مبارک اُس زمانے کے بڑے زبردست مفتی اور محدث تھے۔ کسی نے اُن سے پوچھا "ابو مسلم اچھا تھا یا حجاج؟" اُنھون نے کہا "مین یہ تو نہ کہون گا کہ ابو مسلم کسی سے اچھا تھا۔ لیکن ہان حجاج اُس سے بُرا ضرور تھا۔"

ابو مسلم مین سب سے بڑا عیب یہ تھا کہ اُسے عجمیت کا تعصب اور عربون سے بُغض تھا۔ یہان تک کہ باوجود عباسیون کے داعی اور بنی ہاشم کے حامی ہونے کے اُس نے عقائد مذہبی مین بھی آزادیان اختیار کرلی تھین۔ اور لامذہبی کی بنیاد ڈال دی تھی جو اُس کے مارے جانے کے تین ہی چار سال بعد راوندیہ فرقے کی صورت مین نمودار ہوئی۔ یہ خراسانی لوگ اور ابو مسلم کے پیرو تھے۔ تناسخ ارواح کے قائل تھے۔ کہتے تھے کہ حضرت آدم کی روح عثمان بن نہیک کے جسم مین نمودار ہوئی ہے۔ اور جبرئیل ہیثم بن معاویہ کے جسم مین آشکارا ہین۔ عباسی خلیفہ کو روزی دینے والا خدا مانتے۔ اور ابو جعفر منصور کے قصر کے سامنے آکے کہنے لگے "یہ ہمارے پروردگار کا محل ہے۔" اور اس عقیدے مین اس قدر انہماک تھا کہ منصور نے روکا تو اپنے اُسی پروردگار سے لڑنے کو تیار ہوگئے۔

اور سب سے زیادہ قوی ثبوت اُس کے عجمی تعصب کا یہ ہے کہ اُس کے قتل کے بعد اُسی سال فیروز اصبہبد (سالار فیروز) نے جو سنباد کے لقب سے

مشہور تھا خراسان مین خلافت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ وہ مجوسی تھا اور دعوے کرتا تھا کہ ابومسلم کے خون کا بدلا لینے کے لیے مین خانہ کعبہ کو جا کے ڈھا دون گا۔ یہ شخص خاص ابومسلم کا ساختہ و پرداختہ تھا۔ کوہستان کے لوگ اُس کے پیرو تھے۔ اُس نے بڑھ کے نیشاپور اور رے پر قبضہ کر لیا اور بہت سی مسلمان خاتونون اور شرفاے عرب کی بیویون کو پکڑ کے لونڈیان بنا لیا۔ پھر جب خلافت کی طرف سے ابن عزار عجلی اُس کے مقابلے کو گیا تو اُس نے اُن عربی خاتونون کو محلون مین بٹھا کے اپنے لشکر کے آگے کر دیا تاکہ وہ نالہ و شیون کے ساتھ اپنی داستان غم سُنا کے مسلمانون کو خوف زدہ کر دین۔ ان بی بیون نے مسلمانون کی صورت دیکھتے ہی نوحہ و بکا کے ساتھ غل مچایا "وا محمداہ ذہب الاسلام" (اے محمد (صلعم) اسلام گیا) خدا کی قدرت۔ وہ یہ جملہ کہہ ہی رہی تھین کہ اُن کے کپڑون مین ہوا بھری۔ اور آنچل و دامن فرفر اُڑنے لگے۔ جن کی آوازسے اونٹ بھڑکے اور اُنھین لے کے سنباد کے لشکر کی طرف بھاگے۔ اُن کو بھاگتے دیکھ کے سنباد کے سپاہی کچھ ایسے مرعوب ہوے کہ وہ بھی بھاگے۔ اور مسلمانون نے تعاقب کر کے مارنا شروع کیا۔

یہ فتنہ اسی پر ختم نہین ہو گیا۔ اس صدی کے آخر تک بلکہ اُسکے بعد بھی جتنی بغاوتین بدعقیدگی و لامذہبی کی شان سے مشرقی صوبجات خلافت عباسیہ مین ہوئین سب مین ابومسلم کے بیہودہ عقائد اور اُس کی مجوسانہ بدمذہبی کی بُو ضرور موجود تھی۔

ابو عبد اللہ شیعی بانی دولت بنی فاطمہ مصر

(۱)

عمرو بن سعید بن عاص بانی دولت آل مروان۔ اور ابومسلم خراسانی بانی دولت عباسیہ کے حالات ہم بیان کر چکے۔ اب اس تیسرے شخص کی باری ہے جس کے واقعات بہت ہی عجیب و غریب ہین۔ اور اس کی مظلومی بھی نہایت حیرت انگیز ہے۔ لیکن اس کے حالات اس قدر زیادہ ہین کہ صرف ایک نمبر

ہیں نہیں ختم ہو سکتے۔ ہم انھیں تین چار نمبروں میں ختم کر دیں گے :۔

خلفاے بنی فاطمہ مصر میں سب سے پہلا شخص ابو محمد عبید اللہ ہے۔ اُس کا نسب یہ بتایا جاتا ہے کہ عبید اللہ بن محمد بن عبد اللہ بن میمون بن محمد بن اسمٰعیل بن جعفر (صادق) بن محمد (باقر) بن علیؓ (زین العابدین) بن حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب۔ اُنکے طرفدار اسی نسب کو مانتے ہیں۔ مگر بعض علماے سلف کو اسکے ماننے میں عذر ہے اور مذکورہ سلسلۂ نسب کو موضوع بتاتے ہیں۔

لیکن ابو محمد عبید اللہ مذکور کے فرمان روا بن کے سارے افریقہ پر متصرف ہو جانے کی بنیاد جس طرح پڑی اُسکے بتانے کے لیے ہمیں کچھ تمہیدی باتیں بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ محققین سلف کہتے ہیں کہ اعداے اسلام کا جب لڑائی میں کوئی زور نہ چلا تو مکر و فریب سے شمع اسلام کے گل کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ اور دوست بن کے مسلمانوں کے عقائد میں تفرقہ ڈالنا اور بازار فتنہ و فساد گرم کرنا شروع کیا۔

چنانچہ سب سے پہلے جن لوگوں نے اس کارروائی کی بنیاد ڈالی بنی اسد کا غلام ابو الخطاب محمد بن ابی زینب اور ابو شاکر میمون بن دیصان مصنف میزان تھے۔ یہ کتاب زندقہ و الحاد کی تائید میں لکھی گئی۔ اور ان دونوں شخصوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ہر عبادت اور ہر حکم شرع کا ایک باطن ہے۔ جس سے راسخون فی العلم اولیاء اللہ۔ اور ابواب (باب لوگ) واقف ہوتے ہیں۔ لہذا بالذات اُن پر نہ نماز فرض ہے نہ روزہ۔ نہ زکوٰۃ فرض ہے نہ حج۔ اسی طرح اُنکے لیے حرام بھی کوئی چیز نہیں۔ یہاں تک کہ ان بیٹوں اور جملہ محرمات ابدیہ سے نکاح کرنا بھی جائز ہے۔ یہ اوامر و نواہی صرف عوام کے لیے ہیں۔ اور خواص اُن سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ لوگ بظاہر تشیع ظاہر کرتے اور آلِ رسول کے جانبدار بنتے تاکہ عوام کو اپنے فریب میں آسانی سے پھانس سکیں۔

اس گروہ کے لوگ ملکوں ملکوں اور شہروں شہروں پھیل گئے۔ بظاہر عابد و زاہد اور متقی و پرہیزگار بنتے تاکہ لوگ گرویدہ ہوں۔ ابو الخطاب سے جب

لہ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ "باب" کا لفظ جو میرزا علی محمد باب نے اختیار کیا تھا کتنی پرانی اصطلاح اور خوفناک لفظ

عوام نے کہا کہ "تمھاری پیروی کرتے ہیں ہم سرکاری فوج سے ڈرتے ہیں" تو اُس نے برجستہ کہا "اس کا اندیشہ نہ کرو۔ اُن کے اسلحہ تمھارے جسم پر اثر ہی نہ کریں گے" پھر جب لشکر خلافت آیا اور اُس نے ان کا قلع و قمع شروع کیا تو سب نے جا کے اُس سے کہا "حضرت یہ کیا؟ آپ تو فرماتے تھے کہ دشمنوں کے اسلحہ اثر نہ کریں گے۔ اور یہاں لوگ کٹتے چلے جاتے ہیں" بےساختہ کہنے لگا "جب اللہ کی مرضی یوں ہو تو میں کیا کروں؟" اسی ہنگامے میں ابو الخطاب اور اُسکے بہت سے رفقا مارے گئے

اب یہ لوگ چاروں طرف پھیل گئے۔ اور ملکوں ملکوں پھر کے شعبدہ بازی ڈھٹ بندی۔ طلسم۔ کیمیا گری۔ اور نجوم و جفر کے فن سیکھے۔ اور اپنی کارستانیوں سے عوام کو بہکانے لگے۔ ساتھ ہی زہد و تقویٰ کے اظہار سے اپنی نیکوکاری پر اثر ڈالتے تھے۔

اسی اثنا میں میمون بن دیصان کے ایک بیٹے عبد اللہ القداح کا نشوونما ہوا۔ باپ نے اُسے شعبدہ بازی اور ڈھٹ بندی کی خوب تعلیم دی تھی۔ انھیں دنوں اطراف کرخ و اصفہان میں محمد بن حسین نام ایک شخص تھا جو دندان کے لقب سے مشہور تھا اور اُن اضلاع کا عجمی الاصل والی تھا۔ عربوں سے بغض رکھتا تھا۔ اور اُن کے معائب چن چن کے جمع کیا کرتا۔ قداح اُس کے پاس گیا۔ اُسکے خیالات میں اُسے اور زیادہ ترقی دلائی۔ اور سمجھایا کہ اپنے اصلی منشا کو چھپایئے اور بظاہر شیعہ بن کے صحابہ پر طعن کیجیے۔ دندان نے اس مشورے کو پسند کیا۔ اور اُسے بہت کچھ مال و دولت دے کے اس بات کا موقع دیا کہ روپیہ دے کے جا بجا اپنے داعی مقرر کرے۔ چنانچہ بلاد اہواز۔ بصرہ۔ کوفہ۔ طالقان۔ خراسان اور حمص میں وہ بذات خود گیا۔ اور ہر جگہ اپنے داعی مقرر کر دیے۔

جب قداح دنیا سے رخصت ہو گیا تو اُس کا بیٹا احمد کھڑا ہوا۔ اُسے رستم بن حسین بن حوشب بن دادان نام ایک کوفی الاصل شخص مل گیا جو بڑھئی کا کام کرتا تھا یہ شخص سب کام چھوڑ کے احمد کے ساتھ ہو گیا۔

اسی زمانے میں ملک یمن میں محمد بن فضل نام ایک بڑا دولتمند شخص تھا۔ وہ

عـــہ قداح اس لیے کہ یہ شخص آنکھوں کو قدح اور اُن کا علاج کرتا تھا۔

زیارت تربت حسینؑ کے لیے کربلا میں آیا۔ احمد اور رستم نے اُسے دیکھا کہ مزیج حسینؑ سے لپٹا ہوا زار و قطار رو رہا ہے۔ دل میں سمجھ گئے کہ اس پر ہمارا جادو چل سکے گا۔ وہ جیسے ہی روضۂ انور سے باہر نکلا دونوں اُس سے ملے اور باتوں باتوں میں اُسے بہکا کے اپنا ہم خیال بنا لیا۔ اس کے بعد رستم تجارت کے ساتھ یمن میں گیا۔ اُسے زہد و تقویٰ اور عبادت و طہارت کی تاکید کی۔ اور کہا "لوگوں کو امام مہدی علیہ السلام کی طرف مدعو کیجیے۔ اس لیے کہ عنقریب آپ یمن میں ظاہر ہوں گے"

اس کے بعد خود رستم عدن میں جا کے بنی موسیٰ نام ایک شیعہ قبیلے کے قریب اُترا۔ اور تجارت اور لین دین شروع کر دیا۔ اُنھوں نے پوچھا آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟" کہا "تجارت کو" اُن کو یقین نہ آیا اور کہا "ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے راز کو چھپاتے ہیں۔ ہم نے سنا ہے کہ آپ سفیر و رسول امام ہیں"۔ اُن کے اصرار پر اُس نے قبول کر لیا۔ فوراً اُن میں حضرت امام مہدیؑ کی جانب سے تبلیغ شروع کر دی۔ اور کہا "گھوڑے اور اسلحہ جہاں تک لے سکیں خرید کے تیار رکھیے۔ تاکہ وقت پر ڈھونڈھنا نہ پڑیں۔ یاد رکھیے کہ حضرت امام کے ظہور کا خاص یہی زمانہ ہے"

اب شیعوں میں اس تحریک کی شہرت ہوئی۔ یمن سے اُڑتے اُڑتے یہ خبر عراق میں پہونچی۔ اور وہاں کے شیعوں میں سے اکثر سفر کر کے یمن میں آ گئے۔ اور ان لوگوں کا گروہ یوماً فیوماً ترقی کرنے لگا۔ لیکن ایسے پُرجوش گروہ کا خاموش بیٹھنا دشوار ہوتا ہے۔ حضرت امام کے ظہور میں دیر ہوئی تو ان لوگوں نے جو اب مسلح تھے اور اچھے گھوڑے رکھتے تھے گرد کے قبائل پر لوٹ مار شروع کر دی۔ اور اس طریقے سے جو دولت حاصل کی اُس میں سے نذرانہ عبداللہ قداح کی اولاد کے لیے کوفے میں بھیجا۔

ان یمن والوں نے اپنے دو شخص ارض مغرب میں بھیج دیے تھے تاکہ وہاں ان کی جانب سے لوگوں کو مدعو کریں۔ اور ان سے کہا "وہاں غیر مزروعہ زمین پڑی ہے اسے جا کے جوتو بوؤ۔ یہاں تک کہ غلہ کا مالک آ جائے"۔ اُن میں سے

ایک حلوانی کہلاتا تھا اور دوسرا ابو سفیان۔ یہ دونون ارض مغرب فریقیہ مین گئے۔ ایک ارض کتامہ کے ایک گانوٴن مرمجنہ مین ٹھہرا اور دوسرا سوق الحمار مین۔ اور دونون پہونچتے ہی اپنے مقام مین کھیتی کرنے لگے۔ اُس سرزمین کے لوگ اُن کے دوست ہو گئے۔ اور اکثرون نے تحفے دیے۔ اور نذرانے لا لا کے پیش کیے۔ اور انھون نے اُن پر اپنا اثر بڑھانا شروع کیا۔ یہ دونون شخص سالہا سال وہان رہے۔ یہان تک کہ دونون وہین پیوند زمین ہو گئے۔ اور یمن مین فکر ہوئی کہ اب ان دونون کی جگہ وہان کون بھیجا جائے۔

اب اسی جگہ سے ابوعبداللہ شیعی کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ اُس کا نام حسین تھا۔ احمد بن زکریا کا بیٹا تھا۔ اور خاص صنعاء کا رہنے والا تھا۔ وہ جوش عقیدت و ارادت سے رستم بن حسین بن حوشب کے پاس عدن مین آیا۔ اُس کی صحبت مین رہنے لگا۔ اور چند روز مین اُس کے اعلیٰ اور مخصوص ترین اصحاب مین شامل ہو گیا۔ بجاے خود وہ ایک زبردست عالم تھا۔ اور صاحب ذہن رسا ہونے کے ساتھ بڑا ہی ہوشیار اور چالاک تھا۔ جب ابن حوشب کے پاس حلوانی اور ابو سفیان کے مرنے کی خبر آئی تو اُس نے اسی ابوعبداللہ شیعی سے کہا "ارض مغرب مین علاقہ کتامہ مین ان دونون شخصون نے کھیت تیار کر رکھے ہین مگر افسوس وہ مر گئے۔ اب اُس سرزمین کے لیے تم سے زیادہ موزون کوئی شخص نہین ہے۔ وہان جاوٴ۔ مزرعہ اور کھیت تیار رہے" ابوعبداللہ نے اُس کا حکم قبول کر لیا۔ اور مغرب جانے کے لیے چل کھڑا ہو۔ ابن حوشب نے روانہ کرتے وقت اُسے بہت کچھ روپیہ پیسہ دیا۔ اور ایک دوسرے شخص عبداللہ بن ابی ملاحف کو بھی اُس کے ساتھ کر دیا۔

یمن سے افریقہ جانے کا راستہ چونکہ شمالی عرب مین جا کے مصر سے تھا اس لیے ابوعبداللہ پہلے مکۂ معظمہ مین پہونچا۔ اور حج کیا۔ یہان اُس نے کتامہ کے حاجیون کا پتہ لگایا۔ اور اُنھین مین جا کے ٹھہرا۔ مگر نہ اُن سے ملا نہ اُن پر اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ اُس کے زہد و اتقا کو دیکھ کے وہ لوگ اُس کے گرویدہ ہو گئے۔ اور خود ہی کوشش کر کے شناسائی پیدا کی۔ اُس کی صحبت

مین آ آکے بیٹھنے لگے اور جو یلے حال ہوے۔ آخر اُنھون نے پوچھا "اب آپ کا اُرادہ یہان سے کہان جانے کا ہے؟" کہا "مصر جاؤن گا"۔ یہ جواب سُن کے وہ لوگ بہت خوش ہوے کہ خیر مصر تک تو ایسے نیک نفس اور عابد و زاہد شخص کا ساتھ رہے گا"۔

یہ اہل کتامہ جو مکے مین آئے ہوے تھے اُن کا سردار و سرگروہ حُریث جمیلی تھا جو بعد کو موسیٰ بن مکاد کے نام سے مشہور ہوا۔ اب اُن سب لوگون کے ساتھ ابوعبداللہ مصر کی طرف روانہ ہوا۔ رفیقان سفر راستے مین جو جو اُس کا زہد تقویٰ دیکھتے اور زیادہ گرویدہ ہوتے جاتے۔ اور صدق دل سے اُسکی خدمت کرنا موجب ثواب سمجھتے۔ اور وہ اُن سے باتون باتون مین اُن کے شہرون اُن کی سرزمین۔ اُنکے قبائل۔ اور اُن کی حکومت کے حالات پوچھتا رہتا۔ ایک دن پوچھا "تمھارے سلطان کون ہین؟ اور اُن کی حکومت کیسی ہے؟" اُنھون نے کہا "وہ چاہے کوئی ہون اور کیسے ہون ہمین اُن کی اطاعت نہین کرنا پڑتی۔ اس لیے کہ وہ ہم سے دس دن کی مسافت پر رہتے ہین"۔ پوچھا "اور تمھارے لوگ اسلحہ سے بھی کام لیتے ہین؟" اُنھون نے کہا "اور اس کے سوا ہمارا شغل ہی کیا ہے؟"

الغرض اسی طرح اُن کے حالات پوچھتا ہوا ابوعبداللہ مصر مین پہونچا۔ یہان اُن عقیدت کیش ہمراہیون سے رخصت ہونے لگا تو اُنھون نے پوچھا "مصر مین آپ کا کیا کام ہے؟" کہا "طلب علم"۔ اُنھون نے کہا "اس غرض کے لیے تو ہمارا ملک اس سرزمین سے زیادہ موزون ہے۔ وہین نہ چلے چلیے؟ ہمارے وہان آپ خوش رہین گے۔ اور ہم آپ کی خدمت کرین گے"۔ الغرض ابوعبداللہ نے جب اُن سے خوب اصرار کرا لیا تو ساتھ جانے پر راضی ہو گیا۔ اور اُنکے ہمراہ آگے کی راہ لی۔

وہ لوگ جب اپنے وطن کے قریب پہونچے تو راستے مین شیعیان علیؑ کی ایک بستی ملی۔ اُن لوگون کو جو ابوعبداللہ کے حالات معلوم ہوے تو اس قافلے کو اپنے قریب اُتارا۔ اور اُن مین سے ہر شخص آرزومند ہوا کہ ابوعبداللہ کو اپنا

مہمان بنالے۔ اس اختلاف کا فیصلہ قرعہ اندازی سے ہوا۔ اور جس کے نام کا قرعہ نکلا اُسی نے اُس کی خدمت اپنے ذمے لی۔

اب ابو عبد اللہ یہاں سے بھی کوچ کر کے اپنے تمام رفقا کے ساتھ ۱۵ ربیع الاول سنہ ۲۸۸ھ کو کتامہ میں پہونچا۔ اہل کتامہ نے اُس کے آنے کا حال سُنا تو مصر ہوے کہ "آپ ہماری ہی بستی میں اقامت گزین ہوں۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کی رفاقت کریں گے۔" ابو عبد اللہ نے کہا "پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ مقام "فج الاخیار" کہاں ہے؟" یہ ایک غیر معروف بستی تھی جس کا کبھی کسی مغربی رفیق سفر نے اُس سے ذکر نہیں کیا تھا۔ اُس کی زبان سے اس بستی کا نام سُن کے سب لوگ دنگ رہ گئے۔ اور اسے اُسکے کشف باطنی پر محمول کیا۔ اور بتایا کہ فج الاخیار قبیلۂ بنی سلیمان کے علاقے میں ہے۔" ابو عبد اللہ نے کہا "تو میں وہیں جاکے رہوں گا۔ لیکن باری باری اور وقتاً فوقتاً تمھارے یہاں آکے تم سے بھی مل جایا کروں گا۔" سب نے منظور کیا۔ اور وہ اُن لوگوں سے رخصت ہوکے کوہ انکجان پر پہونچا جس کی ایک وادی میں "فج الاخیار" کی بستی واقع تھی۔

اس کے ساتھ ہی اُس نے لوگوں سے کہا "اس مقام کا نام "فج الاخیار" ہی در محض تمھاری خوبیوں کی وجہ سے یہ نام پڑ گیا ہے۔ اخبار و آثار میں آیا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کو حضرت رسول خدا صلعم کی طرح اپنے وطن سے ہجرت کرنا پڑے گی۔ اخیار لوگ اُن حضرت کے ناصر و مددگار رہوں گے۔ اور وہ وہ لوگ ہوں گے جن کا نام لفظ "کتمان" سے نکلا ہوگا۔ اس لیے مجھے امید ہے کہ یقین "اخیار" لوگوں کی بستی "فج الاخیار" ہوگی۔ اور وہ علاقۂ "کتامہ" والے ہوں گے جن کے وطن کا نام لفظ "کتمان" سے ماخوذ ہے۔

اُس کی زبان سے یہ رمز سنتے ہی سب لوگ اور زیادہ اُس کے گرویدہ ہوگئے۔ اور اُس نے طرح طرح کے کرشمے اور شعبدے دکھا دکھا کے سب لوگوں کو اپنا فرماں بردار غلام بنالیا۔ اور چند روز میں اُس کی دینداری و نیک نفسی کی اور اُسکے مکاشفات و کرامات کی شہرت دُور دُور تک ہوگئی۔ اور اطراف و جوانب سے اہل بربر آ آکے اُس کے ہاتھ چومنے لگے۔ بہت سے قبائل بربر اُسکے

خلاف بھی ہو گئے۔ جن سے لڑائیاں ہوئین۔ اور کئی لڑائیون مین وہ مرتے مرتے بچا۔ مگر ابھی تک اُس نے کسی کے سامنے "مہدی" کا لفظ زبان سے نہین نکالا تھا۔ بعض اہل علم فقہا اُس سے مناظرہ کرنے کو بھی آئے۔ مگر اہل کتامہ نے اُس کی طرفداری کے خیال سے مناظرے کی بھی نوبت نہ آنے دی۔ اس سرزمین مین اور ان لوگون مین وہ عبداللہ شرقی کے لقب سے مشہور تھا۔

اب ابو عبداللہ کے اثر اور تصرف کی خبر امیر افریقہ ابراہیم بن احمد ابن اغلب کو ہوئی۔ اُس نے شہر مسیلہ کے عامل کو لکھ کے اُس کی کیفیت دریافت کی۔ عامل نے رپورٹ کی کہ وہ بالکل ایک معمولی شخص ہے۔ اس قابل نہین کہ حضور اُس کا خیال کرین۔ موٹے جھوٹے کپڑے پہنتا ہے۔ اور لوگون کو نیکوکاری اور زہد و تقویٰ و عبادت کی تاکید کیا کرتا ہے"۔ یہ جواب سُن کے فرمان روائے افریقہ مطمئن ہو گیا۔

اب ابو عبداللہ نے ایک دن بیٹھے بیٹھے لوگون سے کہا "تم لوگون نے ابھی تک مجھے پہچانا نہین۔ مین وہی صاحب بذر (غلّے کا مالک) ہون جس کا ذکر غالباً تم نے حلوانی اور ابو سفیان کی زبان سے سُنا ہوگا"۔ سب نے تصدیق کی کہ بے شک ہم نے اُن دونون کو یہ کہتے سُنا تھا۔ اور پہلے سے بدرجہا زیادہ اُس کے معتقد اور اُسکے کمالات کے معترف ہو گئے۔ اور بے عذر اُس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے لگے۔ اس جدید اثر سے لوگون پر اُس کی حکومت یہان تک بڑھی کہ حاکم بربر کے احکام کا زور ٹوٹ گیا۔ اور اسی وقت سے لوگون مین تفرقہ پڑنا شروع ہوا۔ اس موقع پر کسی مخالف نے اُسکے مار ڈالنے کا بھی ارادہ کیا۔ اور زمانے مین اپنے خلاف شورش دیکھ کے ابو عبداللہ روپوش ہو گیا۔ مگر اُس کی وجہ سے لوگون مین سخت خون ریزی ہونے لگی۔

اس شورش کی خبر حسن بن ہارون نام ایک شخص کو ہوئی جو علاقۂ کتامہ کے اکابر معززین مین سے تھا۔ اور دولتمند تھا۔ اُس نے فوراً ابو عبداللہ کو اپنی حمایت مین لے لیا۔ اور اُس کی طرفداری مین اُٹھ کھڑا ہوا۔ اب وہی حسن اور ابو عبداللہ

دونوں جا کے شہر ناصرون مین مقیم ہوے - ہر طرف سے بربر کے قبائل آ کے اُس کی زیارت کرتے - اور اُس کا اثر اپنے دل مین لیجاتے - اس طریقے سے اُس کی شان اور بڑھی - خصوصاً اس لیے کہ ابن ہارون کا سا رئیس اُس کا انیس اور معرفت تھا - اُس کی قدردانی مین ابوعبداللہ نے سواروں کی سپہ سالاری اُسی کو دی - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب سواروں کی ایک فوج بھی اُس کے پاس موجود تھی - حسن کو سپہ سالار مقرر کرتے ہی ابوعبداللہ نے روپوشی کی نقاب الٹ دی - میدان مین سامنے آیا - اور مخالفون کے مقابل اشتہار جنگ دے دیا - مختلف لڑائیان ہوئین جن مین ہمیشہ وہی کامیاب و فتحمند ہوتا رہا - اور لوٹ لوٹ کے بہت سی دولت ناصرون مین جمع کر لی -

ان واقعات سے اُس کی مخالفت کا جوش اہل بربر مین بڑھ گیا - اُنھون نے اُس پر سخت یورشین شروع کر دین - لہذا اُس نے ناصرون کے گرداگرد خندق کھدوالی - اور پوری طرح مقابلہ کا سامان کیا - متواتر بہت سی لڑائیان ہوئین - اور آخر مین اُس نے دشمنون سے صلح کر لی - مگر چند ہی روز بعد پھر لڑائی چھڑ گئی - جس مین وہ فتحیاب ہوا - دشمنون کا مال لوٹ کے زیادہ دولتمند بنا - اور از روے معاہدہ تمام اہل کتامہ و بربر کا حاکم بن گیا -

اب وہی ابوعبداللہ شیعی جو ایک اجنبی مُلّا اور شکستہ حال مسافر کی شان سے اس سرزمین مین آیا تھا اپنی حکمت عملی سے ایک چھوٹا موٹا فرمان روا بن گیا - اور ان کامیابیون سے ایسا حوصلہ بڑھا کہ بڑھ کے شہر میلہ پر حملہ کر دیا جو کہ حکمران افریقہ کے ایک نائب کا مستقر حکومت تھا - حسن اتفاق سے میلہ کا ایک شخص حسن بن احمد نام وہان کے حاکم کے خوف سے بھاگ کے اُس کے پاس آیا - اور کہا "آپ چل کے شہر پر قبضہ کر لین - مین ایسی خوش تدبیری سے لے چلون گا کہ کسی کو خبر بھی نہ ہونے پائے گی اور آپ یک بیک شہر پر قابض ہو جائین گے" - اور یہی ہوا - ابوعبداللہ اپنے لشکر کے ساتھ جاتے ہی شہر پر چڑھ دوڑا - کسی کو مزاحمت کی جرأت نہ ہوئی - اور اُس نے شہر پناہ اپنے قبضے مین کر لی - لوگون نے امان مانگی - وہ امان دے کے شہر مین داخل ہو گیا -

اس واقعے کی خبر امیر افریقیہ ابراہیم بن احمد کو ہوئی تو اپنے جاد بیٹے احول کو (جو دُوسکی چیز آنکھ دبا کے دیکھنے کی وجہ سے احول مشہور ہو گیا تھا) دس ہزار فوج کے ساتھ اس کے مقابلے پر روانہ کیا۔ ابو عبداللہ نے شہر سے نکل کے مقابلہ کیا۔ بڑی بھاری لڑائی اور سخت خون ریزی ہوئی۔ جسکے نتیجے مین ابو عبداللہ کو شکست ہوئی۔ اُس کے بہت سے رفقا مارے گئے۔ میدان چھوڑ کے بھاگا۔ اور احول نے تعاقب کیا۔ ابو عبداللہ نے یہان سے بھاگ کے کوہ انکجان کا رستہ لیا تھا اور شاہی لشکر اُس کے تعاقب مین چلا جاتا تھا۔ کہ یکایک شدید برف باری شروع ہو گئی جس کے باعث احول کو تعاقب سے دست بردار ہونا پڑا۔ مگر اس نے ابو عبداللہ کو تو پہاڑون مین چھوڑا اور خود ابو عبداللہ کے مستقر شہر ناصرون پر چڑھ گیا۔ دھاوا کرکے اُسے فتح کر لیا۔ جہان تک بنا لوٹا۔ مکانون مین آگ لگا دی۔ اور اُسے خاک سیاہ کرکے شہر میلہ مین گھُس کے اُسے بھی جلا کے خاک کر دیا۔ اور جب دیکھا کہ اب کوئی رفیق اور طرفدار ابو عبداللہ کا نہین ملتا تو واپس چلا گیا

(۲)

اب ابو عبداللہ نے شہر انکجان کو اپنا دار الہجرۃ قرار دیا۔ اور معتقدین اطراف جو انب کی مدد سے وہ اطراف کے مخالفون کو لوٹتا۔ مارتا۔ پکڑ پکڑ کے سخت سزائین دیتا۔ اسی اثنا مین خبر آئی کہ امیر افریقیہ ابراہیم مر گیا۔ یہ سُن کے وہ خوش ہوا۔ اتنے مین معلوم ہوا کہ ابراہیم کا بیٹا ابو العباس جو جانشین ہوا تھا مارا گیا۔ اور اب حاکم افریقیہ زیادۃ اللہ ہے جو لہو ولعب مین منہمک اور نظم ونسق مملکت سے غافل ہے۔ یہ واقعات سُن کے ابو عبداللہ اور خوش ہوا۔

احول نے جس کا ذکر آ چکا ہے اپنے بھائی ابو العباس کے چند روزہ عہد مین بہت سا لشکر جمع کرکے ابو عبداللہ پر حملہ کیا۔ لڑائی مین اگرچہ اُس کی فوج ابو عبداللہ کے پُرجوش پیرؤون کے مقابل پسپا ہو گئی تھی مگر پھر بھی اُس نے ہمت نہیں ہاری۔ انکجان کے سامنے پڑا و ڈالے پڑا ہوا تھا اور ابو عبداللہ کو کسی طرح بڑھنے نہ دیتا تھا۔ اتنے مین نئے فرمان روا ابو نصر زیادۃ اللہ نے اُسے بلوایا

اور اپنا رقیب تصور کر کے قتل کر ڈالا۔ اُسکے مارے جاتے ہی ابو عبد اللہ کا زور بڑھ گیا۔ اُس کی فوجین جا بجا پھیل گئین۔ ہر جگہ لوگون پر اُس کا رعب بیٹھ گیا۔ اور اُس نے لوگون سے عموماً کہنا شروع کر دیا کہ "امام مہدی علیہ السلام کا ظہور اسی زمانے مین ہوگا۔ اور وہی ساری دنیا کے مالک ہون گے۔ خوش نصیب ہے وہ جو میرے پاس حاضر ہو کے اطاعت کرے۔ اسی سلسلے مین وہ لوگون کو ابو نصر کی مخالفت پر اُبھارنے لگا اور اُسکے عیوب چُن چُن کے لوگون مین مشہور کرنا شروع کیے۔ ابو نصر زیادۃ اللہ کے تمام وزرا عقیدۃً شیعہ تھے۔ اس لیے وہ ابو عبد اللہ کی بات بد پر کچھ بُرا نہ مانتے۔ کیونکہ اُسے اپنا ہم عقیدہ و ہم خیال تصور کرتے تھے۔ اور جس چیز نے افریقہ کے تمام اہل دربار کو ابو عبد اللہ کا ہم آہنگ بنا دیا وہ چیز تھی کہ وہ زور دے دے کے حضرت مہدی آخر الزمان کی کرامتین بیان کرتا اور اتنا کہ "وہ مردے زندہ کر دین گے۔ سورج کو مغرب سے نکالین گے۔ اور ساری دنیا پر متصرف ہونگے"۔ غرض ابو عبد اللہ نے چپکے ہی چپکے مراسلت کر کے زیادۃ اللہ کے تمام وزیرون کو اپنا معتقد اور اپنے موافق بنا لیا۔

اب ابو عبد اللہ کو یہان اسی کامیاب حالت مین چھوڑ کے ناظرین خاندان عبد اللہ بن میمون قداح کے کارنامے سُنین۔ اُس کے مرتے ہی اُس کے مجہول النسب لڑکون نے دعوی کیا کہ ہم لوگ عقیل بن ابی طالب کی نسل سے ہین۔ لیکن ان دعوؤن پر بھی اُن لوگون کا طرز عمل یہی تھا کہ اپنے آپ کو چھپاتے اور جہان تک ممکن ہوتا مخفی رکھتے۔ اُن مین سب سے زیادہ سربرآوردہ اور ممتاز احمد بن عبد اللہ تھا۔ جب وہ بھی دنیا سے رخصت ہو گیا تو اُس کا بیٹا محمد اُس کا جانشین ہوا۔ اور تمام داعی جو مختلف ممالک و بلاد مین پھیلے ہوے تھے اُس کی طرف رجوع ہو گئے۔ اور اُس سے مراسلت کرنے لگے اس محمد کی وفات پر اسکے وارث اسکے دو بیٹے احمد اور حسین ہوے حسین ملک شام مین جا کے علاقہ حمص کے شہر سلمیہ مین فروکش ہوا۔ اُس کے پاس خاندان کی تمام یادگارین اور ودیعتین موجود تھین۔ اور اُس کے داعی۔ وکیل۔ اور غلام ملکون مین پھیلے ہوے تھے۔

اُدھر بغداد مین قداح کی اولاد مین سے ابوالشلعلغ تھا۔ مگر اُس کا اثر کم تھا اور حسین بن محمد جو سلمیہ مین اقامت گزین تھا اس بات کا مدعی تھا کہ مین ہی اصلی داعی ہون۔ تمام داعی اُسی سے والبستہ تھے۔ اور اُس سے مراسلت رکھتے تھے۔ سلمیہ مین اتفاقاً اُس کی صحبت مین حسین عورتون کا ذکر آیا۔ کسی نے ایک یہودی لوہارکی یہودن بیوہ کے حسن وجمال کی بے انتہا تعریف کی۔ اُس یہودن کی صورت حسین کے دل مین جم گئی۔ اور ریشہ دوانی کر کے اُس سے شادی کرلی۔ اُس یہودن کا پہلے یہودی شوہر کے نطفے سے ایک لڑکا تھا جو نہایت ہی خوبرو تھا۔ اور رعنائی ودلربائی مین اپنی ماں کا سچا وارث تھا۔ یہودن کے ساتھ وہ بھی حسین کے گھر آیا۔ اور اُس کے آغوش مین پرورش پانے لگا۔ حسین کو اُس کی صورت پسند آئی۔ اپنا فرزند بنا لیا۔ اسلامی تہذیب سکھائی لکھایا پڑھایا۔ اور چند روز مین وہ ایک ممتاز اور حوصلہ مند نوجوان ثابت ہوا تب حسین نے اُسے اپنے علمی وعملی اسرار دعوت بتائے۔ اور اُس پر ظاہر کیا کہ ہمارے داعی کہان کہان موجود ہین اور کیا کر رہے ہین۔ پھر جو خاندانی ودیعتین اور اگلے تبرکات وعلامات اُس کے پاس تھے سب اُس کے حوالے کیے۔ اُسی کو اپنا وصی اور اپنا جانشین بنایا۔ اور اپنے چچا ابوالشلعلغ کی بیٹی سے اُس کی شادی کردی۔

چند روز کے بعد موقع پاکے اُس یہودی وصی نے اپنا نام عبیداللہ بتایا ایک فاطمی نسب بناکے اپنی جانب منسوب کرلیا۔ اور دعوی کیا کہ مین محمد بن حسین بن علی بن محمد بن موسیٰ بن جعفر صادق بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن حسین بن علی بن ابی طالب ہون۔ یہی شخص عبیداللہ مہدی بانی خاندان بنی فاطمہ مصر تھا۔ اور اُس کی اصلیت جو کچھ بتائی گئی یہ ابوالقاسم ابیض علوی کے قول کے مطابق ہے۔ اور اکثر اہل نسب کو اسی سے اتفاق ہے۔ مگر بعض لوگ کہتے ہین کہ یہ عبیداللہ یہودی زادہ نہ تھا۔ بلکہ خاص قداح کی اولاد سے تھا۔ مگر عبیداللہ مذکور اپنے دعوے کے مطابق صحیح النسب فاطمی ہرگز نہ تھا۔

حسین نے جب اس عبیداللہ کو اپنا جانشین اور وصی قرار دیا تو اُس سے

یہ الفاظ کہے "عنقریب میرے بعد تم ہجرت بعیدہ کروگے۔ اور سخت مصیبتین اُٹھاؤگے"۔ حسین کے مرنے کے بعد جب عبیداللہ نے امامت کا چارج اپنے ذمے لیا تو ایسی لیاقت وحسن تدبیر سے کام کیا کہ چندہی روز مین اُس کی شہرت ہوگئی۔ نقیبون اور داعیون سے مراسلت کی۔ سب مین تازہ جوش پیدا کیا۔ اور سب کو اپنا بنالیا۔ یہان تک کہ ابوعبداللہ شیعی نے کتامہ کے چند لوگ اُس کے پاس بھیجے تاکہ اُس کو اپنے حُسن کارگذاری کا ثبوت دین۔ اور اپنی فتوحات اور کامیابیون کا مژدہ سُنائین۔ اور اُسے یقین دلائین کہ لوگ آپ کے ظہور وخروج کے منتظر ہین۔

اِن دنون بغداد کے سریر خلافت پر مکتفی باللہ جلوس فرما تھا۔ اُسے ان واقعات اور اِن اندرونی سازشون کی خبر ہوئی تو عبیداللہ کو اپنے دربار مین طلب کیا۔ عبیداللہ کو یقین ہوگیا کہ اب میرا یہان زندہ رہنا دشوار ہے۔ فوراً اپنے بیٹے ابوالقاسم نزار اور اپنے خادمون اور غلامون کو ساتھ لے کے مغرب کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ اور عہدہ داران خلافت کی نظر سے بچتا ہوا مصر مین ہو پہنچا۔ اور تاجرون کے بھیس مین ادھر اُدھر آنے جانے لگا۔

والی مصر عیسیٰ نوشیری تھا۔ اور اُس کے بعض مخصوصین محبت شیعہ تھے۔ عبیداللہ ابھی مصرہی مین تھا کہ عیسیٰ نوشیری کے نام دارالخلافت بغداد سے فرمان آیا جس مین لکھا تھا کہ "عبیداللہ نام ایک شخص خلافت کا مجرم ہے۔ اس کا حلیہ یہ ہے۔ اُس کی وضع قطع یہ ہے۔ وہ جہان کہین ملے فوراً گرفتار کرکے کافی حراست مین بغداد کی طرف روانہ کیا جائے"۔ اس فرمان کے مضمون کی خبر والی مصر کے شیعہ دوستون کو ہوگئی۔ اور اُنھون نے اندرہی اندر عبیداللہ کو خبر کردی۔ لہذا وہ فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور بہت کچھ مال ودولت لے کے اپنے خدم وحشم اور سازوسامان کے ساتھ مصر سے نکل کے مغرب کی طرف چلا۔ اگرچہ نوشیری کے ہرکارے اور جاسوس عبیداللہ کی تلاش مین چارون طرف جستجو کرتے پھرتے تھے۔ مگر اُسے اس پر اطمینان نہ ہوا خود بھی اُس کی تلاش مین روانہ ہوا۔

اتفاقاً شہر کے باہر عین سرراہ اُس سے عبید اللہ سے مُڈبھیڑ ہو گئی۔ صورت دیکھتے ہی پہچان گیا کہ یہی وہ خلافت کا مجرم ہے۔ فوراً گرفتار کر لیا۔ اور واپسی کے وقت اپنے بیرون شہر کے ایک باغ میں ٹھہر گیا۔ اور اُسے حراست میں رکھا مگر اسکے ساتھ ہی اتنی رعایت بھی کی کہ جب کھانے کا وقت آیا اور دسترخوان بچھا تو اُسے بلا بھیجا۔ اور کہا "میرے ساتھ کھانا کھا لو۔" عبید اللہ نے سامنے آکے ادب سے کہا "میں روزے سے ہوں۔ اور معذور ہوں۔" اُس کی روزہ داری کا والی پر بڑا اثر پڑا۔ اُس کی کیفیت دریافت کی اور کہا "اپنی ساری سرگذشت سچ سچ بتا دو گے تو وعدہ کرتا ہوں کہ تمھیں چھوڑ دوں گا۔" عبید اللہ نے موقع پا کے اپنی بیگناہی ظاہر کی۔ اپنے بے قصور ہونے پر قسم کھائی۔ اور کہا "میرے ساتھ بدسلوکی کرنے میں خدا سے ڈریے۔" ان باتوں کا عیسیٰ نوشری کے دل پر بڑا اثر پڑا۔ اور ترس کھا کے چھوڑ دیا۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اُس نے والیِ مصر کو بہت کچھ دولت دے کے نجات حاصل کی۔

عبید اللہ کے چلے جانے کے بعد نوشری کے مشیروں نے کہا "اس شخص کے چھوڑ دینے میں آپ نے بڑی بھاری غلطی کی۔" اور نوشری نے خود بھی تسلیم کیا کہ مجھ سے یہ بڑی فروگذاشت ہو گئی۔ اپنی اس حماقت پر پچھتایا۔ اور عبید اللہ کے تعاقب میں پھر فوج بھیجنے کو تھا کہ کیا دیکھتا ہے عبید اللہ سامنے کھڑا ہے۔ اُسکی صورت دیکھ کے نقش حیرت ہو گیا۔ اور دیر تک اپنے آپے میں نہ تھا۔

عبید اللہ کے واپس آنے کا یہ سبب ہوا کہ وہ یہاں چھوٹ کے اپنے ساتھیوں میں پہونچا تو دیکھا کہ اُس کا بیٹا ابو القاسم اپنے ایک شکاری کتے کے کھو جانے پر بہت حیران ہے جو اُسے بہت ہی عزیز تھا اور بہت اچھا کتا تھا۔ اُسکے کھو جانے کے صدمے سے وہ رو رہا تھا۔ غلاموں نے کہا کتا اُسی باغ میں رہ گیا ہے جس میں آپ ٹھہرے تھے۔" یہ سنتے ہی عبید اللہ چند غلاموں کو ساتھ لے کے باغ میں واپس آیا۔ نوشری نے جیسے ہی دُور سے اُسے دیکھا اور پہچانا تو اُس کے دل پر عجب اثر ہوا۔ مشیروں سے کہا "کمبختو! اسی شخص کو تم میرے ہاتھ سے قتل کرانا چاہتے ہو؟ اگر یہ مجرم و مشتبہ شخص ہوتا تو اپنی جان لے کے بھاگتا۔ یاوں

اطمینان سے کھلے یا تو ان میرے پاس واپس آتا؟

بہرحال نوشیری کے دل میں اس کی کچھ ایسی جگہ ہوگئی کہ بالکل تعرض نہ کیا۔ اور عبید اللہ جو اب مدعی مہدویت تھا جلدی جلدی کوچ کرکے قلمرو مصر سے نکل گیا۔ طاحونہ نام ایک مقام تک پہونچا تھا کہ ڈاکوؤں سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ لٹیروں نے بہت کچھ مال و دولت اس سے چھین لیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کے خاندانی تبرکات اور بزرگوں کی یادگار چیزیں بھی ڈاکوؤں کے ہاتھ لگیں۔ یہ ایسا نقصان تھا جس کا عبید اللہ کو بڑا صدمہ ہوا۔

یہاں سے کوچ کرکے وہ طرابلس میں پہونچا۔ وہ تاجر جو قافلے میں اس کے ہم سفر تھے اسے چھوڑ کے آگے روانہ ہوگئے۔ اس سفر میں ابو عبداللہ شیعی کا بھائی ابو العباس بھی عبید اللہ کے ہمراہ رکاب تھا۔ اسے عبید اللہ نے قیروان میں بھیجا کہ جاکے لوگوں کو میرے آنے کی خبر دو۔ اور یہاں سے ہر جگہ برابر لوگوں کو میرے آپہونچنے کی خبر دیتے ہوے کتامہ تک چلے جاؤ۔ وہاں ٹھہر کے میرا انتظار کرو۔ اور وہیں مجھ سے ملنا۔

ابو العباس نے قیروان میں جیسے ہی عبید اللہ مہدی کے آنے کی خبر لوگوں سے بیان کی گرفتار کرلیا گیا۔ اور وجہ یہ ہوئی کہ زیادۃ اللہ کو عبید اللہ کے آنے کی خبر پہلے معلوم ہو چکی تھی۔ اور وہ اس کی تاک میں تھا۔ جب ابو العباس کو اسیر کرکے اس کے سامنے لے گئے اور اس کا اظہار لیا گیا تو اس نے کہا "میں ایک معمولی سوداگر ہوں۔ سفر میں ایک شخص کا ساتھ البتہ ہوگیا تھا" مگر چونکہ اسکے اس بیان کا کسی کو یقین نہیں آیا۔ اس لیے وہ قید خانے میں بھیج دیا گیا۔

عبید اللہ مہدی کو یہ حال معلوم ہوا تو قیروان کا ارادہ ترک کرکے اس نے شہر قسطیلیہ کا راستہ لیا۔ اب عامل طرابلس کے نام زیادۃ اللہ کا حکم آیا کہ "عبید اللہ نہایت خطرناک آدمی ہے۔ اسے جہاں ملے پکڑ لو۔ اور تمھارے پنجے سے نکل کے جانے نہ پائے"۔ عبید اللہ عامل مذکور سے خود ہی مل چکا تھا۔ اور اسے نذرانے اور تحائف کے طریقے سے بہت کچھ دیا تھا۔ اس نے شاہی حکم کی پروانہ کی۔ عبید اللہ کو آزادی سے نکل جانے کا موقع دے دیا۔ اور زیادۃ اللہ کو لکھ بھیجا کہ

"وہ شخص اس علاقے سے چلا گیا۔ مین نے بہت تلاش کرایا نہین ملا۔"
قسطلیہ مین پہونچ کے عبید اللہ نے ابو عبد اللہ کے پاس جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور اس مین مصلحت یہ سمجھی کہ مین وہان گیا تو میرے آنے کی شہرت ہو جائے گی۔ اور میری شہرت ہوتے ہی لوگ ابو العباس کو پہچان لین گے کہ ابو عبد اللہ کا بھائی ہے۔ اور اُس کی جان مفت جائے گی۔ چنانچہ یہان سے روانہ ہو کے وہ شہر سلجماسہ مین پہونچا۔ اور وہین ٹھہر گیا۔
سلجماسہ کا حاکم الیسع بن مدرار تھا۔ عبید اللہ خود جا کے اُس سے ملا۔ لے بہت سے قیمتی ہدیے دیے۔ نذرانہ پیش کیا۔ اور دونین ملاقاتون مین دوست بنا لیا۔ اسی اثنا مین الیسع کے نام زیادۃ اللہ کا فرمان پہونچا کہ "تمھارے یہان جو شخص مقیم ہے وہی ہے جس کی طرف مکار ابو عبد اللہ لوگون کو بلا رہا ہے۔ اسے فوراً گرفتار کر لو۔" الیسع نے یہ حال معلوم ہوتے ہی عبید اللہ کو گرفتار کر لیا۔
اب عبید اللہ مہدی تو سلجماسہ مین گرفتار تھا۔ مگر ابو عبد اللہ کی قوت روز بروز بڑھتی ہی جاتی تھی۔ زیادۃ اللہ نے جب دیکھا کہ اُس کا زور برابر بڑھ رہا ہے۔ کئی شہر اُسکے قبضے مین چلے گئے ہین۔ میلہ اور سطیف اُس کے زیر حکومت ہین۔ تو اُس کے استیصال کی کوشش شروع کی۔ فوج جمع کرنے لگا۔ اور بہت کچھ دولت صرف کر کے زبردست لشکر تیار کیا۔ اپنے عزیزون مین سے ابراہیم نام ایک شخص کو سپہ سالاری کے لیے منتخب کیا۔ مگر خرابی یہ تھی کہ وہ ناتجربہ کار اور فن جنگ مین بالکل جاہل تھا۔ غرض چالیس ہزار بہادرون کا جرار لشکر اُس کے جھنڈے کے ساتھ روانہ ہوا۔ چلتے وقت زیادۃ اللہ نے اُسے بہت کچھ دولت اور خزانہ دیا۔ اور مملکت افریقیہ کا کوئی نامور بہادر نہ تھا جسے اُسکے ہمراہ نہ کر دیا ہو۔ ابراہیم اس لشکر کو لے کے چلا تو اطراف و جوانب سے نئی نئی فوجین آ کے اُسکے ساتھ ہوتی گئین۔ یہان تک کہ اُسکے علَم کے نیچے اسّی ہزار فوج جمع ہو گئی۔ ابراہیم اس زبردست لشکر کے ساتھ کوچ کرتا ہوا ایک پرانے مضبوط شہر قسطلینیۃ الہوا مین پہونچا۔ اور وہین پڑاو ڈال دیا۔ ملک پر اس شاہی مہم کا یہ اثر پڑا کہ کتامہ کے بھی بہت سے لوگ آ کے ابراہیم سے مل گئے جو ابو عبد اللہ کے خلاف تھے۔

ابراہیم نے اس علاقے مین پہونچتے ہی ابو عبداللہ کے پیرؤون کو بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔ اُسکے مریدون اور طرفدارون مین سے جو ملا تہِ تیغ ہوا۔ مگر وہ چھ مہینے تک یہین پڑا رہا۔ آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ لیکن اُس کا حریف ابو عبداللہ بھی اس لشکر سے بہت خائف تھا۔ پہاڑون کی گھاٹیون مین چھپا بیٹھا تھا۔ اور باہر نکلنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا۔ آخر جب ابراہیم نے دیکھا کہ ابو عبداللہ مقابلے پر آتا ہی نہین تو خود بڑھا۔ اور شہر کرمہ مین پہونچ کے خیمہ زن ہو گیا۔

یہ شاہی لشکر یہین پڑا ہوا تھا کہ ابو عبداللہ نے اپنے چند ہوشیار اور منتخب سوار بھیجے کہ جا کے اُس کے لشکر کا اندازہ کرین اور خبر لائین کہ اسکی کیا حالت ہے۔ ابراہیم نے اُن چند سوارون کو دیکھا تو بلا تامل سارے لشکر سے حملہ کر دیا۔ وہ سوار بھی کوئی معمولی سوار نہ تھے۔ بجائے بھاگنے کے جان پر کھیل کے لڑنے لگے۔ میدان جنگ گرم تھا کہ ناگہان ابو عبداللہ اپنے سارے لشکر کے ساتھ آ کے ٹوٹ پڑا۔ اور اس زور و شور سے حملہ کیا کہ ابراہیم کے لشکر کے پانوٗن اُکھڑ گئے۔ وہ خود زخمی ہو کے گرا۔ ہمراہی بدحواس ہو کے بھاگے۔ اور سارا ساز و سامان اور دولت و خزانہ ابو عبداللہ کے ہاتھ لگا۔ یہ ایسی زبردست فتح تھی کہ ہر مخالف ابو عبداللہ کے نام سے کانپ گیا۔ ہر طرف اُس کی دھوم ہو گئی۔ سارے ملک پر اُس کا رعب چھا گیا۔ اور بلاد قیروان وغیرہ اُس کے زیر حکومت ہو گئے۔

ابو عبداللہ کو یہ معلوم تھا کہ میرے امام عبداللہ مہدی سلجماسہ مین اسیر ہین یہ کامیابی حاصل ہوتے ہی اُس نے مخفی طور پر ایک خط لکھ کے اُنکے پاس قیدخانے مین بھیجا۔ اور اپنی اس فتح کا مژدہ سُنایا۔ جو شخص اس خط کو لے کے گیا وہ گوشت بیچنے والے قصائیون کے بھیس مین قیدخانے کے اندر داخل ہوا۔ اور خود حال کے سارے واقعات بیان کر دیے۔

اب ابو عبداللہ نے بڑھ کے شہر طبنہ پر حملہ کیا۔ اُس کا محاصرہ کر لیا۔ گرد منجنیقین لگا دین۔ اور شہر پناہ توڑ کے اندر گھس پڑا۔ اہل شہر نے بے دست و پا ہو کے پناہ مانگی۔ اور اُس نے پناہ دی۔ اسکے بعد اُس نے آگے بڑھ کے شہر

بلزمہ پر حملہ کیا۔ اس شہر پر قبضہ کرنے کی کئی بار کوشش کی تھی مگر کامیابی اُنکی ہی حاصل ہوئی۔ اگلی ناکامیون نے غصے مین اُس کی فصیل منہدم کرادی شہر مین آگ لگادی۔ اور رعایا مین قتل عام کیا۔

یہ حالات زیادۃ اللہ کو معلوم ہوے تو نہایت پریشان ہوا۔ دوڑ دھوپ کے بارہ ہزار لشکر پھر جمع کیا۔ اور ہرون بن طلبی کے زیر سپہ سالاری اُسے روانہ کیا کہ ابو عبداللہ کو روکے۔ راستے مین اس فوج کے ساتھ اور بھی بہت سے لوگ شریک ہوگئے۔ آخر ہرون شہر دار ملوک مین پہونچا۔ جہان کے لوگ ابو عبداللہ کی اطاعت قبول کرچکے تھے۔ ہرون نے اس کی سزا مین شہر والون کا قلع قمع کیا اور قتل عام کرکے شہر پناہ منہدم کردی۔

اس شہر پر غصہ نکال کے آگے بڑھا ہی تھا کہ ابو عبداللہ کے تھوڑے سے سوارون کا سامنا ہوگیا۔ جو دراصل لڑنے کو نہین بلکہ اس کی حالت دیکھنے اور اُسکی قوت کا اندازہ کرنے کو آئے تھے۔ ہارون کے ساتھی جو غریب نہتی رعایا کی جانین لیتے وقت بڑے شیر تھے حریف کے ان گنتی کے سوارون کی صورت دیکھتے ہی سہم گئے۔ سب نے گھبرا کے ایک چیخ ماری۔ اور بے لڑے بھاگ کھڑے ہوے۔ ابوعبداللہ کے سوارون کو پہلے تو یہ خیال ہوا کہ یہ بھی کوئی مکر ہے۔ مگر جب اُنھین یقین ہوا کہ واقعی یہ لوگ دل ہار کے بھاگے ہین تو اُن کا تعاقب کیا۔ اور بہتون کو رگید رگید کے قتل کر ڈالا۔ الغرض اس شاہی مہم کا یہ انجام ہوا۔ سارا لشکر تباہ ہوگیا اور ابو عبداللہ نے بڑھ کے شہر تیجس پر حملہ کیا۔ مگر رعایا نے اظہار اطاعت کرکے خود ہی اُس کے سامنے سر جھکا دیا۔

اب زیادۃ اللہ پر دنیا تنگ تھی۔ خزانے مین جو کچھ روپیہ باقی رہ گیا تھا اُسے صرف کرکے ایک اور لشکر جمع کیا۔ اور خود سپہ سالارین کے مقابلے کو چلا اور ۲۹۵ھ مین شہر اربس مین پہونچا۔ اپنے مشیرون نے کہا "خود آپ کا میدان مین جانا ٹھیک نہین ہے۔ خدانخواستہ اُلٹی ہوئی تو پھر ہمارے لیے کوئی پناہ کی جگہ نہ ہوگی۔ لیکن آپ کے لڑائی مین نہ شریک ہونے سے دارالسلطنت آپ کے قبضے مین باقی رہے گا۔ اور ہم سب جمع ہوکے پھر کوئی کارروائی کرسکین گے

اس مشورے کو زیادۃ اللہ نے پسند کیا۔ اور اپنے بنی اغلام میں سے ابراہیم بن ابی الغلب کو سپہ سالار مقرر کرکے آگے بڑھایا۔ ابراہیم اُس عہد کے نامور شجاعوں سے تھا اور سلطنت کی قسمت اب اُسی کے اسلحہ سے وابستہ تھی۔

ان سب واقعات کی خبر ابوعبداللہ کو پہونچ گئی۔ اتفاقاً اسی زمانے میں اہل باغایہ نے خود اپنی طرف سے پیام بھیج کے اظہار اطاعت کیا تھا۔ وہ اُسی طرف چل کھڑا ہوا۔ شہر کے قریب پہونچا تھا کہ وہاں کا عامل بھاگ کے مقام ارکس میں چلا گیا۔ ابوعبداللہ نے آبادی میں داخل ہوکے شہر پر اپنا قبضہ کر لیا۔ اور تھوڑا لشکر وہاں چھوڑ کے کوہ انکجان میں چلا گیا۔

زیادۃ اللہ کو باغایہ پر بھی ابوعبداللہ کا قبضہ ہو جانے کا حال سُن کے سخت ہوا۔ غمگین و ملول بیٹھا تھا کہ دربار کے ایک مسخرے نے کہا "حضور غلام نے ایک شعر کہا ہے۔ کسی گویئے کو حکم ہو کہ اُس میں دُھن قائم کرکے گائے۔ اور حضور جام شراب پی کے اُسے سُنیں۔ سارا غم والم دور ہو جائے گا"۔ بادشاہ نے پوچھا" وہ شعر کیا ہے؟" مسخرے نے ایک قوال کو بتا کے کہا گا و۔ مضمون صرف یہ تھا کہ "پی۔ اور پلا"۔ زیادۃ اللہ نے فوراً میکشی شروع کر دی۔ دم بھر میں سارا غم غلط ہو گیا۔ موقع پا کے مصاحبوں نے اور زیادہ لہو و لعب در عیش و طرب میں لگا دیا۔ اور اب اسکے سوا کوئی مشغلہ نہ تھا۔

یہاں جام عیش کے سوا دنیا و ما فیہا کی خبر نہ تھی۔ اور ابوعبداللہ روز بروز شہروں پر قابض و متصرف ہوتا چلا جاتا تھا۔ کچھ سوار بھیج کے شہر مجانہ پر حملہ کیا۔ اور قبضہ کرکے وہاں کے عامل کو قتل کر ڈالا۔ ایک دوسری فوج بھیج کے شہر تیفاش پر قبضہ کر لیا۔ یہ رنگ دیکھ کے اکثر قبائل کے شیوخ نے ابوعبداللہ سے امان مانگی۔ اور اُس نے امان دے کے اُنھیں اپنا بنا لیا۔ اس کے بعد اُس نے بلاد سکیانہ۔ تبرسہ۔ قصر افریقیہ۔ مرمجنہ وغیرہ کو خواہ بہ صلح خواہ بہ جنگ اپنے زیر فرمان کر لیا۔ اسی اثنا میں وہ سنگ مثانہ کے مرض میں مبتلا ہوا۔ اور اُس کے صاحب فراش ہونے کے زمانے میں فوج ایک قلعے کا محاصرہ کیے پڑی تھی۔ محصورین نے پناہ مانگی۔ اور اُس کے کسی افسر نے پناہ

دینا قبول کر لیا۔ اس پر مطمئن ہو کے اہل قادہ نے پھاٹک کھول دیے تو اس سردار نے اندر داخل ہو کے لوٹ مار شروع کر دی۔ رعایا کو لوٹا اور قتل عام کر دیا۔ ابو عبد اللہ داب فراش تھا کہ یہ خبر سُنی اور نہایت ہی برافروختہ ہوا۔ مگر خاموش ہو رہا۔ اسکے بعد شہر جمودہ پر قبضہ کیا اور آگے کا قصد کیا۔

(۳)

اب زیادۃ اللہ کے سپہ سالار ابراہیم بن اغلب کو پتہ لگا کہ ابو عبد اللہ اس تجویز مین ہے کہ دارالسلطنت رقادہ پر حملہ کر کے خود زیادۃ اللہ کو پکڑ لے۔ ابراہیم نے اُس کے روکنے کا ارادہ کیا۔ گو کہ فوج کافی مقدار مین اسکے پاس نہ تھی۔ مگر خاموش نہ بیٹھا گیا۔ اور اربس سے نکل کے مقام ذرو مین پڑاؤ ڈال دیا۔ جو رقادہ کے راستے پر واقع تھا۔ یہ سنتے ہی ابو عبد اللہ نے اُس کے مقابلے کو اپنا ایک لشکر بھیجدیا۔ ابراہیم کو مفر نہ تھا۔ طوعاً و کرہاً صف آرا ہوا۔ اور لڑائی چھڑ گئی۔ ابراہیم کے ہمراہی ایسی بہادری سے اور جان پر کھیل کے لڑے کہ سرکش حریف کو شکست دے دی۔ ابو عبد اللہ کے بہتا سے نامور رفقا مارے گئے۔ اور جو بچے جان لے کے بھاگے۔

ابو عبد اللہ فوج روانہ کر کے اُس کے پیچھے خود بھی ایک زبردست لشکر کے ساتھ چل کھڑا ہوا تھا۔ شکست خوردہ سپاہی بھاگے ہوئے جا رہے تھے کہ اُس کا علم نظر آیا۔ جس کو دیکھتے ہی سب کے حوصلے بڑھ گئے۔ سب کے سب مقابلے کے لیے پلٹ پڑے۔ اور ابراہیم کے لوگ تعاقب کرتے چلے جاتے تھے کہ ناگہان یہ سب لوٹ اور ابو عبد اللہ کا سارا لشکر ان پر جا پڑے۔ فتحیاب ہمراہیان ابراہیم مین سے بہتون کو قتل کر ڈالا۔ اور میدان کارزار گرم تھا کہ شام ہو گئی۔ اور رات کے اندھیرے مین ابراہیم بقیۃ السیف لوگون کو لے کے بھاگ گیا۔

اب ابو عبد اللہ یہان سے کوچ کر کے قسطیلہ پر پہونچا اور اُس کا محاصرہ کر لیا۔ وہان کوئی اچھی فوج موجود نہ تھی۔ شہر والون نے پہلے تو پھاٹک بند کر کے مقابلہ کیا۔ پھر امان مانگی اور ابو عبد اللہ کی اطاعت قبول کر لی۔ ابو عبد اللہ نے شہر مین داخل ہو کے زیادۃ اللہ کا جو کچھ سامان اور خزانہ پایا اپنے قبضے مین کیا

اور وہان سے روانہ ہوکے شہر قفصہ پر حملہ کیا - وہان کے لوگون نے امان مانگی جن کو امان دے کے وہ سالم و غانم باغایہ کی طرف گیا - اپنی ساری فوج وہین چھوڑ دی اور خود انکجان چلا گیا -

اتنی مدت مین ابراہیم اپنے لشکر کو دوبارہ مرتب اور تیار کرکے باغایہ پر آپہونچا اور اُس مین ابوعبداللہ کی فوج کو محصور کرلیا - یہ خبر ابوعبداللہ کو پہونچی تو جھٹ پٹ نئی فوج جمع کرکے لپکتا ہوا آیا - اور قریب ہی ٹھہر کے بارہ ہزار سوار آگے روانہ کیے اور انھین حکم دیا کہ جاؤ اور دیکھو - ابراہیم اگر باغایہ سے چلا گیا ہو تو تم فج عرعار سے آگے نہ بڑھنا -

ابراہیم سے باغایہ کی محصور فوج نے ایسی شجاعت اور جان بازی سے مقابلہ کیا کہ اُس کا حوصلہ پست ہوگیا - اور وہ اُن لوگون کی بہادری پر متحیر تھا کہ خبر آئی ابوعبداللہ بھی آپہونچا - اس خبر کا ایسا رعب پڑا کہ محاصرہ چھوڑ کے اربس مین چلا گیا - اور ابوعبداللہ کے اشارے سے اُسکے کیمپ مین جو کچھ پایا لوٹ لیا اس لیے کہ ابراہیم مارے دہشت کے خیمے ڈیرے چھوڑ کے بھاگ گیا تھا -

اب بہار کا موسم آگیا - اور فصل بھی اچھی ہوئی - ابوعبداللہ نے لوگون کے اس اطمینان سے فائدہ اُٹھا کے دعا کی کہ فوج اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کرلی اُدھر اربس مین ابراہیم کے ساتھ بھی اتنا بڑا لشکر جمع ہوگیا تھا کہ اُس کی کوئی حد و نہایت نہ تھی - جمادی الآخر ۲۹۶ھ مین ابوعبداللہ اپنا زبردست لشکر لے کے چلا - اور سامنا ہوتے ہی لڑائی شروع ہوگئی سخت خونریزی ہوئی - اور لڑائی نے طول کھینچا - اور ابراہیم کا شاہی لشکر زیادہ قوی اور بڑے زورون پر نظر آیا - اتفاقًا ابوعبداللہ نے اپنی فوج کے چھ سو بہادرون کو منتخب کرکے حکم دیا کہ داہنے بائین سے نکل کے ابراہیم کے لشکر کے پیچھے نکل جائین - اور عین لڑائی کے اثنا مین نعرے بلند کرتے ہوے لشکر حریف پر پیچھے سے آپڑین - اور یہی کارروائی اتفاقًا ابراہیم نے بھی کی

یہ انتظام ہونے کے بعد لڑائی شروع ہوئی اور سارے میدان مین زور و شور سے تلوار چلنے لگی - یہ میدان چھوٹا اور مقام تنگ تھا - اور لڑائی پورے

زور و شور اور جوش و خروش سے ہو رہی تھی کہ ناگہان ابراہیم کے سپاہیوں کے قدم اُکھڑنے لگے۔ اتنے مین شہرت ہوئی کہ دشمن کے سپاہی پشت کی طرف سے بھی آ گئے۔ اور سب نے بدحواسی کے ساتھ بھاگنا شروع کیا۔ یہ حالت ہوئی کہ جس کا جدھر سینگ سمایا اُدھر چلا۔ لوگ اپنی اپنی بستیون مین جا کے چھپنے اور پناہ لینے لگے۔ اور خود ابراہیم نے چند رفقا کے ساتھ بھاگ کے قیروان کی راہ لی ابوعبداللہ کے فتحیاب لوگون نے بھاگنے والون کا تعاقب کیا۔ اور بھاگنے مین ہزارون کو قتل کر ڈالا۔ ہزارون کو اسیر کیا اور مال و اسباب۔ گھوڑون اونٹون اور دولت و خزانے کو خوب لوٹا۔ یہان تک کہ لوٹتے مارتے ہوے شہر اریس مین گھس پڑے جو بہت دنون سے ابراہیم کا مستقر اور مامن رہا تھا۔ اُسکی آبادی مین ایک خلقت عظیم کو قتل کیا۔ ہزارہا پناہ گزین مسجدون مین جا جا کے چھپے اور وہین مارے گئے۔

فتح حاصل کرنے کے بعد ابوعبداللہ تو شہر خمودہ مین چلا گیا اور فرمانروے افریقیہ زیادۃ اللہ کو اس شکست کی خبر پہونچی تو حواس جاتے رہے۔ سلطنت و حکومت درکنار زندگی سے بھی یاس ہو گئی۔ اور تاج و تخت چھوڑ کے مصر کی طرف بھاگا۔ اُسکے بھاگتے ہی دار السلطنت رقادہ مین تہلکہ پڑ گیا۔ وہان کے لوگ ابوعبداللہ کے خوف سے راتون رات بھاگے۔ اور قلعۂ قدیم۔ قیروان۔ اور سوسہ مین جہان جہان اپنے قرابت دار دیکھے اور امن کی جگہ نظر آئی جا کے چھپ رہے۔ اُدھر قیروان والون نے یہ حرکت کی کہ رقادہ کو بادشاہ سے خالی سُن کے دوڑے آئے کہ لوٹ مار کے دولت حاصل کرین۔ اور جو کچھ پایا لوٹ لیا۔ بہرحال وہان عجب حالت ہو گئی۔ کسی کو کہین پناہ نہ ملتی تھی۔ اور زبردست کمزور کو کھائے جاتا تھا۔ شاہان بنی اغلب کے قصر و ایوان علانیہ لٹ رہے تھے۔ اور تاخت و تاراج کا یہ سلسلہ مسلسل چھ روز تک جاری رہا۔

اُدھر ابراہیم بن ابی الاغلب شکست کھائے قیروان مین پہونچا۔ تو سیدھا قصر امارت مین گیا۔ اُس کے منادیون نے شہر مین امن و امان کی صدا بلند کی اور لوگون کو تسلی دی۔ اُن کی تشفی کی۔ اس کے بعد کل معززین شہر کو اپنے

پاس قصر حکومت مین جمع کر کے کہا "زیادۃ اللہ کی جو کچھ حالت ہوئی آپ پر ظاہر ہے۔ اُس نے خود اپنی غفلت سے تاج و تخت کو کھویا۔ اور اُسی کی حرکتون نے اُسے تباہ و برباد کیا۔ ہمارا حریف ابو عبد اللہ کوئی ایسی چیز نہین ہے کہ ہمین اُس کا اندیشہ ہو۔ مین آپ کی طرف سے لڑون گا۔ آپ کے گھربار اور آپ کے شہر کو بچاؤن گا۔ بشرطیکہ آپ حضرات مجھ سے وفاداری و رفاقت کا وعدہ کرین میری اطاعت کرین۔ میرے کہنے پر چلین۔ اور جان و مال سے مدد دین"۔ اسکے جواب مین بعض لوگون نے کہا "ہم لوگ یا تو فقیہ و عالم ہین۔ یا تاجر و بازاری لوگ۔ نہ ہم لڑ سکتے ہین اور نہ ہمارے پاس اتنی دولت ہے کہ آپ کا کام نکل سکے۔ حاضرین سے یہ جواب سُن کے اُس نے سب کو واپسی کی اجازت دی۔

اس شاہی انجمن سے لوگ واپس آ رہے تھے کہ شہر والون کو معلوم ہوا کہ ابراہیم شکست کھا کے بدحواس و سراسیمہ آیا ہے۔ اور اب اُس کے پاس کچھ نہین ہے۔ اس افواہ کو فوری شہرت ہوئی۔ اور وہی لوگ جو قصر امارت سے نکل کے گھرون کو جا رہے تھے پلٹ پڑے۔ سب نے قصر پر زغہ کیا۔ چارون طرف سے گھیر لیا۔ اور چلا چلا کے کہنے لگے "ہمارے شہر سے ابھی نکل۔ اور اسی وقت جا۔ ہم نہ تیرے مطیع ہین نہ فرمان بردار"۔ اور اس کے ساتھ ہی بدنصیب ابراہیم پر گالیون کی بوچھار ہونے لگی۔ یہ حالت اور رنگ دیکھ کے ابراہیم قصر سے نکل کے بھاگا۔ اور اس شان سے بھاگا کہ پیچھے پیچھے اہل شہر کا ایک انبوہ کثیر تھا جو اُسے گالیان دیتے اور ڈھیلے مارتے جاتے تھے۔ اس وضع سے جب اُسے شہر کے باہر کئی میل تک بھگا لیا تو واپس آئے۔

مقام سبیبہ مین پہونچ کے ابراہیم کو زیادۃ اللہ کے بھاگنے کا حال معلوم ہوا یہ سُن کے اُس نے اور بھی تیزی سے قدم بڑھایا۔ اور وادی النمل مین پہونچ کے دم لیا۔

بے والی و وارث شہر رقادہ مین لوٹ مار جاری تھی کہ ابو عبد اللہ کے سردار عروبہ بن یوسف اور حسن بن ابی الخنزیر ایک ہزار سوارون کے ساتھ پہونچے۔ اور دیکھا کہ ہر طرف لوٹ مار ہو رہی ہے۔ اُنھون نے پہونچتے ہی سب کو امان

دی اور کسی سے کچھ تعرض نہ کیا۔ اور جو جس چیز کو لیجاتے نظر آیا اُسے لیجانے دیا۔ اُن لوگوں کی یہ بُردباری دیکھ کے لوٹنے والے خوش خوش قیروان مین واپس آئے۔ اور یہان کے واقعات بیان کیے تو اہل قیروان کے دلون مین ڈھارس ہوئی۔ اپنے جان و مال کا اطمینان ہوا۔ اور جب ابو عبد اللہ اُدھر سے گذرا تو اُس کے استقبال کو تمام امرا و فقہائے قیروان بڑے جوش و خروش سے نکلے۔ سامنا ہوتے ہی نہایت ادب سے آداب بجا لائے۔ اور فتح کی مبارکباد دی۔ اس کے جواب مین وہ بھی اُن سے بڑے اخلاق اور تلطف سے پیش آیا اور امان دی۔ اس فیاضی نے اہل شہر کا حوصلہ اور بڑھا دیا۔ اور عرض کیا "ہماری خوش قسمتی ہے کہ حضور کا سا عادل و رحمدل حکمران عطا کیا۔ زیادۃ اللہ نالائق اور بدچلن تھا۔" یہ کہہ کے اُس کی بہت سی بُرائیان اور بداخلاقیان ظاہر کین۔ یہ سُن کے ابو عبد اللہ نے کہا "یہ نہ کہو۔ وہ زبردست تھا۔ اسکے پاس فوج تھی اور دولت تھی۔ اور حریف کے روکنے اور اپنی سلطنت کی حفاظت و حمایت مین اُس نے نہ کوئی کمی کی اور نہ کوئی بات اُٹھا رکھی۔ لیکن خدا کی مرضی یون ہی تھی۔ اور اُس کے پاس گو کہ سب کچھ تھا مگر وہ خدا کے ارادے پر غالب نہین آسکتا تھا۔" یہ جواب سُن کے اہل قیروان خاموش ہو رہے۔ پھر اجازت واپسی لے کے قیروان مین آئے اور ابو عبد اللہ نے رقادہ کی راہ لی۔

کم جمادی الاخریٰ ۲۹۶ھ کو وہ رقادہ مین داخل ہوا۔ اور ایک قصر مین اُتر پڑا۔ وہان کے اکثر عالیشان مکان اہل کتامہ کو عطا کیے۔ اس لیے کہ رقادہ والون مین سے کوئی شخص وہان موجود نہ تھا۔ اور سارا شہر انسانون سے خالی اور سنسان پڑا تھا۔ یہ حالت دیکھ کے اُس نے امن و امان کی منادی کرائی۔ اور بھاگے ہوے لوگ آآکے اپنے گھرون مین بسنے لگے۔

یہین سے بیٹھ کے ابو عبد اللہ نے اپنی طرف سے عامل مقرر کر کے مختلف شہرون اور اضلاع مین بھیجے۔ اور جہان جہان سُنا کہ کوئی شریر و سرکش شخص موجود ہے اُسے رقادہ مین بلا کے قتل کیا۔

اب وہ زیادۃ اللہ کی جائداد اور اُس کے قصر و ایوان کے انتظام مین مصروف

ہوا۔ حکم دیا کہ جتنا شاہی اسباب، سامان جنگ، اور خزانہ ہو لا کے جمع کیا جائے۔ اور بادشاہ اور اُس کے اعزہ کی جائداد مشخص کی جائے۔ زیادۃ اللہ کے قصرون مین اُس کی بیویان اور بہت سی حسین و پرجمال لونڈیان اور حرمین تھین۔ ابوعبداللہ نے دریافت کیا کہ "اب انکی کفالت کون کر رہا ہے" لوگون نے ایک نیک خاتون کا نام لیا جو زیادۃ اللہ کی منکوحہ بیوی تھی۔ اور کہا کہ فی الحال وہی سب کی خبرگیری کر رہی ہے۔ ابوعبداللہ نے اُسے بلوایا۔ اُسکی بہت خاطر داشت کی۔ اور کہا "تمھین ان سب کی حفاظت و خبرگیری کرو" پھر اُن سب عورتون کو حکم دیا کہ "تمھارا بھی فرض ہے کہ اس نیک بیوی اور اپنی محسن کی اطاعت و فرمانبرداری کرو" تاجدار سابق کے محل مین اگرچہ ایک سے ایک بڑھ کے پری جمال عورت تھی مگر ابوعبداللہ نے کسی کی طرف آنکھ اٹھا کے بھی نہ دیکھا۔ اور سب کی زندگی بسر ہونے کا قابل اطمینان انتظام کرکے حکم دیا کہ "کل جمعے کو رقادہ اور قیروان کے تمام خطیب خطبے مین کسی بادشاہ اور فرمانروا کا نام نہ لین" پھر اُس نے نیا سکہ جاری کیا۔ مگر اُس مین بھی تاکید کردی کہ کسی بادشاہ کا نام نہ نقش کیا جائے۔ بلکہ ایک رخ پر یہ الفاظ نقش ہون "بلغت حجۃ اللہ" (اللہ کی حجت آگئی) اور دوسرے رخ پر ہو "تفرق اعداء اللہ" (دشمنان خدا منتشر ہوگئے) اسلحہ پر یہ الفاظ کندہ کرائے "عدۃ فی سبیل اللہ" (سامان جنگ خدا کی راہ مین) اور گھوڑون کے پٹھون پر داغ دلوایا "الملک للہ" (ملک خدا کا ہے)۔

اتنی بڑی شوکت و حشمت اور دولت و ثروت حاصل کر لینے پر خود اُس کی وضع وہی تھی کہ موٹے جھوٹے کپڑے پہنتا۔ اور تھوڑی سی روکھی پھیکی غذا کھا لیتا۔

اب سارا شمالی افریقہ اور خاندان بنی اغلب کی کل قلمرو ابوعبداللہ کے زیر فرمان تھی۔ مگر عبیداللہ مہدی جسکے لیے یہ سب ہنگامے ہوے اور دنیا مین اتنا بڑا انقلاب عظیم ہوگیا وہ اُسی طرح سجلماسہ کے قیدخانے مین پڑا ہوا تھا۔ ابوعبداللہ اُس امام کے جلوت مین لانے کی تدبیرین سوچ رہا تھا کہ اُس کا

بڑا بھائی ابو العباس قید سے چھوٹ کے اُس کے پاس آیا۔ جس سے مل کے وہ بہت خوش ہوا۔ پھر اُسی کو اپنی جگہ فرمان روائے افریقہ بنا کے رقادہ میں چھوڑا۔ اور خود اُسی سال ماہ مبارک رمضان میں اتنا بڑا زبردست لشکر لے کے رقادہ سے روانہ ہوا کہ زمین اُس کے قدموں کے نیچے ہلتی اور گرد و نواح کے تمام شہر کانپتے اور دہلتے تھے۔ جدھر سے وہ گذرتا قبائل راستے سے ہٹ ہٹ کے بھاگ گئے۔ اور دُور چلے جاتے کہ اس خونخوار سیلاب میں نہ بہیں۔ اور اکثر اپنے ایلچی بھیج بھیج کے اظہار اطاعت و فرمان برداری کرتے اور امان مانگتے۔

اس شان و شوکت اور اس کر و فر سے جب وہ سجلماسہ کے قریب پہونچا۔ اور وہاں کے حاکم الیسع بن مدرار کو اُس کے سر پر آ پہونچنے کی خبر ہوئی تو وہ گھبرایا۔ اور گھبرا کے اپنے قیدی عبید اللہ کے پاس کہلا بھیجا کہ "اپنا نام و نسب اور اپنے حالات ظاہر کرو۔ اور بتاؤ کہ ابو عبد اللہ تمھاری ہی وجہ سے تو یہاں نہیں آ رہا ہے؟" اُس نے فوراً قسم کھالی کہ "میں نے نہ کبھی ابو عبد اللہ کو دیکھا ہے نہ اُسے پہچانتا ہوں۔ میں ایک تاجر آدمی ہوں۔ ان باتوں کو کیا جانوں۔" اب احتیاط کے لیے اُس نے عبید اللہ اور اُس کے بیٹے ابو القاسم کو دو جداگانہ مکانوں میں رکھا اور اُن کے ہمراہی نوکروں کو الگ قید کیا۔ اور حراست کا سخت انتظام کر دیا۔ ان سب سے جدا جدا اُس نے کرر و سکرر ابو عبد اللہ کے حالات دریافت کرائے مگر سب نے لاعلمی ظاہر کی۔ نوکر مارے پیٹے بھی گئے مگر کوئی نہ قبولا کہ ابو عبد اللہ کو ہم سے کچھ تعلق ہے۔

ان واقعات کی خبر ابو عبد اللہ کو بھی ہو گئی۔ اور اُسے اپنے امام پر سختیوں کا حال سن کے بڑا صدمہ ہوا۔ لیکن دل میں ڈرا کہ ایسا نہ ہو عبید اللہ مہدی کو الیسع بن مدرار کے ہاتھ سے ضرر پہونچ جائے۔ الیسع کو نہایت ہی نرمی کے الفاظ میں اس مضمون کا ایک خط لکھا کہ "میں آپ سے لڑنے کو نہیں آیا ہوں۔ بلکہ مجھے آپ سے ایک بہت بڑا ضروری کام ہے۔ اور وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے ساتھ سوا دوستی و ہمدردی کے کوئی بُرا سلوک نہ کروں گا۔" الیسع کو حماقت سے خط

دیکھتے ہی ایسا غیظ آیا کہ خط کو بے پڑھے پھاڑ کے پھینک دیا۔ اور قاصد کو قتل کر ڈالا
ابو عبداللہ کو یہ حال سن کے یون تو بڑا غصہ آیا مگر محض اس خیال سے کہ میرے
امام اُس کے بس مین ہین پھر نرمی اختیار کی۔ دلجوئی کی باتین کین۔ اور دوسرا
سفیر بھیجا۔ اور الیسع نے اُسے بھی مار ڈالا۔

مجبوراً ابو عبداللہ بہت ہی پھرتی سے کوچ کر کے سلجماسہ پر آگیا۔ اور اُس کے
گرد اُتر پڑا۔ الیسع نے نکل کے مقابلہ کیا۔ مگر لڑائی مین شکست کھائی اور بھاگ
کے شہر مین ہو رہا۔ اور اسی پہلی لڑائی مین یقین ہو گیا کہ مین نہ ابو عبداللہ کا
مقابلہ کر سکتا ہون اور نہ اُس کے مقابل مین محصور ہو کے شہر مین بیٹھ سکتا ہون
اُس رات کو اُس نے اپنے تمام اہل و عیال۔ اعزا و اقارب اور مخصوص رفقا
کو ساتھ لیا۔ روپیہ پیسہ جس قدر لیا جا سکا لیا۔ اور کسی مخفی راستے سے نکل کے
بھاگ گیا۔ لیکن ابو عبداللہ نے یہ رات نہایت ہی تردد اور اندیشے مین کاٹی
دھڑکا لگا تھا کہ دیکھیے الیسع میرے امام عبید اللہ مہدی کے ساتھ کیا سلوک
کرتا ہے۔

صبح کو وہ اسی اندیشے مین بیٹھا تھا کہ یکایک اہل شہر نے آکے پناہ مانگی۔
اور الیسع بن مدرار کے بھاگ جانے کا حال بیان کیا۔ ابو عبداللہ سنتے ہی
اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنی فوج کے ساتھ شہر مین داخل ہوتے ہی لوگون سے دریافت
کر کے سیدھا اُس مکان کی طرف چلا جس مین عبید اللہ مہدی اسیر تھا۔ اُس کی
صورت دیکھتے ہی ابو عبداللہ کی جان مین جان آئی۔ اُس کے قدمون پر گر پڑا۔
قدم چوٹے۔ پھر بڑی عزت و حرمت کے ساتھ اُسے اور اُس کے بیٹے کو باہر نکالا
سب نے بڑی خوشیان منائین۔ مسرت کے نعرے لگائے۔ اور یہ حالت تھی کہ جو
تھا مارے خوشی کے آپے سے باہر تھا۔

پھر دونون باپ بیٹون کو گھوڑون پہ سوار کرایا۔ خود ابو عبداللہ اُس کے
تمام ارکان دولت۔ اور شیوخ قبائل پاپیادہ ہمراہ رکاب ہوے۔ جو اپنے
امام کے گھوڑے کے آگے تھے۔ اور ابو عبداللہ نقیب کی طرح رہ رہ کے یہ صدا
بلند کرتا تھا کہ "یہی تمھارے مولا اور تمھارے آقا ہین"۔ اور اُس کے ساتھ ہی

جوش عقیدت و محبت سے روتا جاتا تھا۔ یہان تک کہ یہ جلوس اُس خیمے کے سامنے پہونچا جو عبید اللہ اور اُسکے بیٹے کے لیے نصب کیا گیا تھا۔ خیمے کے سامنے پہونچتے ہی عبید اللہ گھوڑے سے اُترا۔ اور خیمے مین داخل ہوا۔

ابو عبد اللہ نے صبح ہی کو دو آدمی دوڑا دیے تھے کہ الیسع کو جہان ملے گرفتار کرکے پکڑ لائین۔ اتفاقاً وہ راستے ہی مین مل گیا۔ اور اُسی وقت اُس مصنوعی تاجر کے سامنے لاکے کھڑا کر دیا گیا جو کل تک اُس کی نظر عنایت پر جی رہا تھا۔ اور جھوٹی قسمین کھا رہا تھا کہ مین ابو عبد اللہ کو نہین جانتا۔ اب وہ اسیر ہوکے پا بزنجیر سامنے آیا تو پہلے ننگا کرکے کوڑون سے پٹوایا گیا۔ اور پھر طرح طرح کے عذابون سے اُس کی جان لی گئی۔

غرض یہی زمانہ عبید اللہ مہدی کے ظہور کا ہے۔ ظہور کے بعد چالیس دن تک تو وہ سلجماسہ ہی مین ٹھہرا رہا۔ اس کے بعد افریقیہ کی طرف کوچ کیا۔ انکجان مین ابو عبد اللہ نے جو کچھ مال و دولت اور سامان حشمت جمع کر رکھا تھا اُسے اُس نے اونٹون پر لدوا کے منگایا۔ اور اپنے ساتھ لے کے رقادہ کی طرف چلا۔ اور ۲۰۔ ربیع الآخر ۲۹۷ھ کو اُس مین داخل ہوا۔

اسی وقت سے مغرب کی دو زبردست سلطنتون کا خاتمہ ہوگیا۔ اوّل سلطنت بنی اغلب بن مرار کا جو ۱۳۰ سال سے قائم تھی۔ اور رقادہ اُس کا مرکز حکومت تھا۔ اور دوسری سلطنت بنی تاہرت جس کی عمر ۱۶۰ سال کی ہو چلی تھی۔ اور اُس کا مستقر حکومت شہر تاہرت تھا۔ ان دونون سلطنتون کے فنا ہوتے ہی سارے ملک مغرب کا مالک عبید اللہ مہدی تھا جسے دعوی تھا کہ "مہدی من آل محمدؐ (یا مہدی آخر الزمان) مین ہی ہون"۔

مہدی جب رقادہ کے قریب پہونچا تو اہل شہر اور نیز قیروان کے لوگ اُس کے استقبال کو نکلے۔ اور اپنے نئے فرمان روا کے جلوس کو اس شان سے پایا کہ آگے آگے ابو عبد اللہ اور معززین کتامہ پا پیادہ تھے۔ اُنکے پیچھے عبید اللہ مہدی گھوڑے پر تھا۔ اور اُسکے پیچھے دوسرے گھوڑے پر اُس کا بیٹا ابو القاسم تھا۔ سب نے سامنے جا کے سلام کیا۔ اور مہدی نے نہایت ہی

خندہ جبینی سے شفقت و مرحمت کے لہجے مین سلام کا جواب دیا - پھر سب کے ساتھ رقادہ کی آبادی مین داخل ہو کے ایک قصر مین اُترا - اور اہل شہر کو واپس جانے کا حکم دیا -

اب مہدی نے حکم دیا کہ سارے ملک کی مسجدون مین جمعے کے خطبون مین میرا نام لیا جایا کرے - اور اپنا لقب "المہدی امیر المومنین" قرار دیا - پہلے ہی جمعے کی نماز کے بعد شریف نام ایک شخص نے عبید اللہ مہدی کے اور بہت سے داعیون اور نقیبون کے ساتھ اجلاس کیا - اور شہر کے تمام لوگ بجبر و اکراہ بلوائے گئے - اور اس جدید مذہب اسمٰعیلی مہدوی کی طرف سب کی دعوت کی گئی - جس نے قبول کر لیا اُس کے ساتھ مرحمت و عنایت کا سلوک ہوا - اور جن لوگون نے انکار کیا گرفتار کر کے قید خانے مین بھیج دیے گئے - مگر اس تشدد پر بھی تھوڑے ہی لوگون نے عبید اللہ کی مہدیت قبول کی - اور آخر اس جبریہ تبلیغ مین اس درجہ شدت ہوئی کہ بہت سے منکرین مہدیت قتل کر ڈالے گئے -

اس کے بعد ابو عبد اللہ نے زیادۃ اللہ کی حرم کی عورتون کو مہدی کے سامنے پیش کیا جو اُسی کے لیے بڑی حفاظت سے رکھی گئی تھین عبید اللہ نے اُن سب کو غور سے گھور گھور کے دیکھا - بہت سی پری وشون کو اپنے لیے چھانٹ کے الگ کیا - بہتون کو اپنے فرزند ارجمند کے لیے منتخب کیا - اور جو بچین وہ کتامہ کے سردارون مین تقسیم کر دین -

پری جمالون کی تقسیم کے بعد اُس نے اپنی طرف سے عامل اور حاکم مقرر کر کے مختلف شہرون مین بھیجے - ہر ہر ضلع کی حکومت کا انتظام کیا - دفتر مرتب و منضبط کیا - اور ملک سے سرکاری محصول وصول کرنا شروع کیا - الغرض سریر فرمان روائی پر اُس کا قدم خوب مضبوط جم گیا - اور تمام شہر مطیع و منقاد ہو گئے -

پھر اُس نے جزیرۂ صقلیہ (سسلی) کا والی حسن بن ابی الخنزیر کو مقرر کیا - اس لیے کہ یہ جزیرہ اُن دنون اُنھین شاہان مغرب کے تصرف مین تھا -

جن کا ملک عبید اللہ مہدی کو ملا۔ حسن مذکور ۱۰۔ ذی الحجہ ۲۹۷ھ کو صقلیہ کے شہر مازر مین پہونچا۔ اور اپنی طرف سے اپنے بھائی کو اُسی جزیرے کے صوبۂ جرجنت کا حاکم مقرر کیا۔ پھر خود مہدی نے اسحق بن سنان کو صقلیہ کا قاضی مقرر کیا۔ اور کہتے ہین کہ یہی پہلا قاضی ہے جو عبید اللہ مہدی کے حکم سے مامور رہا۔ ابن ابی الخنزیر نے صقلیہ مین چندروز ٹھہر کے شہر دمنش پر حملہ کیا۔ اُسے لوٹا مارا جلایا۔ اور بہت کچھ دولت لے کے واپس آیا۔ اتنے ہی عروج نے اور چندروزہ حکومت کے نشے نے اُس کے اخلاق و عادات بگاڑ دیے۔ بُری بُری حرکتین اور طرح طرح کی بداخلاقیان کرنے لگا۔ اور لوگون مین نہایت ناراضی پھیل گئی۔ انجام یہ ہوا کہ صقلیہ کی رعایا نے نرغہ کر کے اُسے گرفتار کر لیا۔ اور عذر خواہی کے طریقے سے مہدی کے پاس عرضداشت بھیجی کہ "ہم نے ابن ابی الخنزیر کے مظالم اور اُس کی بداخلاقیون سے ایسی جرأت کی جس کی بابت حضور سے عفو و کرم کے امیدوار ہین"۔ مہدی نے اُن کا عذر قبول کیا۔ اور ابن ابی الخنزیر کی جگہ ۲۹۹ھ مین علی بن عمر دلوی کو حاکم مقرر کر کے صقلیہ مین بھیج دیا۔

(۴)

الغرض مہدی کو ابو عبداللہ کی کوشش سے افریقیہ مین ایک بنی بنائی سلطنت مل گئی۔ اور اُس پاس کوئی ایسی دولت و قوت نہین باقی رہی تھی جس سے اُسے کسی قسم کا اندیشہ ہو۔ تمام محکمون اور کل ولایتون کی عنان حکومت اُس نے اپنے ہاتھ مین لے لی۔ اور افریقیہ کے تمام شہر اُس کے مطیع فرمان ہو گئے۔ سلطنت پر قابو پانے اور سریر فرمان روائی پر جلوہ فرما ہونے کے ساتھ اُس نے ابو عبداللہ اور اُس کے بھائی ابو العباس کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال کے پھینک دیا۔ اور کسی قسم کا اقتدار اُن کے ہاتھ مین نہ رکھا۔

ابو عبداللہ کو ابتداءً کوئی شکایت نہین پیدا ہوئی۔ اس لیے کہ اُسے مہدی کے ساتھ جو عقیدت تھی وہ اُس کے دل مین کسی قسم کی بدگمانی نہین پیدا ہونے دیتی تھی۔ مگر ابو العباس کو جب مہدی نے امور سلطنت مین دخل دینے سے روکا تو اُسے نہایت ہی ناگوار ہوا۔ دل مین کہا میرے بھائی کی جوتیون کے صدقے مین

تو بادشاہ بنے ہیں مگر اس کے روادار نہیں کہ میں کسی امر میں دخل دون۔ مگر جو کچھ ہو مجھ سے یہ تو نہ ہوگا کہ حاکم بننے کے بعد محکوم اور ان کا غلام ہو جاؤں خصوصاً یہ چیز اسکے لیے نہایت ہی ناقابل برداشت تھی کہ اب نہ کسی سے کچھ لے سکتا تھا اور نہ کسی کو کچھ دے سکتا تھا۔ چنانچہ وہ ابو عبداللہ کی صحبت میں بیٹھ کے عبیداللہ مہدی کے طرز عمل پر اکثر نکتہ چینی کرنے لگا۔ ابو عبداللہ اکثر روکتا کہ ان باتوں سے کیا فائدہ؟ اپنی زبان روکے رہو۔ کسی نے ان باتوں کو حضرت مہدی تک پہونچا دیا تو مفت کو جھگڑا پیدا ہوگا۔ اور اُن کی شان اس سے ارفع و اعلیٰ ہے کہ اُن پر بدگمانی کی جائے یا اُنھیں الزام دیا جائے۔ مگر ابو العباس نہ مانتا تھا۔ اُس کا جوش مخالفت بڑھتا ہی جاتا۔ یہان تک کہ ایک دن جوش کے لہجے مین کہنے لگا "تم نے حکومت حاصل کی اور ایسے شخص کو لاکے کھڑا کیا جس نے سب کی کرائی محنت برباد کردی۔ اور ہم نے جو کچھ جانوں کو خطرے مین ڈال کے پیدا کیا تھا اُسے ہم چھین لیا۔ کیا یہ اس کا فرض نہ تھا کہ تمھارے حقوق کا خیال کرتا؟ اور مرتے دم تک تمھارا احسانمند رہتا؟ مگر نہیں وہ احسان فراموش ہے۔ اور اُسکے ہاتھوں سے ہم اپنی حماقت کا خمیازہ اُٹھا رہے ہیں"

ابتدا مین تو ابو عبداللہ ان باتوں سے بھائی کو روکتا تھا مگر سنتے سنتے اُس کے دل پر کچھ اثر پڑ ہی گیا۔ اور اُس کے دل مین بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ مہدی نے ساتھ یہ سلوک کرنے مین واقعی ہم نقصان اور خسارے مین رہا۔ چنانچہ اس نے ایک دن عبیداللہ سے کہا "بہتر ہوتا کہ آپ اپنے قصر مین آرام سے بیٹھتے اور مجھے اختیار دیتے کہ کتامہ والون پر حکومت کرون۔ اس لیے کہ ان لوگون کے مذاق اور ان کے عادات و اطوار سے جتنا مین واقف ہون آپ نہیں ہین۔ اور اس طریقے سے لوگون پر آپ کا رعب بھی خوب جم جاتا"۔ مہدی کو دونون بھائیون کی گفتگو اور اُنکے خیالات کی کچھ اطلاع پہلے سے ہو چکی تھی اس درخواست کو ٹال دیا۔ اور اندر ہی اندر پتہ لگانے لگا کہ ان لوگون کا کیا ارادہ ہے جب مہدی نے ابو عبداللہ کے کہنے کو بھی ٹال دیا تو ابو عبداللہ کو کہنے کا اور

موقع ملا۔ اور یہان تک جرأت بڑھی کہ بعض معززین دربار کے سامنے مہدی کی شکایتون کا دفتر کھولنے لگا۔ اور اگر کوئی سننے والا اُس کی ہان مین ہان ملا دیتا تو پھر اُس کے سامنے کھل پڑتا۔ اور اپنے تمام منصوبے اور ارادے بیان کر دیتا۔ اور برہمی کے ساتھ کہتا "یہ وہ شخص ہے جس نے تمھین تمھاری اعلیٰ خدمتون کا کچھ بھی معاوضہ نہ دیا۔ انجمان کی فلان فلان چیزین اور اتنی بڑی دولت اپنے قبضے مین کر رکھی ہے۔ چاہیے تھا کہ اُس کو تم سب مین بانٹ دیتا۔ اور سمجھتا کہ یہ دولت تمھاری ہی پیدا کی ہوئی ہے" ان باتون کی خبر روز روز عبید اللہ مہدی کو پہونچتی۔ مگر بظاہر وہ ان باتون کا کچھ خیال نہ کرتا۔ اور اگر کبھی کوئی شکایت کا کلمہ اُس کی زبان سے نکل بھی جاتا تو ابو عبد اللہ خوشامد درآمد کر کے اُسے راضی کر لیتا۔

اب ابو العباس جوش مخالفت مین اس حد سے بھی بڑھ گیا اور لوگون مین بیٹھ بیٹھ کے کہنا شروع کیا "یہ وہ شخص ہرگز نہین ہے جس کی اطاعت فرض ہونے کے ہم معتقد تھے۔ اور لوگون کو اُس کی اطاعت کی طرف بلاتے تھے۔ یہ اگر سچا مہدی ہوتا تو اپنے مہدی ہونے کی حجت و دلیل پیش کرتا اور کرامات و خوارق عادات کے نمونے دکھاتا" لوگ مارے باندھے کے عقیدتمند تھے۔ ابو العباس کی زبان سے یہ کلمات سُنے تو یہ بات بہت سے لوگون کے دل مین جم گئی۔ اور عبید اللہ کی مہدیت مین شبہے پیدا ہو گئے۔ انھین لوگون مین سے شیخ المشائخ نام ایک کتامہ کا رہنے والا تھا اُس پر یہ سودا اس قدر سوار ہوا کہ عبید اللہ مہدی کے دربار مین جا کے اُس کے منہ پر کہہ دیا "خالی زبانی دعوے سے کام نہین چلتا۔ آپ سچے مہدی ہین تو کوئی معجزہ دکھائیے۔ اس لیے کہ اب ہم لوگون کے دلون مین آپ کی طرف سے شکوک پیدا ہونے لگے ہین" یہ سُن کے اور اُس شخص کی یہ بیباکی دیکھ کے مہدی چکر مین آ گیا مگر اُس کی بات کا جواب یہ دیا کہ اُسی وقت اُسے قتل کرا ڈالا۔

عبید اللہ مہدی کی یہ سخت گیری دیکھ کے ابو عبد اللہ دل مین ڈرا۔ اور سمجھ گیا کہ اب مہدی میرے خلاف ہین۔ اس اندیشے سے اور مناسب تجویزین جے

کے لیے وہ۔ اُس کا بھائی ابوالعباس۔ اور اُن کے چند اور ہمخیال بقعا ابوزاکی نام ایک شخص کے گھر مین جمع ہونے لگے۔ اور سب نے بالاتفاق طے کیا کہ جس طرح بنے عبید اللہ مہدی کو مار ڈالین۔ سوا چند لوگون کے تمام اہل کتامہ بھی اس منصوبے مین اُن کے ساتھ شریک ہوگئے۔ اور ابوزاکی کا گھر ان سازش کرنے والون کا کلب قرار پا گیا۔ لیکن انھین لوگون مین ملا ہوا عبید اللہ مہدی کا ایک جاسوس بھی تھا جو اُنکے کلب مین روز آتا اور اُن کی کل کارروائیون مین شریک ہوتا۔ اُن کی تجویزون اور اُنکے منصوبون کا پتہ لگاتا۔ اور جو کچھ معلوم ہوتا مہدی کے پاس پہونچا دیا کرتا۔

اُدھر ان لوگون کی یہ حالت تھی کہ مہدی کی جان لینے کو تیار رہتے۔ روز اُس کے دربار مین اس ارادے سے جاتے کہ موقع پائے اُسے مار ڈالین گے مگر کسی کو اُس پر ہاتھ اُٹھانے کی جرأت نہ ہوتی۔ اُدھر مہدی باوجود واقف ہونے کے اُن لوگون کی حالت خاموشی سے دیکھتا اور تعرض نہ کرتا۔

ایک رات کو یہ سب لوگ ابوزاکی کے گھر مین رہے۔ اور صبح کو ابو عبد اللہ وہین سے مہدی کے دربار کو چلا تو جلدی مین اُلٹی قبا پہن لی۔ مہدی نے اُس کو دیکھا مگر وجہ سمجھ مین نہ آئی۔ دوسرے دن پھر ابو عبد اللہ ابوزاکی ہی کے مکان سے دربار مین وہی اُلٹی قبا پہنے چلا گیا۔ اور یہی حال تیسرے روز بھی ہوا اب مہدی سے نہ رہا گیا۔ پوچھا "ابو عبد اللہ تمھاری کیا حالت ہو رہی ہے؟ اپنے کپڑون تک کا ہوش نہین! تین دن سے تمھین یون ہی اُلٹی قبا پہنے دیکھ رہا ہون آخر اس کی وجہ؟ اور یہ مدہوشی کیسی؟" ابو عبد اللہ نے کہا "یہ اب حضرت نے بتایا ہے ورنہ مجھے خبر نہ تھی کہ اُلٹی قبا پہنے ہون۔" پوچھا "کل۔ پرسون ترسون۔ ادھر تین چار روز سے راتون کو تم کہان رہے؟" ابو عبد اللہ سے کچھ جواب دیتے نہ بنی تو مہدی نے کہا "ابوزاکی کے وہان تھے نہ؟ بتاتے کیون نہین؟" جواب مین عرض کیا "جی ہان وہین تھا۔" پوچھا "کیا تمھارے گھر نہین ہے؟ دوسرون کے گھر مین مسلسل تین تین چار چار راتین بسر کرنے کا کوئی سبب ہونا چاہیے؟" کہا "جان کے خوف سے وہان جا کے پڑ رہتا ہون۔" مہدی

نے یہ سُن کے کہا" انسان کو تو دشمن ہی سے جان کا خوف ہوا کرتا ہے"۔ اس کا یہ فقرہ سُن کے ابوعبداللہ سمجھ گیا کہ مہدی کو ہمارے ارادے اور تمام منصوبے معلوم ہیں - گھبرا کے دربار سے چلا آیا - اور سب رازدار دوستون کو اس کی خبر کر دی - اور سب پر اس کا اس قدر رعب پڑا کہ مارے دہشت کے دربار مین جانا ہی چھوڑ دیا۔

جب یہ لوگ کئی دن تک دربار سے غائب رہے تو ایک روز دربار مین مہدی نے اُنھین یاد کیا - ابن القدیم نام ایک دولتمند اور صاحب اثر شخص جو ابوعبداللہ کے رازدار دوستون اور جانبدارون مین تھا دربار مین موجود تھا - بولا" اگر حکم ہو تو لا کے حاضر کر دون"۔ عبیداللہ مہدی نے اجازت دیدی - اور وہ اُنکے پاس گیا - اور اُن سب کو لا کے حاضر دربار کر دیا - مگر ابوعبداللہ اور اُس کے رفقا کی اس غیبت سے مہدی کو یقین ہو گیا کہ اب یہ اعتبار کے قابل نہین - اور اس کے جو کچھ حالات مجھے اپنے جاسوسون سے معلوم ہوتے ہیں بالکل صحیح ہین - تاہم اُن خیالات کو دل مین رکھا - اور بظاہر اس سے التفات اور دلدہی کی باتین کرنے لگا - اور ساتھ ہی اُن سب لوگون کو مختلف خدمتون پر جدا جدا صوبون مین روانہ کر دیا - سب سے زیادہ غصہ اُسے ابوزاکی پر تھا - جسے اُس نے طرابلس الغرب کا والی بنا کے بھیجا - اور ساتھ ہی پوشیدہ والی طرابلس کو لکھ بھیجا کہ ابوزاکی تم سے ولایت طرابلس کی حکومت لینے کو آتا ہے - لیکن تم کو تاکیدی حکم دیا جاتا ہے کہ جیسے ہی وہ وہان پہونچے فوراً اُسے گرفتار کر کے قتل کر ڈالو - اور اُس کا سر کاٹ کے میرے پاس بھیجو"۔ چنانچہ طرابلس مین پہونچتے ہی ابوزاکی کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا - اور اُس کا سر کٹ کے عبیداللہ مہدی کے پاس پہونچا۔

ابن القدیم نے جو مہدی کے تیور بدلے دیکھے تو جان بچانے کے لیے بھاگ کھڑا ہوا - مگر تھوڑی ہی دُور گیا تھا کہ گرفتار ہو گیا - لوگ پکڑ کے مہدی کے سامنے لائے - اور اُس نے حکم دیا کہ اِسی وقت قتل کر ڈالا جائے - ابوزاکی کے روانہ ہو جانے کے بعد مہدی نے عروبہ نام ایک اپنے معتمد علیہ نوجوان کو حکم دیا کہ اپنے

اپنے چند بھروسے کے سوار لے کے جاؤ اور راستے مین کسی جگہ چھپ کے بیٹھ رہو جس وقت ابو عبداللہ اور ابو العباس میرے یہان آنا چاہین راستے ہی مین انھین گھیر کے دونون کا کام تمام کر دینا۔ دوسرے دن دونون بھائی قصر شاہی کی طرف آ رہے تھے کہ ناگہان عروبہ اور اُسکے سوارون نے کمین گاہ سے نکل کے اُن پر حملہ کر دیا۔ اور آناً فاناً مین گھیر کے اسیر کر لیا۔ عروبہ نے گرفتار کرنے کے بعد جب ابو عبداللہ کے قتل کے لیے تلوار کھینچی تو اُس نے کہا "بیٹا۔ میرے ساتھ ایسا سلوک نہ کرو۔" عروبہ ابو عبداللہ ہی کا بنایا ہوا اور اُسکے سامنے کا لڑکا تھا۔ اسی وجہ سے اُس نے ان الفاظ مین اُس سے خطاب کیا۔ مگر اُس زیر بار احسان نوجوان سے اس درخواست کا یہ جواب ملا کہ "جس شخص کو آپ نے سچا مہدی بتایا اور کہتے تھے کہ اُس کی اطاعت ہر مسلمان پر فرض ہے اُسی امام کا حکم ناطق ہے کہ آپ زندہ نہ چھوڑے جائین۔" یہ کہہ کے پھر اُس نے ابو عبداللہ اور ابو العباس کی التجاؤن کی طرف سے اپنے کان بہرے کر لیے۔ نہایت بے رحمی سے دونون کو قتل کر ڈالا اور لاشین لے جا کے عبیداللہ مہدی کے سامنے پیش کر دین۔ جس دن ابو زاکی طرابلس مین مارا گیا ہے اُسی دن یہ دونون بھائی عبیداللہ کے دار الامارت رقادہ مین مارے گئے۔ اور دنیا اُس حیرت انگیز شخص سے خالی ہو گئی جس نے بنی فاطمۂ مصر کی زبردست اور عظیم الشان خلافت اپنی قوت بازو اور اپنی تدبیرون سے قائم کر دی تھی۔

عبیداللہ مہدی کو ابو عبداللہ کی کارگذاری سے جو سلطنت مل گئی تھی اُس کا معاوضۂ انعام مہدی اور پہلے فاطمی الفسل خلیفہ سے اُسے یہ ملا کہ اُس کی نماز جنازہ خود مہدی نے پڑھائی۔ اور اُس کے جنازے پر اُس کی طرف خطاب کر کے یہ کلمات کہے "اے ابو عبداللہ خدا تجھ پر رحمت کرے اور جو علی کوششین تو نے میرے لیے کین اُن کا تجھے وہ نیک بدلہ عطا کرے۔" یہ واقعہ ۲۹۸ھ کا ہے۔

ابو عبداللہ اگرچہ نہایت ہی آسانی سے مار ڈالا گیا مگر یہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ ہزارہا خلقت اُس کی گرویدہ تھی۔ اور بڑے بڑے قبائل اُس کا دم بھر رہے تھے۔ یہ بھی ساری دنیا پر روشن تھا کہ عبیداللہ کو اُسی نے مہدی بنایا۔ اور اُسی نے

اُسے قید خانے سے نکال کے دینی و دنیوی سریر فرمان روائی پر بٹھا دیا۔ ان باتون کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے لوگ مہدی سے منحرف ہوگئے۔ اور ابو عبداللہ کے خون کا انتقام لینے کو اُٹھ کھڑے ہوے۔ لیکن سب کا قلع وقمع کردیا گیا۔ آنی مہ اور قیروان مین اسی بنا پر بغاوتین ہوگئین۔ جو بڑی خون ریزیون کے بعد فرو ہوئین۔

عبید اللہ نے مطمئن ہو کے اپنے بیٹے ابو القاسم نزار کو اپنا ولیعہد قرار دیا۔ کہا وقت تک یہ سلطنت اور خلافت صرف مغربی افریقیہ مین تھی۔ چوتھی صدی کے شروع ہوتے ہی یعنی ۳۰۲ھ مین مہدی نے فوج بھیجی کہ مصر کو بھی اپنی قلمرو مین شامل کرلے مگر ناکامی ہوئی۔ اور اس تمنا کو دل مین لیے ہوے وہ ۳۲۲ھ مین مرگیا۔ اور ابو القاسم نزار نے سریر خلافت پر قدم رکھ کے خلفاے عباسیہ کی تقلید مین اپنا لقب "القائم بامر اللہ" قرار دیا۔ ۳۳۴ھ مین وہ مرا۔ اور اُسکے بیٹے ابو طاہر اسمعیل نے مسند نشین ہو کے "منصور باللہ" کا لقب اختیار کیا۔ وہ بھی ۳۴۱ھ مین مرگیا۔ اور اُسکے بیٹے معد نے تخت پر بیٹھ کے اپنے لیے "المعز لدین اللہ" لقب تجویز کیا۔ اور اسی نے ۳۵۸ھ مین مصر پر قبضہ کرکے اپنی خلافت فاطمی کو وادی نیل مین منتقل کرلیا۔

الغرض یہ خلافت جس کا بانی ابو عبداللہ اور پہلا سریر آرا عبید اللہ مہدی تھا ابتدا ءً ساٹھ سال تک مغربی اور وسط افریقیہ مین رہی۔ اور ۳۵۸ھ مین اُس کا مرکز ملک مصر قرار پاگیا۔ جبکہ انھین مدعی سیادت و فاطمیت تاجدارون کے ہاتھ سے موجودہ شہر قاہرہ آباد ہوا۔ جو آج تک مصر کا دار السلطنت ہے۔

غزال شاعر اندلس

یہ ہمنے کئی بار بتایا ہے کہ اگرچہ عراق عرب سے ملا ہوا ہے۔ اور عباسیہ کے عہد مین ملک عرب ہی کا ایک جز بن گیا تھا مگر عربیت کا جیسا سچا مذاق اہل اندلس مین تھا بغداد مین نہ تھا۔ یہان کی شاعری و عربیت مین فارسی مذاق سمو گیا تھا بخلاف اندلس کے جہان عربیت اپنے خالص اصلی مذاق پر تھی۔ اور وہان کی زبانون پر اُس کا کوئی اثر نہین پڑا تھا۔ چنانچہ آج ہم مختصر طور پر متذکرۂ عنوان

اندلسی شاعر "غزال" کے مختصر حالات لکھتے ہیں :-

اس کا اصلی نام یحییٰ بن الحکم البکری الجیانی تھا مگر اس قدر خوبصورت، صاحب جمال اور نازک اندام تھا کہ لوگوں نے غزال (ہرن) کہکے پکارنا شروع کیا اور یہی اُس کا لقب پڑ گیا۔ اُس نے عمر بہت طولانی پائی۔ آل مروان کے پہلے امیر عبدالرحمٰن بن معاویہ سے لے کے اسی خاندان کے پانچ فرمان رواؤں کا دور دیکھا۔ اور ۹۴ برس کا ہو کے ۲۵۰ھ کے قریب مرا۔ مورخ اندلس ابن حیان اسے شاعر کے علاوہ حکیم بھی بتاتا ہے۔ اسکے علاوہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑا جادو بیان، زباں ور، بذلہ سنج اور حاضر جواب تھا۔ اُس کی زبان مین کچھ ایسا سحر تھا جو اُن لوگوں پر بھی اثر کر جاتا جو عربی نہ سمجھتے تھے۔

اُس کے اشعار کی شہرت اُس کی زندگی ہی مین اس درجے کو پہونچ گئی تھی کہ وہ مغرب مین تھا اور اُدبا ے مشرق اُس کے کلام کے مشتاق تھے۔ عقبہ نام تاجر جو مغرب سے مشرق مین آمد و رفت رکھتا تھا اور عرب فرمان روایان اندلس اکثر اُس سے کام لیا کرتے تھے۔ کہتا ہے کہ "مین ایک بار ایک شاہی ضرورت سے خراسان مین گیا۔ اور وہان کے والی عبداللہ بن طاہر سے ملا جو مشرق مین شعرا و اہل ادب کا بڑا قدردان تھا۔ اُسے جب معلوم ہوا کہ مین قرطبہ سے آیا ہون تو اُس نے غزال کی ایک نظم کا ایک مصرعہ پڑھ کے مجھ سے پوچھا "تمھین یہ پوری نظم یاد ہے؟" مین نے کہا "جی ہان یاد ہے"۔ اور اُس کے سب اشعار سنا دیے۔ اُس نے اُس نظم کی بیحد تعریف کی۔ مجھ سے پوچھ پوچھ کے سب شعر لکھ لیے۔ اور بہت ہی خوش ہوا"۔

غزال مین ابتداے عمر اور عنفوان شباب ہی کے زمانے سے ادبی مذاق پیدا تھا جو خبر دے رہا تھا کہ وہ بڑھ کے کیسا اور کس پاے کا شخص ہوگا۔ آبناے جبرالٹر مین اندلس کی زمین کے قریب ہی اُن دنون اک چھوٹا سا جزیرہ تھا جو ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتا اور "جزیرۃ الخضراء" کہلاتا۔ وہ ایک نہایت ہی سرسبز، فرحت بخش اور خوش سواد مقام تھا جہان اکثر عرب امراے اندلس تفرج اور تندرستی کے خیال سے آ کے مہینون رہا کرتے۔ اس جزیرے کے قاضی صاحب کو اپنی شاعری

کا دعویٰ تھا۔ اکثر قرطبہ مین آکے ٹھہرتے۔ وہان کے اہل مذاق کی صحبت مین شریک ہوتے۔ اکثر لوگون کے ساتھ حتی الامکان کچھ سلوک بھی کرتے۔ اور اپنے اشعار سُنا سُنا کے لوگون سے داد طلب ہوتے۔ ایک دن ایک صحبت مین اپنا کلام سُنا رہے تھے اور لوگ تعریفین کر رہے تھے۔ اتفاقاً اُس صحبت مین غزال بھی تھا اور اُس کا شمار نو عمر شاعرون مین تھا۔ قاضی صاحب کا ایک شعر سُن کے اُس سے نہ رہا گیا بے تکلف اعتراض کر بیٹھا۔ اور جو گرفت کی تھی ایسی تھی کہ کسی سے ہلائے نہ ہلی۔ قاضی صاحب نے ندامت کے ساتھ نکتہ چینی کو مان لیا۔ اور اُس صحبت سے چلے گئے۔

جب غزال کی شاعری ملک مین چلی اور اُس کی ادبی قابلیت اور فصیح البیانی وطلیق اللسانی کا سکہ بیٹھ گیا تو فرمان روایان اُندلس نے اُس سے اکثر سفارت کا کام لینا شروع کیا خصوصاً اُن موقعون پر جب کسی بادشاہ کو اپنے موافق بنانا اور اُس پر اپنا اثر ڈالنا منظور ہوتا۔ چنانچہ ایک بار وہ بلاد مجوس مین بھیجا گیا۔

اس موقع پر مجھے یہ بیان کرنے کی ضرورت ہے کہ لوگ مجوس کا لفظ سُن کے چونکین گے۔ اس لیے کہ مجوس سے مراد صرف آتش پرست لیے جاتے ہین جن کا ملک ایران تھا۔ اور اُنکی حکومت کا سلطنت کا کلیتہً خاتمہ ہو چکا تھا۔ مگر اندلس کی تاریخ مین ہم کئی جگہ دیکھتے ہین کہ مجوس کے جہاز وہان آئے۔ اور اُن کی روک تھام مین دشواریان پیش آئین۔ ایران کے مجوس کا وہان پہونچنا بہت مستبعد معلوم ہوتا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ شمالی یورپ کی بعض قومین جو اُس وقت تک دین مسیحی کی پیرو نہین ہوئی تھین اُن کے قدیم عقائد مین کوئی ایسی بات تھی کہ مسلمانان اندلس اُن کو مجوس خیال کرتے تھے۔ اُندلس کی تاریخ مین مجوس سے مراد پارسی نہین بلکہ شمالی یورپ کی کوئی قوم ہے۔

خیر تو میان غزال اُن مجوسیون کی قلمرو مین بادشاہ کے حکم سے گئے۔ اُس وقت اُن کی عمر پچاس سال کی تھی۔ توانا و تندرست اور خوب ٹانٹھے تھے۔ مگر بال سب سفید ہو گئے تھے۔ وہان کا بادشاہ اُن کی باتون سے بہت ہی خوش ہوا

یہان تک کہ اُس کی ملکہ بھی اُن سے ملی - اور اُن کی دلکش باتین سُن کے خوش ہوئی
اس ملکہ کا نام "تود" تھا - ایک دن اُس نے پوچھا "آپ کا کیا سن ہوگا؟" مذاق
کی راہ سے آپ نے جواب دیا "ابھی بیس ہی برس کا ہون" اُس نے متعجب ہو کے
کہا "تو پھر یہ سفید بال کیسے؟" بولے "تعجب کس بات کا؟ کیا آپ نے کبھی کوئی
نقرئی بچھیرا نہین دیکھا ہے؟" اس پر وہ بہت ہی ہنسی - اور اُنکے برجستہ جواب
پر خوش ہوئی - اس واقعے کو آپ نے اُسی وقت فی البدیہہ موزون کیا - اور وہ
اشعار اُسے سُنائے - اُس نے ترجمہ سُنا تو اور ہنسی - اور کہا "تو اب کل آپ
میرے سامنے خضاب لگا کے آئیے گا" - اور اپنے ملازمون کو حکم دیا کہ ان کے
بالون مین خضاب لگا دو - دوسرے دن آپ مخضب ہو کے اُس کے سامنے گئے
تو انکی جوان صورت دیکھ کے وہ بہت خوش ہوئی خوب ہنسی - اور کہا "اب البتہ
آپ بیس برس کے ہین" اُنھون نے ساتھ ہی خضاب کی مذمت مین چند شعر
سنائے - جن مین خضاب کی مٹی خراب کی تھی اور گویا اپنے ہی بالون پر پھبتیان
کہی تھین - اُن اشعار کا ترجمہ سُن کے وہ مارے ہنسی کے لوٹ گئی -
غزال کے یہ سب اشعار موجود ہین - مگر اُن کے نقل کرنے سے ہم اس لیے
احتراز کرتے ہین کہ اُردو دان ناظرین ولگداز کو بہت ہی کم لطف آئے گا -
ایک دفعہ امیر عبدالرحمن بن حکم نے اُنھین اپنا سفیر بنا کے قیصر روم کے پاس
بھیجا - آپ شان و شوکت سے رومتہ الکبرے پہونچے - اور قیصر سے ملے پہلی ہی
ملاقات مین اِن کی باتین اُسے ایسی بھلی معلوم ہوئین کہ کہا "آپ میری صحبت عیش
مین شریک ہون" اِنھون نے کہا "بادشاہ کی صحبت عیش مین شراب گلرنگ کا
چرچا ہے - اور میرے مذہب مین شراب حرام ہے - ایسی حالت مین آپ کی صحبت
عیش مین شریک ہو کے کیا کرون گا؟" تاہم وہ ہمیشہ درباروں مین اُنھین بلا
بھیجتا - ایک دن اُسکے دربار مین تھے کہ یکایک قیصر کی ملکہ قیصرہ آگئی جو خوب
بنا و سنگار کیے ہوے تھی - اور اُس کا گورا چہرہ معلوم ہوتا تھا کہ چودھوین رات
مین چاند نکل آیا - غزال شاعر آدمی - دیکھتے ہی دنگ رہ گئے - اور اُس کے چہرے
پر نگاہ جو گئی تو اب آپ کسی طرف دیکھتے ہی نہین - قیصر تو ان سے بات کرتا ہے

اور ان کا دل ملکہ کی زلفوں میں پھنسا ہوا ہے۔ سکتے کچھ ہیں اور منہ سے نکلتا کچھ ہے۔ آخر قیصر نے ترجمان سے کہا "ان سے پوچھو کہاں ہو؟ اور یہ بیٹھے بیٹھے کیا سوچ رہے ہیں؟" ترجمان نے بتایا تو کمال بے تکلفی سے کہا "بتاؤں کیا؟ قیصرو کے حسن عالمتاب نے ہوش نہیں ٹھکانے رکھے۔ میں نے تو ایسی صورت نہ کبھی دیکھی تھی نہ سنی تھی" اسکے بعد زبان نے جہاں تک یاری دی ملکہ کے حسن و جمال کی تعریف کرتے رہے اور آخر میں کہا "مجھے تو ان کا رخِ زیبا دیکھ کے جنت کی حوریں یاد آگئیں۔ اور دل میں اُن کا شوق پیدا ہو گیا" اس کا ترجمہ سن کے قیصر ان کی راست بیانی پر بیحد خوش ہوا اور ملکہ کی خوشی کی تو کوئی انتہا ہی نہ تھی۔ جو اپنے نزدیک ایک خشک مزاج عرب کو اپنے تیر نظر کا گھائل کر کے پھولی نہیں سماتی تھی اور دل ہی دل میں کہہ رہی تھی کہ "اللہ رے میں"!

اب ملکہ نے ایک ناز و انداز کے ساتھ مترجم سے کہا "ان سے پوچھو تمہارے یہاں ختنہ کیوں کراتے ہیں؟ اس میں سوا فطرت کی تبدیلی اور خلقت میں اصلاح دینے کے اور کیا ہے؟" آپ نے مترجم سے کہا کہ "درخت جب تک چھانٹا نہیں جاتا نہ پھلتا ہے نہ گدراتا ہے" اس جواب کو سن کے سارا دربار مارے ہنسی کے لوٹ گیا۔ اور ملکہ نے بھی شرم کے انداز سے اپنی مسرت ظاہر کی۔ اس واقعے کو بھی غزال نے نہایت خوبی کے ساتھ موزوں کیا ہے۔

اُن دنوں اُندلس میں علی بن نافع نام ایک معزز رئیس تھا۔ جس کا دربار میں اثر تھا۔ غزال کو خدا جانے کس بنا پر اُس سے مخالفت ہوگئی۔ اور اُس کی ہجو میں ایسے اشعار لکھ دیے جو فوراً مشہور ہو گئے۔ اور وہ بہت ذلیل ہوا۔ فرمانروائے اندلس کو اس واقعے کی خبر ہوئی تو غزال کو جلا وطنی کی سزا دی۔ اور کہا "ہماری قلمرو سے نکل جاؤ" چنانچہ وہ اندلس چھوڑ کے افریقیہ و مصر و شام ہوتا ہوا عراق میں پہونچا۔ اس لیے کہ بغداد کی بیحد شہرت ہو رہی تھی اور اُسے عباسی دربار اور دار السلام بغداد کے دیکھنے کا بڑا شوق تھا۔ یہاں چند ہی روز پیشتر دربار عباسی کا نامور شاعر ابو نواس دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔ مگر اُس کا نام ہر ادنیٰ و اعلیٰ کی زبان پر تھا۔ اور سب کے دماغوں میں یہ بات جمی ہوئی تھی کہ ابو نواس کا سا

پاس عظمت نہین ہوا۔ اسی قدر نہین۔ لوگ اس کے ساتھ شعرائے مغرب زمین یعنی اندلس کے شاعرون کا نام رکھتے اور کہتے کہ انھین شعر کہنا نہین آتا۔ اور وجہ یہ تھی کہ یہان کے داغون مین ایرانیت بس گئی تھی۔ یہ ایرانی مبالغے اور بلند پروازیان ڈھونڈھتے تھے۔ اور وہ لوگ عرب العربا کے مذاق سے ایک قدم آگے نہ بڑھاتے تھے۔

ایک دن کسی صحبت مین غزال شریک تھا۔ کسی نے ابو نواس کا ذکر چھیڑا۔ غزال نے کہا "آپ لوگون مین سے کن بزرگون نے ابو نواس کے یہ اشعار سُنے ہین؟" یہ کہہ کے چند شعر سنائے جن مین ابو نواس نے اپنے مذاق کی میکشی اور رندانہ مشربی کا اظہار کیا تھا۔ سب لوگ جھوم جھوم کے اُن رندانہ اشعار کی تعریف کرنے لگے۔ اور تحسین و آفرین کا غلغلہ بلند ہوا۔ لوگ جب داد سخن دے کے خاموش ہوے تو غزال نے کہا "سب صاحبون نے بیکار ہی تعریف کی۔ اس لیے کہ یہ اشعار میرے ہین۔" اُس کی یہ حرکت حریفان صحبت کو ناگوار گذری۔ مگر کچھ کہتے کسی نہ بنی تھی۔ اتنے مین غزال نے کہا "مگر مین اس مذاق کو پسند نہین کرتا۔ مین تو ایسا کہتا ہون۔" یہ کہہ کے اپنی ایک ایسی نظم سُنائی جو نہایت ہی بے نظیر تھی۔ اُس کی روانی و خوبی نے سب کو دنگ کر دیا! مجبوراً سب نے تعریف کی۔ اور نادم ہو کے اپنے گھر گئے۔

غزال کو اپنی ادبی قابلیت کے زعم مین ایک دن بیٹھے بیٹھے یہ خبط سوجھا کہ سورۂ قل ہو اللہ احد کا جواب کہون۔ ارادہ ہی کیا تھا کہ یکایک دل پر ایک ہیبت سی طاری ہوئی۔ اور ساری ذہانت و ہنامی سلب ہو گئی۔ بڑا زور لگایا کوئی بات شاعرانہ خیال آرائی کی ذہن مین آتی ہی نہ تھی۔ آخر ڈھیرا کے توبہ کی۔ اور اس ارادے سے باز آئے۔ اب پھر جو غور کیا تو حواس ٹھکانے تھے۔ ذہن کام دے رہا تھا۔ اور یقین آیا کہ مین شاعری کر سکتا ہون۔ اور جیسا تھا ویسا ہی ہون۔

مقنّع اور مبرقع

اس شخص کا نام فارسی ادب و شاعری مین نہایت مشہور رہے مگر اُسکے

واقعی حالات سے بہت ہی کم لوگ واقف ہین - لہذا آج ہم اُسکے مختصر حالات اپنے ناظرین کے ملاحظے مین پیش کرتے ہین -

ہم بعض موقعون پر بتا چکے ہین اور پھر عرض کرتے ہین کہ جب ملک فارس کو اہل عرب نے فتح کرکے ایرانیون کی ملوکت فنا کر دی - اور اسکے ساتھ ہی اہل عجم کو یہ نظر آیا کہ عرب کے ایک اُمّی شخص نے پیغمبری کا دعوٰے کرکے اپنی ساری قوم کو ہم آہنگ بنا لیا - اور ساری متمدن دنیا کو پامال کر ڈالا - تو اُنھون نے رسالت محمدی کی حقانیت - اور توحید کا تو خیال نہ کیا - مگر یہ بات اُن کے دل پر نقش ہو گئی کہ دُنیا کے فتح کرنے کا آسان طریقہ یہی ہے کہ دعوٰے نبوت کرکے ایک نئے مذہب کے بانی بنیے - ایک خلقت کثیر کو اپنا معتقد اور پیرو بنائیے - اور پھر اُنھین اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کرکے تمام ملکون کو فتح کر لیجیے -

اس تیخ چلّی کی سی ہوس نے چند ہی روز کے اندر بیسیون پیغمبر پیدا کر دیے - جن احمقون نے علی العموم اسی بیوقوفی و حماقت کی پاداش مین اپنی جانین دین - اُن مین سے بعض کسی حد تک کامیاب ہو گئے - اور بعض اکیلے یا دو ہی چار ایمان لانے والون کے ساتھ مارے گئے - اور جن کو تھوڑی بہت کامیابی نصیب ہو گئی اُنھون نے اپنے ساتھ ایک خلقت کثیر کو قتل کرا دیا -

انھین کامیابی کی جھلک دیکھ کے ہزارہا پیروون کے ساتھ جان دینے والون مین سے ایک یہی مقنع تھا - جو ہارون الرشید کے باپ خلیفۂ مہدی کے عہد اور ۱۵۹ھ مطابق ۷۷۵ء محمدی مین علاقۂ خراسان مین نمودار ہوا - اور سارے مشرقی فارس اور ترکستان و ماوراء النہر پر چھا گیا - یہ ایک بدقطع اور بد رُو پستہ قامت اور کانا شخص تھا - مرو کا رہنے والا تھا - اور صاحب علم و فضل ہونے کی وجہ سے اپنے لوگون مین حکیم یعنی فلسفی و دانا مشہور تھا - چونکہ سخت بدصورت اور یک چشم تھا اس لیے اُن عیوب کے چھپانے کے لیے اپنے مُنہ پر سونے کا ایک مصنوعی چہرہ یا بیچا لگائے رہتا - تاکہ کوئی اُس کی اصلی صورت نہ دیکھ سکے - یہ کارروائی کی تو اُس نے غالبًا عیب پوشی کے خیال سے تھی مگر اس سے یہ بہت بڑا فائدہ اُٹھایا کہ ہر شخص اُس کے جمال کے دیکھنے کا مشتاق ہو گیا - اور معتقدین

مین سے ہر شخص کو تمنا تھی کہ اُس کے جمال جہان آرا کی زیارت نصیب ہو۔
جس مذہب کو اُس نے اپنے پیرووں مین پیش کیا اُس کی یہ شان تھی کہ اور
لوگ تو رسالت و پیغمبری کے دعوے دار تھے مگر اُسے خدائی کا دعوی تھا۔
تاریخ پر غور کرنے سے نظر آتا ہے کہ یہود و نصارے اور مسلمانون مین خدا
سارے عالم کا قادر و توانا خالق و مالک ہے۔ اور لوگون کی ہدایت کے واسطے
انبیاے مرسل بھیجا کرتا ہے۔ بخلاف اس کے ہندوؤن اور بودھ لوگون کا یہ
خیال ہے کہ خدا خود مخلوق کی صورت اختیار کرکے نمودار ہوتا ہے اور عالم کو ہدایت
نور ہدایت سے روشن کر دیتا ہے۔ آل ابراہیم مین یہ خیال پہلے پہل حضرت عیسی
کو خدا بنا دینے سے ظاہر ہوا۔ جن لوگون نے بت پرستان روم و یونان و بطن
غالب ہندوستان و چین کے فلسفۂ الٰہی سے متاثر ہو کے یہ عقیدہ ظاہر کیا کہ
خدا کا بیٹا جو وحدت کی ایک جہت ہے انسانی پیکر مین نمودار ہوا۔ اور دنیا کے
گناہون کا کفارہ بن کے آسمان پر چلا گیا۔ لیکن یہ خیال ظہور اسلام کے زمانے
تک اُن لوگون مین فقط اکیلے حضرت مسیح کی ذات تک محدود رہا تھا۔
ظہور اسلام کے بعد جب مسلمانون نے روم و عجم دونون کو فتح کر لیا تو شرقی
و مغربی خیالات مین زیادہ آمیزش ہوئی۔ اور ایران کے جدید المعہد دیان
نے ور، اور مدعیان نبوت نے ابراہیمی نبوت کو اپنی شان سے کم تصور کرکے
ہوئی۔ حسب اصول الٰہی یعنی اوتار ہونے کو اپنے لیے اختیار کیا۔ وہ بجاے نبی
مغرور ہوکے خدا بننے لگے۔ اور اُنھین مدعیان الوہیت مین سب سے زیادہ
کامیاب ہونے والا یہی مقنع تھا۔
غرض وہ خدائی کا دعوے کرتا اور کہتا کہ مین ہی نہین بنی اسرائیل کے
تمام انبیاے سلف مظہر ایزدی اور خدا تھے۔ اُس کو دعوے تھا کہ خدا نے
آدم کا پتلا بنایا اور اُس مین خود نمودار ہوا۔ پھر برابر نوحؑ و ابراہیمؑ و دیگر
انبیا کی صورتون مین ظاہر ہوتے ہوتے حضرت محمد صلعم کی صورت مین نمایان ہوا
پھر چند اور قالبون کو بدل کے اُس نے ابومسلم خراسانی کی صورت اختیار کی۔
اور وہ معاذ اللہ جناب محمد مصطفےٰ صلعم سے افضل تھا۔ اور آخر مین ہاشم کی

صورت میں نمایاں ہوا۔ یہ ایک گھراراز تھا کہ ہاشم کون بزرگ ہیں۔ لیکن اپنے مخصوص اور بھروسے کے معتقدوں کو کبھی کبھی چپکے سے بتا دیتا کہ "ہاشم میں ہی ہوں"۔

چند روز پہلے بنی فاطمہ میں سے یحییٰ بن زید حکومت کی اطاعت سے منحرف ہو کے شہید ہو چکے تھے۔ اُن کی نسبت مقنع نے بیان کیا کہ وہ مارے نہیں گئے بلکہ زندہ موجود ہیں۔ ایک دن نکلیں گے اور اپنے قاتلوں کا قتل و قمع کریں گے۔ مقنع کے معتقد و پیرو جہاں کہیں اور جس شہر میں ہوتے اُسی کی طرف منہ کر کے سجدہ کرتے۔ اور لڑائی کے میدانوں میں بجائے "اللہ اکبر" کے "یا ہاشم مددا!" کے نعرے لگاتے۔

انسانی فطرت کی کمزوری کا اس سے زیادہ ثبوت کیا ہو گا کہ ہر شخص کو چاہے وہ کیسے ہی عقائد پیش کرے ایمان لانے والے جان نثار ضرور مل جایا کرتے ہیں۔ چنانچہ مقنع کو بھی خدائی کا دعوے کرتے ہی ہزاروں مرید و معتقد مل گئے۔ اور اُس کی ہمت بڑھ گئی۔ اور علانیہ زور و شور سے اپنے مذہب کی تبلیغ و تلقین کرنے لگا۔ اور جب اُن کی کافی مقدار اُس کے گرد جمع ہو گئی تو علاقۂ کش کے قلعجات سیام اور سنجردہ میں جا کے اُس نے سکونت اختیار کی۔ اس کے بعد اُس کا اثر اور زیادہ بڑھا۔ ماوراءالنہر کے شہروں میں اُس کا کلمہ پڑھا جانے لگا۔ بخارا، صغد اور زابلستان کے لوگ اُس کے مدد و معاون بنے۔ ترکوں نے بھی اُس کا لیے عہد اور خوب دھڑلے سے مسلمانوں پر دست برد اور لوٹ مار شروع کر دی اور آخر سے مقنع کا یہاں تک زور ہوا کہ علاقۂ کش کے شاہی قصروں کا مالک ہو گیا۔ اور مضبوط قلعۂ نواکث کو بھی اپنے قبضے میں کر لیا۔

جب اُس کا ہنگامہ اس درجے کو پہونچا تو قرب و جوار کے مسلمان سرداروں نے اُس کا فتنہ مٹانے کے لیے فوج کشی شروع کی۔ مگر کچھ نتیجہ نہ ہوا۔ ابو النعمان جنید اور لیث بن نصر باری باری یکے بعد دیگرے آئے۔ لڑے۔ اور ناکام رہے۔ اور قیامت یہ ہوئی کہ حسان بن تمیم۔ لیث بن نصر بن سیار اور محمد بن نصر وغیرہ کے ایسے کئی نامور سردار اُس کے مقابلے میں آ کے مارے گئے۔

آخر جبرائیل بن یحییٰ نے اپنے بھائی یزید کو مقنع کے مقابلے پر بھیجا - سواد بخارا میں مقنع اور اُن سرداروں میں میدان کارزار گرم ہوا - پھر اس کے بعد شہر نوجیت میں مسلسل چار مہینے تک لڑائی ہوتی رہی - آخر یزید نے مقنع کے لشکر پر ایسا زبردست حملہ کیا کہ وہ کسی طرح نہ روک سکے - اور یزید کے سپاہی شہر پناہ توڑ کے شہر کے اندر گھس پڑے - اور سات سو پیروان مقنع کو قتل کر ڈالا - بقیۃ السیف بھاگ کے شہر سنام میں پہونچے - جہاں مقنع موجود تھا - مگر جبرائیل کا لشکر بھی تعاقب کرتا ہوا اُنکے پیچھے پیچھے گیا - اور اُنکے سر پر جا پہونچا -

اب خلیفہ مہدی کو اطلاع پہونچ گئی کہ مقنع کے فتنوں نے کیسا ہنگامہ پیدا کر رکھا ہے - لہذا اُس نے اُس باغی اسلام کے مقابلے کے لیے اپنے مشہور سردار ابو عون کو روانہ کیا - مگر ابو عون نے اس ہنگامے و فتنے کے دور کرنے کے لیے جیسی سرگرمی و مستعدی کی ضرورت تھی نہیں دکھائی - بلکہ اپنی طرف سے معاذ بن مسلم نام ایک سردار کو مقنع کے مقابلے پر روانہ کر دیا -

سنہ ۱۶۱ھ مطابق سنہ ۷۷۸ء محمدی میں معاذ بن مسلم اور کئی سردار مقنع کے سر پر جا پہونچے - معاذ کی فوج مقدمۃ الجیش کا سردار سعید حرشی تھا - اور معاذ کا بھائی عیینہ بن مسلم بھی ایک لشکر کے ساتھ مقام زم میں سعید کے لشکر سے مل گیا - اور اُنھوں نے فوراً مقنع پر حملہ کر دیا - پہلی لڑائی مقام اوٰیس میں مقنع کے ایک لشکر سے ہوئی - جس کو سرداران خلافت نے شکست دے دی - بقیۃ السیف سفرور ین اپنے مظہر ایزدی سرغنا کے پاس قلعۂ سنام میں پہونچے اور اطلاع دی کہ خلافت کی طرف سے بڑا زبردست لشکر آپ کے مقابلے کو آ رہا ہے - مقنع نے قلعے کے گرداگرد خندق کھدوا کے ایک زبردست کھائی تیار کر لی -

اتفاقاً اس دوران جنگ میں معاذ اور حرشی میں کچھ اختلاف ہوا - اور سعید حرشی نے خلیفۂ مہدی کو اطلاع دی کہ اس مہم کو اکیلا میں ہی سر کر لوں گا کسی اور سردار کے میرے ساتھ رہنے کی ضرورت نہیں ہے - مہدی نے مصلحت سمجھ کے اُس کی درخواست قبول کر لی - اور اکیلا سعید ہی اس مہم کا ذمہ دار قرار پا گیا - غنیمت یہ ہوا کہ معاذ نے اس پر کچھ بُرا نہیں مانا - بلکہ اپنے بیٹے رجاء

کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ سعید کے ہمراہ کر دیا تاکہ اُس کی مدد کرے اور خود جہان تھا وہین ٹھہر گیا۔

سپہ سالار سعید نے بڑھ کے شہر سنام کا محاصرہ کیا۔ اب مقنع تو اپنی مسند پر قائم تھا، اور لوگون کو مخالفت پر آمادہ کرتا۔ مگر شہر سنام والون کا حال دگرگون ہونے لگا۔ اور چند ہی روز بعد اُنھون نے مقنع سے چھپا کے باہم مشورہ کیا۔ اور چپکے سے جا کے سپہ سالار خلافت سے پیغام امان مانگی۔ تاکہ اُس کی اجازت ہو سکے تو ہم شہر سے نکل کے چلے جائین۔ سعید حرشی کے سامنے جیسے ہی اہل شہر کی یہ درخواست پیش ہوئی اُس نے بلا تامل قبول کر لی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے ہی روز تقریباً تیس ہزار آدمی قلعۂ سنام سے نکل کے چلے گئے۔ فقط دو ہزار آدمی رہ گئے جو آخر تک نبی مانے اور مقنع کی حماقتون پر اپنی جانین فدا کرنے کو تیار تھے۔ اور یہی وہ منتخب لوگ تھے جو اُس کے گروہ مین ذی عقل و ذی ہوش۔ صاحب علم و فضل اور صاحب رائے سمجھے جاتے تھے۔

اب رجاء بن معاذ نے یہ کارروائی کی کہ اپنی فوج کے ساتھ آگے بڑھ کے خاص کھائی کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا۔ جس سے مقنع اور زیادہ پریشان ہوا۔ اب نہ اُس مین لڑنے کا دم تھا۔ نہ ٹھہرنے کا حوصلہ۔ صبر و استقلال اُس کے تمام ہمراہیون کے دل سے رخصت ہو گئے تھے۔ اور مقنع کو موت اپنی آنکھون کے سامنے نظر آتی تھی۔

جب بالکل یاس ہو گئی تو مقنع نے اپنی عورتون اور بال بچون کو ایک مکان مین بُلا کے جمع کیا۔ اور سب کو زبردستی زہر کے جام پلا پلا کے دنیا سے رخصت کر دیا۔ یا یون کہیے کہ سفر آخرت مین اپنا پیشرو بنایا۔ اس کے بعد ایک گڑھے مین بہت سی لکڑیان ڈھیر کرا کے اُن مین آگ لگا دی۔ اور جب خوب شعلے بھڑکنے لگے تو باقیماندہ رفیقون سے کہا" لے اب مجھے اس آگ مین ڈھکیل دو۔ تاکہ میری لاش دشمنون کے ہاتھ نہ لگے"۔

بعض لوگون کا بیان ہے کہ اس آگ مین اُس نے اپنے جلنے سے پہلے اپنے مال و اسباب۔ اپنی تمام چیزون۔ اپنے کپڑون۔ اور سواری کے جانورون تک کو

ڈال کے خاک کر دیا۔ اس کے بعد کل رفقا کی طرف دیکھ کے کہا "میں اب آسمان پر جاتا ہوں۔ لہذا جس جس کو میرا ساتھ دینا اور میرے ہمراہ آسمان پر چلنا ہو وہی کرے جو میں کرتا ہوں"۔ یہ کہہ کے بلا تامل آگ میں پھاند پڑا۔ اور اس کے بعد اس کے تمام رفقا بھی آگ میں پھاند پھاند کے جل مرے اور قلعے میں ایک متنفس بھی نہ باقی رہا جو محاصرہ کرنے والوں کو اس انجام کی خبر کرتا۔

مسلمانوں کو جب نظر آیا کہ قلعے والے نہ لڑتے ہیں نہ اندر سے کسی انسان کی آواز آتی ہے۔ اور ہر طرف سناٹا پڑا ہے تو انھوں نے قلعے پر یورش کی۔ کوئی مزاحم تو تھا نہیں۔ بے روک ٹوک دیواروں پر سیڑھیاں لگا کے چڑھ گئے۔ وہاں ہر طرف خاموشی دیکھ کے متحیر ہوئے۔ اندر اترے۔ اور دیکھا کہ نہ مقنع کا پتہ ہے نہ اس کے کسی عزیز و رفیق کا۔ فوراً قلعے پر قبضہ کر کے پھاٹک کھول لیے۔ اور فرد فتح مع ان تمام واقعات کے دربار خلافت میں لکھا۔ مسلمانوں کو یہ حال سن کے بڑا اطمینان ہوا کہ یہ فتنے ہمیشہ کے لیے مٹ گئے۔ جن کی وجہ سے اس علاقے میں مسلمانوں کے جان و مال کے لیے ہر وقت خطرہ رہا کرتا تھا۔

مگر اس واقعے اور اس طرح جل جل کے جان دینے کا اثر مقنع کے معتقدوں پر یہ ہوا کہ اس کی حقیقت و خدائی کے اور زیادہ قائل ہو گئے۔ اس کی نسبت عقیدت بڑھ گئی۔ اور یہی ہنگامہ بعد کے زمانوں میں دوسری حیثیتوں۔ دوسری شانوں اور دوسرے ناموں سے ظاہر ہوا۔

ہمارے یہاں اکثر بیان کیا جاتا ہے کہ جب حریف پر زور نہ چلے تو آگ میں پھاند کے اپنی اور اپنی عورتوں کی زندگی فنا کر دینا ہندوستان کا اور ہندوستان کے چھتریوں کا خصیصہ تھا۔ بیشک بارہا یہاں ایسے واقعات پیش آئے۔ مگر سچ یہ ہے کہ ہر ملک اور ہر قوم میں لوگوں نے یاس و ناامیدی کی حالت میں ایسا ہی کیا ہے۔ رومی سرداروں کا معمول تھا کہ ایسی حالت میں خودکشی کر لیا کرتے۔ بنی اسرائیل نے اپنی پامالی و نامرادی کے زمانے میں مختلف شہروں میں ایسا ہی کیا۔ اور یہی واقعہ مقنع کے حالات سے ہمیں خاص ارض عجم میں نظر آیا۔

مقنع کے مارے جانے کے ۶۶ برس بعد ۲۲۷ھ مطابق ۸۶۲ء محمدی اور

المعتصم باللہ کے زمانۂ خلافت میں ایک اور بزرگ ارض فلسطین میں نمودار ہوئے جو مبرقع کہلاتے تھے۔ یہ اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رہتے تاکہ نہ کوئی ان کا جمال جہان آشوب دیکھے اور نہ کوئی اُنھیں پہچانے۔

اس شخص کا اصلی نام ابو المحراب مبرقع یمانی تھا۔ اس فتنہ جُو کے ہنگامے کا آغاز یوں ہوا کہ اس شخص کا مکان فلسطین (بیت المقدس) میں تھا۔ ایک دن یہ ابو المحراب اتفاق سے کہیں باہر گیا ہوا تھا اور کسی فوجی سپاہی نے ارادہ کیا کہ اُس کے گھر میں ٹھہرے۔ ابو المحراب کی بیوی نے اس سپاہی کو روکا تو اس سرکش فوجی آدمی نے اس زور سے کوڑا مارا کہ عورت کی کلائی زخمی ہو گئی۔ اس واقعے کے بعد ابو المحراب گھر میں واپس آیا تو بیوی کی کلائی میں زخم دیکھ کے سبب پوچھا۔ اُس نے اصل کیفیت بیان کر دی۔ یہ سنتے ہی اُسے اس قدر طیش آیا کہ تلوار اُٹھائی۔ اور اُس سپاہی کا پتہ لگا کے بلا تامل اُسے مار ڈالا۔ پھر اسکے بعد اس اندیشے سے کہ میں اس سپاہی کے قصاص میں مارا جاؤں گا گھر چھوڑ کے اُردن کے پہاڑوں میں چلا گیا۔ چہرے پر ایک نقاب ڈال لی۔ دن کو نقاب پوش باہر نکلتا۔ اور جو ملتا اُسے پیروی شریعت کی ہدایت کرتا۔ خلیفہ اور اُسکے افعال کی علی الاعلان مذمت کرتا۔ لوگوں کو خلافت کی اطاعت سے پھیرتا۔ اور کہتا کہ "میں نسل بنی اُمیہ سے ہوں اور اس لیے دنیا میں آیا ہوں کہ ان غاصبوں سے خلافت چھینوں"۔ چنانچہ اُس کے پیرو اُسے "سفیانی" کہتے۔

اسی چیز نے انقلاب پسندوں اور اگلی دولت اموی کے دوستوں کو اس کا پیرو بنانا شروع کیا۔ ہزاروں آدمی آ آکے اُس کے پاس جمع ہونے لگے۔ ان دنوں نزاری و یمانی کا جھگڑا اچل رہا تھا۔ یعنی اُن قبائل عرب میں جو نسل اسمٰعیل سے تھے اور اُن میں جو خالص عرب اور یمنی الاصل تھے سخت مخالفت تھی۔ بنی عباس چونکہ اسماعیلی و نزاری تھے لہذا اکثر یمانیوں نے بلا لحاظ اسکے کہ بنی اُمیہ بھی اسماعیلی ہی ہیں اس شخص کی رفاقت اختیار کر لی۔ اور اُسکے جھنڈے کے نیچے ایک اچھی خاصی فوج جمع ہو گئی۔ اُس کے پیرووں میں بہیس نام ایک شخص تھا جو ملک یمن کے لوگوں میں بڑا اثر رکھتا تھا۔ اور وہ اہل دمشق تھے جو خلافت کو

پھر دمشق میں کھینچ لانا چاہتے تھے۔

معتصم باللہ کو اس فتنے کی خبر اُس وقت ہوئی جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہو چکا تھا۔ لیکن اس بیماری میں بھی اُس نے مستعدی دکھلائی اور رجاء ابن ایوب حضاری نام ایک زبردست سپہ سالار کو ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ روانہ کیا کہ مبرقع کا ہنگامہ فرو کرے۔ اُس نے وہاں پہونچ کے دیکھا تو مبرقع کے جھنڈے کے نیچے ایک عالم جمع تھا۔ جن کی تعداد ایک لاکھ آدمیوں سے کم نہ ہوگی۔ یہ رنگ دیکھ کے رجاء کو لڑنا خلاف مصلحت نظر آیا۔ مگر بہادر اور تجربہ کار افسر تھا۔ ہٹا نہیں۔ مبرقع کے لشکر کے سامنے پڑاؤ ڈال دیا۔

اب زراعت و کاشتکاری کا موسم آیا۔ مبرقع کے ساتھ زیادہ تر فلاح اور کاشتکار تھے۔ انھوں نے جو دیکھا کہ لڑائی کی ابھی امید نہیں ہے اور ہماری کھیتی غارت ہوئی جاتی ہے تو آہستہ آہستہ اپنے مزرعوں اور کھیتوں میں واپس جانے لگے۔ یہاں تک کہ مبرقع کا سارا گروہ ٹوٹ کے کاشتکاری میں مصروف ہو گیا۔ اور اُس کے ہمراہ فقط ہزار دو ہزار آدمی باقی رہ گئے۔

یہی حالت تھی کہ ناگہاں معتصم نے سفر آخرت کیا۔ اور واثق سریر خلافت پر بیٹھا۔ اور اُس کے ساتھ ہی مبرقع کے بعض سازشیوں نے دمشق پر ہنگامہ مچا دیا۔ اس کی خبر پاتے ہی واثق نے رجاء کو حکم دیا کہ تم پہلے جا کے دمشق کا ہنگامہ موقوف کرو۔ پھر اُس کے بعد واپس آ کے خود مبرقع کے مقابلے میں صف آرا ہونا۔ رجاء اپنے مختصر لشکر کے ساتھ دمشق میں گیا۔ اور ایسی حکمت عملی و شجاعت سے کام لیا کہ دمشق فتنہ انگیزوں سے صاف ہو گیا۔ جن میں کے کئی سو آدمی عصیاں کر کے خلافت کی تلواروں سے مارے گئے۔

دمشق کو صاف کر کے رجاء پھر مبرقع کے سامنے صف آرا ہوا۔ اور مصمم ارادہ کیا کہ بہت جلد لڑائی چھیڑ کے ان باغیوں کا بھی خاتمہ کر دے۔ اب کی بھی مبرقع کو لڑائی میں سبقت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور رجاء نے ماتحت سرداروں سے کہا "مجھے مبرقع کے لشکر میں کوئی شجاع اور مرد میدان نہیں نظر آتا۔ ان سب میں جو کچھ ہے خود وہی ہے۔ اس لیے کہ میں جانتا ہوں وہ اپنی ذات سے بہادر

اور قدم جما کے لڑنے والا ہے۔ اپنے لشکر کو لڑانے کے لیے وہ بار بار تم پہ حملے کریگا اُس موقع پر تم یہ کرنا کہ وہ جیسے ہی زور و شور سے حملہ کرے تم بیچ سے ہٹ کے اُس کو راستہ دے دینا۔ تاکہ جہان تک ممکن ہو وہ آگے بڑھ آئے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ مبرقع نے جوش و خروش سے حملہ کیا۔ رجاؔ کے لشکر نے اِدھر اُدھر ہٹ کے آگے جگہ دے دی۔ اور وہ اُن کے ہجوم کے درمیان مین آ کے خوب بہادری دکھا کے پلٹ گیا۔ اسکے بعد اُس نے دوبارہ حملہ کیا۔ اب کی بھی حریفون نے اِدھر اُدھر ہٹ کے جگہ دے دی۔ اور پہلی بہادری و کامیابی کے زعم مین اب کی وہ پہلے سے بھی زیادہ بڑھ آیا۔ اور رجاؔ کے سپاہیون مین دور تک گھستا چلا گیا۔ لیکن رجاؔ کا اشارہ ہوتے ہی فوج نے اُسے اپنے حلقے کے اندر لے کے واپس جانے کا راستہ بند کر دیا۔ اور آخر ہر طرف سے گھیر کے اور ہجوم کر کے اُس کو گرفتار کر لیا۔

اب کیا تھا؟ اُسکے ہمراہی بدحواس بھاگے۔ جن مین سے تقریباً بیس ہزار مارے گئے۔ باقی نے پہاڑون مین بھاگ کے پناہ لی۔ اور خود مبرقع پا بزنجیر کر کے سامرے مین خلیفہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ اور اپنی سزا کو پہونچا۔

ہے نی بال

جب کسی قوم اور سلطنت کا زوال شروع ہو جاتا ہے تو اُس کی تباہی سے پہلے اس قوم مین کوئی نہ کوئی شخص ایسا ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اگر ملک و قوم اُس کا ساتھ دین تو بہت ممکن ہے کہ وہ اپنے وطن کو تباہی و بربادی سے بچا لے۔ یہی حال قرطاجنہ کے مشہور و معروف سپہ سالار ہے نی بال کا ہے۔ رومۃ الکبرے اور قرطاجنہ کی لڑائیان قرطاجنہ والون کے لیے تباہی کا باعث ہوئین۔ اور اسی زمانے مین یعنی آغاز جنگ کے اٹھارہ سال بعد ہے نی بال پیدا ہوا۔ اُس کے باپ کا نام ہے مل کر برقاس تھا۔ قرطاجنہ مین اس کا خاندان ایک خاص رتبہ رکھتا تھا۔ رومۃ الکبرے اور قرطاجنہ کی تاریخون مین ہے نی بال کو خاص شہرت حاصل ہے۔ اور جب ہم یہ دیکھتے ہین کہ بغیر اپنے ملک کی مدد کے اُس نے سولہ سال

سے زیادہ زمانے تک رومۃ الکبرٰے کی عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ کیا بلکہ حالت یہان تک نازک ہوگئی تھی کہ قریب تھا اُسے بیخ و بنیاد سے اُکھاڑ کے پھینک دے تو ہمین اُس کی عالی ہمتی اور شخصیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ روم مین جمہوری سلطنت قائم تھی۔ اِس وقت تک جتنی لڑائیان ہوئین اُن مین اُسے فتح ہوئی تھی۔ لیکن ہنی بال کی جنگ اُس کے لیے زندگی اور موت کا سوال تھا۔ اور اُس کے مشہور و معروف سپہ سالار اُس مین مصروف تھے۔ مگر یہ ضرور ہے کہ کسی وقت اُن کے استقلال مین فرق نہین آنے پایا۔ اور ملک کے سارے ذرائع دشمن کی مدافعت مین مصروف تھے۔ لیکن اگر قرطاجنہ والون نے بھی رومۃ الکبرٰے والون کی طرح اپنے سپہ سالار کی مدد کی ہوتی تو یقیناً اس جنگ کا نتیجہ کچھ اور ہی ہوتا۔ غالباً رومۃ الکبرٰے کی قسمت کا ستارہ ہمیشہ کے لیے غروب ہوجاتا اور رومیون کی طرح قرطاجنہ والے ساری مہذب دنیا کے مالک ہوتے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہنی بال کو رومیون سے دلی عداوت تھی۔ اور غالباً یہ خیال اُس کے دل مین اُس کے باپ نے پیدا کیا۔ کیونکہ وہ اُسے ایک مندر مین لے گیا اور اُس سے قسم لی کہ ہمیشہ رومیون کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتا رہون گا۔"

ہنی بال کے بچپن کے واقعات اس قدر گمنامی مین ہین کہ اُس کی تعلیم و تربیت کا حال مورخین کو بہت کم معلوم ہو سکا ہے۔ اس قدر پتہ چلتا ہے کہ اُسے آغاز عمر سے سپہگری کی تعلیم دی گئی۔ باپ کے انتقال کے وقت اُس کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ اس کے بعد آٹھ سال وہ اپنے بہنوئی ہیس ڈروبال کے ہمراہ فوج مین رہا کیونکہ ہیمل کر کے انتقال کے بعد ہیس ڈروبال جو اُس کا داماد تھا ہسپانیہ کی فوج کا سپہ سالار اعظم مقرر ہوا۔ وہ بھی رومیون کا سخت دشمن تھا۔ اور اُسی کی صحبت کا اثر تھا کہ ہنی بال کے دل مین رومیون کی عداوت کا خیال جم گیا۔ ہیس ڈروبال نے مسلسل آٹھ سال ہسپانیہ کی ساری آمدنی فوج کی اصلاح مین صرف کی۔ اور اٹلی پر حملہ کرنیوالا تھا کہ کسی شخص نے ذاتی عداوت کی بنا پر اُسے قتل کر ڈالا۔ ہسپانیہ مین فوج کا ایک ایک سپاہی ہنی بال سے

واقف ہو چکا تھا۔ ہر شخص کے دل مین اُس کی عظمت قائم ہو چکی تھی۔ لہذا فوج والون نے خود ہی اُسے اپنا سپہ سالار اعظم منتخب کر لیا۔ اور قرطاجنہ کی گورنمنٹ نے بھی اُسے منظور کر لیا۔

ہسپانیہ کے بعض علاقے ابھی تک قرطاجنہ کے ماتحت نہین ہوے تھے ہیمیلکر نے کوشش کر کے اُس کے ایک بڑے حصے کو اپنے قبضے مین کر لیا تھا۔ ہے نی بال کو سب سے پہلے اس کی فکر ہوئی کہ ہسپانیہ کا سارا علاقہ اپنے قبضے مین آ جائے یہ خیال کر کے سب سے پہلے وہ اُس پہاڑی علاقے مین داخل ہوا جو قرنسہ کہلاتا تھا اور دریاے شوقر کے قریب واقع تھا۔ ہے نی بال اپنی فوج لے کے اُس کے دارالسلطنت کی جانب بڑھا اور پہاڑی لوگون کو شکست دے کے اُس شہر پر قبضہ کر لیا۔

ادھر سے اطمینان کر کے ہے نی بال نے اپنی فوجین سلامانقہ کی طرف بڑھائین کیونکہ وہ لوگ بھی اس وقت تک مطیع نہین ہوے تھے۔ لیکن ایک ہی لڑائی مین اُن کا خاتمہ ہو گیا۔ وہ شکست کھا کے بھاگے اور سرتابی کی جرأت نہ کر سکے۔ اسی سلسلے مین ہے نی بال دریاے عبرو کے پار اُترا اور اُس کے جنوب مین جو قومین آباد تھین اُنھین اپنا مطیع کر لیا۔ اب فقط شہر سے گن ٹم رہ گیا تھا۔ اور خیال تھا کہ اُس کے فتح ہو جانے کے بعد سارے علاقہ اسپین مین کوئی خود سر شہر نہ رہ جائے گا۔

سے گن ٹم اُس زمانے مین بڑا مشہور شہر تھا۔ مشرقی اسپین مین ساحل سے فقط ایک میل ہٹ کر واقع ہوا تھا۔ موجودہ شہر مرویدرو کے قریب اُس کے کھنڈر اب تک باقی ہین۔ رومیون سے اور سے گن ٹم والون سے تجارتی تعلقات قائم تھے۔ ایک چھوٹے سے آزاد شہر کو قرطاجنہ والے مغلوب کر لین اور رومیون کی سی عظیم الشان اور انصاف پسند سلطنت بیٹھی دیکھا کرے؟ بھلا یہ کیسے ممکن تھا! فوراً لوگ بھیجے گئے تاکہ ہے نی بال کو سمجھا بجھا کے اس ارادے سے باز رکھین۔

اس اثنا مین ہے نی بال نے بڑھ کے شہر سے گن ٹم کا محاصرہ کر لیا۔

رومتہ الکبریٰ کے سفیر اُس کے پاس پہونچے اور ملاقات کی درخواست کی مگر اُس نے ملنے سے قطعًا انکار کر دیا۔ مجبورًا وہ لوگ یہ شکایت لے کے قرطاجنہ گئے مگر وہان بھی اُنھین کامیابی نہ ہوئی۔ آخر مایوس ہو کے رومتہ الکبریٰ مین واپس آئے اور سمجھ گئے کہ اب سوا جنگ کے کوئی چارہ نہین ہے۔

ہنی بال نے سگن ٹم کا محاصرہ نہایت سختی سے قائم رکھا۔ اور آٹھ مہینے کے بعد اُس پر قبضہ کر لیا۔ اس شہر کے مفتوح ہوتے ہی اٹلی پر حملہ کرنے کا راستہ صاف ہو گیا تھا اب اسپین مین کوئی طاقت ایسی نہ تھی کہ جو ہنی بال کو روک لیتی۔ چند شمالی قومین اب بھی رومیون کی ہم خیال نظر آتی تھین۔ مگر ہنی بال نے اُن کی نسبت یہ رائے قائم کر لی تھی کہ چونکہ وہ اٹلی کے راستے مین ہین لہذا چلتے وقت اُن سے سمجھ لیا جائے گا۔ رومیون کے وہم و گمان مین بھی نہ آسکتا تھا کہ ایک بڑی فوج کوہسار آلپس سے اس پار آ سکتی ہے۔ مگر ہنی بال کے دل مین یہ خیال پہلے دن سے قائم تھا۔ اور اُس نے اپنے خفیہ جاسوس بھیج کے علاقہ گال (فرانس) کی اُن قومون کو جو کوہسار آلپس کے دامن مین آباد تھین اپنا ہم خیال بنا لیا تاکہ اُس کی فوجین وہان پہونچین تو وہ لوگ کسی قسم کی مزاحمت نہ کرین۔ بلکہ سامان رسد وغیرہ بہم پہونچا دین۔ انھین لوگون کے ذریعے سے اُسے یہ معلوم ہو گیا کہ کوہسار آلپس کے دشوار گزار درون مین سے اُس کی فوجون کا گذر جانا غیر ممکن نہین ہے۔

رومی سمجھے ہوے تھے کہ ہمارا اور قرطاجنہ والون کا میدان جنگ ہسپانیہ ہو گا۔ لیکن ہنی بال نے ارادہ کر لیا کہ خاص اٹلی مین پہونچ کے رومیون پر حملہ کیا جائے۔ لہذا پورا ایک سال اس مہم کی تیاری مین صرف ہوا۔ اپنے سپاہیون کو ہنی بال نے اجازت دیدی کہ اپنے اپنے گھرون مین ہو آئین کیونکہ ممکن ہے پھر اُنھین جانے کا موقع نہ ملے۔ اپنے بھائی کو جس کا نام بھی ہیس ڈروبال تھا اسپین کا گورنر مقرر کیا۔ اور سب سے بڑی ہوشیاری یہ کی کہ اسپین اور افریقہ مین جو فوجین انتظام اور امن قائم رکھنے کے لیے متعین تھین اُنھین ایک مقام سے دوسرے مقام پر بدل دیا تاکہ شورش نہ کر سکین۔ اسی طرح

کامل اطمینان حاصل کرکے نوے ہزار پیدل اور بارہ ہزار سواروں کے ساتھ اٹلی کی طرف توجہ کردیا۔ کہا جاتا ہے کہ اسکے ساتھ چند ہاتھی بھی تھے۔

کوہسار پیری نیز کے دامن مین جو قومین آباد تھین وہ سب رومیون کی طرفدار تھین۔ ہنی بال کو اُنھین مغلوب کرکے راستہ نکالنا پڑا۔ اس لڑائی مین اُس کے چند آدمی ضائع ہوے۔ لیکن سب سے بڑی مشکل یہ آپڑی کہ ہسپانی سپاہیون مین سے بعض نے راستے کی مصیبتون کا خیال کرکے آگے بڑھنے سے انکار کردیا۔ لہذا جتنے لوگ اس خیال کے نکلے ہنی بال نے انھین واپس کردیا۔ کیونکہ زبردستی ساتھ لیجانے کا کوئی نتیجہ نہ تھا۔ پیری نیز کے اُس پار پہونچ کے ہنی بال کے ساتھ پچاس ہزار پیدل اور نو ہزار سوار رہ گئے۔ لیکن یہ لوگ بڑے تجربہ کار نبردآزما تھے۔

رومیون کو ابھی تک ہنی بال کی اس نقل و حرکت کی خبر نہ تھی۔ وہ اطمینان کے ساتھ ہسپانیہ پر حملہ کرنے کی تیاریون مین مصروف تھے۔ اور ساٹھ جہاز اسپین کی طرف روانہ کیے۔ رومیون کا سپہ سالار ببلیس سی پیو اسپین کی طرف جاتا ہوا دریاے روَن کے قریب پہونچا تو اُسے یہ معلوم کرکے سخت تعجب ہوا کہ ہنی بال اپنی فوجون کے ساتھ وہان تک آپہونچا ہے۔ رومی سپہ سالار نے اب اسپین جانا بیکار خیال کیا۔ اپنی فوجین خشکی پر اتارین۔ اور ہنی بال پر حملے کی تیاریان کرنے لگا۔ لیکن ہنی بال کو یہان لڑنا بے سود نظر آیا۔ اُس نے رومیون کی پروا بھی نہ کی اور اپنی فوجین آگے بڑھادین۔ اب اُسکے سامنے آلپس کی سر بفلک چوٹیان تھین۔ اُس مین سے گذرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اُسکی وادیون اور درون مین سے گذرنا دشمن کے مقابلے سے زیادہ خوفناک تھا۔ ہر ہر قدم پر مشکل کا سامنا ہوتا۔ لیکن اُس کے استقلال مین کسی قسم کا فرق نہین آیا۔ اور پندرہ روز مین وہ کوہسار آلپس کے اُس پار تھا۔ اِن دشوارگذار راستے مین اُس کے بہت سے آدمی بھی ضائع ہوے۔ اور جب ہنی بال اٹلی مین داخل ہوا تو اُس کے پاس فقط بیس ہزار پیدل اور چھ ہزار سوار رہ گئے تھے۔ اس مختصر فوج کے ساتھ وہ رومۃ الکبریٰ کی عظیم الشان سلطنت کو تہ وبالا کرنے آیا تھا۔

رومی سپہ سالار سی پیو کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہنی بال کوہسار آلپس سے گذر کے اٹلی پر حملہ آور ہو گا تو فوراً ایک حصۂ فوج اپنے ہمراہ لے کے جہازوں کے ذریعے سے اپنے ملک کی حفاظت کے لیے واپس چلا آیا۔ دریائے ٹے سی نس کے کنارے ایک لڑائی ہوئی۔ جس میں رومیوں کو شکست ہو گئی۔ اور رومی سپہ سالار سی پیو کو اپنے ملک کا ایک بڑا حصہ خالی کر دینا پڑا۔ شہر پیاسنزا کے قریب دوسرا معرکہ ہوا۔ لیکن اس میں بھی سی پیو کو شکست ہوئی اور وہ خود زخمی ہوا۔ اب سی پیو نے دیکھا کہ ہنی بال کے مقابلے میں میدان جنگ میں فتح حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ لہٰذا اُس نے یہ طرز عمل اختیار کیا کہ نہیں بڑی جم کے نہ مقابلہ کیا جائے بلکہ چھوٹے چھوٹے معرکے جاری رہیں۔ اور اس طرح دشمن کو تھکا کے اور پریشان کر کے پسپا کیا جائے۔ اگر اس رائے پر عمل کیا جاتا تو رومیوں کی بہت سی فوجیں جو اُس کے بعد بڑی بڑی لڑائیوں میں کام آئیں محفوظ رہتیں۔ لیکن ایک دوسرے رومی سپہ سالار ٹائبریس کو کسی مقام پر ایک معمولی سی کامیابی حاصل ہو گئی۔ اور اسی سے خوش ہو کے اور اپنے اوپر اطمینان کر کے وہ ساری فوج کے ساتھ ہنی بال کے مقابلے پر آ موجود ہوا۔ لیکن ہنی بال کے ایسے تجربہ کار سپہ سالار کے مقابلے میں فتح پانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ میدان قرطاجنہ والوں کے ہاتھ رہا اور ساری رومی فوج تباہ و برباد ہو گئی۔

اب اٹلی کا سارا شمالی حصہ ہنی بال کے قبضے میں تھا۔ جس طرف وہ بڑھتا ہر شہر اطاعت قبول کرتا جاتا۔ رومیوں کو شکست پہ شکست ہوتی جاتی تھی۔ اور کامیابی کی کوئی صورت نہ نظر آتی۔ ہنی بال نے اب جنوب کی طرف رُخ کیا۔ اے پی نائن کے پہاڑوں سے گذر کے اُس نے دیکھا کہ رومی کانسل فلے می نس ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ مقابلے کو آمادہ ہے۔ نہایت خونریز لڑائی ہوئی۔ رومی کانسل میدان جنگ میں مارا گیا۔ اور ساری فوج غارت ہو گئی۔ اب روم تہ الکبریٰ کا راستہ صاف تھا۔ درمیان میں کوئی مدافعت کرنے والی فوج نہ تھی۔ اگر ہنی بال سیدھا اُدھر کا رُخ کرتا تو غالباً اُسکے

فتح کے ساتھ ہی لڑائی کا خاتمہ ہو جاتا - لیکن ہنی بال نے مشرق کی طرف کوچ کر دیا اور صوبہ اپولیا میں جا کے موسم سرما بسر کیا -

اب فے بیس رومی کانسل مقرر ہوا - اور ہنی بال نے بہت کوشش کی کہ وہ بھی میدان جنگ میں نکل آئے - مگر وہ نہایت سنجیدہ اور ہوشیار شخص تھا چند روز چھوٹی چھوٹی لڑائیوں سے ہنی بال کو پریشان کرتا رہا لیکن کہیں پر جم کے مقابلہ نہ کرتا - آخر کار رومیوں نے جمع ہو کے پھر ایک بڑا مقابلہ کیا - اور اپولیا کے ایک چھوٹے گاؤں کینے کے قریب ایک بڑی لڑائی ہوئی - اس میں رومیوں نے اپنی ساری قوت صرف کر دی تھی - لیکن کوئی نتیجہ نہ ہوا - اور ہنی بال نے پھر انھیں شکست دی -

اس فتح سے ہنی بال کے لیے روم کا راستہ پھر صاف تھا - جب چاہتا بڑھ کے اُس پر قبضہ کر لیتا - کیونکہ کوئی مزاحمت کرنے والا نہ نظر آتا تھا لیکن ہنی بال نے ادھر کا رُخ نہیں کیا - مقام کپوا میں اُس نے موسم سرما بسر کیا - اور کہا جاتا ہے کہ اس صوبے کی عیش و عشرت نے اُسکے سپاہیوں کے طرز معاشرت کو بالکل بدل دیا - ان میں عیش پسندی آگئی - اور اُسی وقت سے ہنی بال کا زوال شروع ہو گیا -

ہنی بال کے پاس اتنی فوج نہ تھی کہ وہ مفتوحہ مقامات کو اپنے قبضے میں رکھ سکے - بعض اوقات مفتوحہ شہر بغاوت کرتے اور اسے پھر انھیں فتح کرنا پڑتا - اور سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ قرطاجنہ والے ہنی بال کی اس مہم کو کچھ زیادہ اہمیت نہ دیتے اور نہ اُس کی کافی مدد کرتے - اگر اُس کے پاس کافی تعداد میں آدمی ہوتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ روم پر قبضہ نہ کر لیتا -

اب اٹلی میں زمین ہنی بال کے قبضے سے نکلتی جاتی تھی - اُس نے قرطاجنہ سے مدد مانگی - لیکن وہاں کسے اُس کی پروا تھی - ہنی بال کی اس مہم کو ایک بے نتیجہ لڑائی سمجھ رہے تھے - مگر اس کا بھائی ہیس ڈروبال اسپین سے کچھ فوج لے کے چلا - اور اُسی راستے سے آ رہا تھا جدھر سے ہنی بال آیا تھا - کوہسار آلپس پار کرتے ہی اُس سے اور رومیوں سے مقابلہ ہو گیا

اس لڑائی میں ہلیس ڈروبال کو شکست ہو گئی - اُس کی فوج منتشر ہو کے بھاگی اور اب ہنے بی بال بالکل بے یارو مددگار رہا -

رومیوں کو معلوم تھا کہ قرطاجنہ والے اس لڑائی سے پریشان ہیں فقط ہنے بی بال کی وجہ سے جاری ہے - انھوں نے ایک اور تدبیر کی - اُن کا سپاہ سی پیو اسپین پر حملہ آور ہوا - اور وہاں سے خاص افریقہ پہونچ کے قرطاجنہ والوں پر حملہ کر دیا - اس کا بڑا اثر ہوا - قرطاجنہ میں ہنے بی بال کے دشمن موجود تھے اُنھوں نے غل مچایا کہ یہ آفت ہم پر فقط ہنے بی بال کی وجہ سے آئی ہے - فوراً ہنے بی بال کو حکم دیا گیا کہ اٹلی سے واپس آئے اور اپنے ملک کو بچائے - اس طرح اٹلی میں سولہ سال گذارنے کے بعد ہنے بی بال قرطاجنہ واپس آیا -

لیکن اب قسمت نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا - مقام زامہ کی لڑائی میں اُسے رومیوں کے مقابلے میں شکست ہو گئی - اور اُس کی رائے کے خلاف قرطاجنہ والوں نے رومیوں سے صلح کر لی - ہنے بی بال اب ملک کی اندرونی خرابیوں کی جانب متوجہ ہوا - اور اُن کی اصلاح کی کوشش کرنے لگا - لیکن ایک بہت بڑا گروہ اس کے مخالف تھا جو اُس کی کوئی تدبیر نہ چلنے دیتا -

اسی زمانے میں شام کا بادشاہ انطیا قس رومیوں کے خلاف ہو گیا تھا اور کہا جاتا تھا کہ وہ رومیوں کے مقابلے میں جنگ کی تیاریاں کر رہا ہے دشمنوں نے مشہور کر دیا کہ ہنے بی بال اور شاہ انطیاقس کے درمیان نامہ و پیام جاری ہے - اور اسی کے مشورے سے وہ رومیوں کے خلاف ہو گیا ہے - یہ امر اس معاہدے کے خلاف تھا جو قرطاجنہ اور روم میں ہوا تھا - لہذا تین معزز شخص رومتہ الکبرے سے بھیجے گئے تاکہ قرطاجنہ جا کے اس کی تحقیقات کریں - اور اگر یہ خبر صحیح ہو تو حکومتِ قرطاجنہ سے شکایت کریں -

ہنے بی بال سمجھ گیا کہ اس کا نتیجہ اسکے سوا اور کچھ نہ ہوگا کہ میں پکڑ کے رومیوں کے حوالے کر دیا جاؤں - لہذا وہ وہاں سے ایک جہاز میں بیٹھ کے روانہ ہو گیا اا - شہر افسوس میں آیا جہاں شاہ انطیاقس سے ملا - اور کئی سال اُسکے ساتھ رہا

لیکن افسوس کہ انطیاقس نے بھی اس کے مشورے پر عمل نہ کیا اور آخرکار رومیون کے مقابلے مین اُس کو شکست ہو گئی۔ اور اتنی قوت بھی نہ رہی کہ ہنی بال کو دشمنون کے ہاتھ سے بچا سکے۔ یہ دیکھ کے ہنی بال خود وہان سے روانہ ہو گیا۔ اور بی تھی نیا کے بادشاہ کے پاس آیا۔ اور کئی سال وہان رہ کر رومیون کے مقابلے مین اُسے مشورے دیتا رہا۔

رومۃ الکبریٰ کے سفیر وہان پہونچے اور اُنھون نے اس بات کا مطالبہ کیا کہ ہنی بال ہمارے حوالے کر دیا جائے۔ تعجب ہے کہ بادشاہ بھی اس پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن ہنی بال کو اسکی خبر ہو گئی اور اُس نے زہر کھا کے اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

اس طرح قرطاجنہ کے اس مشہور و معروف سپہ سالار اعظم کا خاتمہ ہوا۔ یہی شخص تھا جو اُنھین تباہی و بربادی سے بچا سکتا تھا مگر اس کی قدر قرطاجنہ والون نے اُس کی زندگی مین نہ کی اور بعد مین افسوس کرتے رہے۔

مصر کی جامع ابن طولون کا بانی

مصر مین ایک نہایت پُر شوکت اور عالیشان مسجد ہے جو "جامع ابن طولون" کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ یہ مسجد تقریباً گیارہ سو برس پیشتر تعمیر ہوئی تھی۔ اور اگرچہ عمر مین اہرام مصری یا فراعنۂ مصر کی دیگر عمارتون کی ہم سنی کا دعویٰ نہین کر سکتی مگر عظمت اور رونق مین اُن سے بڑھی ہوئی ہے۔ دوسری قدیم عمارتین اگر اگلے شرک و بت پرستی کی یادگارین ہین جو مٹ گئین اور مٹ رہی ہین تو یہ توحید اور مبلغانِ توحید کی عظمت و جلال کی مبارک و محترم یادگار ہے جو اس گھڑی تک قائم ہے اور کبھی نہ مٹے گی۔ اُن عمارتون کے منہدم کھنڈرون مین وحشیانِ صحرا کا نشیمن ہے۔ اور اُن کے شکستہ کنگرون پر اُلّو بولتا ہے۔ اس مین اس دم تک خداے واحد ذوالجلال کی عبادت کرنے والے آباد ہین۔ اور پانچون وقت اُس کے مینارون پر سے نعرۂ اللہ اکبر بلند ہوتا ہے۔ اُن یادگاران قدیم کا کیش و آئین مٹ گیا۔ اور اس کا دین مذہب آج تک اُسی وضع سے وحدت الٰہی کا

جلوہ دکھا رہا ہے اور قیامت تک یہ قرار رہے گا ۔

اس مسجد کا بانی اگرچہ کوئی مستقل شہریار نہین ہے بلکہ تاجداران آل عباس کا مقرر کیا ہوا والی مصر تھا ۔ مگر اس کی خصوصیت یہ تھی کہ دولت اسلام مین وہی پہلا والی ہے جس نے گورنری یا ولایت مین جہان بانی و شہریاری کی شان دکھا دی ۔ اور سچ یہ ہے کہ بغیر ایسی عظمت و جبروت کے ایسی عالیشان اور روپیہ یا عمارت تعمیر بھی نہ ہو سکتی تھی ۔

اُس کا نام احمد بن طولون تھا جو ۲۵۴ھ مین بحکم المعتز باللہ عباسی والی مصر مقرر ہوا ۔ اُن دنون خلافت عباسیہ کمزور پڑ چکی تھی اس کا رعب اُٹھ گیا تھا مگر اُسی عہد کے ایک خلیفہ کا مقرر کیا ہوا یہ والی مصر ایسے رعب و داب اور ہیبت و جبروت کا حکمران تھا کہ اُس کی صورت دیکھنا کیسا اُس کے نام سے لوگ تھرّاتے تھے ۔ اُس نے ایک سو حسین و خوبرو اور توانا و تنومند غلام خرید کے اپنے جلو مین گارڈ آف آنر کی حیثیت سے رکھے تھے ۔ یہ غلام خوشنما و خوش قطع قبائین پہنے رہتے ۔ اُن کی کمرون مین چوڑے پٹکے کسے رہتے ۔ اور اُن کے ہاتھون مین بھاری بھاری گرز ہوتے جن کی چوٹیون پر نقرئی لٹو نصب تھے ۔ اِس وضع و لباس مین یہ غلام ہر وقت اُس کے ہمراہ رہتے دربار مین بیٹھتا تو صف باندھ کے سامنے کھڑے ہو جاتے ۔ سوار ہوتا تو اُس کے گھوڑے کو اپنے جھرمٹ مین لیے رہتے ۔ اس مختصر جلوس نے ساری رعایاے مصر کے دلون پر اُس کی ایسی ہیبت بٹھا دی تھی کہ مجال نہ تھی کہ اُسکے سامنے کوئی چون بھی کر سکے ۔ چنانچہ اس کی اس سطوت و جبروت اور خلفاے آل عباس کی کمزوری کا یہ اثر ہوا کہ چند ہی روز مین ابن طولون ایک خود مختار شہریار بن گیا ۔ اور مصر ہی نہین مشرق مین شام و فلسطین اور وادی فرات تک کا علاقہ اُس کے زیر نگین تھا ۔ اور مغرب مین افریقہ تک اُس کی حکومت قائم تھی ۔

مگر اس رعب و جبروت کے ساتھ ابن طولون نہایت ہی خلیق و متواضع اور انتہا درجے کا دیندار و عبادت گزار تھا ۔ حکمرانی و جہان بانی کے ساتھ

دینداری مین اس قدر انہماک تھا کہ جب دیکھیے علوم دینیہ کے مطالعے اور فن حدیث کی مزاولت مین مصروف نظر آتا۔ اور اسی تقاضاے دینداری و حمیت اسلامی نے اُسکے ہاتھون سے جامع ابن طولون تعمیر کرادی۔ جو آج تک تاریخ و عظمت سلف کا ایک کرم خوردہ ورق بنی ہوئی ہے۔ اس مسجد کی تعمیر مین اُس نے بارہ لاکھ اشرفیان صرف کین اور تیاری کے بعد اُسکی خدمت کے لیے ایک بہت بڑی رقم مقرر کردی جو مدت دراز تک جاری رہی اور آج بھی خزانۂ مصر سے اس کی خدمت ہوتی رہتی ہے۔

اس مسجد کی تعمیر و خدمت کے علاوہ ابن طولون کی فیاضی و مذہبی ارادت سے بکثرت خیرات جاری تھی۔ ایک نہایت عالیشان دارالشفا قائم کرائی اور اُس پر مناسب اوقاف مقرر کیے تاکہ ہمیشہ جاری رہے۔ چنانچہ مدت دراز تک یہ دارالشفا جاری رہی۔ ماسوا اسکے اُس کی فیاضی سے روزانہ ایک ہزار اشرفیان فقرا اور محتاجون کو دی جاتین اور دس ہزار اشرفیان ماہانہ علما و اتقیا کی خدمت گزاری اور محترم خاندانون کی قدردانی و دستگیری کے لیے مخصوص تھین۔

احمد بن طولون کے عہد مین ایک رات کو یکایک اس کثرت سے تارے ٹوٹنے لگے کہ تمام لوگ گھبرا اُٹھے۔ یہ حالت دیر تک قائم رہی۔ اور اکثر لوگون کو یقین ہوگیا کہ قیامت آگئی۔ تارے ٹوٹ ہی رہے ہین دم بھر مین آسمان بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ بہت دیر تک یہ سلسلہ قائم رہ کے موقوف ہوا۔ اور جب تارون مین سکون و استقلال نظر آیا تو اہل ملک کی جان مین جان آئی۔ اب لوگون کا خیال اس جانب مائل ہوا کہ دنیا مین کوئی بہت بڑی بلا آنے والی ہے جس سے عالم علوی کی اس درہمی و برہمی نے آگاہ کردیا سب لوگ سہمے اور گھبرائے ہوے تھے کہ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ خود ابن طولون مضطر و بدحواس تھا اور نجومیون اور عالمون کو جمع کرکے ایک ایک سے پوچھ رہا تھا کہ ان تارون کے ٹوٹنے کا کیا سبب ہے؟ اور اس کا کیا انجام ہونے والا ہے؟ مگر کسی سے کوئی معقول بات نہ بن پڑتی تھی۔

اتنے مین دربار کا نکتہ رس شاعر حمل آگیا۔ اور احمد بن طولون کو پریشان دیکھ کے تین شعر پڑھے جن مین اس مضمون کو نہایت خوبی سے ادا کیا تھا کہ لوگ کہتے ہین تارون کا ٹوٹنا کسی سخت ترین حادثے کا دیباچہ ہے۔ اُن کا یہ قول سُن کر مین نے ایک حکیم و دانا اور فلسفی کی شان سے جواب دیا کہ تارے تو شیاطین پر گرز آتشین پڑنے کی وجہ سے ٹوٹتے نظر آتے ہین۔ لہذا یہ تمارے نہین ٹوٹتے بلکہ ہمارے امیر کے دشمنون پر آسمان سے گرز آتشین پڑ رہے ہین۔ یہ اشعار سُن کے تمام اہل دربار اور علما و فضلا خوش ہوگئے۔ ابن طولون بھی ان اشعار کو فال نیک خیال کرکے بیفکر ہوگیا۔ اور شاعر کو انعام واکرام سے سرفراز کرکے خوش کردیا۔

۲۷۰ھ مین احمد بن طولون نے دنیاے فانی کو رخصت کیا اور چھبیس بیٹیان اور سات بیٹے چھوڑے۔ جن مین سے خمارویہ حکمرانی مصر کے لیے اُس کا جانشین ہوا۔ دولت و حشمت کی قسم سے مندرجۂ ذیل چیزین اُس نے چھوڑی تھین: ایک کرور اشرفیان۔ دس ہزار غلام جو خدمتگذاری کے لیے تھے۔ چوبیس ہزار فوجی غلام۔ دس ہزار گھوڑے۔ چھ ہزار خچر اور گدھے۔ دس ہزار اونٹنیان اور ایک سو جنگی جہاز جنھون نے بحرۂ روم کے اطراف مین اُس کا رعب بٹھا رکھا تھا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اُن دنون دنیا مین آج کل کی طرح باقاعدہ فوج رکھنے کا رواج نہ تھا۔ لڑائی کے موقعون پر پُرجوش مسلمان خود ہی آ آ کے شاہی جھنڈون کے نیچے جمع ہو جاتے تھے۔ اور بڑے بڑے سرداران قبائل دروساے بلاد جب ضرورت پیش آتی اپنی بیرقون کے نیچے ہزارہا لوگون کو جمع کرلیتے۔ اور اُس جمعیت کے ساتھ آکے فرمان روایان مملکت کے قوت بازو بنتے۔ اس کمی کو اکثر زبردست بادشاہون نے یون پورا کیا کہ غلام مول لے لے کے جمع کرتے اور ان کو سپہگری کی تعلیم دلا کے اپنے پاس رکھتے۔ اسی طریقے نے اُندلس مین غلامون کی حبشی اور صقلبی فوجین جمع کرائین۔ اسی نے المعتصم کو ترکی غلامون کا لشکر عظیم قائم کرنے پر آمادہ کیا۔ اور اسی خیال نے ترکان آل عثمان

مین جان نثاری (ینی چری) فوج تیار کرائی۔ ہر حال شاہان سلف کے تذکرے مین جو یہ نظر آتا ہے کہ اُن کے دس ہزار یا بیس ہزار غلام تھے۔ اس کا منشا یہ نہین کہ قصر شاہی مین خدمت کرنے والے اتنے غلام تھے۔ مطلب یہ ہے کہ اُس بادشاہ کے پاس اتنی مستقل فوج تھی۔

بہرحال خمارویہ جب باپ کی اس شان و شوکت کا وارث ہوا تو اُس نے پوری اور سچی جانشینی کی۔ خیرات و میرات کی رقمون کو بدستور جاری رکھا۔ علما و اتقیا اور شرفا وکملا کی ویسی ہی خدمت کرتا رہا بلکہ دنیا کو باور کرادیا کہ وہ اپنے باپ سے بھی زیادہ فیاض۔ علم دوست۔ اور ہنر پرور ہے۔ مگر چونکہ آغوش حکومت و امارت مین پرورش پائی تھی لہذا اُس مین شوقینی اور امیرانہ نازک مزاجی باپ سے بدرجہا بڑھی ہوئی تھی۔ اپنے عہد مین اُس نے ایک لمبے چوڑے میدان کو گلزار پُربہار اور نمونۂ فردوس برین بنا دیا۔ جس مین ہر قسم کے خوشبودار پھول اور قسم قسم کے درخت جمع کیے تھے۔

اُس کی نازک دماغی کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ایک بار اپنے دربار کے طبیب سے شکایت کی کہ "مجھے راتون کو نیند نہین آتی"۔ طبیب نے کہا "کسی خادمہ کو پاؤن دابنے اور چپّی کرنے کی خدمت پر مامور کیجیے۔ چپّی ہوتے ہی نیند آجایا کرے گی"۔ اُس نے کہا "اس کا تو مین متحمل ہی نہین ہوسکتا کہ کوئی شخص میرے بدن سے ہاتھ لگائے"۔ یہ سُن کے طبیب نے ایک اور تدبیر بتائی جس کو ایک عجیب و غریب کرشمہ دولتمندی و امارت کہہ سکتے ہین۔ قصر شاہی مین بیس گز مربع ایک حوض بنا کے اُس مین پارہ بھروا دیا گیا۔ اُس کے چارون طرف چاندی کے کٹہرے لگائے گئے۔ اور اُن مین نہایت ہی خوبصورتی کے ساتھ ریشمی پٹیان باندھ کے اُن کا جال سا بنا دیا گیا۔ جن کے مختلف رنگ پارے کے دریاے سیمین مین عجیب بہار دکھاتے۔ پھر اُن پٹیون کے جال پر نرم چمڑے کی ایک توشک ڈالی گئی۔ جس مین ہوا بھر دی جاتی تھی اس توشک پر وہ لیٹ جاتا۔ پارے کی حرکت سے وہ توشک ہر وقت جھومتی رہتی۔ اور خمارویہ بڑے لطف اور آرام کے ساتھ لیٹ کے سوتا۔

چاندنی راتون مین جب ماہتاب کی شعاعین آسمان سے اُترکے پارے کی
چمک دمک اور جھلک مین ملتین تو عجب عالم نور نظر آتا۔

مورخین کہتے ہین کہ یہ ایک ایسا اُلوالعزمی و بلند حوصلگی کا کام تھا
کہ زمانہ ماسبق مین کسی بادشاہ و فرمان روا کے عہد مین نہین سُنا گیا۔ اندلس
مین عبدالرحمن الناصرلدین اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اُس نے بھی
اپنے قصر مین اسی قسم کا پارے کا حوض بنوایا تھا۔ مگر اُس کا زمانہ خمارویہ
ابن احمد ابن طولون کے بعد ہے۔ خمارویہ سنہ ھ مین مسند نشین امارت ہوا
تھا اور سنہ ۲۸۲ھ مین دنیا سے رخصت ہوا۔ اور عبدالرحمن الناصرلدین اللہ
سنہ ھ مین تخت نشین ہوا۔ اور پچاس سال حکومت کرکے سنہ ۳۵۰ھ مین مرا۔

خمارویہ کا یہ حوض سیماب اور نیز وہ قصر جس مین وہ بنایا گیا تھا دونون
اُس فرمان روا کے چند روز بعد اُجڑ گئے۔ اور اُس وقت سے مدتون تک
یہ حال تھا کہ لوگ حوض کی دیوارین کھود کھود کے پارہ نکالتے اور بازار
مین لیجاکے فروخت کرتے۔

اس قصر مین خمارویہ نے درندون کے رکھنے کے لئے جدا جدا مکانات
اور کٹہرے بنوائے تھے۔ جن سے اُسے بڑا شوق تھا۔ ہر کٹہرے اور مکان
مین شیرون کا ایک جوڑا رہتا۔ درندون کے ان مکانون مین جانے کا راستہ
علی العموم چھت پر سے رکھا گیا تھا۔ اور زمین کے نرم اور شیرون کے مذاق
کے مطابق بنانے کے لیے اس پر بالو بچھا دی گئی تھی۔ اور اُسکے ایک کونے
پر معمولاً ایک حوض بنا ہوتا جس مین پانی بھر دیا جاتا۔

ان پالے ہوے شیرون مین سے ایک جو اپنی نیلی آنکھون کی وجہ سے
"زریق" کہلاتا تھا خمارویہ کو اس قدر ہل گیا تھا کہ محل مین چھوٹا چھوٹا پھرتا
اور کبھی کسی پر حملہ نہ کرتا۔ جب دسترخوان بچھتا اور خمارویہ اُس پر آکے
بیٹھتا تو ایک کونے پر شیر بلی کی طرح خاموش بیٹھ جاتا۔ گوشت کی قسم سے
جتنی چیزین ہوتین اُن کو خمارویہ اپنے ہاتھ سے اُٹھا کے اُسکے سامنے
ڈالتا۔ اور وہ کھا لیتا۔ اس شیر کی شیرنی بھی تھی مگر وہ اس قدر ہلی ہوئی

نہ تھی - لہذا وہ کٹہرے مین بند رہتی - اور خاص خاص اوقات مین زریق اُس کے
پاس چلا جاتا - مگر دن ہو یا رات جب تک خمارویہ سوتا رہتا یہ شیر زریق اُس کے
پلنگ کے برابر پہرہ دیا کرتا - اور کسی اپنے پرائے کی مجال نہ تھی کہ اُسوقت پلنگ
کے قریب قدم رکھ سکے - زریق کے گلے مین سونے کی ہیکل پڑی رہتی تھی اور جدھر
جاتا چھم چھم کرتا ہوا چلتا -

خمارویہ نے اپنے اس شوق کے ذریعے سے اپنی حفاظت کا بندوبست کیا
تھا - اس لیے کہ واقعی جس قدر جانور پر بھروسہ ہو سکتا ہے انسان پر نہین ہو سکتا -
مگر خدا کی مرضی یہ تھی کہ وہ اپنی موت سے مرنے کے بجاے دوسرون کے ہاتھ
سے مارا جاوے - کارکنان قدرت نے اس کا یہ انتظام کیا کہ خمارویہ کو کسی
ضرورت سے فوری طور پر دمشق جانے کی ضرورت پیش آئی - چلا گیا - زریق
کو مصر ہی مین چھوڑ گیا - اُس کے غلامون نے جو اپنے جرائم کے خوف سے
ڈرے ہوے تھے اور تاک مین لگے تھے اس موقع کو غنیمت جانا اور ۲۸۲ھ
مین وہین بچھونے پر سوتے ہی سوتے ذبح کر کے دنیا کی دولت سرائے فانی سے
آخرت کے عالم باقی مین پہونچا دیا - اسی سال اُس کی نازپروردہ بیٹی قطرالندے
کی شادی خلیفہ معتضد باللہ عباسی کے ساتھ بڑے کروفر اور دھوم دھام سے
ہوئی تھی

ابو دُلامہ

(۱)

یہ عرب کا ایک نامور شاعر ہے جس نے بنی اُمیہ کا آخری دور اپنے کم عمری
اور طالب علمی کے زمانے مین دیکھا اور بنی عباس کے عہد مین شعر و سخن مین
اس قدر ترقی کر لی کہ پہلے تین عباسی خلیفون ابو العباس سفاح - ابو جعفر منصور
اور مہدی کے درباروں مین سب سے زیادہ پیش تھا - اُن کے مزاجون مین
بڑا رسوخ رکھتا تھا - اور اپنی بذلہ سنجیون - مذاق کی باتون - اور مسخرے پن
کی حرکتون سے بات بات پر انعام پاتا تھا -

اصلی نام زند تھا جسے بعض لوگون نے دھوکے مین آکے "زید" بنا دیا۔ مگر یہ غلط ہے۔ اُس کے باپ کا نام جون تھا جو فقنا قفس نام بنی اسد کے ایک عربی نژاد شریف کا غلام تھا۔ فقنا قفس کا شمار صحابۂ رسول اللہ صلعم مین تھا۔ اُنھون نے جون کو آزاد کردیا اور اس نے کوفے کی سکونت اختیار کرلی۔ جہان زند پیدا ہوا۔ اور اُن علما و فصحا کے آغوش مین نشو و نما پانے لگا جن کی برکت و شہرت سے کوفہ اُن دنون ادیبون اور سخن سنجان عرب کی صحبتون کا مرکز، اور عربیت کا بہترین اسکول قرار پا گیا تھا۔

زند نے چند ہی روز مین شاعری و فصاحت مین نمایان ترقی کی۔ صورت اگرچہ کالی اور بھونڈی تھی اور بہت ہی بدقطع اور کریہ المنظر تھا۔ مگر خدا نے ذہن ایسا تیز اور مذاق ایسا پاکیزہ و سنجیدہ دیا تھا۔ اور اُس مین ظرافت اس قدر کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھی کہ تھوڑے ہی زمانے کے اندر تمام علمی صحبتین اور مہذب سوسائٹیان اُس کی دلدادہ ہوگئین۔ اُن دنون شائستہ صحبتون مین تعظیم و عزت سے کسی کا نام لینا ہوتا تو کنیت سے اُسکی طرف خطاب کرتے۔ بلکہ معمولی نام لے کے کسی کی طرف خطاب کرنے مین اُس کی توہین خیال کی جاتی۔ زند جو اصل مین ایک ادنیٰ درجے کا مولیٰ زادہ تھا۔ ابتداءً تو اُس کی کچھ اصل و حقیقت نہ تھی مگر اب معزز صحبتون اور اہل علم کی محفلون مین اُس کا نام آنے لگا تو ضرورت پیش آئی کہ اپنی کوئی کنیت مقرر کرے۔ مکہ معظمہ مین آبادی کے قریب ایک پہاڑ تھا جس کے دامن مین قریش عہد جاہلیت مین اپنی لڑکیون کو لے جاکے زندہ گاڑ آیا کرتے تھے۔ وہ پہاڑ ابو دلامہ کہلاتا تھا۔ خدا جانے اُس کی کونسی خوبی اس شخص کو پسند آئی کہ اُسی کے نام پر اپنی کنیت ابو دلامہ مقرر کرلی۔ اور اُسکو اس قدر شہرت ہوئی کہ نام کسی کو یاد نہ رہا ساری دنیا قیامت تک ابو دلامہ ہی کہکے یاد کرتی رہے گی۔

شاعر ہر جگہ آزاد۔ بیباک، سرکش، اور رند مشرب ہوا کرتے ہین۔ فارسی شعرا کی رندمشربی ہمارے یہان سب جانتے ہین۔ مگر اس سے بہت کم لوگ

اُس میں ایک شعر کا مضمون یہ تھا کہ "اوسفاح - تیرے پیارے ہر شخص کے آگے دستِ سوال پھیلایا - اور اُن میں سب سے اچھا جسے پایا وہ بخیل تھا۔" منصور بخیل مشہور تھا - اور اسکو جانتا بھی تھا - اُسے غصہ آگیا - اور بولا "ابو دلامہ - اگر پھر کبھی تمھاری زبان سے یہ قصیدہ سُنا تو زبان کٹوا دوں گا۔" ابو دلامہ نے جواب میں مبالغتہً عرض کیا "امیرالمومنین - ابوالعباس سفاح میری قدر کرتے تھے - انھیں نے ریگستان عرب سے نکال کے مجھے یہاں اور بدویت سے اس درجے کو پہونچایا - جس طرح کہ خداوند جل وعلا نے حضرت یوسف کے بھائیوں کو اُن کے پاس مصر میں پہونچایا تھا - لہذا اب حضور بھی وہی فرمائیں جو حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا کہ "لا تثریب علیکم الیوم - یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین"۔ اس جواب نے منصور کو خوش کردیا - اور بولا "میں نے بھی تمھارا قصور معاف کیا - اب بتاؤ کیا چاہتے ہو؟" بولا "امیرالمومنین ابوالعباس مرحوم نے میرے لیے دس ہزار درہم اور پچاس تھان دینے کا حکم دیا تھا - مگر پانے نہ پایا تھے کہ اُن کا انتقال ہو گیا" منصور نے پوچھا "کوئی گواہ بھی ہے؟" ابو دلامہ نے تمام حاضرین کی طرف اشارہ کرکے کہا "یہ سب گواہ ہیں" اگرچہ خلافت کا خزانچی ابو ایوب دل میں جل بھن گیا مگر کس کی مجال تھی کہ ابو دلامہ کی گواہی نہ دیتا؟ دو شخصوں نے بڑھ کے گواہی دے دی - اور اس رقم اور تھانوں کے عطا ہونے کا حکم جاری ہوگیا - مگر منصور دل میں سمجھ گیا کہ یہ رقم ابو دلامہ نے مفت اُڑائی ہے - اس کا بدلہ لینے کے لیے حکم دیا کہ ابو دلامہ باغی سلطنت عبداللہ[له] بن علی کے مقابلے پر روانہ کیا جائے جس نے مدینے میں علم بغاوت بلند کیا ہے۔

لڑائی پر جانے کا نام سنتے ہی ابو دلامہ کا دم نکل گیا - آپ انتہا درجے کے بزدل اور ڈرپوک تھے - لڑائی پر جانے کا نام سنتے ہی بولے "امیرالمومنین خدا نہ کرے کہ میں اس مہم پر جاؤں - بخدا میں اس قدر نحس اور سبز قدم واقع ہوا ہوں کہ جہاں جاتا ہوں ناکامی ہی ہوتی ہے"۔ منصور نے کہا "مضائقہ نہیں میری

[له] عبداللہ بن علی حضرت امام حسن علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ اور اُن دنوں تمام بنی فاطمہ کے سربرآوردہ تھے جنھوں نے عباسیوں کے مقابل امامت اور خلافت کا دعوے کیا تھا۔

فرخندہ فالی تمھاری نحوست پر غالب آجائے گی۔ بس اب دیر کرنے کی ضرورت نہیں۔ فوراً روانہ ہو۔" عرض کیا "خدا کی قسم مجھے مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ امیر المومنین اپنی فرخندہ فالی و اقبالمندی کو اپنے نازک موقع پر آزمائیں مجھے خبر ہے کہ حضور کی فرخندہ فالی غالب آسکے گی یا غلام کی بدقدمی۔ جہاں تک میں اندازہ کرتا ہوں میرا تجربہ زیادہ زمانے کا ہے۔ اور مجھے اپنی نحوست کا یقین بھی زیادہ قوی ہے۔" منصور نے کہا "فضول باتیں نہ کرو، تمھیں جانا پڑے گا۔" ابو دلامہ نے کہا "اب حضور سچ ہی پوچھتے ہیں تو سنئے۔ میں انھیں لشکروں کے ساتھ میدان جنگ میں جا چکا ہوں جن لشکروں کو شکست ہوئی اور میں شکست کا باعث تھا۔ خلیفہ کی سواری ہوا۔ اب یہ سننے کے بعد امیر المومنین کو اختیار ہے کہ ان انھیں لشکروں کے بعد میرے لشکر اس فوج کو بنا دیں جو اس مہم پر جا رہی ہے۔" یہ سن کے منصور کو ہنسی آگئی۔ اور مارے ہنسی کے لوٹ گیا پھر دیر تک ہنسنے کے بعد کہا "خیر جاؤ میں نے معاف کیا۔"

سفاح کے مرنے کے چند روز بعد ایک دن ابو دلامہ منصور کے سامنے کھڑا تھا۔ منصور کو اس کے وہ اشعار یاد آگئے جو اس نے منصور کے مرثیے میں کہے تھے۔ ان میں سے دو شعر پڑھ کے پوچھا "یہ تمھارے شعر ہیں؟" بولا "جی نہیں۔" منصور نے جھنجلا کے کہا "جھوٹے ہو۔ یہ شعر تمھارے ہی ہیں۔" اور تین شعر پڑھ کے کہا "یہ بھی تو تمھارے ہی ہیں۔" ابو دلامہ نے کہا "امیر المومنین اصل واقعہ یہ ہے کہ آپ کے بھائی نے مجھ پر ایسے ایسے احسان کیے کہ میں مارے خوشی کے بھول گیا۔ اور بدحواسی میں بہت سی باتیں بے سوچے سمجھے کہہ گیا ہوں۔ اب چاہتا ہوں کہ ان کا کفارہ ہو جائے۔ لہذا انھوں نے جو کچھ دیا ہے اگر اتنا ہی حضور مجھے مرحمت فرما دیں تو میں انکی ساری دی ہوئی رقم خزانۂ خلافت میں واپس کر کے سبکدوش ہو جاؤں۔" منصور پر یہ فقرہ کارگر نہ ہوا اور ستانے کے لیے تین دن تک ابو دلامہ کو قید رکھا۔ پھر تین دن کے بعد قید سے نکال کے آزاد کیا۔ اور انعام و اکرام دے کے رخصت کیا۔

ابو جعفر منصور نے اہل دربار کو حکم دیا تھا کہ سیاہ کپڑے پہنیں۔ لمبی ٹوپیاں

سر پر رکھیں (جن کے اندر دو تیلیاں لگی ہوتیں اور اُن کے قیفے کو قائم رکھتیں) تلواروں کو پٹکوں میں آویزاں کریں - اور پیٹھ پر یہ آیت لکھوائیں "فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم" اسی موقع میں ابو دلامہ حاضر دربار ہوا تو منصور دیکھتے ہی پوچھا "کہو ابو دلامہ کیا حال ہے؟" جواب دیا "بہت ہی بُرا حال" پوچھا "کیوں خیریت تو ہے؟" عرض کیا حضور - چہرہ گھونگھٹ میں ہے - تلوار چوتڑوں پیٹتا ہے - کلام اللہ پیٹھ پیچھے ہے - اور کپڑے کالے ہیں" یہ سُن کے منصور اُس وقت تو ہنس کے چپ ہو رہا - مگر اس کے بعد تنہائی میں کہا "خبردار یہ فقرے کسی اور کے سامنے زبان سے نہ نکالنا"

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر ابو دلامہ نے دو شعر بھی فی البدیہ کہہ کے سنائے تھے جن کا مضمون یہ تھا کہ "ہمیں اپنے امام سے بڑھتی کی اُمید تھی - تو وہ ترقی یوں نمایاں ہوئی کہ ٹوپیاں بڑی بڑی ہو گئیں یہ ٹوپیاں کاہے کو ہیں معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے سروں پر میفروش یہودیوں کے خم کپڑے لپیٹ کے اوندھا دیے گئے ہیں"

ایک دن ابو عطا، سندھی ابو دلامہ سے ملنے کو آیا - ابو دلامہ نے اُسے کھانا کھلایا - اور کھا پی کے دونوں ہاتھ دھو چکے تھے کہ ابو دلامہ کی ایک ننھی بچی باہر نکل آئی - ابو دلامہ نے پیار سے اُٹھا کے اُسے اپنے کندھے پر بٹھا لیا - لڑکی نے اوپر بیٹھتے ہی مُوت دیا - ابو دلامہ نے جھنجھلا کے اُتار دیا اور اس کی ہجو میں دو شعر کہے جن کا مضمون یہ تھا کہ کمبخت تو نے مجھ پہ مُوتا شیطان رجیم تجھ پر مُوتے - تجھے نہ حضرت مسیح کی ماں نے جنا ہے اور نہ لقمان حکیم تیرا پرورش کرنے والا ہے - ابو عطا کی طرف دیکھ کے کہنے لگا "تم بھی اس وزن اور قافیہ میں کہہ سکتے ہو؟" اُس نے کہا "کیوں نہیں" اور دو شعر پڑھ دیئے جن کا مضمون یہ تھا کہ ابو دلامہ - تم سچ کہتے ہو - اُسے نہ کسی پاک بیوی نے جنا اور نہ کوئی شریف آدمی اُس کا باپ ہے - اُسے تو ایک بدکار ماں نے جنا اور بدکردار باپ نے کندھے سے لگایا" سنتے ہی ابو دلامہ نے کہا "کمبخت میں نے تیرا کیا بگاڑا تھا جو میری یوں خبر لی؟ اب کبھی شاعری میں تیرا مقابلہ

نہ کروں گا۔" ابو عطا نے کہا "یہی تو میں چاہتا ہوں کہ سفر و حضر میں مجھ سے بھاگ جاؤ۔" ابودلامہ نے منصور کے پاس جا کے یہ واقعہ بیان کیا۔ وہ اگرچہ تعمیر بغداد کی نگرانی میں بہت مصروف تھا مگر یہ اشعار سُن کے بے اختیار ہنس پڑا۔ اور کہا "اچھا اب بتاؤ تمھاری لڑکی کا یہ عیب مٹانے میں میں تمھاری کس طرح مدد کر سکتا ہوں؟" سنتے ہی جیب میں سے ایک بڑی تھیلی نکالی اور کہا "اسے درہموں سے بھروا دیجیے۔" خلیفہ منصور کے حکم سے وہ تھیلی بھروا دی گئی۔ جس میں چار ہزار درہم آئے۔ اور ابودلامہ نے لے لیا ہو۔

ابودلامہ کی ایک پڑوسن تھی۔ اُس سے اور کسی اور شخص سے ایک خچر کے بارے میں جھگڑا ہوا۔ دونوں کا دعوے تھا کہ خچر ہمارا ہے۔ آخر اس کا مقدمہ اُس عہد کے نامور محدث قاضی ابن ابی لیلیٰ کے سامنے پیش ہوا۔ عورت نے ابودلامہ کو اپنی شہادت میں پیش کیا۔ آپ نے جا کے گواہی دی۔ مگر انتہا درجے کے فاسق و فاجر بدکار و شرابخور تھے۔ ایسے کی شہادت بھلا کیسے مقبول ہو سکتی تھی؟ قبل اسکے کہ اس بارے میں گفتگو آئے آپ نے قاضی صاحب موصوف سے کہا "مگر فیصلہ کرنے سے پہلے میرے شعر سُن لیجیے جو میں نے آپ کی شان میں کہے ہیں۔" یہ کہہ کے دو شعر سنائے جن کا مضمون یہ تھا "اگر لوگوں نے میری عیب پوشی کی تو میں بھی اُن کے عیب چھپاؤں گا۔ اور اگر میرے بارے میں انھوں نے کرید کی تو پھر میں بھی کُرید کروں گا۔" یہ اشعار سنتے ہی قاضی صاحب عورت کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور پوچھا "بھلا یہ خچر تم میرے ہاتھ بیچو گی؟" اُس نے کہا "کیوں نہیں؟" پوچھا "کیا لوگی؟" بولی "پورے سو درہم لوں گی۔" قاضی صاحب نے اپنے پاس سے سو درہم نکال کے اُس کے حوالے کیے۔ اور فریق ثانی کی طرف متوجہ ہو کے کہا "لو یہ خچر میں تمھیں دیے ڈالتا ہوں۔ اب تو تمھیں کوئی دعوے نہیں ہے؟" جواب ملا "نہیں"۔ تب قاضی صاحب نے ابودلامہ کی طرف دیکھ کے کہا "اب شکایت تو کیجیے گا میں نے آپ کی شہادت پر عمل کر دیا۔ اور آپ کے چال چلن کی کرید نہیں کی۔" ابودلامہ بولا "جی ہاں اب مجھے کوئی شکایت نہیں۔" اور اپنے گھر واپس آیا۔

خود ابودلامہ کہتا ہے کہ ایک دن منصور نے مجھے شراب کے نشے میں مخمور و بدمست دیکھ لیا۔ اور اُس کی پاداش میں قسم کھا گیا کہ اب تمھیں کسی لڑائی پر ضرور بھیجوں گا۔ چنانچہ اُسی روز فرمان خلافت جاری ہو گیا کہ ابودلامہ سپہ سالار روح بن حاتم مہلبی کے ساتھ خوارج کے مقابلے پر جائے۔ یہ حکم سنتے ہی میرا خون خشک ہو گیا۔ مگر مرتا کیا نہ کرتا۔ روح کے ساتھ لڑائی پر گیا۔ جب دونوں لشکروں کا سامنا ہوا اور ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے۔ روح اپنی صفوں کے آگے علم خلافت کے نیچے آ کے کھڑا ہوا تو اس کا گھوڑا اور اسکے اسلحہ مجھے ایسے قیمتی اور اچھے معلوم ہوئے کہ اُس کے قریب جا کے میں نے کہا "روح یہ آپ کا گھوڑا میری ران کے نیچے ہوتا۔ آپ کے یہ کپڑے میں پہنے ہوتا اور یہی آپ کے ہتھیار میرے جسم پر سجے ہوتے تو بخدا دشمنوں کو ایسا مزہ چکھاتا کہ وہ بھی یاد کرتے"۔ ایک مشہور و معروف بزدل کی زبان سے یہ کلمات سن کے روح کو ہنسی آ گئی۔ اور کہا "خدا کی قسم آج تمھارے اس دعوے کو میں آزماؤں گا"۔ یہ کہہ کے گھوڑا کپڑے۔ ہتھیار سب مجھے دے دیے۔ اور اپنے لیے دوسرا گھوڑا دوسرا جوڑا اور دوسرے اسلحہ منگوا لیے۔ میں اُس کے کپڑے پہن کے کھڑا ہی ہوا تھا کہ خوارج میں سے ایک بہادر شہسوار نکلا اور مبارز طلب کرنے لگا۔ اور روح نے مجھ سے کہا "اس کے مقابلے میں تمھیں جاؤ"۔ میں نے طمع اور لالچ میں دعوے تو کر دیا تھا۔ اب سر پر آ پڑی اور جراحت کی صورت دیکھی تو حواس جاتے رہے۔ روح سے معافی مانگی اور اپنی درخواست کے مؤثر بنانے کے لیے چند شعر اُسے سنائے جن کا مضمون یہ تھا کہ "میں میدان میں جانے اور لڑنے سے معافی مانگتا ہوں۔ فرض کیجیے کہ میں مقابل ہو گیا لیکن اگر اُدھر سے تلواریں بلند ہوئیں اور میں بھاگ کھڑا ہوا تو کیا ہو گا؟ اور فرض کیجیے کہ میں جان بچائے بھاگا بھی لیکن اس کا تو جواب دیجیے گا کہ اگر دشمنوں نے تعاقب کیا اور کوئی تیر آ کے پڑ گیا تو پھر میرا کیا حشر ہو گا؟" روح نے کہا "میں ایسا نہ سنوں گا۔ اب تمھیں میدان میں جانا ہو گا"۔ میں نے کہا "لٰلہ میری جان نہ لیجیے"۔ اُس نے کہا "میں ہرگز نہ مانوں گا"۔ بس اب دیدہ (؟) اگر

تو واجا وُ ٭ اب مجھے بالکل یاس ہو گئی - نہایت ہی ہراس کے ساتھ کہا مگر مین اس وقت بھوکا ہون - اور خدا کی قسم بھوکا تو موت کے منہ مین دبا وُنگا روح جسنے دو روٹیان اور ایک بھُنی ہوئی مرغی منگوا دی - مین نے ان دونون چیزون کو باندھ لیا - اور عسکر خلافت کی صفون سے نکل کے گھوڑا آگے بڑھایا - مجھے آتے دیکھ کے بہادر خارجی نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور بجلی کی طرح مجھ پر جھپٹا وہ ایک سمور کا جبہ پہنے تھا جس کے دامن پانی مین بھیگنے اور اُسکے بعد دھوپ کھانے سے جم گئے تھے جیسے ہی میرے قریب آیا مین نے کہا "ذرا ٹھہرے ہوئے" اور جیسے ہی کہ پہلے گھوڑے کی باگ روکی مین اُس سے پوچھا "تم اُس سے لڑوگے جو تم سے لڑنا نہین چاہتا؟" بولا "نہین" ٭ پوچھا "اور اُس کی جان لوگے جو تمھارے دین پر رہے؟" بولا "ہرگز نہین" ٭ مین نے پوچھا "تو بھلا جائز ہے کہ بغیر اپنے دین کی دعوت کیے اور اپنے مذہب کی طرف بلائے کسی پر حملہ کر دو؟" اُس نے کہا "نہین - کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ لیکن ایسا ہے تو جس لعنت کا دے تو آیا ہے دین بھاگ جا" مین نے کہا "یہ نہ ہوگا - پہلے جو مین کہتا ہون اُس کو تو سُن لو" اُس نے کہا "کہو" - مین نے کہا "کیا تم نے اپنے خلاف میری کوئی کارروائی سُنی ہے؟ اچھا یہ بھی نہین تو میری جورو اور تمھاری جورو مین کبھی لڑائی ہوئی تھی؟" اُس نے کہا "خدا کی قسم مین نے کوئی ایسی بات نہین سُنی" ٭ مین نے کہا "خدا کی قسم مین نے بھی نہین سنی - بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مین تمھاری نسبت سب اچھی رائے رکھتا ہون - اور چاہتا ہون کہ تمھارے مذہب کو اختیار کر لون - جو تمھاری بُرائی چاہے اُس کی بُرائی مین بھی چاہون - اور جو تمھارا دوست ہو اُس کا دوست ہون" وہ بولا "خدا تمھین اس خوش اعتقادی و محبت کی برنالے خیر دے - لے اب تشریف لے جاؤ" مین نے کہا "جاتا ہون - مگر میرے پاس کچھ کھانے کو ہے - آؤ ہم تم دونون ساتھ مل کے کھائین تاکہ ہماری دوستی مضبوط ہو اور دونون طرف کے لشکری دیکھ دیکھ کے جلین" اُس نے دل کیا - اور مین گھوڑا بڑھا کے اُس سے مل گیا - ہمارے گھوڑون کی

گر دنین مل گئین۔ اور ہم دونون نے وہ روٹیان اور مرغ کھانا شروع کیا۔ لوگ جو یہ تماشا دیکھ رہے تھے اُن کے پیٹ مین مارے ہفسی کے بل پڑے جاتے تھے۔

کھانے پینے کے بعد ہم ایک دوسرے سے بغلگیر ہو کے رخصت ہوئے چلتے وقت مین نے اُس سے کہا "میرا جاہل سردار کمبخت مجھے پریشان کرے گا کہ کہ میدان مین گئے تھے کیا کر آئے ہو تم اگر اتنی عنایت کرتے کہ آج میدان مین نہ آتے تو میرے حال پر بڑی عنایت ہوتی۔ اُس نے کہا "کوئی مضائقہ نہین۔ مین آج میدان مین نہ آؤن گا۔" یہ کہہ کے وہ میدان سے واپس گیا۔ اور مین بھی گھوڑا اکداتا ہوا اپنے لشکر مین آیا۔ اور روح سے کہا "لیجیے مین نے ٹکر مٹرتی اب آپ دوسرے بڈھے کو بھیجین"۔ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ صف اعدا مین سے دوسرا جنگجو نکلا۔ اور اپنا مقابل طلب کرنے لگا۔ روح نے کہا "اُس کے مقابلے پر بھی تمھین جاؤ"۔ اب کی مجھے بجز اسکے مفر نہ ہوا کہ دو چار شعر اُسکی تعریف مین سنا کے خوشامدین کین۔ اور اُس نے ہنس کے میری جان چھوڑی۔

اسی طرح ابو دُلامہ نے اپنی میدان آرائی کا ایک اور واقعہ بھی بیان کیا ہے۔ کہتے ہین کہ جب سنان خارجی کا ہنگامہ پیش آیا تو اُس کے مقابل سپہ سالار مروان کی فوج مین مین بھی تھا۔ دونون لشکرون کا سامنا ہوتے ہی صف خوارج مین سے ایک بہادر شخص نکلا اور "ہل من مبارز" کا نعرہ بلند کیا۔ عساکر خلافت مین سے جو شخص نکل کے گیا اُس کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مروان کو ندامت کا غصہ تھا کہا "جو کوئی اسکے مقابلے پر جائے گا اُسے پانچ سو درہم انعام ملین گے"۔ پانچ سو درہمون کی ہوس مین کئی آدمی گئے اور مارے گئے۔ اب مروان کہہ رہا تھا "جو کوئی بہادر جاکے اُس سے لڑے گا اُسے ایک ہزار درہم دون گا"۔ ایک ہزار پر جانے والے بھی کئی مارے گئے۔ تو مروان نے پانچ ہزار درہم کا اعلان کیا۔ پانچ ہزار کا نام سُن کے مجھے لالچ معلوم ہوا۔ روپے کی ہوس مین بے سوچے سمجھے میدان مین نکل پڑا۔ میری ران کے نیچے گھوڑا ایسا اعلیٰ درجے کا تھا کہ اُس کی دوڑ اور بھاگ پر مجھے پورا اطمینان تھا۔ مجھے نکلتے دیکھتے ہی وہ

میں نہ لے جائے۔ سنتا ہوں حج کے راستے میں انسان نے ارغوانی کا پیالہ سا
رہتا ہے۔ میرے حج کا بجز اکوئی اجر نہیں جس کا کوئی خواستگار ہوئے۔
اشعار سُن کے دوستی نے کہا "خدا اس پر لعنت کرے اسے یہیں پھینک دو"
لوگوں نے فوراً ہاتھ پاؤں کھول کے اونٹ پر سے ڈھکیل دیا۔ اور آگے
کی راہ لی۔ اور ابو دلامہ جو یہاں سے چھوٹا تو سیدھا عراق کے ایک گاؤں
قصبے میں جا کے ٹھہر گیا۔ اور وہیں وہ پورے دس ہزار درہم رندمشربی و
شرابخواری میں اُڑا دیے۔

بو ایوب موریانی ابو دلامہ کی حرکتوں سے سخت بیزار تھا۔ دل ہی
دل میں جلا کرتا مگر اُس کا کچھ زور نہ چلتا۔ ایک دن موقع پا کے ابو جعفر منصور
کی خدمت میں عرض کرنے لگا کہ ابو دلامہ رات دن شراب میں مخمور رہتا ہے
نہ کبھی مسجد میں آتا ہے۔ نہ کسی نماز میں شریک ہوتا ہے۔ اور فوج کے تمام نوجوانوں
کو شرارت کرتا ہے۔ اس نے ہزاروں لڑکوں کے اخلاق بگاڑ دیے ہیں۔ اگر
امیرالمومنین اُسے فقط نماز میں شریک ہونے پر مجبور کر دیں تو بڑا ثواب ہو گا
اول تو وہ نمازی بنے گا دوسرے اُس کی ناپاک صحبت سے جوانان شہر بچ جائیں گے
اس کے بعد ابو دلامہ آیا تو ابو جعفر نے غصے کے لہجے میں کہا "کمبخت تیری کیسی
سیہ کاریاں سن رہا ہوں؟" بولا "سیہ کاری! سیہ کاری سے مجھ سے کیا واسطہ
میں قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں۔ سیہ کاریوں میں بھلا کیسے مبتلا ہو سکتا ہوں"
منصور نے کہا "یہ فضول باتیں چھوڑو۔ اور سنو۔ خبردار اب کوئی نماز قضا نہ ہو
خصوصاً ظہر و عصر کی نماز میرے ساتھ میری ہی مسجد میں ادا کیا کرو۔ اور اگر اس
میں فرق پڑا تو یاد رہے کہ بہت سخت سزا دوں گا۔ اور کیا عجب کہ ایک مدت
دراز کے لیے قید کر دوں۔" یہ حکم اُس کے لیے قیامت کا تھا۔ بلا میں پھنس گیا
اور چند روز تک التزام سے قصر شاہی کی مسجد میں ظہر و عصر کی نمازیں جماعت
سے ادا کرتا رہا۔ مگر آخر تنگ آ کے اپنی مصیبت کا حال موزوں کر کے ولیعہد
خلافت مہدی کو دیا کہ یہ نظم باپ تک التماس پہونچا دیجیے۔ اس نظم میں پہلے تو
اس بات کی شکایت تھی کہ میں اپنے محلے کی مسجد چھوڑ کے قصر خلافت کی مسجد میں

سے بچانے - یا سات ہزار کا انعام - اس میں مجھے اختلاف ہے - یا تو تین ہزار بڑھائے - دس ہزار کر دیجیے - اور یا دو ہزار گھٹا کے پانچ ہی ہزار رکھیے خدا کی قسم مجھے سات کے عدد سے نفرت ہے" منصور نے کہا "اچھا - میں پانچ ہزار کیے دیتا ہوں" عرض کیا "مجھے یہ بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ اپنی شان کے خلاف اعلیٰ صورت کو چھوڑ کے آپ ادنیٰ صورت اختیار کریں - حضور اپنی طرف تو دیکھیں" اس بارے میں کچھ دیر تک منصور اُسے چھیڑتا رہا - اور آخر ابطہ کی سفارش سمجھ کے دس ہزار دلوا دیے -

(۳۱)

کسی دن ابو دلامہ کا گذر ایک بردہ فروش کی دکان کی طرف ہوا - بے تکلف اندر چلے گئے - وہاں بیسیوں ایک سے ایک زیادہ حسینہ و جمیلہ کنیزیں دیکھیں - اور وہاں سے اُٹھ کے غمگین صورت بنائے ہوئے خلیفہ مہدی کے پاس گئے - اور اپنے چند اشعار تازہ سنائے جن کا ماحصل یہ تھا کہ "اگر تو عیش بے غش چاہتا ہے تو بردہ فروشی اختیار کر - روز نئی نازنینیں دیکھ - وہ نگار نازنین ہیں جو ہر شب نئی دولہن بنائی جاتی ہیں - اور ہر روز نیا مرد دیتی ہیں" اسکے مقابل شادی اور ایک عورت کا پابند ہو جانے کی مذمت کی تھی - مہدی اُن شعروں کو سن کر بہت ہنسا -

ایک روز آپ ابو جعفر منصور کے سامنے گئے اور نظم میں یہ مضمون عرض کیا کہ "میں نے خواب دیکھا کہ حضور نے مجھے خلعت پہنایا اور میرا سارا قرضہ ادا کر دیا - وہ خلعت بنفشہ اطلس کا ہے اور اُسے پہن کے میں بڑا شاندار آدمی بن گیا ہوں - لہذا حضور اس کی تعبیر پوری کر دیں" - منصور اُن کا اس درجہ قدر دان تھا کہ خواب پورا کر دیا - مگر اس کے ساتھ کہا "مہربانی کر کے پھر ایسا خواب نہ دیکھیے گا - ورنہ میں سمجھوں گا کہ یہ "اضغاث احلام" ہیں - یعنی خواب میں آپ کو شیطان نے بہکا دیا ہے - یہ سن کے آپ دربار سے نکلے اور کسی شراب خانے میں جا کے خوب پی اور جھومتے ہوئے باہر نکلے - راستے میں محتسب نے دیکھا - فوراً گرفتار کر لیا - اور پوچھا "تو کون ہے؟"

ساکر بیٹھی ہی نیت نمودار ہوئی تھی۔ پھر ابودلامہ سے کہا "تم بڑے شریر ہو کمبخت شیطان سے بھی بات کروگے تو اُسے ہنسا دوگے"۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ زار و قطار روتے ہوئے خلیفہ مہدی کے پاس پہونچے۔ اُس نے پوچھا "خیریت تو ہے؟" کہا "خیریت کہان؟ اُم دلامہ مرگئین"۔ اُس نے بہت افسوس کیا، تسلی دی۔ کپڑون کے تھان، عطر، اشرفیان دین اور کہا "صبر کرو اور جاؤ اُن کی تجہیز و تکفین کا سامان کرو"۔ جس وقت یہ خلیفہ کے پاس آنسو بہا رہے تھے اُسی وقت اُم دلامہ ملکہ خیزران کے پاس روتی اور آہ و زاری کرتی ہوئی گئی اور کہا "ہائے کیا کہون مین بیوہ ہو گئی۔ افسوس ابودلامہ مرگئے"۔ اُس نے بھی اُس کے آنسو پونچھے۔ تھان، عطر اور اشرفیان دے کے رخصت کیا۔ رات کو جب مہدی خیزران سے ملا تو دونون مین دیر تک اس پر بحث رہی کہ دونون میان بیویون مین سے کون مرا۔ اور تحقیق کے بعد جب معلوم ہوا کہ دونون زندہ بیٹھے ہین تو مہدی اور خیزران کے ہنسنے کی کوئی حد نہ تھی۔

یہ واقعہ الف لیلہ کے ایک قصے مین بھی ہے۔ مگر اصل مین وہ ابودلامہ کے اس واقعے ہی سے لیا گیا ہے۔ اس لیے کہ ابودلامہ کا زمانہ الف لیلہ کی تصنیف سے بہت پیشتر کا ہے۔

ایک بار ابودلامہ بقرعید کے دربار مین منصور کے سامنے گیا۔ اور عید قربان کی قربانی کے ثواب مین چند شعر پڑھے۔ منصور نے پوچھا "تم بقرعید مین کتنی بکریان قربانی کرتے ہو؟" بتایا "زیادہ نہین۔ فقط چوبیس بکریان ہوتی ہین"۔ منصور اس وقت ان پر اس قدر مہربان تھا کہ حکم دے دیا کہ ہر عباسی و ہاشمی رئیس ہر بقرعید مین ابودلامہ کو چوبیس دینار دیا کرے۔ یہ معمول ہو گیا اور چند سال بعد اتفاقاً عباس بن محمد سے رقم وصول نہین ہوئی اور ذی الحجہ کے عشرۂ اول ہی مین ابودلامہ تقاضے کے لیے اُن کے پاس پہونچے۔ اُنھون نے پوچھا "تمھارا بیٹا تو مرگیا ہے نا؟" کہا "جی ہان وہ مجھے داغ دے گیا"۔ عباس نے کہا "تو پھر اُس کی بابت دو دینار کاٹ لیے جائین گے"۔ یہ کہہ کے

بائیس دینار اُس کے حوالے کیے۔ ابو دلامہ نے کہا "ایسا نہ کیجیے۔ میرا بیٹا مر گیا تو مجھ پر دو بچون کا بار چھوڑ گیا ہے۔" مگر عباس نے سماعت نہ کی۔ مجبوراً ابو دلامہ واپس آیا اور گھر مین آتے ہی عباس کی ہجو مین تین شعر لکھ دیے وہ شعر ابو جعفر منصور کے گوش گزار ہوے تو پہلے بہت ہنسا۔ پھر برہم ہوا اور عباس کو حکم دیا "تمھاری اس غلطی کی سزا یہ ہے کہ جو کچھ دے چکے ہو اُس کے علاوہ اور چوبیس دینار ابو دلامہ کو دو۔"

ان باتون سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اُس عہد کے تمام دولتمندون اور والیان ملک پر ابو دلامہ کا کیا کچھ اثر پڑتا ہوگا۔ اُس کی بیباکی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ کسی کو خطرے مین نہ لاتا اور عدالت تک پر اُس کا دباو پڑتا۔ ایک بار ابو دلامہ کے مسکونہ مکان کے متعلق کسی شخص نے دعوے کیا کہ میرا ہے۔ مقدمہ عدالت میں پہونچا۔ اور اُس زمانے مین ایک قاضی صاحب تھے عافیہ۔ اُن کے اجلاس مین پیش ہوا۔ کارروائی شروع ہونے سے پہلے ابو دلامہ نے تین شعر فی البدیہہ کہہ کے سنائے جن کا مضمون یہ تھا کہ شریر لوگون نے جھگڑا نکالا۔ اور مین سال بھر سے لڑ رہا ہون۔ خدا نے میری کسی دلیل اور حجت کو ذلیل نہین کیا اگرچہ بعض قاضی ایسے ہین جن کے جور سے مین ڈرتا ہون۔ مگر اے قاضی عافیہ تمھارے جور سے اندیشہ نہین ہے۔" یہ سُن کے قاضی صاحب کو طیش آگیا۔ کہا "اچھا ٹھہرو۔ مین امیرالمومنین کی خدمت مین تمھاری شکایت کرون گا اور کہون گا کہ داب ناجائز ڈالنے کے لیے تم نے میری ہجو کہی۔" ابو دلامہ نے کہا "اگر آپ نے ایسا کیا تو اس منصب قضا سے برطرف کر دیے جایئے گا۔" قاضی صاحب نے پوچھا "کیون؟" کہا "اس لیے کہ امیرالمومنین کہین گے کہ آپ کو مدح و ذم کا امتیاز نہین ہے تو آپ فیصلے کیا کرتے ہون گے؟" اس جواب پر قاضی عافیہ صاحب خاموش ہوگئے۔ اور خلیفہ منصور نے جب یہ واقعہ سُنا تو مارے ہنسی کے لوٹ گیا۔ اور ابو دلامہ کو اس پر انعام دیا۔

ایک روز مہدی کی صحبت مین تمام ہاشمی و عباسی معززین جمع تھے اور

کل اکابر خاندان اپنے اپنے قرینے سے بیٹھے ہوئے تھے کہ ابو دلامہ آگیا۔ اور سب اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ مہدی نے کہا "خوب" "بس" تم بڑے ہجو کہنے والے ہو تو حاضرین میں سے کسی کی ہجو کہو" انھوں نے عذر کیا۔ مگر مہدی قسم کھا گیا کہ "آج میں شریک صحبت لوگوں میں سے کسی ایک کی ہجو کہلائے بغیر نہ چھوڑوں گا" اب آپ سب ستی بھول گئے۔ اور ایک ایک کی طرف دیکھنے لگے کہ کس کی ہجو کہوں۔ اور جس پر سے نظر دوچار ہوتی وہ اشاروں اشاروں میں کہتا کہ مجھے بچائیے گا۔ میں تو آپ کا دوست اور خیر اندیش ہوں۔" دل میں کہا آج بے موت مرا۔ یہاں معمولی کوئی شخص نہیں۔ نگاہ میں جو ہے پاؤں ہاتھ کا۔ اور جس کی نسبت ایک کلمہ بھی زبان سے نکالوں گا دشمن ہو جائے گا۔ آخر سوچتے سوچتے آپ نے خود اپنی ہجو کی۔ اور ایسے مسخرے پن سے اپنے آپ کو بنایا اور اپنے اوپر پھبتیاں کہیں کہ جب وہ اشعار سُنائے تو مارے ہنسی کے سب بیتاب ہو گئے۔ مہدی بہت ہی خوش ہوا اور حاضرین میں سے کوئی نہ تھا جس نے اپنے حوصلے سے زیادہ انعام نہ دیا ہو۔

خلیفہ مہدی اور عباسی امیر علی بن سلیمان دونوں ایک دن شکار کو گئے اور ابو دلامہ ساتھ تھا۔ جنگل میں ہرنوں کا گلہ نمودار ہوا۔ اُن پر کتے چھوڑے گئے۔ اور دونوں نے اُن کے پیچھے اپنے گھوڑے ڈال دیے۔ ایک موقع پر پہونچ کے دونوں نے کمانیں کھینچ کھینچ کے تیر مارے۔ مہدی کے تیر نے ایک ہرن کو گرا دیا۔ اور علی بن عباس کا تیر ایک کتے پر پڑا۔ جو زخمی ہو کے مر گیا۔ ابو دلامہ نے برجستہ چند شعر کہہ کے سُنائے۔ مضمون یہ تھا کہ "شکار میں مہدی نے ہرن اور علی بن سلیمان نے کتا مارا۔ دونوں کو مبارک ہو اور دونوں اپنا اپنا شکار تناول فرمائیں"۔ یہ اشعار سُن کے مہدی کی یہ حالت ہوئی کہ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے۔ قریب تھا کہ مارے ہنسی کے گھوڑے پر سے گر پڑے۔ پھر بمشکل ہنسی روک کے کہنے لگا "خدا کی قسم ابو دلامہ نے سچ کہا" اور انعام دلوایا۔ اسی گھڑی سے اور صرف ان شعروں کی وجہ سے سارے

خاندان بنی عباس میں علی بن سلیمان کا لقب "صائد الکلب" یعنی کتا شکار کرنے والا مشہور ہو گیا۔

ابو دلامہ کا مکان قصر خلافت سے ملا ہوا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ ایک دن منصور کے سامنے اُس نے ایک نظم پڑھی جس میں اپنی ماں کی مذمت کی تھی اُس کے بڑھاپے اور بار ہونے کی تصویر کھینچی تھی۔ ساتھ ہی تنگی مکان و عسرت معاش کی شکایت تھی۔ منصور نے اُسے ایک سرکاری مکان عطا کر دیا۔ جو ایوان خلافت سے ملحق تھا۔ چند روز بعد قصر کی عمارت اور اُس کے رقبے میں اضافہ ہوا تو وہ مکان توڑ کے قصر کے احاطے میں شامل کر لیا گیا۔ اس مصیبت پر پھر جا کے خانمان بربادی کا دکھڑا رویا۔ اور اُس سے اچھا مکان مل گیا۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ ذوالکلاع کے بیٹے محرز اور مقاتل مہدی کے پاس بیٹھے ابو دلامہ کی بیہودگیوں اور دریدہ دہنیوں کی شکایت کر رہے تھے۔ اور کہتے تھے کہ "حضور نے منہ لگا کے اُسے اور بیباک و جری کر دیا ہے" یہ کہہ ہی رہے تھے کہ ابو دلامہ آ گیا۔ اور اُسے خدام قصر سے پتہ لگ گیا کہ یہ لوگ میری مذمت کر رہے تھے۔ اُسی وقت برجستہ ایک نظم سنائی جس میں اُن دونوں کی خوب خبر لی تھی۔ وہ نظم سُن کے مہدی نے کہا "اچھا اگر تمھاری مرضی ہو تو ان دونوں سے تمھیں دس دس ہزار درہم دلوا کے تمھاری شمشیر انتقام سے اُن کو بچا دوں" عرض کیا "نہایت مناسب ہے" اور مہدی نے اُسی وقت اُن سے کہہ کے وہ رقم دلوا دی۔

ابو دلامہ کی یہ حالت تھی کہ مذاق کی بات دل میں آتی تو پھر چاہے خود خلیفہ کو بھی ناگوار گذرے بے تکلف کہہ ڈالتا تھا۔ منصور کے چچا کی بیٹی حمادہ بنت عیسیٰ مر گئی۔ جنازے کے ساتھ خود منصور اور تمام اکابر دولت قبرستان تک گئے۔ اور قبر تیار تھی۔ منصور نے عبرت کے خیال سے ابو دلامہ کی طرف دیکھ کے کہا "اس گڑھے کے بھرنے کے لیے تم نے کیا چیز بہم پہنچائی ہے؟" بے تکلف جواب دیا "امیر المومنین کے چچا کی بیٹی۔ وہ اس میں دفن ہوا

چاہتی ہین"۔ منصور بے اختیار ہنس پڑا۔ مگر چونکہ یہ ہنسنے کا محل اور موقع
نہ تھا ہنسی آتے ہی چادر مین مُنہ چھپا لیا۔

مہدی کی ملکہ خیزران حج کو چلی۔ اور اُس کی محمل محل سے نکل کے شان
و شوکت سے روانہ ہوئی۔ تو ابو دلامہ نے دور سے غل مچایا۔ فریاد! فریاد!
ملکہ نے کہا "پوچھو یہ کیا کہتا ہے؟" عرض کیا "محمل کے قریب آؤن تو عرض کرون"
جب لوگ محمل کے قریب لے گئے تو خود خیزران نے پوچھا کہ "ابو دلامہ کیا چاہتے
ہو؟" عرض کیا "بیوی بن بوڑھا ہو گیا ہون۔ اس لیے اب میرے ساتھ
اچھا سلوک کرنے مین حضور کو بڑا ثواب ہوگا۔" خیزران بولی "اچھا اپنا
مطلب تو کہو۔" بولا "حضور اپنی پری جمال خواصون مین سے ایک کنیز مجھے
دلوائیے۔ تاکہ میری دلدہی کرے۔ مجھ سے اخلاق و محبت کے ساتھ پیش آئے
اور اس بڑھیا ڈھڈو (میری بیوی) کے عذاب سے نجات دلائے جو مجھ پر
مسلط ہے۔ اُس کا یہ حال ہے کہ میرے پاس جو کچھ تھا کھا گئی۔ اور میری مصیبت
بڑھا دی۔ مجھے تمنا ہے کہ کسی طرح اُس کے ہاتھ سے چھٹکارا ملے۔" یہ درخواست
سُن کے خیزران ہنسی۔ اور کہا "اچھا حج سے واپس آکے اس کا بندوبست
کر دون گی۔" اس کے بعد جب خیزران واپس آئی تو ابو دلامہ نے حاضر
ہو کے یاد دلایا۔ مگر اُس نے ٹال دیا۔ تب ابو دلامہ اُس کے بیٹون موسیٰ
اور ہارون کی انا اُم عبیدہ سے جا کے ملا۔ اور کہا "میرا ایک رقعہ اپنی
بیوی خیزران تک پہونچا دو۔" اُس نے منظور کر لیا اور رقعہ لے جا کے خیزران
کے ہاتھ مین دے دیا۔ اس رقعے مین ایک نظم تھی۔ اور وہی پرانا مقصد جو
پہلے زبانی عرض کیا تھا اب موزون کر کے پیش کیا تھا۔ اتنی ترقی کی تھی کہ
بیوی بچون کی مذمت مین اور زیادہ زور دیا تھا۔ اور بیوی کے بڑھاپے پر
پھبتیان کہی تھین۔ وہ اشعار پڑھ کے خیزران دیر تک ہنستی رہی۔ بعض
مصرعون کو مزہ لے لے کے بار بار دہرایا۔ پھر اپنی ایک حسینہ و جمیلہ گل پیرہن
و نازک بدن کنیز کو بلا کے حکم دیا کہ محل مین تمھارا جو کچھ اسباب ہو باندھ لو۔
پھر ایک خادم سے کہا کہ اس کنیز کو لیجا کے ابو دلامہ کے گھر مین پہونچا آؤ۔

اور اس کو اُس کے حوالے کر دو۔ میری طرف سے کہنا کہ اسے اچھی طرح رکھنا اس سے کام لینے میں میں نے تمھیں اپنے اوپر ترجیح دی ہے" خادم کنیز کو لے کے گیا۔ اتفاقاً اُس وقت ابو دلامہ گھر میں نہ تھا۔ خادم نے وہ کنیز بی بی بیوی کے سپرد کی۔ اور کہا "تمھارے شوہر آئیں تو یہ کنیز اُن کے حوالے کر دینا" اور ملکہ خیزران نے جو پیام دیا تھا وہ بتا کے کہا "اپنے شوہر کو پہونچا دینا"

خادم کے جانے کے بعد ابو دلامہ کا بیٹا گھر میں آیا۔ دیکھا کہ ماں زار و قطار رو رہی ہیں۔ پاس جا کے سبب پوچھا۔ اُنھوں نے کنیز کے آنے کا حال بیان کر کے کہا "اب تمھارے باوا اس حسینہ کے آگے مجھے بھول جائیں گے اور میرے ساتھ کوئی ظلم اُٹھا نہ رہے گا۔ بیٹا اگر تم پہ میرا کوئی حق ہے اور اُسکے معاوضے میں تم میرے ساتھ کوئی احسان کرنا چاہتے ہو تو اُس کے لیے اس سے بڑھ کے کوئی وقت اور موقع نہیں ہو سکتا" کہا "آپ فرمائیں تو سہی جو حکم ہو گا میں سر آنکھوں سے بجا لاؤں گا" ماں نے کہا "تو اُس کنیز کے پاس جو اُس کمرے میں بیٹھی ہے جاؤ۔ اور ظاہر کرو کہ تمھارا مالک میں ہی ہوں۔ اور یہ کہہ کے اُس پہ تصرف کرو۔ تاکہ تمھارے باوا پر حرام ہو جائے۔ اور اُنکے کام کی نہ رہے" بیٹے نے کہا "بہت خوب" اور فوراً جا کے ماں کے حکم کی تعمیل کر دی۔ اور گھر سے چل دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد لونڈی کے آنے کا حال سُن کے ابو دلامہ شوق میں بھرا ہوا گھر میں آیا۔ آتے ہی بیوی سے پوچھا "وہ کنیز جو ملکہ جہان نے بھیجی ہے کہاں ہے؟" اُس نے اشارے سے بتا دیا کہ "اُس کمرے میں ہے" آپ بیتابی و بیقراری کے ساتھ اُس کمرے میں گئے۔ کنیز کی صورت دیکھتے ہی آپے سے باہر ہو گئے۔ اور ہاتھ بڑھایا کہ اُسے گلے سے لپٹا کے پیار کریں مگر اُس نے پیچھے ڈھکیل دیا اور کہا "کمبخت بدمعاش تو ہے کون؟ اب کی آگے بڑھا تو ایسا تھپڑ ماروں گی کہ منہ پر الٹا ہو جائے گا" پوچھا "کیا تمھاری بی بی خیزران نے تمھیں اسی لیے میرے پاس بھیجا ہے؟" اُس نے کہا بیوی نے مجھے جس نوعمر و خوبرو جوان کے پاس بھیجا ہے وہ ابھی ابھی مجھ

ل سکے اور ہم آغوش ہو گئے گیا ہے - میں تمہارے پاس نہیں آئی ہوں"
یہ جواب سنتے ہی سناٹے میں آ گیا - سمجھ گیا کہ صاحبزادے کے کرتوت ہیں - اور ان کی ماں کی چالاکی ہے - جب ہی مجھے ٹھنڈے کلیجے اس کمرے کا رستہ بتا دیا تھا - غصے میں بھرا ہوا کمرے سے نکلا - اتفاقاً اسی وقت صاحبزادے بھی باہر سے گھر میں آ گئے - باپ کے بیٹے سے دست و گریبان ہو گیا اور اسے مارتے مارتے بے دم کر دیا - قسم کھائی کہ پھر جب تک امیر المومنین کے سامنے لیجا کے تجھے ان سے سزا نہ دلوا دوں گا چین نہ لوں گا - اور اسی وقت اس کا گریبان کھینچتا ہوا خلیفہ کی ڈیوڑھی پر پہنچا - اور وہاں بھی کھڑے ہو کے بے تحاشا پیٹنے کو پیٹنے لگا - خدام دولت نے ابو دلامہ کو اس حال میں دیکھا تو دوڑ کے مہدی کو خبر کی - اس نے دونوں کو اپنے سامنے بلوا کے پوچھا "کیا ہوا کیا؟" ہاتھ جوڑ کے عرض کیا "حضور - اس حرامزادے نے وہ حرکت کی ہے کہ آج تک کسی بیٹے نے اپنے باپ کے ساتھ نہ کی ہوگی جب تک امیر المومنین اسے قتل کی سزا نہ دیں گے مجھے صبر نہ آئے گا" مہدی نے کہا "اچھا بیان تو کرو کہ اس نے کیا کیا؟" ابو دلامہ نے ساری سرگذشت بیان کی - اور مہدی کی یہ حالت ہوئی کہ مارے ہنسی کے لوٹ گیا - پیٹ میں بل پڑ گئے - یہ دیکھ کے ابو دلامہ بولا "خوب - حضور کو اس کی یہ حرکت پسند آئی - اور بہت خوش ہوئے!" مہدی نے بمشکل ہنسی ضبط کی - سنبھل کے بیٹھا اور کہا "اچھا تلوار لاؤ - اور چمڑا بچھا دو - تاکہ ابو دلامہ کے بیٹے کا سر کاٹا جائے" مہدی کے یہ الفاظ سن کے بیٹے نے عرض کیا "امیر المومنین نے ان کا دعوی تو سن لیا مگر میرا جواب تو سنیں" کہا "جو کہتے ہو کہو" عرض کیا امیر المومنین - یہ بدصورت و بدقطع بوڑھا چالیس سال سے میری ماں کے ساتھ بُرا کام کرتا رہا اور مجھے آج تک کبھی غصہ نہیں آیا - اور میں نے زندگی بھر میں فقط آج ایک بار اس کی لونڈی کے ساتھ وہی حرکت کی تو میرا دشمن اور میرے خون کا پیاسا ہو گیا" یہ سن کے مہدی پہلے سے زیادہ ہنسا - اور جب ہنسی موقوف ہوئی تو ابو دلامہ سے کہا "اب بہتر یہ ہے کہ

لونڈی تم اس کو دے ڈالو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمھیں اس سے اچھی کنیز دوں گا۔" عرض کیا "حضور دیں گے تو سہی مگر خدا کے لیے ابھی چھپا کے دیجیے گا۔ اور اُس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں پکڑا دیجیے گا۔ ورنہ ماں بیٹوں کی سازش سے پھر ہی انجام ہوگا!" مہدی نے اُسی وقت ایک ماہ پیکر کنیز منگوا کے اُس کے حوالے کی۔ اور انعام دے کے رخصت کیا۔

(۳)

ایک روز کا واقعہ ہے کہ ابودلامہ مہدی کے دربار میں خاموش کھڑا تھا کہ مہدی نے اُس کی طرف دیکھا اور ہنس کے پوچھا "ابودلامہ سچ سچ بتاؤ ہمارے اعزا و اقارب اور ہمارے خاندان والوں میں سے کوئی بھی باقی ہے جس نے تمھارے ساتھ کچھ سلوک نہ کیا ہو؟" عرض کیا "اس بات میں غلام کو معاف ہی رکھا جائے تو بہتر ہے۔" مہدی نے اصرار کیا "نہیں تمھیں بتانا ہوگا۔" خلیفہ نے اصرار کیا تو ہاتھ جوڑ کے جان کی امان مانگی اور اُس نے وعدہ کیا کہ تم کو کوئی نقصان نہ پہونچے گا۔ یوں اطمینان کر کے عرض کیا "امیر المومنین میرے ساتھ حضور کے تمام اعزا کچھ نہ کچھ سلوک ضرور کر چکے ہیں۔ ایک نہیں توجہ کی تو حضور کے محترم عزیز خاتم آل عباس یعنی نگین بنی عباس ہیں۔" پوچھا "وہ کون؟" کہا "حضور کے محترم چچا عباس بن محمد یہ تمام بنی عباس میں زیادہ سربرآوردہ اور سب میں بڑے تھے۔" اُن پر نکتہ چینی سنتے ہی مہدی کو طیش سا آگیا۔ ایک غلام کی طرف جو شمشیر برہنہ کھینچے سامنے کھڑا تھا دیکھ کے کہا "اس حرامزادے کا سر تو کاٹ لاؤ۔" غلام فوراً تلوار لے کے جھپٹا مگر ابودلامہ کو اتنے دنوں کی درباداریوں اور آزادیوں نے اس قدر جری مستقل مزاج بنا دیا تھا کہ ذرا بھی پروا نہ کی اور غلام قریب آیا تو جھڑک کے کہا "نالائق غلام! اُدھر ہٹ۔ اور اپنے آقا کا عہد نہ توڑ۔ تو نے سنا نہیں کہ وہ ابھی ابھی مجھے امان دے چکے ہیں۔" ان کے اس فقرے پر مہدی کو ہنسی آگئی۔ اور اب وہ غصہ دور ہوا تو کہا "ابودلامہ۔ تم سچ کہتے ہو۔ وہ نہایت درجہ کنجوس ہیں۔" ابودلامہ بولا "حضور

بیان نہ فرمائیں۔ وہ تو بہت بڑے غنی ہیں۔" مہدی نے کہا "کیا بکتے ہو ان کے سامنے تڑپ کے مر بھی جاؤ گے تو تمھیں کوڑی نہ دیں گے۔" ہاتھ جوڑ کے عرض کیا "میں اگر جاؤں گا تو کچھ مار ہی لاؤں گا۔" مہدی بولا "اچھا جاؤ لا کے دکھاؤ کیسے لے آتے ہو۔ اور وعدہ کرتا ہوں کہ ان سے جو کچھ لاؤ گے اس کا مثنا میں دوں گا۔" یہ اقرار کر کے ابودلامہ مہدی سے رخصت ہوئے گھر آیا ایک اعلیٰ درجے کا قصیدہ عباس بن محمد کی شان میں کہا جو نہایت ہی مشہور و مقبول ہوا۔ اس لیے کہ آپ نے اس میں یہ مضمون موزوں کیا تھا کہ ایک پری جمال لونڈی معرض بیع میں ہے۔ میں اس کے شوق میں دیوانہ ہو رہا ہوں۔ اور آپ کے پاس آیا ہوں کہ اس کی خریداری میں میری مدد کیجیے۔

اس قصیدے کو جب ابودلامہ نے آکے عباس کو سنایا تو وہ بہت بگڑے اور پوچھا "جو کچھ تم نے موزوں کیا ہے۔ سچ ہے یا فقط بات بنائی ہے؟" کہا "جی بالکل ٹھیک ہے۔" اس جواب پر انھوں نے اپنے تحویلدار غلام کو حکم دیا کہ اس کنیز کی قیمت کی بابت دو ہزار درہم ابودلامہ کو دے دو اور ابودلامہ سے کہا "لو یہ رقم لو۔ اور اس لونڈی کی خریداری میں مجھے شریک کر لو۔" ادب سے جواب دیا "بہت خوب۔ حضور کی یہ شرط نہایت ہی مناسب ہے مگر ایک بات ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کے ساتھ اسی وقت ایک اور کنیز بھی خرید لی جائے۔ تاکہ جس دن وہ حضور کے پاس رہے وہ دوسری میرے پاس چلی آئے۔ اور جس دن وہ میرے پاس ہو وہ دوسری حضور کی خدمت میں حاضر ہو جائے۔" اس جواب پر نہایت ہی بگڑ کے عباس نے کہا "خدا تجھے غارت کرے۔ کس قدر بیہودہ اور گستاخ ہے۔ جا یہ درہم بھی لیجا۔ اور اس لونڈی کو بھی سے لے۔"

بہرحال وہ رقم لے کے آپ سیدھے مہدی کے پاس آئے۔ اور روپوں کی تھیلی دکھا کے کہا "آپ کے چچا سے یہ دو ہزار درہم لے آیا۔ اب اپنا وعدہ پورا کیجیے۔" پورے واقعے کو سن کے مہدی مارے ہنسی کے لوٹ گیا۔ اور

اور حسب وعدہ چھ ہزار درہم اپنے پاس سے دے کے رخصت کیا۔

ایک بار آپ اتفاقاً کوفے میں گئے۔ وہاں مقیم تھے کہ چند مہمان آگئے اور اُن کی ضیافت کی ضرورت پیش آئی۔ کوفے میں اُن دنوں ایک سندھ کی رہنے والی کلوارن نبیذ بیچا کرتی تھی۔ آپ نے اُس کے پاس آدمی بھیجا۔ اور اُس نے نبیذ کا ایک سبوچہ بھیجدیا۔ سارے سبوچے کو آپ اور یاران صحبت پی گئے مگر ہوس نہیں پوری ہوئی۔ دوبارہ اُسی کلوارن کے پاس آدمی بھیجا۔ وہ ایک دوسرا سبوچہ لیے ہوے خود چلی آئی۔ اور کہا "دونوں سبوچوں کے دام دلوائیے۔" آپ نے فرمایا "سنو بی کلوارن۔ میرے پاس دام دام تو ہیں نہیں۔ لیکن ہاں تمھاری تعریف میں چند شعر کہے دیتا ہوں جو تمھاری نبیذ سے زیادہ مزے کے ہوں گے۔" اُسے یہی غنیمت معلوم ہوا۔ آپ نے اُسکی تعریف میں ایک نظم کہدی۔ اور اُسے سُن کے وہ ٹھنڈی ٹھنڈی اپنے گھر گئی۔

بغداد کا ایک بردہ فروش تھا جنید۔ اُسکے پاس ایک نہایت ہی حسینہ و جمیلہ کنیز تھی جس پر ابو دلامہ کا دل آگیا تھا۔ بار بار خریداری کے بہانے جا جا اُسے بُلوا کے دیکھتے بھالتے۔ اور بے کچھ دیے واپس چلے آتے۔ جب کئی بار انھوں نے یہی حرکت کی تو جنید سخت ناراض ہوا۔ اور اب جو آپ خریدار بن کے پہونچے اور کہا "فلاں کنیز کو لانا تو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔" اُس نے بگڑ کے کہا "میں کب تک یوں ہی بیکار لا لا کے دکھایا کروں؟ آپ کو لینا تو ہے نہیں۔ پھر اس خالی زحمت دینے سے کیا حاصل؟" آپ نے جواب دیا "فرض کرو میں خریدار نہیں۔ مگر ایک مدح کرنے والا بھائی تو ہوں۔" اُنکے اشعار کی شہرت و مقبولیت سے جنید واقف تھا۔ کہنے لگا "اچھا اس کنیز کے حسن و جمال کی تعریف میں چند شعر کہہ دو۔ میں اُسے لا کے دکھا دوں گا۔" اور دل میں خیال کیا کہ ان کی تعریف سے کنیز کی قیمت بڑھ جائے گی۔ آپ نے کہا "میں اُس کی تعریف میں شعر تو کہہ دوں گا مگر تم سے یہ شرط ٹھہر جائے کہ کہ اگر وہ اشعار تم کسی کو سناؤ یا خود نہیں تو اُسی کنیز کی زبان سے کسی کو سُنواؤ

تو آزاد ہو جائے گی۔ اور ایک یہ بھی شرط ہے کہ آیندہ اس لونڈی کو کسی سے نہ چھپایا جائے جو دیکھنا چاہے بے تکلف دیکھ لے"۔ جنید ان کی نظم کا کچھ ایسا گرویدہ تھا کہ دونوں شرطین قبول کرلین۔ اور انھون نے اُس کنیز کے حسن کی تعریف مین اپنی شاعری کا کمال دکھایا۔

ایک دن بڑی دل لگی ہوئی۔ آپ اسحٰق ازرق کی عیادت کو گئے جو اس عہد کا ایک رکن دولت اور عالی مرتبہ رئیس تھا۔ وہ سخت بیمار ہو کے اچھا ہوا تھا۔ اور اب فقط ضعف باقی تھا۔ اسحٰق نام نصرانی طبیب پاس بیٹھا دوائین تجویز کر رہا تھا۔ آپ بے تکلف اُس سے بھڑ پڑے۔ اور بے تکان لو میٹھے کا فرو کے لڑکے! یہ دوائین اُس شخص کو بتا رہا ہے جسے مرض نے سخت ناتوان کر دیا ہے! سچ یہ معلوم ہوتا ہے تو ان کی جان لینے کے درپے ہے" طبیب حیران تھا کہ کس جاہل شخص سے سابقہ پڑا جو اپنی ہی کہے جاتا ہے۔ اتنے مین آپ نے اسحٰق ازرق کی طرف دیکھ کے کہا "حضور اپنا نسخہ مجھ سے سنین" اُس نے مذاقاً و تعریضاً کہا "فرمائیے حکیم صاحب"۔ آپ نے فی البدیہہ تصنیف کر کے چھ سات شعر اسی وقت سنائے جن مین مذاق کے عنوان سے قوت دلانے والی غذائین اور شرابین بتائی تھین اور طبیب کو فحش گالیان دی تھین۔ وہ اشعار سُن کے اسحٰق ازرق اور تمام لوگ جو عیادت کو آئے ہوے تھے مارے ہنسی کے لوٹ گئے۔ اور اسحٰق نے پانچ سو درہم اُنھین بطریق انعام دے کے کہا "اب آپ تشریف لے جائین"۔ یہ انعام دینا طبیب کو ناگوار ہوا۔ وہ اور زیادہ آزردگی کے ساتھ بگڑنے لگا۔ یہ دیکھ کے آپ نے اُس سے کہا "آپ کے ناراض ہونے کی کوئی وجہ نہین ہے مجھے میرا حق مل گیا۔ اور اب اسکے بعد مین اقرار کرتا ہون کہ آپ بڑے قابل طبیب اور بہت ہی اچھے آدمی ہین"۔

ایک بار ابو دُلامہ مہدی کے دربار مین گیا تو دیکھا کہ سلمۂ وصیف سامنے کھڑا ہے۔ اور خلیفہ اُس سے باتین کر رہا ہے۔ وصیف کے معنی تو ایک نوعمر غلام حسین کے ہین مگر سلمہ کا لقب پڑ گیا تھا۔ اور اس بڑھاپے مین بھی وہ وصیف ہی کہلاتا تھا۔ آپ نے فوراً دست بستہ عرض کیا کہ "امیر المومنین!

مین ایک ایسا اچھا بچھیڑا حضور کی نذر کے لیے لایا ہون جو سارے بغداد
مین جواب نہین رکھتا - امید ہے کہ حضور قبول فرمائین گے - بچھیڑے کی تعریف
سُن کے مہدی نہایت مشتاق ہوا - اور حکم دیا کہ "لاؤ - پیش کرو - دیکھون
کیسا بچھیڑا لائے ہو" آپ نے فوراً اپنی سواری کا خچر جو نہایت ہی بڈھا اور لاغر
تھا لاکے سامنے کھڑا کر دیا - اس کو دیکھ کے مہدی نے حیرت سے کہا "اسے تم
بچھیڑا کہتے ہو؟" عرض کیا "امیر المومنین جس سرزمین مین اسی برس کا بوڑھا
سلمۂ وصیف کہلاتا ہے وہان اس خچر کو بھی لوگ بچھیڑا ہی کہا کرتے ہین" یہ سُن
کے مہدی کو بے اختیار ہنسی آگئی - اور سلمہ بگڑ کے ابودُلامہ کو گالیان دینے لگا -
مگر ابودُلامہ نے بغیر اسکے کہ سلمۂ وصیف کی گالیون کا لحاظ کرے مہدی سے کہا
"امیر المومنین! خدام دربار خلافت مین سے کوئی نہین جس نے میرے ساتھ کچھ
نہ کچھ سلوک نہ کیا ہو - بجز سلمہ کے - اس کے ہاتھ کا کبھی پانی بھی پیا ہو تو حرام
ہے - مین جب تک جی بھر کے ان کی خبر نہ لے لون گا چین نہ لون گا" مہدی
نے کہا "اچھا مین فیصلہ کیے دیتا ہون - سلمہ - ایک ہزار درہم دے کے تم اپنی
جان ابودلامہ کے ہاتھ سے بچاؤ - ورنہ تمھارا گریبان اسکے ہاتھ سے نہ چھوٹے گا"
سلمہ نے کہا اس شرط سے دیتا ہون کہ پھر کبھی یہ ایسی حرکت نہ کرین" ابودلامہ
نے کہا "تم نے کبھی دیا ہوتا تو آج ہی اس کی کیون نوبت آتی؟" الغرض سلمہ
نے گھر جاکے رقم بھیجدی - اور ابودلامہ کے دست ستم سے اپنا گریبان چھڑایا -

ابودلامہ کی زندگی کے واقعات مین سب سے اہم واقعہ یہ ہے کہ ایک روز
وہ اپنے دوستون عزیزون اور پڑوسیون کے ایک مجمع عظیم مین بیٹھا ہوا تھا کہ
ناگہان اُس کا بیٹا دُلامہ جو اُس سے زیادہ مسخرہ اور بیباک تھا آگیا - اور
اہل محفل کی طرف متوجہ ہو کے کہنے لگا "حضرات میرے بوڑھے والد کی جو
حالت ہے آپ دیکھ ہی رہے ہین - عمر بہت زیادہ آگئی ہے - کھال لٹک
پڑی - ہڈیان سوکھ گئین - اور پوست و استخوان کے سوا کچھ باقی نہین رہا -
مگر یہ بدپرہیزیون سے باز نہین آتے - ہمین ان کے زندہ رہنے کی سخت ضرورت
ہے - چنانچہ مین ہمیشہ کہا کرتا ہون کہ برائے خدا اتنی احتیاط کیجیے کہ آپ

کی زندگی زیادہ ہو۔ قوت قائم رہے۔ اور آپ مدت تک ہمارے سر پر برقرار رہیں۔ مگر یہ سماعت نہین کرتے۔ آخر مجبور و لاچار ہوکے آپ صاحبون کی خدمت مین آیا ہون اور عرض کرتا ہون کہ میری ایک تمنا پوری کر دیجیے۔ مین زندگی بھر آپ کا احسانمند رہون گا۔ اور امید ہے کہ ان کی زندگی اور صحت و تندرستی بھی برقرار رہے گی۔" سب نے کہا "اس بارے مین تمھاری جو خواہش ہو اُسکو ہم بخوشی خاطر انجام دین گے اور بسر و چشم بجا لائین گے۔" ساتھ ہی سب نے ابودلامہ سے جو خاموش بیٹھا بیٹے کی باتین سُن رہا تھا کہا "اور آپ کو بھی اس مین عذر کرنے کی کوئی وجہ نہین ہو سکتی۔ جو کچھ کہا جا رہا ہے آپ ہی کے نفع کے لیے ہے۔" ابودُلامہ نے کہا "بہتر ہے آپ جو مناسب جانین کرین مگر پہلے پوچھ تو لیجیے کہ یہ کہتا کیا ہے؟ اس کی شرارت سے آپ ابھی واقف نہین ہین۔ اس نے کوئی بدمعاشی ہی کی بات سوچی ہوگی۔ اس کا یون آنا اور باتین بنانا علت سے خالی نہین ہو سکتا۔" اب سب نے دُلامہ سے پوچھا کہ "تمھاری کیا خواہش ہے؟" اُس نے کہا "سُنیے۔ باواجان کی یہ حالت ہے کہ اس بوڑھاپے پر بھی شہوت رانی کے پیچھے اپنی جان دیے ڈالتے ہین۔ آپ اتنی عنایت فرمائین کہ اِنھین زبردستی پکڑ کے آختہ کر دین۔ بغیر اسکے یہ اپنی حرکتون سے باز آنے والے نہین ہین۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تدبیر ان کی تندرستی اور ترقی عمر دونون کے لیے مفید ثابت ہوگی۔" بیٹے کی یہ درخواست سُن کے سب کو مذاق سوجھا اور ابودلامہ سے کہا "بتاؤ تمھین اس مین کیا عذر ہو سکتا ہے۔ دُلامہ کی درخواست نہایت مناسب اور تمھارے حق مین بے انتہا مفید معلوم ہوتی ہے۔" جواب دیا "مین تو پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ اس حرامزادے نے کوئی شرارت کی بات سوچی ہے۔" سب نے کہا "اس مین شرارت ہو یا نہ ہو مگر بات تو معقول کہتا ہے۔ تم جواب دو کہ تمھین اس مین کیا عذر ہو سکتا ہے؟" کہا "اچھا تو اس کا فیصلہ مین اس کی ماں پر چھوڑتا ہون۔ اُس سے جاکے پوچھیے۔ اور جو وہ کہے اُس پر عمل کیجیے۔" مذاق تو تھا ہی۔ سب نے کہا "چلو ان کی بیوی سے بھی چل کے پوچھ لین۔"

اور سب کے سب اٹھ کے ابو دلامہ کے گھر پر گئے۔ ام دلامہ کو ڈیوڑھی کے پاس بلا کے ساری سرگذشت بیان کی۔ اور کہا "ابو دلامہ نے فیصلہ تم پر محول کیا ہے۔ تم جو کہو گی اس کے مطابق عمل ہو گا" ام دلامہ نے سارا واقعہ سن کر نہایت متانت سے کہا "مین بیٹے کی بہت شکر گزار ہون کہ خدا اُسے جزائے خیر دے اپنے باپ کو اس بارے مین سمجھاتا اور خیر خواہی کے ساتھ ان کی صحت و تندرستی کی فکر کرتا ہے۔ اس لیے کہ مجھے در اصل اس سے زیادہ اس کے باپ کے زندہ اور صحیح و سالم رہنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اس نے یہ ایسی نئی تدبیر حفظ صحت کی بتائی ہے جسے ہم لوگون نے کبھی آزمایا نہین ہے۔ گو کہ اس کے کارگر ہونے مین شک کرنے کی گنجایش نہین نظر آتی لیکن مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس تدبیر کو پہلے وہ خود اپنی ذات پر آزمائے جب اس تدبیر سے اس کو نفع ہو گا اور مین دیکھون گی کہ اس علاج کا اس پر اچھا اثر پڑا تو مشورہ دون گی کہ اس کے باپ کے ساتھ بھی یہی عمل کیا جائے"

ابو دلامہ سب کے ساتھ موجود تھا۔ بیوی کا جواب سنتے ہی قہقہہ مار کے ہنسا۔ اس کے ساتھ اور سب لوگ بھی مارے ہنسی کے بیتاب ہو گئے اور بیٹا ایسا شرمندہ ہوا کہ منہ چھپا کے بھاگ گیا۔

نابغۂ ذبیانی

جاہلیت عرب کے شاعرون مین یہ نہایت ہی ممتاز اور دور اولین عرب کا مستند ترین استاد سخن تھا۔ اور قبائل مضر بن عدنان یعنی حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل مین سے تھا جو بڑھتے بڑھتے سارے عرب پر چھا گئی تھی۔ اس کا اصلی نام زیاد بن معاویہ تھا۔ کنیت ابو امامہ تھی۔ اور لقب جس نے سب سے زیادہ شہرت پائی نابغہ۔ نابغہ عرب کا جو ہر ہے۔ اس لیے کہ اس سرزمین کا سب سے پہلا شاعر یہی ہے جس کے کلام پر عرب کی شاعری کو ناز تھا۔ نیر اسلام کے طلوع کے بعد بھی اہل عرب مین اس کی شاعری کی ویسی ہی

عظمت وقعت باقی رہی۔ چنانچہ خلیفہ دوم امیرالمومنین عمر فاروق نے ایک روز بنی غطفان کے چند تازہ وارد لوگون کے سامنے ایک شعر پڑھکے سوال فرمایا کہ "یہ شعر کس کا ہے؟" انھون نے کہا "نابغہ کا" ارشاد فرمایا "تو تمھارے شعرا مین سب سے بڑھا ہوا یہی ہے"

اسی طرح ایک بار کا اور ذکر ہے کہ حضرت عمرؓ نے حاضرین سے پوچھا "عرب کا سب سے بڑا شاعر کون ہے؟" انھون نے عرض کیا "امیرالمومنین اس کو خود ہی جانتے ہون گے" تب آپ نے دو شعر پڑھکے دریافت فرمایا "یہ کس کے شعر ہین؟" جواب دیا "نابغہ کے" اس کے بعد ایک اور شعر پڑھ کر پوچھا "یہ کس کا ہے؟" لوگون نے کہا "یہ بھی نابغہ کا ہے" اس کے بعد آپ نے اور تین شعر پڑھے اور اُن کی نسبت بھی وہی سوال کیا۔ اور جواب یہ تھا کہ "یہ بھی اُسی کے ہین" اب حضرت نے فرمایا تو پھر تمھاری قوم کا سب سے بڑا شاعر وہی ہے۔ اس واقعے مین دلچسپ اور قابل لحاظ یہ بات ہے کہ جناب فاروق اعظم نے اس موقع پر جتنے شعر سنائے سب توحید اور درستی اخلاق کے بارے مین تھے۔ اور اُن مین انبیاے سلف کا بھی ذکر تھا۔

ایک دن کسی نے حضرت عبداللہ بن عباس کے سامنے اُٹھ کے آپ سے دریافت کیا "سب سے بڑا شاعر کون ہے؟" آپ نے ابوالاسود دؤلی کی طرف اشارہ کیا کہ تم بتا دو۔ ابوالاسود اُس وقت کے ادیب بے ہمتا۔ زبان عرب کے اہرین بل۔ اور نحو و صرف اور اصلاح رسم خط کے موجد تھے۔ لہٰذا ان سے زیادہ قابل استناد کس کا فیصلہ ہو سکتا تھا؟ ابوالاسود نے فوراً نابغہ کا ایک شعر پڑھا اور کہا "جس کا یہ شعر ہے وہی سب سے بڑا شاعر ہے"

بنی مراد کا ایک وفد عبدالملک بن مروان کی خدمت مین حاضر ہوا۔ باریابی ہوتے ہی اُن مین سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر اپنے کسی گذشتہ فعل پر عذرخواہی کی۔ اور قسم کھائی کہ ہم سے پھر کبھی ایسی حرکت نہ ہوگی۔ عبدالملک اُس کی عذرخواہی سُن کے خوش ہوا اور اُن لوگون کی طرف متوجہ ہو کے کہا

تمہارے لیے یہ مناسب بھی نہ تھا کہ ایک ناپسندیدہ کام کرو اور پھر معذرت خواہ بھی نہ ہو۔ اس کے بعد اُس نے دربار والان اہل شام کی طرف رُخ کرکے کہا "نابغہ نے نعمان بن منذر کے سامنے جو قصیدہ سُنا کر عذرخواہی کی تھی وہ قصیدہ تم مین سے کسی کو یاد ہے؟ جس مین کا ایک شعر یہ ہے۔

حلفت فلم اترک لنفسک ریبۃ — ولیس وراء اللہ للمرء مذہب

(مین نے قسم کھائی اور آپ کے لیے شک کی کوئی گنجایش نہین باقی رکھی اور خدا کے بعد (یعنی اُس کی قسم کھانے کے بعد) انسان کے لیے اور کوئی طریقہ باقی بھی نہین رہتا۔ اتفاق کی بات۔ اہل شام مین سے کسی کو یہ قصیدہ یاد نہ تھا۔ تب عبدالملک نے وفد والون کی طرف توجہ کرکے پوچھا "تم مین سے کسی کو یاد ہے؟ اُن مین سے ایک شخص نے عرض کیا "جی ہان یاد ہے" اور سارا قصیدہ سُنا دیا۔ سُن کر عبدالملک نے ہر ہر شعر کی بڑی تعریف کی اور کہا "عرب کا سب سے بڑا شاعر یہی شخص تھا"۔

معاویہ بن بکر باہلی نے ایک دن حماد راویہ سے جو کلام عرب کا بہت بڑا حافظ و محقق تھا۔ پوچھا "لوگ نابغہ کو سب شاعرون پر کیون ترجیح دیتے ہین" حماد نے شعر مذکور بالا سنا کر کہا "اس لیے کہ اس شعر کا سا ایک شعر بلکہ اس کا آدھا یا چوتھائی بھی تم کو نصیب ہو جائے تو تمھارے شاعر ہو جانے کے لیے کافی ہے"۔

اس موقع پر عبدالملک کا ایک واقعہ بھی اگرچہ طولانی ہے مگر غالباً لطف سے خالی نہ ہوگا۔ اُس نے اپنے والی عراق حجاج کو لکھا "دنیا کی کوئی لذت نہین جو مجھے نصیب نہ ہوئی ہو۔ اور میرے نزدیک قابل و فاضل ندیمون کی باتون سے زیادہ اچھی کوئی لذت دنیا مین نہین ہے۔ تمھارے وہان عامر شعبی ہین جن کی مین بڑی تعریف سنتا ہون۔ انھین میرے پاس بھیجدو۔ عامر اکابر تابعین مین تھے۔ فاضل اجل اور مجتہد بے بدل تھے۔ چنانچہ ہزارون حدیثین اُن کے ذریعے سے ہم تک پہونچی ہین۔ بخاری و مسلم اور تمام ائمۂ حدیث کے مستند ترین راویون مین تھے۔ اور زندگی ہی مین اُنکے فضل و

کمال کی بے انتہا شہرت ہو گئی تھی۔

خلیفہ کا خط پاتے ہی حجاج نے سامان سفر درست کر کے امام شعبی کو دمشق روانہ کر دیا۔ خود شعبی لکھتے ہیں کہ میں دمشق میں پہونچتے ہی سیدھا عبدالملک کے قصر کے دروازے پر پہونچا۔ اور عرض بیگی سے کہا "میری اطلاع کر دیجئے" اُس نے پوچھا "آپ کون ہیں؟" میں نے اپنا نام بتایا۔ نام سنتے ہی اُس نے بڑے جوش و خروش سے مرحبا کہی۔ مجھے اپنی کرسی پر بٹھا کے اندر گیا اور فوراً واپس آ کے کہا "تشریف لے چلیے"۔ اب میں اندر گیا۔ اور دیکھا کہ ایک کرسی پر عبدالملک بیٹھا ہے۔ اور اُسکے سامنے کرسی پر ایک پیر کہن سال بیٹھا ہے جس کے سر اور داڑھی کے تمام بال سفید ہیں۔ میں نے سامنے جا کے سلام کیا۔ اور عبدالملک نے سلام کا جواب دے کے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا چنانچہ میں اُس کے بائیں ہاتھ کی طرف ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

میرے بیٹھتے ہی عبدالملک نے اُس پیر شخص سے پوچھا "سب سے بڑا شاعر کون ہے؟" اُس نے جواب دیا "امیرالمومنین میں۔ مجھ سے بڑا شاعر کون ہو سکتا ہے؟" اُس کا یہ جواب سن کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ بے اختیار پوچھ بیٹھا "امیرالمومنین یہ کون صاحب ہیں؟ جو اپنے منہ میاں مٹھو ہیں اور اپنے آپ کو سب سے بڑا شاعر بتاتے ہیں؟" میرے یوں بیباکی سے پوچھ بیٹھنے پر عبدالملک کو تعجب سا ہوا۔ اور کہا "ان کو آپ نہیں جانتے؟ یہ اخطل ہیں" مگر مجھے کہاں تاب تھی؟ نام سنتے ہی اُس شخص کی طرف رُخ کر کے کہا "سنیے اخطل صاحب سب سے بڑا شاعر وہ ہے جس کے یہ اشعار ہیں" اور نابغہ کے چند شعر پڑھ دیے اب اخطل نے عبدالملک سے پوچھا کہ "یہ کون بزرگ ہیں؟" اور عبدالملک نے فوراً میرا نام بتا کے تعارف کرا دیا۔ میرا نام سن کے اُس نے کہا "امیرالمومنین بخدا انھوں نے سچ کہا۔ نابغہ مجھ سے بڑھا ہوا ہے"

اب عبدالملک نے میری خیریت پوچھی۔ میں نے کہا "امیرالمومنین اچھا ہوں" ساتھ ہی میں نے اس بارے میں عذر خواہی کی کہ میں گذشتہ لڑائیوں میں محمد بن اشعث کے ساتھ اور حجاج کے خلاف تھا۔ عبدالملک نے کہا "ان

باتوں کو جانے دیجیے - اور میرے کسی قول و فعل پر آپ ان امور کا اثر نہ پائیں گے۔" اب اُس نے دریافت کیا "نابغہ کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے؟" مین نے کہا "امیر المومنین - نابغہ کا پوچھنا ہی کیا؟ عمر بن الخطابؓ اُسے تمام شعرائے عرب پر فضیلت دے چکے ہین۔" یہ کہہ کے شعبی نے حضرت فاروق کا مذکورۂ بالا واقعہ بیان کیا - اب عبد الملک نے اخطل کی طرف توجہ کی اور کہا "بھلا شعرائے عرب مین کسی کا کلام ایسا بھی ہے کہ جسکے اشعار سن کے تمھارا جی چاہتا ہو کہ یہ میرے شعر ہوتے؟" اخطل نے کہا "کوئی نہین - مگر میرے ہی قبیلے کا ایک شخص ہے جس کے بعض اشعار سن کے میرے دل مین آئی کہ یہ میرے شعر ہوتے تو اچھا ہوتا۔" عبد الملک نے اُن شعرون کے سنانے کی فرمایش کی - اخطل نے چھ شعر پڑھے اور اُن کا معرف ہوا - شعبی کہتے ہین یہ سنتے ہی مین بیساختہ کہہ بیٹھا "ان شعرون سے اچھے تو قطامی شاعر کے اشعار ہین۔" اور یہ کہتے ہی مین نے قطامی کے بہت سے منتخب اشعار سُنا دئے - عبد الملک اُن کو سن کے بیتاب ہو گیا - اور بولا "خدا کمبخت کو غارت کرے خوب کہتا ہے۔"

اب اخطل نہایت ہی شکستہ خاطر اور ملول تھا - مجھ سے کہنے لگا "سُنیے آپ علم حدیث اور اُس کے متعلق بہت سے فنون مین کمال رکھتے ہین اور میرا اکیلا ایک فن شاعری ہے - لہذا عرض ہے کہ مجھے اگر آپ اپنی قوم کی صف اولین مین نہین بیٹھنے دیتے تو اُسی جگہ پڑا رہنے دیجیے جہان مین ہون۔" مین نے کہا "مین وعدہ کرتا ہون کہ کبھی آپ کے اشعار پر معترض نہ ہون گا - نہ آپ کی شہرت کا مزاحم ہون گا - اور اس وقت جو کچھ ہوا اُس کو آپ معاف فرمائین۔" اُس نے کہا "مگر اس عہد و پیمان مین کوئی آپ کا ضامن بھی ہے؟" مین نے کہا "امید ہے کہ خود امیر المومنین میری ضمانت کر لین گے۔" ساتھ ہی عبد الملک بولا "ہان ہان مین شعبی کی ضمانت کرتا ہون اور ذمہ دار ہون کہ یہ کبھی آپ کی شہرت کے مزاحم نہ ہون گے۔"

اب مین عبد الملک کو روز نابغہ کا کلام سنایا کرتا - اور اُس کی یہ حالت تھی کہ کبھی نہ اُکتاتا - برابر سُنے جاتا - ایک دن باتون مین اُس نے

مجھ سے پوچھا کہ "زبان عرب مین سب سے بڑی شاعرہ کون ہے؟" مین نے خنسا کا نام لیا۔ اور خلیفہ نے اس کی دلیل پوچھی تو مین نے دو شعر خنسا کے پڑھ کے سُنائے۔ عبد الملک نے کہا "گر میرے خیال مین تو سب سے بڑی اور اچھی وہ شاعرہ ہے جس کا کلام یہ ہے"۔ اور لیلیٰ نام ایک شاعرہ عرب کے دو شعر سنائے۔ یہ جواب سُن کر مین خاموش ہو رہا۔ اور اُس نے کہا شعبی! میرے اختلاف سے آپ ناراض تو نہین ہو گئے؟" مین کہا "جی نہین۔ ناراضی کیسی مین تو ایک نیا دلکش کلام سُن کے خوش ہوا۔ میرے لیے سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ مجھے آئے دو مہینے ہو گئے جس مدت مین سوا خنسا کے اشعار سنانے کے مین اور کوئی کام نہین کر سکا"۔ عبد الملک نے کہا "اور مین نے جو تم سے ایک بات مین اختلاف کیا اور تم کو ایک نئی شاعرہ عرب کا کلام سنایا تو اس لیے کہ اہل عراق اہل شام کی نسبت اکثر کہا کرتے ہین کہ یہ لوگ دولت و حکومت مین اگرچہ ہم پر غالب آ گئے مگر علم و روایت مین ہم اُن سے بڑھے ہوے ہین۔ لیکن مین کہتا ہون کہ ہم عراق والون کے اُس علم مین بھی اُن سے بڑھے ہوے ہین جس پر اُنھین ناز ہے۔ یعنی علم و روایت مین بھی اُن پر فوقیت رکھتے ہین"۔ اسکے بعد اُس نے لیلیٰ کے متعدد اشعار بار بار پڑھے یہان تک کہ مجھے مستحضر ہو گئے۔

اس واقعے کے بعد شعبی کہتے ہین "جب تک مین شام مین رہا یہ معمول تھا کہ روز بلا ناغہ سب سے پہلے عبد الملک کی صحبت مین ہو پہنچتا۔ اور سب کے بعد واپس آتا۔ اس پابندی سے کئی سال تک مجھے وہان رہنے کا اتفاق ہوا۔ جس مدت مین اُس نے مجھے اور میرے لڑکے بالون کو جن کا شمار بیس تھا دو دو ہزار درہم انعام دیے۔ اور آخر مجھے اپنے بھائی عبد العزیز کے پاس بھیجا جو مصر کا والی تھا۔ اور اُسے اس مضمون کی تحریر بھیجی "مین شعبی کو تمھارے پاس بھیجتا ہون۔ اُن کے علم و فضل کو دیکھو اور بتاؤ کہ ایسا صاحب کمال تم نے کوئی اور بھی دیکھا ہے؟" جب عبد العزیز کی صحبت مین چند روز رہ کے مین دمشق مین واپس آیا تب مجھے اپنے گھر آنے کی اجازت دی۔

نابغہ کی شاعری کی عرب مین اس درجہ قدر تھی کہ عکاظ کے میلے مین جہان

تمام شاعروں کا مجمع ہوتا نابغہ کے لیے ایک چرمی خیمہ کھڑا کیا جاتا جس پر منہ پر نقاب ڈال کے وہ ایک شان و وقار کے ساتھ صدر میں بیٹھتا۔ تمام شعرائے عرب اُس کی خدمت میں حاضر ہوکے اپنا کلام اُس کے سامنے پیش کرتے۔ اور اگر وہ پسند کرلیتا تو اپنی شاعری پر ناز کرتے۔ ایک سال اُسی میلے میں نابغہ کو پہلے اعشیٰ نے اپنا کلام سنایا۔ پھر حسّان بن ثابت نے سنایا۔ اُن کے بعد اور بہت سے شعرا اپنا اپنا کلام سناتے رہے۔ یہاں تک کہ خنساء بنت عمرو نے اُس کے روبرو کھڑے ہوکے اپنے بھائی صخر کے غم میں اپنا ایک مرثیہ سنایا۔ جس کے مضمون کا خلاصہ یہ تھا کہ "صخر وہ شخص تھا کہ سرداران قوم اُس کی اقتدا کرتے تھے۔ گویا وہ ایک جھنڈا تھا جس کی نوک پر آگ روشن تھی (رہنمائی کے لیے پہاڑوں میں آگ سلگا دی جاتی ہے اور اُس کا دھواں فوجوں اور رہ نوردوں کو راستے کا نشان دیا کرتا ہے) نابغہ یہ اشعار سُن کے پھڑک گیا۔ اور کہا "ابوبصیر (یہ حسان کی کنیت تھی) ابھی اپنا کلام سنا چکا ہے۔ اسکے اشعار نہ سنے ہوتے تو میں کہتا کہ تم تمام جن و انس سے اچھا کہتی ہو۔" حسان کو اُسکا یہ کہنا ناگوار ہوا۔ اور بگڑ کے کہنے لگے "میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ میں تجھ سے اور تیرے باپ دونوں سے بڑا شاعر ہوں۔" یہ طیش کا کلمہ سُن کے نابغہ نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ "بھتیجے تو اپنے دل میں جو چاہے خیال کر۔ مگر تو نے یہ شعر اچھے نہیں کہے ہیں۔" پھر اُن دو شعروں پر چند اعتراض ایسے کیے کہ حسان سے جواب نہ بن پڑا۔

فرماں روائے حیرہ نعمان بن منذر کے دربار میں نابغہ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ اُس کے مخصوص و مقرب ندیموں میں تھا اور جلوت و خلوت میں ہر جگہ حاضر رہتا۔ ایک دن نعمان کی پری جمال و حور وش ملکہ برہنہ تھی کہ نابغہ کا سامنا ہوگیا۔ ملکہ کی جو نظر نابغہ پر پڑی تو گھبرا کے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ بدحواسی میں دوپٹہ گر گیا۔ اور اُس نے نہایت اضطراب کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔ اُس کی اُس وقت کی ادائیں نابغہ کے دل پر ایسا اثر کر گئیں کہ اُس کے شوق اور اُسکے حسن و جمال کی تعریف میں ایک قصیدہ کہہ ڈالا۔ وہ قصیدہ نعمان

کے گوش گذار ہو گیا۔ اور اس کے خوف سے نابغہ بھاگ کھڑا ہوا۔
یہان سے بھاگ کے نابغہ مدینہ یثرب مین آیا۔ مگر اس کا کلام اس قدر مقبول عام تھا کہ وہ قصیدہ اس سے پہلے پہونچ کے بہت سے سخن فہمان مدینہ کو یاد ہو چکا تھا۔ اتفاق سے اس قصیدے کے ایک شعر مین عیب تھا مگر نابغہ کا رعب اس قدر غالب تھا کہ کسی کو زبان سے نکالنے کی جرأت نہ ہوئی آخر سب نے ایک گانے والی رنڈی کو بلا کے گوایا۔ اور جب تھوڑی دیر تک وہ تلمت جیزین گالی تو اس کی زبان سے وہی قصیدہ گوایا۔ اور اس طرح کہ جس شعر مین عیب تھا اسکے معیوب لفظ پر جو پہنچتے ہی ہر بار گانے والی کی زبان کو لغزش ہو جاتی۔ یہ سُن کے نابغہ چونک پڑا۔ اور اپنے عیب سے واقف ہو گیا۔ مگر اس وقت تو خاموش رہا۔ یہان سے جانے کے بعد اپنا وہ مصرع بدل دیا۔ اور دل کا اتنا صاف تھا کہ اس واقعے کے بعد جب کبھی لوگ اُس کے شاعرانہ کمال کا تذکرہ چھیڑتے تو وہ کہتا "ہونے کو تو مین بھی بڑا شاعر ہون مگر میرے کلام مین اکثر عیب رہ جایا کرتا ہے"۔ اور اسکے ثبوت مین یہی مدینے کا واقعہ بیان کر دیا کرتا۔

نعمان کی ملکہ کی تعریف مین نابغہ نے قصیدہ کہا تو اپنے دوست کو سب سے الگ لیجا کے سنایا۔ اُس نے جا کے نعمان کو سُنا دیا۔ اور اُس کی یہ حالت ہوئی کہ آپے سے باہر تھا۔ اور طیش و غضب کی کوئی انتہا نہ تھی۔ نابغہ کو ڈھونڈوایا تو کہین پتہ نہ تھا۔ جوش و غیظ کے ساتھ کہا "اچھا کبھی تو ملے گا۔ اور جب ہاتھ آیا زندہ نہ چھوڑون گا۔" نابغہ مدینے ہوتا ہوا پہلے اپنے قبیلے مین گیا۔ اور اُسکے بعد فوران روانہ ہوا آل غسان حارث اعرج کے پوتے کے دربار مین پہونچا اور اُس کی مدح مین قصیدہ کہا۔

بعض راویان سلف کہتے ہین کہ نابغہ سے نعمان کے ناراض ہونے کی بنیاد اور تھی۔ وہ یہ کہ درباریان حیرہ مین سے مُرّۃ بن سعد سعدی کے پاس ایک بے نظیر و لاجواب تلوار تھی۔ نابغہ نے ایک دن اُس کی تعریف نعمان کے سامنے کر دی۔ نعمان نے وہ تلوار دیکھنے کے بہانے منگوائی اور پسند کر کے

چھین لی - اس نقصان کی وجہ سے مرہ کو نابغہ سے عداوت ہو گئی - اُس نے عبد القیس نام ایک تیمی الاصل درباری کو گانٹھا - دونوں نے مل کے نعمان کی ملکہ کی تعریف میں وہ عاشقانہ قصیدہ کہا - جس کے بعض شعروں میں فحش الفاظ بھی تھے - اور وہ فحش قصیدہ نعمان کو سنا کے کہا "یہ اشعار نابغہ نے ملکہ کی تعریف میں لکھے ہیں"۔ جس پر نعمان بے سوچے سمجھے نابغہ کا دشمن ہو گیا۔

اس واقعے کے حالات بعض علماے جاہلیت ایک اور عنوان سے بیان کرتے ہیں - جو قصہ دونوں مذکورہ واقعات سے زیادہ دلچسپ ہے - وہ یہ کہ ایک دن نعمان بن منذر اور منخّل بن عبید بن عامر یشکری ایک صحبت میں بیٹھے ہوے تھے اور سامنے نابغہ کھڑا تھا - نعمان نہایت ہی بھدا - موٹا اور بدصورت آدمی تھا - اُس کے مقابل منخّل نہایت ہی خوبصورت وخوش اندام اور عرب کے اعلیٰ ترین صاحب جمالوں میں تھا - یہان تک کہ عام لوگوں میں شہرت تھی کہ نعمان کی پری جمال ملکہ سے اور منخّل سے ناجائز تعلق ہے - اور نعمان کے دونوں بیٹے (جو باپ کے خلاف خوبرو تھے) اُسی کے نطفے سے ہیں - اس موقع پر نعمان کی مدح میں نابغہ نے جو قصیدہ سنایا تو منخّل نے کہا حضور بادشاہ کی تعریف میں تو تم نے بہت کہا ہے کوئی دلچسپ قصیدہ ملکہ کی تعریف میں نہیں کہتے؟" یہان سوچنے اور غور کرنے کی تو ضرورت تھی نہیں - فوراً ایک پُرجوش قصیدہ ملکہ کی مدح میں سنا دیا جس میں ملکہ کا حسن وجمال بیان کرنے کے سلسلے میں اُس کے چہرے - سینے - پیٹ - کمر - سُرینوں - اور شرمگاہ تک کی تعریف میں اشعار موجود تھے - ان اشعار کو سن کے نعمان پر تو کچھ اثر نہیں ہوا - مگر منخّل کو بڑی غیرت معلوم ہوئی - اور کہنے لگا "یہ شعر تو وہی شخص کہہ سکتا ہے جس نے اُن اعضا کو دیکھا ہو اور اُنکے لطف سے آشنا اور لذت شناس ہو" منخّل کے یہ الفاظ نعمان کے دل پر چلر بیٹھ گئے - انتقام کی فکر میں ہوا - اور نابغہ اُس کے تیور پہچانتے ہی بھاگ کھڑا ہوا۔

نابغہ کے بھاگ گنے کے بعد منخّل کے سر پر ایک نئی آفت آئی - وہ یہین حیرہ میں

عمرو بن ہند کی بیٹی ہند پر عاشق تھا - چنانچہ اُس کے شوق مین اُس نے نہایت ہی اشتیاق بھرے شعر کہے - یہ شعر جیسے ہی اُس کی محبوبہ کے باپ عمرو بن ہند کے گوش گذار ہوے اُس نے طیش مین آکے پکڑ بلایا - اور اُسی وقت قتل کر ڈالا -

نابغہ بھاگ کے غسان کے جس فرمان روا کے پاس پہونچا وہ عمرو بن حارث اعرج کا بیٹا تھا - اُسکے دادا حارث اعرج کی ماں ماریہ بنت ظالم تھی جو "ذات القرطین" یعنی دو گوشواروں والی کے لقب سے مشہور تھی - اُس کے گوشوارے بیش قیمت موتی مین ضرب المثل ہو گئے تھے - اور سارے عرب مین یہ حال تھا کہ جب کسی چیز کی زیادہ قیمت بتائی جاتی تو لوگ کہتے کہ "کیا یہ ماریہ کے گوشوارے ہین؟"

بہر حال نابغہ اب اس ماریہ کے پر پوتے کے دربار مین تھا - اُس کی اور اُس کے بھائی نعمان کی شان مین قصیدے کہتا - صلہ یاب ہوتا - یہان تک کہ اسی مشغلے مین خاکِ بنی غسان ہی مین اُس نے دنیا چھوڑ کے سفر آخرت کیا -

مگر نابغہ کا بنی غسان مین مرنا صحیح نہین معلوم ہوتا - اس لیے کہ معتبر ذرایع سے معلوم ہوتا ہے کہ نعمان بن منذر کو اُس کا اس قدر شوق تھا کہ اُس کے جانے کے چند روز بعد اُس کی صحبت سے محروم ہو جانے پر پچھتایا - اور نابغہ کو بھی نعمان کی فیاضیان اور قدردانیان نہ بھولتی تھین - اور اسی کوشش مین لگا رہتا تھا کہ قصور معاف کرا کے پھر اُسی دربار حیرہ مین پہونچے - اور آخر اس کوشش مین کامیاب ہوا -

اس واقعے کو حضرت حسان بن ثابت نے جو مداحِ حضرت ختم المرسلین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے - اس لیے کہ یہ واقعات خود اُن پر گذرے تھے - وہ فرماتے ہین "مین نے جاہلیت مین نعمان بن منذر کی مدح مین ایک قصیدہ کہا اور حیرہ مین پہونچا کہ نعمان کو سنا کے انعام حاصل کرون - نعمان کے قصر مین گیا تو دروازے پر اُس کے عرض بیگی عصام بن شہبرہ سے ملا - میری صورت دیکھ کے اُس نے کہا "تم

اندر وُنی علاقہ عرب کے آدمی نظر آتے ہو؟ میرے خیال میں تم کو حجازی ہونا چاہیے"۔ میں نے کہا "جی ہاں میں حجازی ہی ہوں" بولا "تو پھر قحطانی نکلو" کہا "جی ہاں قحطانی" بولا "تو پھر یثربی نکلو" کہا "جی ہاں یثرب ہی میں رہتا ہوں" کہنے لگا "اب تم خزرجی نکلو" میں نے کہا "آپ کا یہ فرمانا بھی بجا ہے" یہ سنتے ہی ہنس کے بولا "تو پھر تم حسان بن ثابت نکلو" کہا "آپ کا یہ خادم وہی شخص ہے"

اب اُس نے کہا تو پھر دربار میں چلنے سے پہلے چند باتیں یاد کرلو۔ اول تو جیسے ہی تمھارا بادشاہ کا سامنا ہوگا وہ جبلہ بن ایہم شاہ غسان کا حال تم سے پوچھیں گے۔ اورگالی دے کر اُس کا نام لیں گے۔ تم خبردار اُن کی ہاں میں ہاں نہ ملانا۔ وہ لاکھ اُسے بُرا بھلا کہیں تم اُسکے خلاف کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالنا۔ اور نہ کچھ اُسکی طرفداری میں کہنا۔ بلکہ اگر تم سے تائید چاہیں بھی تو عرض کردینا "حضور میں کیا ہوں جو حضور اور شاہ غسان کے درمیان میں دخل دوں۔ حضور اُسے جانیں اور وہ حضور کو جانیں"۔ اس کے بعد اگر وہ تم کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بُلائیں تو حتی الامکان اس سے بچنا۔ لیکن اگر اصرار کریں اور قسم دلائیں تو ادب سے بیٹھ جانا اور آہستہ آہستہ اس طرح کھانا کہ نہ بھوکے رہو اور نہ مربھکوں کی طرح پیٹ بھرلو۔ اس کا بھی خیال رہے کہ بادشاہ کے سامنے باتوں کو زیادہ طول نہ دینا۔ اور کسی معاملے کو جب تک وہ خود نہ بیان کریں اپنی طرف سے نہ چھیڑنا۔ اور ان کی صحبت میں بہت دیر تک نہ ٹھہرنا کہ اُنکے لیے موجب ناگواری ہو۔

درباداری کی یہ ہدایتیں سُن کے میں نے عصام کا شکریہ ادا کیا۔ اور وہ بادشاہ سے اجازت حاصل کرکے مجھے اُن کے روبرو دربار میں لے گیا۔ میں بادشاہ نعمان کا سامنا ہوتے ہی آداب بجا لایا۔ اور اُس نے جبلہ کا ذکر چھیڑ دیا۔ مگر میں نے وہی جواب دیا جو عصام نے بتایا تھا اب میں نے اجازت لے کے اپنا قصیدہ سنایا۔ تھوڑی دیر کے بعد دسترخوان بچھا۔ الوان نعمت کے ظروف اور مے گلگوں کی صراحیاں لاکے چُنی گئیں۔

مگر مین نے عذر کیا۔ اور آخر خاطر خواہ انعام پا کے باہر نکلا۔

اب مجھے وہان کوئی کام نہ تھا۔ واپسی کے لیے عصام سے رخصت ہونے لگا تو اُس نے روکا اور کہا ابھی مجھ کو تمھین ایک بات بتانا باقی ہے۔ آج خبر ملی ہے کہ نابغہ ذبیانی آیا ہوا ہے گو کہ آج کل بادشاہ اُس سے ناخوش ہین مگر اُس کی باتون مین انھین اس قدر لطف آتا ہے کہ جب وہ ہوتا ہے تو اُسکے سوا وہ کسی دوسرے سے بات نہین کرتے تم بھی اُس کے سامنے دربار مین چلنا۔ اور عزت کے ساتھ واپس جانا معمولی طریقے سے واپس چلے جانے کے مقابل یہ اچھا ہوگا۔ اُنکے کہنے سے مین ٹھہر گیا۔ اور دوسری دوپہرات مین نعمان کی ڈیوڑھی پر پڑا رہا۔

اسی اثنا مین مین نے یہ تماشا دیکھا کہ قبیلۂ بنی فزارہ کے دو شیخ نعمان کے پاس آئے جن سے نعمان کو بڑی خصوصیت تھی۔ اور اُن کی باتون کو بہت کم رد کیا کرتا تھا۔ نابغہ نے آخر مین جا کے اُنھین لوگون مین پناہ لی تھی۔ اور اُن کو آمادہ کیا تھا کہ بیچ مین پڑ کے اُس مین اور نعمان مین صفائی کرا دین۔ چنانچہ اس موقع پر وہ اُسے اپنے ہمراہ لیتے آئے۔ اور چرمی خیمے مین جو نعمان کے حکم سے اُن کے لیے کھڑا کیا گیا تھا اُسے چھپا کے بٹھا رکھا۔ مگر نابغہ نے انھین فزاری سرداروں کی ایک گلے باز مغنیہ کنیز کو اپنا ایک قصیدہ یاد کرا دیا۔ جس کو اُس کنیز نے اپنے آقاؤن کے ساتھ دربار مین جا کے نعمان کے سامنے گایا۔ وہی چار اشعار سُنے تھے کہ نعمان سے ایک بیقراری ظاہر ہوئی۔ اور بولا "مین قسم کھا کے کہتا ہون کہ یہ اشعار تو نابغہ کے ہین" نابغہ کا خیال آتے ہی حاضرین سے اُس کے حالات پوچھنے لگا کہ کہان ہے اور کیا کرتا ہے" اُسے مہربان دیکھ کے کسی نے کہا "کہ حضور وہ آپ کے فزاری دوستون کے خیمے مین موجود ہے" سنتے ہی نعمان نے متحیر ہو کے فزاریون سے پوچھا۔ اُنھون نے کہا "جی ہان" جو دے حضور سے عفو تقصیر کے لیے حاضر ہوا ہے مگر سامنے آنے کی جرأت نہین ہوتی" اس کے بعد دونون نے نہایت خوشامد کے الفاظ مین سفارش کی۔ اور نعمان نے

نابغہ کا قصور معاف کردیا۔

اس واقعے کو بعض راویان سلف تھوڑے تغیر کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نابغہ نے اُس مغنیہ کنیز کو جب اپنے اشعار یاد کراکے بھیجا ہے۔ تو سمجھا دیا تھا کہ میرے یہ اشعار اُس وقت گانا جب حضور شہریار نشۂ صہبا سے بدمست اور جوش سرور سے بیخود ہوں۔ اُس نے یہی کیا۔ نعمان نے اشعار پہچان لیے۔ اور مزے میں جھومتا اُٹھ کھڑا ہوا کہ کھلی فضا میں جاکے ٹہلے۔ وہ چار قدم گیا ہوگا کہ دونوں فزاری دوست ملے۔ نابغہ اُنکے درمیان میں تھا اور اُس کی ڈاڑھی مہندی سے رنگی ہوئی تھی۔ اُسکی صورت دیکھتے ہی نعمان نے کہا "اس ڈاڑھی کو تو خون میں رنگنا چاہیے"۔ یہ سن کے فزاریوں نے سفارش کرنا شروع کی۔ اور یہاں تک کہا کہ نعمان نے راضی اور خوش ہوکر اُس کا قصور معاف کردیا۔

اس کے بعد حسان نے اُسے نعمان کے دربار میں آتے جاتے دیکھا۔ اور کہتے ہیں کہ مجھے اُس کی تین باتوں پر حسد آیا۔ اور نہیں کہہ سکتا کہ اُن تینوں میں سے کس کی جلن زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ اول تو مجھے اُس پر حسد تھا کہ نکالے جانے کے بعد جب پھر باریاب ہوا تو اُسے بادشاہ سے کس قدر تقرب حاصل تھا اور کس شان سے ہر وقت شریک صحبت اور مدح سرا رہتا تھا۔ دوسرے اُس کے کلام کی خوبی و لطافت اور سادگی و بے تکلفی پر تیسرے اُن سو اعلیٰ درجے کے اونٹوں پر جو اس جدید تقرب کے وقت اُسے انعام میں ملے تھے۔ اور یہی چیز تھی جس نے نابغہ کو پھر اُس دربار میں پہونچایا۔ دراصل نہ وہ نعمان کی فوجوں سے ڈرتا تھا اور نہ اُس کے لیے کوئی زندگی کا خطرہ تھا۔ اصلی وجہ یہ تھی کہ جب نعمان کے انعام و اکرام کا خیال آتا اور اُس کے بذل و نوال کو یاد کرتا تو اُس کو بغیر اس دربار میں دوبارہ پہونچے اپنی زندگی بیکار و بے مزہ نظر آتی تھی۔ اس دربار کی فیاضیوں نے اُسکی معاشرت بدل دی تھی۔ اور اس کو بدوی صحرانشین سے ایک عالی مرتبہ رئیس عجم بنا دیا تھا چنانچہ وہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھاتا پیتا تھا۔ جن کے بغیر کھانا نہ ہضم ہوتا

یہ ظروف دربار نعمان سے مرحمت ہوئے تھے۔ اور یہ رئیسانہ شاندار دربارِ حیرہ کے طفیل مین تھی۔

بعض راویان اخبار دربار نعمان مین نابغہ کی واپسی کا اور ہی سبب بیان کرتے ہین۔ وہ کہتے ہین کہ نابغہ نے جب سُنا کہ نعمان سخت بیمار رہے اور ایسا بیمار کہ زیست کی امید نہین تو اُسے بڑا صدمہ ہوا۔ پُرانے تعلقات یاد آ گئے۔ اور گو کہ صدہا طرح کے اندیشے تھے اور قتل ہونے کا خوف لگا تھا۔ مگر دل بیقرار ہو گیا۔ فوراً سفر کر کے اُس کی خدمت مین حاضر ہوا وہان پہونچا تو نعمان کو سخت بخار مین مبتلا پایا۔ وہ بچھونے پر پڑا کراہ رہا تھا۔ جگہ سے ہلنے کی طاقت نہ تھی مگر لوگ شاہان حیرہ کے رواج کے مطابق پلنگ اُٹھا کے ادھر اُدھر لے جاتے۔ کبھی دربار مین لاتے۔ کبھی باغون مین لیجاتے کبھی محلون قصرون اور ایوانون مین پھراتے۔ اور کبھی زنانی محلسراؤن مین اسکو پہونچا دیتے۔ نابغہ اُس کے عرض بیگی عصام سے ملا۔ اور نظم مین اُس سے پوچھا کہ بتا دو بادشاہ کا کیا حال ہے؟ مین تمھین اس کا الزام نہین دیتا کہ میرے لیے باریابی کی اجازت کیون نہین حاصل کی؟ مگر یہ جلدی بتا دو کہ وہ ہین کیسے؟ اس لیے کہ اگر خدانخواستہ وہ نہ ہوے تو ساری نعمتین اور برکتین بھی اُنکے ساتھ رخصت ہو جائین گی۔ بہرحال عصام سے حال معلوم ہونے کے بعد وہ نعمان سے ملا۔ اور پھر اُس کا مورد عنایت ہو گیا۔

عرب کے لوگ نابغہ کی قادر الکلامی کے اس قدر قائل تھے کہ کسی کے نہ تھے۔ حسان بن ثابت نے خود بیان کر دیا کہ انھین باوجود اعلیٰ درجے کے مقبول عام شاعر عرب ہونے کے نابغہ کے کلام کی خوبی و لطافت پر رشک آتا تھا۔ اُن کے بیٹے صالح نے ایک دن کہا کہ "میرے نزدیک تو بخدا نابغہ مخنث تھا" کسی نے پوچھا "آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ کیا آپ نے اُسے دیکھا تھا؟" کہا دیکھا تو نہین مگر اپنے شعر سقط النصیف الخ مین اُس نے عورت کی اداؤن کو اس کمال سے دکھایا ہے کہ سوا مخنث کے اور کسی سے یہ ہو سکتا ہی نہ تھا۔

نابغہ چونکہ شعرائے جاہلیت مین ہے اس لیے اسکی وفات کی تاریخ ہمین نہین

معلوم ہو سکی -

حسان بن ثابت رضؓ

شاعر دنیا میں بہت گذرے ہیں - اور انھوں نے نمود اور شہرت بھی بہت حاصل کی مگر شعرا میں جو فضیلت حضرت حسانؓ کو ملی اور کسی کو نصیب ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے - اُن کا شمار صحابہ میں ہے اور کئی شعرائے عرب بھی ہیں جو صحبتِ رسالت سے شرفیاب ہوئے تھے - مگر وہ رتبہ جو حسانؓ بن ثابت کو مبدأ فیاض سے عطا ہوا اُنھیں پر ختم ہو گیا - مسلمانوں میں بہت کم ہیں جو جناب حسانؓ سے نہ واقف ہوں - اُن کا نام ادب و تعظیم سے نہ لیتے ہوں - اور یہ نہ جانتے ہوں کہ حسانؓ مداح رسول دوجہان اور دربار نبوت کے شاعر تھے - مگر اُن کی زندگی اور اُن کے نسب کے حالات سے بہت کم لوگ واقف ہیں -

حسان مدینۂ طیبہ کے قبائل اوس و خزرج میں آخر الذکر قبیلے کے ناموَر رکن تھے - اور خزرج میں بھی اُن کا شمار بنی نجار میں ہے - یعنی اُسی محترم گھرانے میں جو حضور سرورِ عالم کے دادا عبد المطلب کا ننھال تھا - لہٰذا یہ کہ سکتے ہیں کہ اگرچہ وہ قریش میں سے نہ تھے مگر جناب رسالتمآبؐ سے تعلق قرابت رکھتے تھے -

اُن کا سلسلۂ نسب نویں پشت میں خزرج سے جا ملتا ہے - جن سے قبیلۂ خزرج کا آغاز ہوا - پھر آگے بڑھ کے اُن کا نسب ازروے روایت علمائے انساب ازد اور قحطان تک پہونچ جاتا ہے - لیکن فی الحال مولانا سلیمان حسن ندوی نے اپنی کتاب "ارض القرآن" کی جلد دوم میں اوس و خزرج دونوں کو کمال جستجو و تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ نابت بن اسمٰعیل کی نسل سے تھے - اور اس کے صحیح ہونے میں شک کرنے کی بہت کم گنجایش ہے - حسان کی والدہ ماجدہ فریعہ بنت خالد بھی قبیلۂ خزرج کی بیٹی تھیں -

اُنکے مورث اعلیٰ نجار کے والد کا نام تیم اللات تھا - اُس میں چونکہ

عرب کے مشہور بُت "لات" کا نام تھا اس لیے حضرت رسولِ خدا صلعم نے اُس کو بدل کے "تیم اللہ" کر دیا۔ اور سب اُنھیں اسی نام سے یاد کرنے لگے۔

حسان کی کنیت ابو الولید تھی۔ وہ اُن شعرا میں تھے جنھوں نے بڑی عمر پائی۔ اور جاہلیت و اسلام کے دونوں زمانے خوب اچھی طرح دیکھے۔ حضرت رسولِ خدا صلعم سے آٹھ سال بڑے تھے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سنہ ولادت محمدی سے آٹھ سال پیشتر یعنی ۵۶۳ء میں پیدا ہوئے تھے۔ اور اسی بنیاد پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب حضرت رسولِ خدا ہجرت کر کے اُن کے وطن مدینے میں تشریف لائے ہیں اُس وقت حسان کی عمر ۶۰ سال کی تھی۔ اور یہی زمانہ اُنکے ایمان لانے اور دینِ اسلام قبول کرنے کا ہے۔ اسکے بعد ۵۴ھ میں اُنھوں نے سفرِ آخرت کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کی عمر ۱۲۰ برس کی ہوئی۔

شعر و سخن کے لحاظ سے اُن کی ہر زمانے میں شہرت رہی۔ چنانچہ کہتے ہیں اُنھیں تین امتیاز حاصل تھے۔ جاہلیت میں اوس و خزرج کے شاعر مانے جاتے تھے۔ عہدِ نبوت میں دربارِ نبوت کے شاعر مانے گئے۔ اور عہدِ خلافت میں سارے یمن و قحطان کے شاعر سمجھے جاتے تھے۔ ابو عبیدہؓ کا دعوےٰ ہے کہ سارے اہلِ عرب اس بات کے قائل تھے کہ تمام حضری (شہروں کے رہنے والے) عربوں میں حسان سے بڑا کوئی شاعر نہ تھا۔

عہدِ جاہلیت میں انھوں نے محض شاعری کی حیثیت سے غالباً کئی بار شام و عراق کا سفر کیا۔ معمول تھا کہ شعرائے عرب جہاں بڑے سخن سنج ہوتے وہاں ضرور پہونچا کرتے۔ اُنھوں نے حیرہ میں جا کے نعمان بن منذر کی شان میں قصیدہ کہا۔ اور صلہ پایا۔ بنی غسان کے دربار میں بھی ضرور باریاب ہوے ہوں گے۔ اس لیے کہ ارضِ شام میں اُن کا جانا ثابت ہے۔ اور یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی شاعرِ عرب شام میں جائے اور بغیر دربارِ بنی غسان

کی سیر دیکھے چلا جائے۔

بازار عکاظ میں یہ نابغۂ ذبیانی سے ملے جو اُس زمانے میں تمام شعرائے عرب میں سربرآوردہ تھا۔ یہ پہونچے تھے کہ خنسا، نابغہ کے پاس سے نکلی جو اُس وقت کی عدیم النظیر شاعرہ تھی اور مرثیہ گوئی میں جواب نہ رکھتی تھی۔ حسان نے جاتے ہی نابغہ کو اپنے اشعار سنانا شروع کیے۔ جن کو سُن کے اُس نے کہا "تم شاعر ہو اور بنی سلیم کی بہن جو ابھی گئی ہے (خنساء) نوحہ خوان ہے"۔

اسی طرح جاہلیت میں ایک دن سرراہ بیٹھے چند احباب کو اپنے اشعار سنا رہے تھے کہ مشہور شاعر حطیئہ کا گذر ہوا۔ وہ بھی کھڑا ہو کے سننے لگا۔ یہ اُس کو پہچانتے نہ تھے۔ خیال کیا کہ کوئی وحشی بدوی ہے کہنے لگے "بدوی۔ تو کیا سُن رہا ہے؟" اُس نے کہا "اس میں کوئی مضائقہ تو نہیں نظر آتا"۔ یہ جواب اُس نے کچھ ایسی بے پروائی کی شان سے دیا تھا کہ یہ اور برافروختہ ہوے۔ اور غصے سے پوچھا "تیری کنیت کیا ہے؟" اُس نے کہا "ابوملیکہ"۔ کہا "میری نظر میں اس سے زیادہ تیری ذلت کیا ہوسکتی ہے کہ زنانے نام پر تو نے اپنی کنیت رکھی ہے۔ اور تیرا نام کیا ہے؟" اُس نے کہا "حطیئہ"۔ نام سُنا تو پہچانا۔ اور چونکے۔ مگر ٹالنے کے لیے کہا "تو اب آپ تشریف لیجائیں۔ خدا حافظ"۔ اور وہ بھی چپکا چلا گیا۔

یہ بھی عہد جاہلیت کا واقعہ ہے کہ ملک شام میں حسان اور شاعر بنی بکر بن وائل اعشیٰ دونوں ایک کلوار کی دکان پر گئے۔ دونوں نے شراب پی۔ اس کے بعد حسان وہیں پڑ کے سو گئے۔ سوتے سوتے آنکھ کھلی تو سُنا کہ اعشیٰ کلوار سے کہہ رہا ہے "ان کو قرض لینے کی جرأت نہیں ہوتی۔ اور دام پاس ہیں نہیں"۔ یہ سنتے ہی اپنے آپ کو پھر سوتا ڈال دیا یہاں تک کہ اعشیٰ کی آنکھ لگ گئی۔ جب دیکھا کہ وہ غافل سو گیا ہے تو چپکے سے اُٹھے۔ اور کلوار کے پاس جتنی شراب تھی سب خرید لی۔ اور اُس کو زمین پر لنڈھانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ بہتے بہتے وہ اعشیٰ کے نیچے پہونچی

کپڑے بھیگے تو چونک کے اٹھا - اور حسان کو شراب کا ریا بہاتے دیکھکے سمجھ گیا کہ انھون نے میرا کہنا سُن لیا - خوشامد اور عذرخواہی کرنے لگا اور حسان کو جوش آیا تو چند پُرجوش شعر اپنی اُولوالعزمی و بلند حوصلگی کی تعریف مین فی البدیہہ کہکے سنا دیے

ولادت حضور سرورِ عالم کے متعلق حسان کہتے ہین "مین سات آٹھ برس کا لڑکا تھا کہ ایک صبح کو ایک یہودی نے مدینے کے تمام یہودیون کو پکار کے جمع کیا - اور جب سب آ گئے تو کہا "وہ ستارہ طلوع ہو گیا جسکے طالع مین آج ہی شب کو احمدؐ کی ولادت ہوئی" اس کے بعد جب آپ بہوش ہوے اور مدینے مین تشریف لائے تو وہ یہودی اگرچہ اُس وقت تک زندہ موجود تھا مگر کمبخت ایمان نہ لایا" یہ کوئی تعجب کی بات نہین یہود اُن دنون بے صبری سے ظہور حضرت ختم المرسلین کے منتظر تھے - بلکہ اوس و خزرج کو دھمکیان دے رہے تھے کہ عنقریب نبی آخر الزمان ظاہر ہون گے اور اُن کو ساتھ لے کر ہم تمھارا قلع و قمع کر دین گے - کسی طالع اُس یہودی کو معلوم ہو گیا - مگر جب آپ تشریف لائے تو اُسے یاد نہ ہوا کہ یہی وہ پیغمبر ہین جن کا کوکب اقبال مجھے نظر آیا تھا -

حسان کی قطع یہ تھی کہ پیشانی کے بال بڑے بڑے تھے جو دونون آنکھون کے درمیان لٹکتے رہتے - داڑھی موچھین سب سفید ہو گئی تھین - مگر آپ فقط موچھون اور داڑھی کی بچی کو مہندی سے رنگ کے سرخ کر لیتے باقی ساری داڑھی سفید رہتی - بلکہ اس انوکھی وضع پر اُن کے فرزند عبدالرحمن نے اعتراض کیا کہ "آپ نے یہ کیا قطع بنا رکھی ہے؟" کہنے لگے "یہ وضع مین نے اس لیے بنائی ہے کہ لوگ مجھے دیکھ کر کہین ایک خون آشام شیر ببر بیٹھا ہوا ہے" غالبًا پیشانی کے بالون کو آنکھون کے درمیان لٹکانے مین بھی یہی مشابہت مقصود ہو گی - مگر لطف کی یہ بات ہے کہ آپ نہایت ہی بزدل واقع ہوے تھے - جس کا ذکر آگے آئے گا - صورت چاہے شیر کی بنائین مگر دل بھیڑ کا پایا تھا -

ہجرت کے بعد حضرت رسول اکرمؐ کو ضرورت محسوس ہوئی کہ حسّان کی شاعری
سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ اس موقع پر یہ سمجھ لینا چاہیے کہ عرب لوگوں میں شاعری
ہمارے اور سب ملکوں کی طرح فقط دلچسپی۔ تفنن طبع۔ یا اظہار کمال کے
لیے نہ تھی۔ وہاں قومی اور بدوی معاشرت کے رگ و پے میں شاعری سمائی
ہوئی تھی۔ ہر قوم اور ہر گروہ اپنا جداگانہ شاعر رکھتا جو اس کے تفاخر
اور سعادت کے اظہار میں قصیدے کہتا۔ اُن کی بہادری اور فیاضی کے
کارناموں کو اپنے کلام سے یادگار بنا کے سارے زمانے میں مشہور کرتا۔
اور قوم اُس کے آگے آنکھیں بچھاتی۔ اور بڑے بڑے زبردست بہادر
اُس کی تیغ زبان سے ڈرتے جو چاہتی کسی قوم یا کسی نامور شخص کو چمکا دیتی
اور چاہتی دم بھر میں خاک میں ملا دیتی۔ اس لیے کہ تار برقی سے بھی زیادہ
تیز اور سریع السیر یہی رو شعرا کے کلام کو سارے عرب میں پھیلا دیتی۔ اس
طرح یہ ہجو ہوتی عورتوں اور بچوں تک کی زبان پر جاری ہو جاتی۔

اور یہی وجہ تھی کہ مشرکین کا جب اور کوئی زور نہ چلا تو اُن کے شعرا
نے حضور سرور عالم اور مسلمانوں کی ہجویں کہہ کے شائع کرنا شروع کیں۔
اور حضور رسالت پناہ پر ان کا اثر اس لیے پڑا کہ وہ ہجویں قبائل کو بدظن اور دشمن
بنا کے تبلیغ دین کے فرض میں خلل انداز ہونے لگیں اور مسلمان جو اشعار سے
متاثر ہونے کے بچپن سے عادی تھے اُن ہجو کے اشعار سے اذیت پانے لگے
حضرت رسول اکرمؐ اور مسلمانوں کی ہجو کرنے والے مشرکین میں تین شخص
تھے جو مسلمانوں کی مذمت کرتے کرتے سارے عرب میں مشہور ہونے لگے تھے

(۱) عبد اللہ بن زبعری (۲) ابو سفیان بن حرث بن عبد المطلب۔ اور
(۳) عمرو بن عاص۔ ان کے اشعار سے جب مسلمانوں کو زیادہ اذیت پہونچنا
شروع ہوئی تو سب نے حضرت علیؑ سے کہا "آپ ان لوگوں کی ہجووں کا
جواب کیوں نہیں دیتے؟" اُنھوں نے فرمایا "اگر رسول خدا صلعم کا حکم ہوگا
تو میں اس کام کے لیے موجود ہوں۔" یہ سن کے کسی نے بارگاہِ رسالت میں
عرض کر دیا کہ شعرائے مشرکین ہماری ہجویں کہہ کے شائع کر رہے ہیں۔ حضرت

علیؓ کو حکم ہوگا تو وہ بخوبی جواب دے سکین گے "۔ آپ نے فرمایا "یہ علی سے نہ ہوگا "۔ پھر حضور سرورعالم نے انصار کی طرف متوجہ ہوکے فرمایا "جن لوگون نے اپنے اسلحہ سے خدا و رسول کی مدد کی ہے اُن کو اس سے کون مانع ہے کہ اپنی زبانون سے بھی دین کی مدد کرین ؟" یہ سنتے ہی حسان بن ثابت اُٹھ کھڑے ہوے اور عرض کیا "یا رسول اللہ۔ اس کام کے لیے مین حاضر ہون" یہ کہتے ہی اُنھون نے اپنی کالی زبان نکال کے اُس کی نوک انگلیون سے پکڑی اور کہا "خدا کی قسم بُصرا ے شام و صنعاے یمن کے درمیان مجھے اُس سے بھلا کوئی کلام نہ معلوم ہوگا جو دشمنان رسالت کے جواب مین ہو" آپ نے فرمایا "مگر تم اُن کی ہجو کیسے کروگے؟ مین بھی اُنھین کے قبیلے اور خاندان مین ہون "۔ عرض کیا "آپ کو مین اُن مین سے اس طرح نکال لون گا جیسے آٹے کے خمیر مین سے بال کھینچ کے نکال لیا جاتا ہے"!

اب انصار مین سے تین بزرگ دشمنان اسلام کی ہجوون کا جواب دینے اور اُن کی ہجوین کہنے لگے (۱) حسان بن ثابت (۲) کعب بن مالک (۳) عبداللہ بن رواحہ۔ حسان اور کعب تو دشمنون کا جواب ترکی بہ ترکی دیتے۔ یعنی شعراے مشرکین کے مذاق کے مطابق جاہلیت کی لڑائیون۔ اُنکی زندگی کے واقعات۔ اور اُن کے خاندانی حالات مین سے شرمناک عیوب نکال کے دکھاتے۔ اور اُنھین ذلیل و خوار کرتے۔ بخلاف اسکے عبداللہ ابن رواحہ فقط اُن کے شرک و کفر اور نافرمانی الٰہی سے بحث کرتے۔ اور محض بے دینی پر اُن کو شرم دلاتے۔ جب تک قبائل عرب خصوصاً قریش نے دین اسلام نہین قبول کیا تھا اُس وقت تک تو اُنھین حسان اور کعب کے اشعار سے بے انتہا اذیت پہونچتی تھی اور ابن رواحہ کا کلام اُس قدر گران نہ گذرتا تھا۔ مگر جب وہ مسلمان ہوگئے اور عقائد توحید و مسائل شرع کی تعلیم پائی تو حسان و کعب کا اُنھین چندان خیال نہ ہوتا اب تو جوش دینداری مین اُنھین عبداللہ بن رواحہ کے اشعار بہت تکلیف پہونچاتے

ابو الحسام نے آن حضرت صلعم کی ہجو کہی - وہ اشعار جب دینے میں پہونچے تو حسان بارگاہ نبوی میں اٹھ کھڑے ہوے - اور جس طرح کوئی بہادر سپاہی شمشیر و سنان کو خدمت کے لیے پیش کرتا ہے اُنھون نے اپنی سیاہ زبان نکال کے ناک کی نوک پر رکھی اور عرض کیا "یا رسول اللہ اجازت ہو تو اس زبان سے خبر لون ؟ اور مضائقہ نہ ہو تو بڑھ جائے کچھ جھوٹی تہمتین بھی لگا دون ؟" آپ نے فرمایا "مین اور وہ ایک ہی خاندان سے ہین - تم سے یہ کیسے بن پڑے گا ؟" عرض کیا "خدا کی قسم آپ کو بال کی طرح کھینچ کے الگ کر لون گا " ارشاد ہوا "تو اچھا ابو بکر کے پاس جاؤ - وہ انساب عرب سے خوب واقف ہین - سب کا حال بتا دین گے " اس حکم کے مطابق حسان ابو بکر صدیق کے پاس گئے - انھون نے سب کے نسبون کا حال بتایا اور سب کے تعلقات بھی آئینہ کر دیے - اس کے بعد حسان نے تین شعر کہے جن کا مضمون یہ تھا -

"تو نے محمد (صلعم) کی ہجو کہی اور مین نے اس کا جواب دیا - اس کی جزائے خیر خدا سے ملے گی میرے ماں باپ اور میری عزت و حرمت محمد (صلعم) کی عزت و حرمت بچانے کے لیے سینہ سپر ہین - تو اُن کی ہجو کرتا ہے حالانکہ تجھے اُن سے کوئی نسبت نہین - لہذا مین کہتا ہون کہ تمھارے بُرے تمھارے ہی اچھون پر قربان ہو جائین گے "

حسان کے اشعار قریش مین پہونچے تو سب کہنے لگے "یہ اشعار بغیر ابن ابی قحافہ (ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) کی مدد کے نہین کہے جا سکتے تھے - بلکہ بعض روایتون سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان اشعار کو سن کے مشرکین مکہ نے کہا "معلوم ہوتا ہے اب ابو بکر بھی شعر کہنے لگے ہین "

حضور سرور عالم نے بارہا حسان کے اشعار کی تعریف فرمائی اور دعا دی کہ روح القدس مشق سخن مین تمھارے مدد و معاون رہین - یہان تک کہ بعض صحابہ کا بیان ہے کہ اُنھون نے ستر شعر جبریل امین کی مدد سے کہے یہ اتنا بڑا فخر ہے جو دنیا کے کسی شاعر کو نہین نصیب ہو سکا -

ایک مرتبہ حضرت سرورِ عالم سفر میں تھے۔ یکایک حسان یاد آئے۔
فرمایا "حسان کہاں ہیں؟" حسان پیچھے تھے۔ "لبیک" کہتے ہوئے بڑھے
اور عرض کیا "حاضر ہوں" فرمایا "حسان اس وقت تمھیں حدی خوانی
کرو"۔ یہ حکم ہوتے ہی حسان نے اونٹ کے آگے جا کے اپنے اشعار
حدی کے طرز میں گانے لگے۔ آپ شوق اور توجہ سے سن رہے تھے۔
اونٹ جھوم جھوم کے تیز قدم اٹھاتا تھا۔ جب اُنھوں نے حدی خوانی
سے زبان روکی ارشاد ہوا "مشرکین کو یہ اشعار جگرشگاف تیروں سے بھی
زیادہ سخت اور گراں گذرتے ہیں"۔

غزوۂ احزاب کے موقع پہ جب خدا نے مسلمانوں کو کفار کے شر سے
بچا لیا اور مشرکین واپس گئے تو آنحضرت صلعم نے فرمایا "مسلمانوں کو دشمنوں
کی بدگوئی سے کون بچائے گا؟" فوراً تینوں انصاری شاعر کعب۔ حسان
اور عبداللہ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کیا "اس خدمت کے لیے ہم حاضر
ہیں"۔ آنحضرت نے حسان کی طرف دیکھ کے فرمایا "ہاں تم ان کی ہجو کہو
اس لیے کہ روح القدس تمھاری مدد کریں گے"۔

ایک مرتبہ حسان نے حضور سرورِ عالم کی مدح میں چند شعر کہے جن کے
مطلع کا مضمون یہ تھا "میں بحکمِ خدا گواہی دیتا ہوں کہ محمد اُس خدا کے
رسول ہیں جو آسمان پر ہے اور بلند ہے"۔ آنحضرت نے جیسے ہی یہ شعر سنا فرمایا
"اور تمھارے ساتھ میں بھی اس کی گواہی دیتا ہوں"۔

دو جب اکثر معززین عرب میں سے ایک شخص جس کا نام حرث بن عوف
تھا۔ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ کسی صاحب کو حضور میرے
ہمراہ کر دیں تاکہ وہ لوگوں کو آپ کے دین کی تعلیم دیں۔ میں اُنکی حفاظت
کا ذمہ دار اور اُن کی جان کا کفیل ہوں"۔ آپ نے انصار میں سے ایک
شخص کو اُس کے ہمراہ کر دیا۔ اُن کو لے کے حرث اپنی قوم میں گیا۔ مگر
اُس کی قوم نے بیوفائی اور غداری کی۔ اور اُن انصاری بزرگ کو شہید کر ڈالا
چند روز بعد حرث بن عوف نے حاضر ہو کے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ کو نہایت

ناگوار ہوا۔ مگر وفورِ مروّت سے آپ کی یہ حالت تھی کہ کسی کو برُا کہنا بھی چاہتے تو اُس کے مُنہ پر نہ کہہ سکتے۔ حکم دیا "حسان کو بلاؤ"۔ حسان آئے اپنی خدمت جانتے ہی تھے اور یہاں عوف کی صورت دیکھی ساتھ ہی اُسکی بدعہدی و بیوفائی یاد آئی۔ اُس کی بدعہدی پر برجستہ دو شعر پڑھے جن کو سُن کر حرث اس قدر پریشان ہوا کہ کہا "محمدؐ۔ ان کو روکیے میں کفالت کا جرمانہ ادا کر دوں گا"۔ چنانچہ اُس نے اس جرمانے میں لاکے ستر اونٹ حاضر کیے اور کہا "محمدؐ۔ اس شخص (حسان) کی برائی سے بچنے کے لیے میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں۔ یہ وہ شخص ہے کہ اپنی زبان کی تلخی سمندر میں ملا دے تو سارے کا سارا کڑوا ہو جائے"۔

حسان کی بدیہہ گوئی اور اُن کے شاعرانہ کمال کا جوہر اُس روز کھلا جس دن دربارِ نبوی میں بنی تمیم کا وفد آیا۔ یہ لوگ نہایت جاہل۔ گنوار۔ بیباک اور خود پرست تھے۔ اُن کا ستر اسّی آدمیوں کا گروہ مسجد نبوی میں یک بیک گھس پڑا۔ آپ گھر کے اندر تھے۔ اُن لوگوں کے سرغناؤں نے زور زور سے چلانا شروع کیا "محمدؐ باہر نکلو۔ ہم اس لیے آئے ہیں کہ خودستائی میں ہم سے تم سے مقابلہ ہو جائے۔ اسی لیے ہم اپنے خطیب اور شاعر کو بھی ساتھ لیتے آتے ہیں"۔ آپ نکل آئے۔ اور ان گستاخ بدتمیزوں کے مجمع میں بیٹھ گئے۔ اب اُن کا سردار اقرع اُٹھا اور کہنے لگا "خدا کی قسم میری مدح انسان کو بنا دیتی اور میری ہجو بگاڑ دیتی ہے"۔ آپ نے فرمایا "یہ تو خدا کا کام ہے"۔ اُنھوں نے کہا "ہم سب سے زیادہ معزز ہیں"۔ آپ نے فرمایا "تم سے زیادہ معزز یوسفؑ بن یعقوبؑ تھے"۔ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام جو مصر کے سیاہ و سفید کے مالک ہو گئے تھے۔

اب اُنھوں نے کہا "اچھا تو اب ہمارے شاعر اور خطیب کو اجازت دو"۔ آپ نے اُن کی درخواست منظور فرمائی۔ اور اُن کے خطیب عطارد نے کھڑے ہو کے یہ تقریر کی "تعریف اُس خدا کی جو ہم سے افضل اور تعریف کا اہل ہے وہی جس نے ہمیں بادشاہ بنایا۔ اہل مشرق میں ہمیں سب سے معزز کیا۔ ہمیں

بیحد دولت دی جس کو ہم فیاضی سے خرچ کرتے ہین - لوگون مین ہمارا مثل و نظیر نہین - کیا ہم آدمیون کے سردار اور اُن مین صاحب فضل نہین ہین؟ الغرض جس کسی کو دعوے ہو ہمارے سامنے آئے - اور جس طرح ہم نے اپنی فضیلتین گنوائی ہین وہ بھی گنوائے - حالانکہ ہم اگر چاہین تو ابھی اپنی اور فضیلتین بھی پیش کر سکتے ہین - لیکن ہمین لاف زنی کرتے شرم آتی ہے - اب مین جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا - اور جس کو دعوا ہو ہمارے قول سے اچھا قول اور ہمارے حالات سے اچھے حالات پیش کرے" عطارد یہ کہہ کے بیٹھ گیا اور اُس کا جواب دینے کے لیے ادھر سے ثابت بن قیس کھڑے ہوے -

ثابت کا خطبہ یہ تھا "حمد اُس خدا کی جس نے آسمان و زمین پیدا کیے - اُن پر اپنا علم جاری کیا - اپنی کرسی اور اپنے علم کو وسعت دی - اور جو کچھ ہوتا ہے اُسی کی قدرت سے ہوتا ہے - اُس کی قدرتون مین سے ایک یہ ہے کہ اپنی مخلوق مین سے ہمارے لیے ایک پیغمبر مبعوث کیا جو حسب مین اُن سے افضل - باتون مین اُن سے سچا - اور رتبے مین اُن سب سے اچھا ہے - پھر اُس پیغمبر پر ایک کتاب نازل کی - اور اپنی خلقت کا اُسے امانت دار قرار دیا - لہذا وہی وہ شخص ہے جسے اللہ نے سارے عالم سے برگزیدہ کیا - پھر اُس نے لوگون کو ایمان کی طرف بُلایا تو اُس کی قوم اور اُس کے قرابت دارون مین سے مہاجرین نے اُس کو قبول کیا - جو نسب مین افضل ہین - اُن کے چہرے سب سے زیادہ روشن ہین - اور اُن کے اعمال سب سے اچھے ہین - پھر اس کے بعد سارے اہل عرب سے پہلے جن لوگون نے پیروی رسول کی اور اُن کی دعوت حق قبول کی وہ ہم گروہ انصار ہین - لہذا ہم خدا کے انصار اور اُس کے رسول کے وزرا ہین اور لوگ جب تک ایمان نہ لائین اور لا الہ الا اللہ نہ کہین ہم اُن سے لڑتے رہین گے - اور جو کوئی خدا و رسول کے ماننے سے انکار کرے گا اُس پر ہم خدا کی راہ مین جہاد کرین گے اور اس پر جہاد کرنا ہمارے لیے کوئی دشوار کام نہین ہے - مین یہ کہتا ہون اور تمام مومنین و مومنات کے لیے درگاہ الٰہی مین دعاے مغفرت کرتا ہون"

یہ تقریر ختم ہوئی تو بنی تمیم کا شاعر زبرقان اٹھا اور اپنی قوم کی فضیلت میں مدح خوانی کرنے لگا۔ جب وہ اپنے اشعار سنا چکا تو آنحضرت صلعم نے حسان کو بلوایا۔ اور مسجد میں ایک منبر رکھوا کے حکم دیا کہ اس پر بیٹھ کے جواب دیں۔ حسان نے فی البدیہہ اُسی بحر اور قافیے میں بہت سے اشعار سنائے جن کو سن کے بنی تمیم متحیر ہو گئے۔ عطارد سے نہ رہا گیا۔ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور ایک قطعہ اپنی فضیلت میں پڑھا۔ حسان نے اُن شعروں کا بھی برجستہ جواب دیا۔ یہ سب کارروائی دیکھ کر بنی تمیم سے اقرع کہنے لگا "یہ شخص تو واللہ برگزیدہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کا شاعر ہمارے شاعر سے زیادہ سخن آفریں ہے۔ اور اُس کے خطیب و شاعر کی آواز ہمارے خطیب و شاعر کی آواز سے زیادہ بلند ہے۔" یہ کہہ کے اُس نے آنحضرت صلعم کی طرف دیکھا اور کہا "محمد کچھ دلواؤ۔" آپ نے بقدر حیثیت عطا کیا مگر اُس نے کہا "ابھی اور دو" آپ نے اور دیا اور اقرع بولا "خدا کی قسم یہ سردار عرب ہیں۔" اُس کے بعد یہ سب لوگ مسلمان ہو گئے۔ چند روز وہاں ٹھہر کے قرآن اور عقائد دین کی تعلیم پائی۔ اور گھر جانے لگے تو آپ نے اور زیادہ عنایت فرمائی۔ کپڑے پہنائے کچھ نقد دیا۔ اور وہ سب خوش خوش اپنے گھروں کو واپس گئے۔

عوج بن عنق

بت پرستوں کے تمام مذہبوں میں دیوتاؤں کے عہد کی ایک تاریخ ہوا کرتی ہے جو بالکل خلاف فطرت اور عجیب ما فوق العادت قصوں اور افسانوں سے لبریز ہوتی ہے۔ مصریوں۔ بابلیوں۔ یونانیوں۔ رومیوں۔ ہندوؤں۔ چینیوں سب میں عہد اولین تاریخ کا ایک ایسا دور ضرور موجود ہے جس میں بہ عجائب روزگار اشخاص جمع ہیں۔ اُس زمانے میں آپ جسے دیکھیے عجیب و غریب شکل و شمائل۔ خارج از عقل و قوت۔ اور انوکھی ترکیبوں اور بندشوں کا نمونہ نظر آتا ہے۔

مگر ایسے ہی دور از قیاس افسانے جب ہم آل ابراہیم کے موحد خدا پرستوں

میں بھی دیکھتے ہیں تو بڑا تعجب معلوم ہوتا ہے - دراصل یہود نے غیر قوموں اور
مشرکانہ عقائد کی آمیزش سے اپنی قدیم کتابوں میں ایسے بہت سے افسانے
درج کر دیئے ہیں جو ہندوؤں کے راون - یونانیوں کے ہرقلوس - اور ایرانیوں
کے رستم سب کو مات کر دیتے ہیں - مگر اس سے بھی زیادہ امر قابل حیرت
اور افسوسناک ہے کہ یہود کی کتابوں سے اخذ کر کے اکثر مسلمانوں نے بھی ان
باتوں کو جزوِ عقائد بنا لیا - انھیں میں ایک "عوج بن عنق" ہے جس کا نام
مسلمانوں میں ایسا مشہور ہوا کہ بچہ بچہ اس کو قصص الانبیا میں پڑھ کر خوش
ہوتا - اور سچ جانتا ہے - اس موقع پر ہمیں رد و قدح اور تردید و تنقیح
سے بحث نہیں ہم عوج بن عنق کے حالات کو پرانی عربی کتابوں سے نکال
کے پیش کیے دیتے ہیں - تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ مسلمان بھی یونانیوں
اور ہندوؤں سے پیچھے نہیں بلکہ کچھ بڑھے ہی ہوئے ہیں - اس لیے کہ
"عوج بن عنق" کی شان کا آدمی شاید دنیا کی کوئی دیومالا نہ پیش کر سکے گی -
واجد علی شاہ مرحوم نے اپنے جانور خانے میں ایک گدھا بھی منگوا کے
چھوڑ دیا تھا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ فلاں جانور اس میں نہیں ہے - اسی انداز
میں جب تمام ناموران ارض کے حالات لکھنے کا التزام کیا گیا ہے تو بالکل
بیجا اور بدنما ہوتا - اگر عوج بن عنق کے ایسے مشہور شخص کے حالات سے صفحے
دلگداز خالی رہ جائیں - لہذا اب آپ ان بزرگ کے حالات ملاحظہ فرمائیں -
کہتے ہیں کہ حضرت آدم کی صلبی اولاد میں "عنق" یا "عناق" نام ایک
بیٹی تھی جو ایسی بھاری بھرکم اور لمبی چوڑی تھی کہ بیٹھتی تو پوری ایک ایکڑ
زمین گھیر لیتی - اُس کے ہاتھوں کی انگلیاں تین تین گز لمبی اور دو دو گز چوڑی
تھیں (افسوس کہ انگلیوں کی لمبان اور چوران میں تناسب نہیں قائم رہ سکا)
ہر انگلی کی نوک پر دو دو ناخن تھے جو ایسے سخت تھے کہ معلوم ہوتا فولاد کے
دو دو بھالے لگے ہوئے ہیں -
دنیا میں اسی عورت سے بدکاری و فحاشی اور رنڈی کے پیشے کی بنیاد
پڑی - وہی جادو کی بھی موجد تھی - اور علانیہ گناہ کرتی تھی - اسی کے بطن

سے عوج پیدا ہوا جو حیرت انگیز شکل و صورت کا آدمی تھا۔ عوج کی ولادت بھی حضرت آدمؑ کی زندگی مین ہوئی۔

اس کی ماں عنق کی بے اعتدالیاں اور بدکاریاں جب حد سے گذرین تو خدا نے اُس کے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر اتنی بڑی بھاری بھرکم اور ایسے قد و قامت کی عورت کا ہلاک کرنا انسان کا کام نہ تھا۔ اس لیے اُس پر بڑے بڑے شیر ببر چھوڑے گئے جو ہاتھیون کے برابر تھے۔ بھیڑیے چھوڑے گئے جو اونٹون کے قد و قامت کے تھے۔ اور بڑے بڑے گدھ مسلط کیے گئے جو گدھون کے برابر تھے۔ انھون نے مل کے اُسے مارا۔ چیرا پھاڑا۔ اور نوچ نوچ کر کھا گئے۔

مگر اُس کے عظیم الجثہ صاحبزادے رہ گئے جو ادھر ادھر بے تکان مارے مارے پھرتے۔ دو قدم چلے اور شرق سے مغرب یا مغرب سے مشرق مین پہونچ گئے۔ سمندر اُن کا راستہ نہ روک سکتا۔ اس لیے کہ پانی کا گہراؤ کہین بھی اُنکے گھٹنوں گھٹنوں سے زیادہ نہ تھا۔ طوفان نوح اُنکو نہ ڈبو سکا۔ اُس کا پانی فقط اُنکے ٹخنون تک پہونچا تھا۔ کیون نہ ہو؟ آپ کا قد ماشاء اللہ سے ایک روایت کے مطابق ۳۳۳۳ ⅓ گز اور دوسری روایت سے جسے حسب حیثیت زیادہ معتبر ہونا چاہیے ۳۳۳۳ گز کا تھا اور طوفان نوح مین پانی پہاڑون کی چوٹیون سے فقط چالیس ہی گز اونچا ہوا تھا۔ میان عوج کا سر بادلون سے اوپر نکل جاتا اور جب کبھی پیاس لگتی سر جھکا کے بدلیون مین سے پی لیتے۔ غذا یہ تھی کہ سمندر مین اُتر جاتے اور بڑی بڑی مچھلیان پکڑ کے ہاتھ اونچا کر دیتے۔ وہ دم بھر مین حرارت آفتاب سے بھُن جاتین اور آپ تناول فرماتے۔

اور حسب مضمون شلمہ بقدر علم عوج نے عمر بھی اپنے قد و قامت کی مناسبت سے پائی۔ حضرت آدمؑ کے سامنے پیدا ہوے تھے۔ تین ہزار سال تک دنیا کی بہار دیکھنے پر بھی اپنی موت سے نہین مرے بلکہ حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے مارے گئے۔

حضرت موسیٰ سے لڑائی ہونے کا یہ سبب ہوا کہ جناب کلیم اللہ کی معرفت جب خدا نے بنی اسرائیل کو موعودہ سرزمین مین پہونچانے کا وعدہ کیا تو اُس سرزمین مین اُن دنون کنعانی رہتے تھے جو بڑے زبردست اور جبار تھے جبارے سے مراد یہ سمجھی گئی کہ وہ ہاتھ پاؤن اور قد و قامت مین بڑے تھے۔ مصر سے آزادی پانے اور فرعون کے ڈوبنے کے بعد خدا نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ مملکت شام کے علاقۂ اریحا مین جاؤ۔ اس سے مراد وہی ارض مقدس تھی جس مین ہزارہا شہر تھے اور ہر شہر مین ایک ہزار آدمیون کی آبادی تھی۔ اور شادابی و پیداوار کی یہ حالت تھی کہ ایک ایک انگور کے خوشے کو اُنکے پانچ آدمی اُٹھا کے لیجاتے جو بمقابل ساری دنیا کے آدمیون کے قوی ہیکل اور بڑے تن و توش کے دیو صورت لوگ تھے۔ اسی طرح انار بھی اتنے بڑے ہوتے کہ کسی انار مین سے دانے نکال لیے جاتے تو اُس کے خالی خول مین پانچ آدمی اطمینان سے بیٹھ جاتے۔ یہ عمالقہ لوگ تھے جو قوم عاد کی باقی ماندہ یادگار تھے۔ انھین لوگون کا ایک سردار اُن دنون عوج بن عنق بنا ہوا تھا۔

اب حضرت موسیٰ کو خدا نے حکم دیا کہ اُن لوگون سے لڑو۔ مگر مقابلے سے پہلے بارہ سبطون مین سے بارہ شخصون کو منتخب کرکے اُن لوگون کے پاس بھیجو جناب موسیٰ نے یہ بارہ نقیب چن لیے۔ اور جب ارض اریحا کی سرحد پر پہونچے تو ان بارہ نقیبون کو روانہ کیا کہ جبارین اریحا کی حالت دریافت کرلائین یہ اسرائیلی نقیب جیسے ہی سرزمین اریحا مین داخل ہوے عوج بن عنق کا سامنا ہوگیا۔ عوج سر پر لکڑیون کا ایک گٹھا لیے ہوے تھا۔ ان بارہون اسرائیلیون کو بھی اُسی گٹھے پر بٹھا لیا۔ اور گٹھے کو گھر مین جورو کے پاس لیجا کر اُن کو زمین پر ڈال کے کہا "ذرا ان ننھے ننھے آدمیون کو دیکھنا۔ یہ ہم سے لڑنے کو آئے ہین۔ خیر اب تو مین ان کو دم بھر مین پیس کے رکھ دون گا۔" جورو کہنے لگی "ان کے مار ڈالنے سے کیا مل جائے گا؟ ان کو چھوڑ دو کہ اپنی قوم سے جا کے ہماری قوت اور ہمارے قد و قامت کا تذکرہ کرین اور جو کچھ دیکھا ہے

کہ سنا مین نے جو رو کے کہنے سے عوج نے ان اسرائیلیون کو چھوڑ کے اپنے یہان سے ہنکا دیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ عوج نے لکڑیون کے گٹھے مین نہین بلکہ اپنی آستین مین جو اُن دنون جیب کا کام دیا کرتی تھی باغ کے میوون کے ساتھ ان بارہ اسرائیلی نقیبون کو بھی بھر لیا۔ اور بادشاہ کے سامنے لاکے آستین جھاڑی تو پھلون اور میوؤن کے ساتھ بارہ آدمی بھی نکل پڑے۔ بادشاہ پہچان گیا کہ اسرائیلی ہین۔ اُن سے کہا "جاؤ اور اپنی قوم سے یہی بیان کر دینا جو تم نے دیکھا ہے"

ان اسرائیلیون کے چلے آنے کے بعد عوج نے ایک بڑا بھاری پہاڑ اُکھاڑ کے اپنے سر پر رکھ لیا۔ جو پھیلاؤ مین اتنا ہی بڑا تھا جتنی وہ زمین تھی جس پر حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کا پڑاؤ تھا۔ یعنی ساڑھے تین میل لمبی اور اُتنی ہی چوڑی تھی۔ اس چٹان کو لے کر چاہا کہ بنی اسرائیل کی لشکرگاہ پر ڈال کے اُنھین ہمیشہ کے لیے فنا کر دے کہ اتنے مین ایک ہُدہُد اُس چٹان پر آ بیٹھا۔ اور اُس کو ایک چونچ جو ماری تو وہ چٹان بیچ سے خالی ہو کر عوج کے گلے کا ہار ہو گئی۔ سارا سر اُس کے اندر سما گیا۔ اور کسی چیز کو نہ دیکھ سکتا تھا۔ اتنے مین وہ ٹھوکر کھا کے گرا۔ اسی مصیبت مین تھا کہ جناب کلیم اللہ موسیٰ آ پہونچے۔ اور اپنی جریب کا ایک ایسا معجزنما ہاتھ مارا کہ ایک ہی ضرب مین اُس کا دم نکل گیا۔

راوی کہتا ہے کہ حضرت موسیٰ کا قد چالیس گز کا تھا۔ چالیس ہی گز کی اُنکی جریب لمبی تھی۔ اور حملہ کرتے وقت اُنھون نے چالیس ہی گز اونچی جست کی۔ اس طرح ۱۲۰ گز کی بلندی پر لکڑی ماری تو عوج کی ایڑی مین لگی۔ اور وہی اُس کی موت کا بہانہ ہو گئی۔

اس کے بعد بنی اسرائیل کے ایک انبوہ کثیر نے خنجر مار مار کے بڑی مشکلون سے عوج کا سر دھڑ سے جدا کیا۔ اور اُس کی ایک پسلی لیجا کے دریاے نیل پر ڈالدی جس سے پُل بن گیا۔ اور لوگ اُسی پر سے ہو کے نیل کے پار ہوا کرتے تھے۔

ہمارے بچپن میں بہت سے صادق العقیدہ مسلمانوں کو یقین کامل تھا۔ اور شاید آج بھی ہو کہ دریائے نیل پر آج تک عوج بن عنق کی پنڈلی کی پونگ کا پل قائم ہے۔ جس میں اگر ذرا بھی کوئی شک کرتا تو لوگ لڑنے اور اُسے بے دین کہنے کو تیار ہو جاتے۔ مگر اب کتب سلف سے معلوم ہوا کہ پونگ نہیں پسلی کا پل قائم تھا۔ اور خدا جانے آج بھی ہے یا نہیں۔

قتل کے بعد حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل اُس کی لاش کو چھوڑ کے چلے گئے اس لیے کہ اتنی بڑی لاش کے لیے قبر کون کھودتا؟ اور کس کے دفن کیے دفن ہوتی؟ مگر چند ہی روز بعد لاش پر اتنی بالو اور مٹی جمع ہو گئی کہ ایک سلسلۂ کوہ بن گیا۔ اور کیا عجب کہ وہ پہاڑ آج بھی موجود ہو۔ مگر افسوس جغرافیہ نویسوں کو پتہ نہ لگا کہ وہ پہاڑ کون سا ہے اور کہاں ہے۔

خلاصہ یہ کہ میاں عوج بن عنق دنیا کی تاریخ میں بڑے شخص تھے۔ اور صحیح معنوں میں بڑے تھے۔

ابو العتاہیہ

(۱)

اسلام کی دوسری صدی میں عرب کا ایک نامور اخلاقی شاعر تھا۔ جو سلاستِ کلام۔ الفاظ کی خوبی و روانی۔ اور ان کے مؤثر و عبرت خیز ہونے میں جواب نہ رکھتا تھا۔ ابو العتاہیہ لقب پڑ گیا تھا جس نے اتنی شہرت پکڑی کہ نام کو مٹا دیا۔ اصلی نام اسمعیل ابن قاسم تھا۔

اس نامور شاعر کی زندگی میں دیکھنا یہ ہے کہ اُس کی حیثیت کیا تھی؟ اور کمال نے اُس کو کس اعلیٰ مرتبے پر اور کہاں سے کہاں پہونچایا تھا۔ دراصل وہ قبیلۂ عنزہ کا غلام تھا۔ ابو العتاہیہ کی کنیت تو شاعری نے دلائی۔ اصلی کنیت ابو اسحٰق تھی۔ اُس کی ماں اُمّ زید بنت زیاد محاربی تھی جس کا باپ بنی زہرہ کا غلام تھا۔ اسی سے موقع پا کر ابو قابوس نصرانی شاعر نے جب سنا کہ ابو العتاہیہ نے قریش کو مجھ پر فوقیت دی ہے تو جھنجھلا کے لوگوں میں مشہور کرنے لگا کہ ابو العتاہیہ

کی ماں ایک زانیہ لونڈی تھی۔

ابو العتاہیہ کا نشو ونما کوفے میں ہوا۔ ابتدائے عمر میں پہلا کام یہ تھا کہ ہیجڑوں کے ساتھ ساتھ پھرا کرتا۔ چند روز بعد کوفے میں کمھاری کا پیشہ شروع کیا اور مٹی کے برتن بنانے لگا۔ تھوڑے دنوں بعد یہ کام بھی چھوڑ دیا۔ اور شاعری شروع کی۔ اور اُس میں اس قدر چمکا کہ تمام معاصروں سے بڑھ گیا۔ کہتے ہیں اُس وقت لوگوں میں مقبول و پسندیدہ شاعر فقط تین تھے۔ بشار سید۔ اور ابو العتاہیہ۔ اور ان تینوں شاعروں کے کلام کی اس قدر کثرت تھی کہ اُن کا پورا کلام باوجود جستجوے کثیر کے کوئی نہ جمع کر سکا۔ ابو العتاہیہ تمام بحروں میں کہتا۔ شعر کا مضمون نہایت ہی لطیف و پاکیزہ ہوتا۔ الفاظ بہت آسان اور فصیح ہوتے۔ جن میں حد سے زیادہ دلکشی ہوتی۔ لیکن ان خوبیوں کے ساتھ اُسکے کلام میں عیوب بھی اوروں سے زیادہ رہ جاتے۔ اسکے اکثر اشعار زہد اور تمثیل میں ہوتے۔ اُسکے کلام کی بنا پر معاصرین میں سے اکثر لوگ کہتے کہ وہ فلسفیوں کے مذہب کا پیرو تھا۔ اور بعث ونشر کا قائل نہ تھا۔ اسپر دلیل یہ لاتے کہ اُس کے اشعار میں جہاں دیکھیے موت اور فنا کا ذکر ملتا۔ مگر حشر و نشر۔ معاد اور جزا و سزا کا مطلق اشارہ بھی نہ نظر آتا۔ اُس نے ایسی بحروں میں اشعار کہے جن میں اُس سے پہلے کسی نے نہ کہے تھے۔ اور اُس نے اپنے اشعار کے ذریعے سے اُن بحروں کو عام لوگوں میں پسندیدہ بنا دیا۔

مگر شاعروں کے عام مذاق کے خلاف ابو العتاہیہ نہایت ہی خسیس اور بخیل تھا۔ ایک دن خلیفہ مہدی عباسی نے کہا "تم بڑے صاحب کمال ہو مگر افسوس کہ اس کمال کے ساتھ معتہ یعنی پُرعیب بھی ہو۔ اسی معتہ سے اخذ کر کے لوگوں نے اس کو ابو العتاہیہ کہنا شروع کیا۔ اور چند روز میں ہی جب یہ لقب ہر زن و مرد کی زبان پر جاری تھا۔ اور جوں جوں اُس کی شاعری کی شہرت ہوتی گئی اس لقب کی بھی ہوتی گئی۔ بعض لوگ اس لقب کی اور توجیہیں بھی کرتے ہیں۔

اُس کے خاندان کی یہ حالت بیان کی جاتی ہے کہ وہ قبیلۂ بنی عنزہ میں سے

تھا۔ اور اُس کا پردادا کیسان مقام عین التمر میں رہتا تھا۔ سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جب اس شہر کو فتح کیا تو کیسان کو جو اُن دنوں ایک یتیم بچہ تھا۔ اور بنی عنزہ میں سے کسی کی کفالت میں تھا۔ اسیر کر لائے۔ اسکے ساتھ اور بہت سے لڑکے پکڑ لائے گئے تھے۔ یہ بچے جب بارگاہِ خلافت صدیق اکبرؓ میں پیش کیے گئے تو اتفاقاً اُس وقت عباد بن رفاعہ عنزی بھی بیٹھے ہوئے تھے حضرت صدیقؓ ایک ایک لڑکے کو پاس بُلا کے اُس کا نسب پوچھتے اور اُسکو جو کچھ معلوم ہوتا بتا دیتا۔ اس سلسلے میں جب اُنھوں نے کیسان سے یہ سوال کیا تو اُس نے اپنے آپ کو بنی عنزہ میں سے بتایا۔ اپنے قبیلے کا نام سنتے ہی عباد چونکے۔ اور عرض کیا کہ "یہ لڑکا مجھے دے دیجیے۔" تقسیم کے وقت کیسان چونکہ خود حضرت صدیقؓ کے حصے میں پڑا تھا اس لیے اُنھوں نے اس کا ہاتھ عباد کے ہاتھ میں دے دیا۔ عباد نے لیتے ہی اُس کو آزاد کر دیا۔ اور بیٹا بنا کے پالا۔ اس واقعے کی بنا پر ابو العتاہیہ کے طرفدار کہتے ہیں کہ وہ دراصل عنزی الاصل بھی تھا اور بنی عنزہ کا غلام بھی تھا۔

اور بنی عنزہ کو اُس سے ایسا تعلق ہو گیا تھا کہ اُس کو اپنے ہی میں سے سمجھتے اور اُس کا ساتھ دینے کو تیار رہتے۔ چنانچہ ایک روز کوفے میں مندل اور حسان نام دو عنزی شخص بیٹھے ہوئے تھے۔ ناگہاں ابو العتاہیہ خون میں تربتر آیا۔ دونوں نے گھبرا کے پوچھا "کیا ہو گیا؟" ابو العتاہیہ نے بعوض جواب دینے کے اُن سے سوال کیا کہ "بتاؤ میں کون ہوں؟" اُنھوں نے کہا "تم ہمارے بھائی ہو۔ بھتیجے ہو۔ اور غلام ہو۔" ابو العتاہیہ نے کہا "مگر فلاں شخص نے مجھے مارا بلکہ اپنے نزدیک مار ڈالا۔ اور کہتا ہے کہ میں نبطی ہوں۔ اور اگر میں واقعی نبطی ہوں تو منہ چھپا کے اسی وقت بھاگا جاتا ہوں۔" اُن دنوں جو سائنین عراق غیر عربی ہوتے غیر عربی وہ نبطی کہلاتے۔ یہ سُن کر وہ دونوں عنزی شخص اُٹھ کھڑے ہوئے اور اس قدر طیش میں بھرے ہوئے تھے کہ برہنہ پا دوڑے۔ اور جوش کے لہجے میں کہا "اگر عیسیٰ بن موسیٰ عباسی سے بھی تمھارا انتقام لینا ہوگا تو ہم پیچھے نہ رہیں گے۔" عیسیٰ بن موسیٰ اُن دنوں کوفے کا حاکم تھا۔ جس شخص

نے ابو العتاہیہ کو مارا تھا وہ ایک قصاب تھا - دونون عزیزون نے جاکے اسکو جی بھر کے مارا پیٹا - اور ابو العتاہیہ کے دل کی بھڑاس نکال کے واپس آئے۔

بعض اہل روایت کا بیان ہے کہ ابو العتاہیہ اور اسحق موصلی جو دربار عباسی کا سب سے زیادہ باکمال مغنی تھا دونون مزارنام ایک مقام مین رہتے تھے اور ابو العتاہیہ اور اُس کے خاندان والے سفالی کے مرتبان بنایا کرتے تھے - چند روز بعد دونون بغداد مین آئے - ابراہیم تو وہین بغداد مین ٹھہر گیا۔ اور ابو العتاہیہ شہر حیرہ مین آکے مقیم ہوا جو کوفے کے پاس تھا

ابو العتاہیہ کا اصلی مذہب یہ تھا کہ توحید کا قائل تھا - اور مجوس کے عقیدے کے مطابق کہا کرتا کہ اللہ جل شانہ نے بغیر کسی مادّے کی مدد کے دو متضاد جوہر پیدا کیے - پھر دنیا جو بنی تو وہ اُنھین دونون سے مرکب ہے عالم حادث ہے - اور بنانے والا خدا کے سوا کوئی دوسرا نہین - یہ بھی کہتا کہ عنقریب خدا سب چیزون کو اُنھین دونون متضاد جوہرون کی طرف پھیر دے گا - یہ بھی اُس کا عقیدہ تھا کہ تمام احکام فطرۃً عقلی ہین - عذاب دوزخ کا قائل تھا - اور امامت کے مسئلے مین شیعیان زیدیہ کے مذہب پر تھا - مگر باوجود اس اعتقاد کے بادشاہ وقت کے خلاف بغاوت کرنے کو جائز نہ سمجھتا تھا - اور عقیدۂ جبر کا بھی معتقد تھا

ثمامہ سے جو اُس عہد کے ائمۂ معتزلہ مین تھا اُس سے اکثر مباحثہ رہا کیا۔ ایک دن مامون رشید کے سامنے ابو العتاہیہ نے ثمامے سے مسئلۂ جبر کے متعلق کچھ سوال کیا - مامون نے کہا "جاؤ اپنی شاعری کرو - تم کو ان باتون سے کیا تعلق" عرض کیا "اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو امیر المومنین مجھے ان سے کچھ پوچھنے کی اور انکو جواب دینے کی اجازت دین" مامون نے اجازت دی - اور ابو العتاہیہ نے ثمامہ سے کہا مین اس بات کا قائل ہون کہ بندے بُرا یا بھلا جو کام کرتے ہین وہ منجانب اللہ ہوتا ہے - اچھا اب دیکھو مین اپنے ہاتھ کو ہلاتا ہون - بتاؤ - اس کو کس نے حرکت دی؟ ثمامہ بولا "اُس شخص نے جس کی ماں قحبۂ زانیہ تھی - ابو العتاہیہ نے برافروختہ ہو کر مامون سے کہا "امیر المومنین دیکھیے - خدا کی قسم اس نے مجھے گالی دی" ثمامہ بولا امیر المومنین لہذا اس کے پاس جواب نہین ہے" مامون اس سوال و جواب پر بہت ہنسا

ہنسنے لگا۔ اور ابوالعتاہیہ کی طرف دیکھ کے بولا "میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اپنی شاعری کرو۔ اور ان باتوں میں نہ پڑو جن سے تم کو تعلق نہیں "
اس کے بعد ابوالعتاہیہ دربار کے باہر جو ثمامہ سے ملا تو پوچھا "کیا تمہارے نزدیک وہی مخش اور بیہودہ جواب کافی ہے؟" ثمامہ نے کہا "سب سے بہتر کلام وہ ہوتا ہے جو گفتگو کو ختم کر دے۔ بُرے کو سزا دے۔ اپنا غصہ مٹا دے۔ اور جاہل پر کامیاب کر دے "
بعض لوگ کہتے ہیں کہ ابوالعتاہیہ مذہب کے بارے میں مذبذب تھا۔ ایک عقیدہ ظاہر کرتا۔ اور جب اُس پر کوئی اعتراض کر دیتا تو اُس عقیدے کو چھوڑ کر دوسرا عقیدہ اختیار کر لیتا۔
ایک مرتبہ کسی نے ابوالعتاہیہ کو دیکھا کہ ایک ہیجڑے کے گھوڑے کے ساتھ ساتھ رکاب تھامے جا رہا ہے۔ اُس نے ٹوک کے کہا "تمہیں اپنے مرتبے۔ اپنی عمر اور اپنی شاعری کے خلاف اس وضع سے جاتے شرم نہیں آتی؟" بولا "میں تو ان لوگوں کے ساتھ اس لیے رہتا ہوں کہ انکی مکاریاں اور چالاکیاں سیکھوں "
بشر بن معتمر نے ابوالعتاہیہ سے کہا "میں نے سُنا ہے کہ تم جب حج کو گئے تھے تو وہاں یتیموں۔ محتاجوں۔ اور غریب الوطنوں کے پچھنے لگایا کرتے تھے۔ کیا یہ سچ ہے" کہا "جی ہاں " پوچھا "اور اس میں تمہارا مقصد کیا تھا؟" کہا "یہ کہ خدا نے مجھے جتنا بلند کیا ہے اُتنا ہی اپنے آپ کو نیچا کر کے دکھاؤں۔ تاکہ کبر و نخوت دل سے دُور ہوں۔ اسی لیے تو میں فقط یتیموں اور فقیروں کے پچھنے لگاتا تھا" بشر نے کہا "پچھنے لگانے سے نفس کُشی ہونے کا خیال تو چھوڑو۔ اس کام سے نہ تمہیں ادب حاصل ہو سکتا تھا اور نہ تمہاری کسی قسم کی اصلاح ہو سکتی تھی۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ تم کو وہ زمانہ اور وقت معلوم ہے جب پچھنے لگا کر خون لینے کی ضرورت ہوتی ہے؟" کہا "نہیں " بشر بولا "اچھا اب یہ بتاؤ کہ تمہیں اس کا حال معلوم ہے کہ ہر شخص کی مناسبت سے کتنا خون لینا چاہیے؟ اس لیے کہ زیادتی اور کمی دونوں میں ضرر پہنچ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے" کہا "میں تو یہ بھی نہیں جانتا" بشر نے کہا "تو پھر میرے نزدیک تمہارا فقط یہ مقصد تھا کہ پچھنے لگانا سیکھو۔ اور یتیموں اور

محتاجون کو زیر مشق بناؤ۔"

یہ بھی کہتے ہین کہ زندیقون کے سرغنا حمدویہ نے اُس کے گرفتار کرنے کا ارادہ کیا۔ اُس کے خوف سے وہ چھپ کر حجام یعنی پچھنے لگانے والا بن گیا تھا۔

ابن ابی داؤد کے پیرو ابو شعیب نے ابو العتاہیہ سے پوچھا "قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟" یہ اُس عہد کا بڑا پُر فتن مسئلہ تھا جس نے بڑے بڑے ائمۂ حدیث کو مبتلائے عذاب کر دیا۔ ابو العتاہیہ نے اُس سے سوال کیا کہ "تم اللہ کے متعلق پوچھتے ہو یا غیر اللہ کے متعلق؟" ابو شعیب نے کہا "غیر اللہ کے متعلق" یہ سُن کر ابو العتاہیہ خاموش ہو رہا۔ ابو شعیب بار بار پوچھتا تھا اور وہ خاموش تھا۔ آخر عاجز آ کر ابو شعیب نے کہا "تم جواب کیون نہین دیتے؟" بولا "جواب تو مین نے دے دیا مگر خدا نے تمھین گدھا بنایا ہو تو مین کیا کرون؟"

ابو العتاہیہ صاف ستھرا رہتا۔ رنگ نہایت گورا تھا۔ بال گھنے گھونگروالے اور سیاہ تھے۔ نہایت اچھی وضع قطع مین رہتا۔ بڑا ذہین و طباع تھا۔ اور نہایت ہی صائب الرائے۔

اُس کے اور اُس کے بھائی زید کے قبضے مین بہت سے حبشی غلام تھے۔ جو مٹی لے برتن بنا بنا کے پکاتے اور جب بہت سے تیار ہو جاتے تو کوتے مین لا کر ایک آڑھتیے ابو عباد یزیدی کے حوالے کر جاتے۔ وہ بیچتا۔ اور جو بچ رہتے اُن کو واپس کر جاتا۔ بعض لوگ کہتے ہین کہ یہ پیشہ فقط اُس کا بھائی کرتا۔ خود اُسکو اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اور اس کے ثبوت مین یہ واقعہ پیش کرتے ہین کہ ایک دن کسی نے ابو العتاہیہ سے پوچھا "تم کمہار ہو؟" کہنے لگا "ہان۔ مین قافیون کا کمہار ہون اور میرے بھائی برتنون کے کمہار ہین۔"

ابو العتاہیہ کے شاگرد بہت تھے جو کثرت سے اُس کے پاس آتے۔ اُن کو اپنے اشعار سناتا۔ اور چونکہ کاغذ اُن دنون موجود نہ تھا۔ وہ لوگ ٹوٹے پھوٹے ٹھیکرے اُٹھا لیتے اور اُن پر اُس کے کلام کو لکھ لیتے۔

اُس عہد کے ایک مستند بزرگ مصعب بن عبد اللہ کہا کرتے کہ "سب سے بڑا شاعر ابو العتاہیہ ہے۔ لوگون نے اس کا سبب پوچھا تو اُس کے چند شعر

شعر سنائے اور کہا "بھلا اس سے اچھا کلام ہو سکتا ہے ؟" اصمعی بھی ابو العتاہیہ
کی شاعری کا بہت بڑا معترف تھا ۔ مسلم خاسر شاعر سے لوگوں نے فرمایش کی کہ اپنا
کچھ کلام سُنائیے ۔ کہا " اپنا کلام کیا سناؤن ۔ مین تمھین ابو العتاہیہ کا کلام سُناتا
ہون جو سارے جن و انس سے اچھا کہتا ہے " اسی طرح ایک اور شاعر داؤد
بن زید سے کسی نے پوچھا "کون شاعر اپنے تمام ہم عصرون سے اچھا ہے ؟" اُس
نے کہا " ابو نواس " ۔ پوچھنے والے نے کہا " تو پھر آپ ابو العتاہیہ کی نسبت
کیا فرماتے ہین ؟ " جواب دیا " وہ اپنے ہم عصرون ہی نہین ۔ تمام جن و انس
سے شاعری مین بڑھا ہوا ہے " خود ابو العتاہیہ سے لوگون نے پوچھا " آپ کس
طرح شعر کہتے ہین کہ ایسا اچھا کہہ جاتے ہین ؟ " بولا " جس بات کا ارادہ
کرتا ہون اُس کے متعلق تمام خیالات میرے سامنے آ کے کھڑے ہو جاتے
ہین جن کو چاہتا ہون لے لیتا ہون ۔ اور جن کو چاہتا ہون چھوڑ دیتا ہون "
ایک دن ابو العتاہیہ نے دعوے کیا کہ " مین چاہتا تو میری زبان سے جو لفظ
نکلتا شعر ہوتا " یعنی مین غیر موزون بات ہی نہ کہتا ۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ
خیالات اور الفاظ دونون پر اُسے غیر معمولی حکومت و قدرت حاصل تھی ۔ اور
عجیب موزون طبع واقع ہوا تھا ۔ ابو العتاہیہ کا بیٹا محمد کہتا ہے " ایک دن والد
سے کسی نے پوچھا آپ فن عروض جانتے ہین ؟ کہنے لگے میرا درجہ عروض سے
بڑھا ہوا ہے " اور واقعی اُس نے بعض ایسی بحرون مین کہا ہے جو نہ عروض
کی کتابون مین موجود ہین اور نہ کسی شاعر نے اُس سے پہلے اُن بحرون مین
کہا تھا ۔

ایک دن ہارون رشید کو بخار آیا ۔ ابو العتاہیہ نے فضل بن ربیع سے مل کر
اُسے ایک کاغذ دیا جس مین تین شعر لکھے ہوے تھے ۔ اُن کا مضمون یہ تھا ۔
" لوگ اگر یہ جانتے ہوتے کہ تو اُن کے لیے کیا ہے تو تیرے بیمار ہوتے ہی سب مر جاتے
تو خدا کا خلیفہ ہے ۔ اور اگر سارے آدمیون کے ساتھ تولا جائے تو وزن مین
سب سے بھاری نکلے گا ۔ لوگون کو معلوم ہے کہ محتاج تیری صورت دیکھتے ہی
غنی ہو جاتے ہین " فضل نے جا کر یہ اشعار رشید کو سنائے تو اُسی وقت

ابو العتاہیہ کو بُلا بھیجا۔ جب تک بیمار رہا اُسی سے باتین کرتا رہا۔ اور رخصت کرتے وقت اُس کو بہت کچھ مال وزر دیا۔

ابن اعرابی عہد قدیم کا بڑا مستند ادیب تھا۔ اُس کی صحبت مین کسی نے ایک شعر کی نسبت کہا "یہ ٹھیک نہین ہے" پوچھا "کیون؟" کہا "نہایت ہی سُست پھیکا اور بدمزہ شعر ہے" ابن اعرابی کو غصہ آگیا کہنے لگا "شعر نہین خود تمھاری عقل سست ہے" ابو العتاہیہ کا شعر اور سُست ہو خدا کی قسم نہ ایسا قادر الکلام دیکھا گیا اور نہ ایسا فطرت کے مطابق کہنے والا۔ مین تو اُس کے کلام کو ایک قسم کا جادو سمجھتا ہون" اس کے بعد وہ بے ثباتی عالم پر ابو العتاہیہ کے اشعار دیر تک سُناتا رہا۔ معترض نے کہا "یہ تو ابو العتاہیہ کا ذاتی مذاق ہے۔ مدح مین اُس کے اشعار ایسے نہین ہوتے" ابن اعرابی نے اُسکے چند مدحیہ اشعار سُنائے اور کہا "بھلا کون ان کا جواب دے سکتا ہے؟" آخر عاجز آکے اُس شخص نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور کہا "آپ سچ فرماتے ہین"

خود ابو نواس کے سامنے اُس کے اشعار کی داد دیتے دیتے ایک شخص نے کہا "اب اس وقت آپ سے بڑا کوئی شاعر نہین ہے" کہا "جب تک یہ بڈھا (ابو العتاہیہ) زندہ ہے ایسا نہ کہو"

ثمامہ بن اشرس کہتے ہین "ابو العتاہیہ نے مجھے بے ثباتی عالم اور دولت کی ناپائداری پر اپنے تین شعر سُنائے۔ اُن مین یہ خیال موزون کیا تھا کہ انسان کا اصلی مال وہ ہے جو اُس نے خرچ کر ڈالا۔ اور جو رہ گیا وہ اُس کا نہین۔ مین نے پوچھا یہ مضمون آپ نے کہان سے لیا ہے؟" کہا "حدیث پیغمبر سے" یہ کہکے وہ حدیث بھی سُنا دی جو اس خیال کا ماخذ تھی۔ تب مین نے پوچھا "کیا آپ کا واقعی یہ عقیدہ ہے کہ حضور سرور عالم کا ارشاد ہے؟" کہا بیشک" مین نے کہا "تو پھر آپ نے یہ ستائیس توڑے اپنے گھر مین کیون جمع کر رکھے ہین؟ نہ کھاتے ہین نہ پہنتے ہین۔ نہ زکوٰۃ دیتے ہین نہ ذخیرۂ آخرت بناتے ہین" کہنے لگا "ابو معن تم خدا کی قسم کہتے سچ ہو۔ مگر مین اسکو ڈرتا ہون کہ محتاج ہوا تو لوگون کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑے گا" ثمامہ نے کہا "گر اور محتاجون سے اپنی

محتاج کو آپ زیادہ کیوں تصور کرتے ہیں؟ افسوس آپ ہمیشہ سے حریص و بخیل واقع ہوے ہیں۔ گوشت بھی خریدتے ہیں تو عید عید کو؟" جواب کو ٹال سکے کہنے لگا: "خدا کی قسم اب کی عاشورے کو میں نے گوشت مول لیا تھا۔ اور اُسکے پکانے میں پانچ درہم خرچ ہو گئے"۔ اُس کے اس جملے پر مجھے بے انتہا ہنسی آگئی۔ اور اُسی ہنسی میں یہ بحث اُڑ گئی۔

یہی ثمامہ کہتے ہیں میں اُن سے ملنے کو گیا تو دیکھا کہ روکھی روٹی بیٹھے کھا رہے ہیں۔ پوچھا" آپ روکھی روٹی کھاتے ہیں؟" کہا "نہیں تو۔ مگر مجھے نظر آیا کہ یہ بغیر مسکہ لگائے خود ہی چکنی ہو جاتی ہے" پوچھا" یہ کیسے؟" کہا" لو آؤ دیکھو" پاس جا کے کیا دیکھتا ہوں کہ پاس ایک پیالے میں دودھ رکھا ہے اور اُس کے برابر سوکھی کھنکر چپاتی رکھی ہے۔ اُس سے ایک لقمہ توڑ کے دودھ کے پاس لیجاتے ہیں اور بغیر اس کے کہ دودھ کو چھوئیں جلدی منہ میں رکھ لیتے ہیں۔ میں نے کہا" واہ۔ آپ دودھ میں روٹی کو بھگوتے خوب ہیں" اور چلا آیا۔

ایک دن آپ نے شہر سے باہر کسی تفرج گاہ میں عیاش نام ایک شخص کی بڑی فیاضی سے دعوت کی جو بغداد کے پل کا داروغہ تھا۔ کھانے کا وقت آیا تو غلام سے کہا اور وں کے سامنے تو اُن کے لیے جو کچھ پکا ہے لگاؤ۔ مگر میرے سامنے فقط ثرید۔ سرکہ۔ اور روغن زیتون رکھدو۔ اس داستان کا راوی کہتا ہے میں اس خیال میں قریب گیا تو دیکھا کہ آپ بلا تکلف جلدی جلدی کھا رہے ہیں۔ لیکن غور سے دیکھا تو روغن زیتون کے عوض پیالی میں کڑوا تیل تھا۔ پوچھا "یہ کیا ہے؟" کہا" جانتا ہوں کہ کڑوا تیل ہے۔ مگر کیا کروں۔ غلام نے غلطی سے زیتون کی مٹیا کے عوض کڑوے تیل کی مٹیا سے اُنڈیل لیا۔ اور جب لا چکا تو میں نے کہا تیل ہی تو ہے۔ رہنے بھی دو"

محمد بن عیسیٰ خزیمی کہتے ہیں ابو العتاہیہ کے پڑوس میں ایک نہایت ہی بڈھا شکستہ حال شخص رہتا تھا جو غریب کھجوروں کی گٹھلیاں چنتا پھرتا تھا۔ روز صبح و شام کو اُن کے سامنے سے گذرتا اور وہ اُسے دعا دینے لگتے کہ "خدا تمھاری مفلسی

دور کر دے۔ اور تم کو دولتمند بنا دے"۔ یونہی بیس برس گذر گئے۔ ایک دن میں نے عاجز آ کے کہا "اس غریب کو آپ جانتے ہیں کہ محتاج ہے۔ مگر فقط دعا پر ٹال دیا کرتے ہیں۔ اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ اُسے کچھ خیرات دیں"۔ کہا "ڈرتا ہوں کہ اسے بھیک مانگنے کی عادت نہ پڑ جائے۔ گداگری نہایت ہی ذلیل پیشہ ہے اور دعا میں تو تم جانتے ہو کہ کیسی کیسی برکتیں اور خوبیاں ہیں"۔

اسی خزیمی کا بیان ہے کہ ابو العتاہیہ کا ایک حبشی غلام تھا جو اُن کی خدمت کرتا۔ نہایت ہی قدآور لمبا تڑنگا اور بھاری بھرکم جوان تھا۔ آپ اُسے کھانے کو دو روٹیاں روز دیا کرتے۔ ایک دن اُس نے مجھ سے بیان کیا کہ مجھے فقط دو روٹیاں ملتی ہیں اور وہ بھی بغیر سالن کے۔ اُن میں میرا پیٹ نہیں بھرتا۔ آپ سفارش کر کے تین روٹیاں کرا دیتے تو بڑا احسان ہوتا۔ میں نے اُس سے وعدہ کر لیا۔ اور ایک موقع پر جب وہ غلام سامنے سے گذرا ابو العتاہیہ سے پوچھا "آپ اسے کیا دیا کرتے ہیں؟" کہا "دو روٹیاں روز دیتا ہوں"۔ میں نے کہا "یہ اس کو بس نہیں کرتی ہوں گی۔ تین روٹیاں کر دیجیے"۔ کہنے لگے "جس کا پیٹ تھوڑے میں نہیں بھرتا۔ زیادہ میں بھی نہیں بھر سکتا۔ انسان جہاں پیٹ کا بندہ ہوا بس گیا گذرا ہوا۔ اس غلام کی حالت یہ ہے کہ گھر کے اندر کام کرتا ہے۔ عورتوں کے سامنے جاتا ہے۔ اسے اگر قناعت و کفایت کا عادی نہ بناؤں گا تو میرے گھر کو تباہ کر دے گا"۔ تھوڑے زمانے کے بعد وہ غریب مر گیا۔ اُس کے کفن کے لیے آپ نے اپنی ایک پھٹی پُرانی لنگی۔ ایک سڑی گلی پلنگ کی چادر دی۔ میں دیکھ کر جل گیا اور کہا "خوب۔ زندگی بھر خدمت کرنے اور حقوق پیدا کر لینے کی یہ قدردانی کہ ایسا سڑا گلا کفن ملا۔ ایک دینار میں اچھا خاصہ کفن ہو جاتا"۔ کہا "آپ کو نہیں معلوم۔ نئے کپڑوں کے مستحق مُردوں سے زیادہ زندہ لوگ ہیں"۔ یہ جواب مجھے اس قدر ناگوار ہوا کہ میں نے کہا "جی ہاں۔ آپ نے اُسے زندگی بھر کفایت شعاری سکھائی۔ اور مرنے کے بعد بھی سکھا رہے ہیں"۔

لطف تو ایک دن ہوا۔ ابو العتاہیہ بہت سے اہل محلہ کے مجمع میں بیٹھے تھے کہ ایک شوخ و بیباک عیار نے آ کر اُن سے سوال کیا۔ عیار اُن دنوں عراق میں

کثرت سے تھے۔ جو ہمارے یہاں کے آزاد فقیروں کی طرح فقرے اور پھبتیاں کہنے والے نہایت ہی دریدہ دہن اور گستاخ ہوا کرتے تھے۔ آپ نے اپنی عادت کے مطابق فرمایا "برکت ہے"۔ اُس نے دو تین بار ڈھٹائی سے سوال کیا اور یہ بھی وہی جواب دیتے رہے کہ "برکت ہے۔ آگے بڑھو"۔ ان کا ایک شعر اس مضمون کا تھا کہ "ہر شخص اپنے مال میں سے فقط کفن پائے گا"۔ عیار نے وہ شعر سنایا اور کہا "تو بابا تو کیا اپنی ساری جمع جتھا کفن ہی میں لگا دے گا؟" ابوالعتاہیہ نے جواب دیا "ہرگز نہیں"۔ عیار نے کہا "تو پھر تیرے کفن دفن میں کتنا خرچ ہوگا؟" کہا "پانچ دینار"۔ عیار بولا "تو بابا دو پانچ دینار نکال لے اور اُس سے جو بڑھے اُس میں سے ایک درہم فقیر کو دلوا"۔ کہا "تجھ کو جو دوں گا وہ مجھے نہیں مل سکتا تو اس کا مستحق نہیں ہے"۔ آزاد بولا "اچھا بابا ایک کام کر وہ پانچ دینار جو کفن دفن کے لیے رکھے ہیں اُن میں سے ایک کو بھنا۔ تین درہم لیں گے۔ دو اپنے پاس رکھ اور ایک مجھے دے"۔ ابوالعتاہیہ نے تعجب سے پوچھا "یہ کیوں؟" بولا "اس لیے کہ تین درہموں میں قبر کھدتی ہے۔ مجھے ایک درہم دے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ تیری قبر کھود دوں گا۔ دو درہم تجھے بچ رہیں گے۔ تو اس سے زیادہ کیا فائدے میں رہ سکتا ہے؟ اور اگر بالفرض میں نہ کھود سکا تو وہ درہم تیرے وارثوں کو واپس کر دوں گا۔ تجھے اعتبار نہ ہو تو جس کی کہے میں ضمانت لکھوا دوں"۔ آزاد کا یہ جواب سُن کر ابوالعتاہیہ شرما گیا۔ اور جھنجھلا کے اُس سے کہا "دور ہو یہاں سے!" وہ ہنستا ہوا چلا گیا۔ اور جتنے لوگ صحبت میں بیٹھے تھے سب ہنس پڑے۔ اُن کی طرف دیکھ کر ابوالعتاہیہ نے کہا "ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے خیرات دینا حرام ہو گیا ہے"۔ لوگوں نے کہا "نہیں معلوم ہوا کہ یہ حرمت کب ہوئی اور کس کے حکم سے ہوئی؟"

ایک شخص نے پوچھا "آپ اپنی جائداد کی زکوٰۃ بھی دیتے ہیں؟" بولا "خدا کی قسم بال بچوں کو زکوٰۃ ہی میں سے تو کھلاتا ہوں"۔ اُس نے کہا "خوب۔ زکوٰۃ تو محتاجوں اور فقیروں کا حق ہے"۔ کہنے لگا "زکوٰۃ نہ ملے تو اُن سے زیادہ محتاج دنیا بھر میں کوئی نہ ملے گا"۔

ایک نیاض رئیس سے دوستی تھی وہ ہمیشہ سلوک کرتا اور اُن کی ساری حاجتیں پوری کر دیا کرتا - وہ مرگیا تو اُس کے بھائی کے پاس پہونچے اور کچھ مانگا اُس نے دیتے میں تامل کیا - آپ نے اس مضمون کے اشعار لکھ بھیجے کہ "افسوس جو دوست تھا مرگیا اور جس سے نفرت ہے وہ نہیں مرتا" - خر اُس نے انکی شمشیر زبان کے خوف سے جو کچھ مانگا حاضر کر دیا -

ایک بزاز سے کچھ کپڑا لیا تھا مگر دام باقی تھے - ایک دن گدھے پر سوار اُس کی دُکان کے سامنے سے گذرے - اُس نے اپنے غلام کو دوڑایا کہ قیمت وصول کر لاؤ - اور خبردار بے لیے نہ آنا - پُل پر پہونچے تھے کہ غلام نے آکے گدھے کا دہانہ پکڑ لیا اور روپئے کا تقاضا کیا - انھوں نے رقم کے دینے میں تامل کیا تو غلام دست درازی کرنے لگا - اتفاق کی بات - وہ غلام نہایت ہی حسین و خوش رو تھا - جو دیکھتا دیکھتا رہ جاتا - دم بھر میں سیکڑوں آدمی جمع ہو گئے - اتنے میں آپ نے فی البدیہہ دو شعر پڑھے "تیری صورت کیسی پیاری ہے کاش اسی پیارے مکھڑے کی سی تیری حرکتیں بھی ہوتیں" اشعار سُن کے سارے مجمع نے قہقہہ لگایا - اور وہ خوبصورت غلام ایسا جھینپا کہ چھوڑ کے بھاگا - اور مالک سے جا کے کہا "آپ نے مجھے ایسے شیطان کے پاس بھیجا کہ اُس نے ہزارہا خلقت کو جمع کر کے مجھ پر ایسے شعر کہے کہ مجھے چھوڑ کے بھاگ آنا پڑا"

(۲)

معن بن زائدہ کے بیٹے عبداللہ اور ابو العتاہیہ میں سخت مخالفت تھی - عبداللہ اُس عہد کے رؤسائے کبار میں تھا جس کے خاندان کے لوگ بڑی بڑی ولایتوں کے والی و گورنر تھے اور ابو العتاہیہ فقط شاعر - مگر اُس کی شاعری کی قوت اس بلا کی تھی کہ عبداللہ کو اس سے پناہ نہ ملتی - اور جو اشعار اس کی ہجو میں کہہ دیتا دنیا بھر کی زبان پر چڑھ جاتے - اور یہ سلطنت کی قوت سے بھی باہر تھا کہ سارے عالم کی زبان پکڑ لے - اُنھیں میں ایک ایسا شعر تھا جو خلیفہ ہارون رشید کے دل پر نقش ہو گیا - اور یہ حالت تھی کہ عبداللہ کی صورت دیکھی اور وہ شعر زبان پر جاری ہو گیا - اس پر ایک دن عبداللہ بن معن کو اس قدر غصہ آیا کہ دربار سے

آتے ہی ابو العتاہیہ کو بلا بھیجا۔ اور جیسے ہی وہ آیا ابن زائدہ کے اشارے سے غلاموں نے اُس کے ساتھ ایسی حرکت کی کہ منہ دکھانے کے قابل نہ رکھا۔ پھر جب یہ نحش سزا دے چکا تو اُسے اپنے سامنے بٹھا کے کہا "یہ تمھارے بیہودہ کلام کا بدلہ تھا۔ لیکن اب مناسب جانو تو مجھ سے صلح کر لو۔" یہ کہ کر ایک نفیس گھوڑا اور دس ہزار دینار پیش کیے۔ پھر آپ ہی عبداللہ نے کہا "اس میں کچھ زبردستی نہیں ہے۔ جی چاہے تو دشمن ہی بنے رہو۔" ابو العتاہیہ ایسا ذلیل۔ حریص اور بخیل تھا کہ بولا "جی نہیں۔ مجھے صلح منظور ہے۔" اور وہ انعام اپنے قبضے میں کر لیا۔ عبداللہ نے کہا "تو پھر اس صلح کی یادگار میں بھی چند شعر کہہ ڈالو۔" کہا "بہت خوب۔" اور فی البدیہہ آٹھ شعر کہے جن میں پہلے دشمنی اور اُس کے بعد صلح ہو جانے پر عجب لطف کے ساتھ خیال آفرینی کی ہے۔

عبداللہ کی اس مخالفت کی اصلی بنیاد باہمی رقابت تھی۔ سُعدیٰ نام حیرہ کی ایک پری جمال و آفت روزگار عورت تھی جس کا پیشہ یہ تھا کہ غمی کے گھروں میں جا کے بین اور نوحہ و ماتم کیا کرتی۔ اُس پر عبداللہ بھی فریفتہ تھا اور ابو العتاہیہ کا اس پر کچھ زور نہ چل سکتا۔ اس لیے کہ وہ خاص معن بن زائدہ کے گھرانے کی کنیز تھی۔ آپ کا کچھ اور زور نہ چلا تو اس نازنین کنیز کی ہجو کہی اور اُسے بدنام کیا کہ عورتوں میں جا کے اُن سے ناجائز تعلقات پیدا کرتی ہے۔ اور اُس کے اس مضمون کے چار شعر اس درجہ زبان زد خاص و عام ہو گئے کہ سُعدیٰ کسی کو صورت دکھلانے کے قابل نہ رہی۔ عبداللہ ابن معن کو یہ نہایت ناگوار ہوا۔ اور ابو العتاہیہ کو دھمکی دی کہ میری کنیز کی نسبت پھر کچھ کہا تو تمھارے حق میں اچھا نہ ہو گا۔ اس کے جواب میں آپ نے خود عبداللہ کی ہجو کہی۔ جس میں اُسکو بزدل اور نامرد ظاہر کیا۔ یہ اشعار عبداللہ کے گوش گزار ہوئے تو ایک روز کسی مکان میں آپ کو پکڑ لیا۔ اور سو کوڑے مارے۔ مگر اس خیال سے کہ عوام الناس ابو العتاہیہ کے نہایت ہی دوست اور طرفدار ہیں کوڑے آہستہ آہستہ مارے جن سے چوٹ بہت کم لگی۔ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر آپ نے پھر اُس کی ہجو کہی جس میں اُسے عورت بنایا۔ اور کہا "معن کی بیٹی نے مجھے اپنے نازک ہاتھوں

سے کوڑے مارے - اُس کی ہتھیلی دُکھ گئی - اور مجھے ذرا بھی تکلیف نہ ہوئی"

یہ ہجوین زیادہ مشہور ہوئین تو معن کے گھرانے والے نہایت پریشان ہوئے عبداللہ کے بھائی یزید بن معن نے بھی بگڑ کے ابوالعتاہیہ کو دھمکایا - مگر وہ کسی طرح اپنی حرکتون سے باز نہ آتا تھا - اسی دوران مین عبداللہ کے وہ انتقام لینے کا واقعہ بھی پیش آیا - جس کا اس مخالفت کے آغاز ہی مین ذکر ہو چکا ہے - جب بنی معن بن زائدہ سے اُس کی زبان بند کرنے کی کوئی تدبیر نہ بن پڑی - اور روز بروز وہ اپنی ہجوؤن کی شہرت سے عوام کی نظر مین ذلیل ہوتے جاتے تھے تو وہ سب کوفے کے معزز و مستند قبیلون اور نقیبون مندل اور حیان کے پاس گئے جو بنی عنزہ یعنی اُس قبیلے کے واجب الاحترام بزرگ تھے جس مین ابوالعتاہیہ اپنے آپ کو شمار کرتا تھا اور اُن سے کہا "آپ کے ہمارے گھرانے مین ہمیشہ سے اتحاد رہا ہے - مگر آپ کے قبیلے کے ایک غلام کے ہاتھ ہماری ایسی رسوائی ہو رہی ہے اور ہم پر ایسی مصیبت آ پڑی ہے کہ کوئی مخالف بھی ہوتا تو ہمدردی کرتا - اور دور کے تعلقات رکھنے والے بھی ایسے بیہودہ شخص کو اپنے گروہ سے نکال دیتے" اُن دونون بزرگون نے ابوالعتاہیہ کو بلا کے صلح کرا دی - اُن بزرگون کی مخالفت کرنا امکان سے باہر تھا - ابوالعتاہیہ نے مجبوراً صفائی کر لی - اور پھر کبھی خاندان معن کی ہجوین کچھ نہ کہا - مگر عوام جو اُن شوخ و با مذاق ہجوؤن سے مزے لینے کے عادی ہو رہے تھے اُسکو اس صلح پر لعنت ملامت کرنے لگے -

بڑے لطف کی یہ بات تھی کہ عبداللہ کے بھائی زائدہ بن معن کے ساتھ ابوالعتاہیہ کے تعلقات ہمیشہ اچھے رہے - بلکہ زائدہ کے مرنے پر ابوالعتاہیہ نے اُس کا نہایت ہی درد انگیز اور پُر سوز و گداز مرثیہ کہا -

عبداللہ بن معن کی ہجو مین ابوالعتاہیہ کے ایک شعر کا یہ مضمون تھا کہ "تو نے جو سونا تلوار کے قبضے پر چڑھوایا ہے اُس کو گلوا کے پازیب بنوا لے - جب تو لڑنے کے کام کا نہین ہے تو پھر تلوار لٹکا کے کیا کرے گا" اس شعر کی نسبت خود عبداللہ کہا کرتا کہ "مین زندگی بھر جب تلوار باندھنے لگا یہ شعر یاد آ گیا اور دل مین کہا کہ مجھے

گھوار یاد جسے دیکھ کر لوگوں کو یہ شعر یاد آگیا تو میری کیا عزت باقی رہے گی؟"

ابو العتاہیہ کا زیادہ کلام پند و نصیحت بے ثباتیٔ عالم اور موت کو یاد دلانے میں ہے۔ ایک دن وہ اور مسلم بن ولید شاعر ایک صحبت میں جمع تھے۔ مسلم نے اثنائے کلام میں کہا "اگر مجھے تمھاری شاعری پسند ہوتی جس میں کہا کرتے ہو کہ الحمد و النعمۃ لک۔ والملک لا شریک لک۔ لبیک ان الملک لک تو میں دن میں دس ہزار شعر کہ ڈالتا۔ لیکن میں تو ایسے شعر کہتا ہوں۔" یہ کہ کر جز میں اپنے چند اشعار سنائے۔ ابو العتاہیہ نے کہا "اچھا تو تم میری طرح الحمد و النعمۃ کے ایسے چند شعر کہہ دو اور میں تمھارے سے شعر کہوں۔"

باوجود طرح طرح کی آزادیوں کے ابو العتاہیہ شرع کا پابند بھی تھا۔ ایک بار حج کعبہ کا ارادہ کیا۔ احرام باندھ کے چلا تو ہارون رشید نے کہا "ایک عاشقانہ غزل کہو۔" اُس نے اس سے قطعاً انکار کیا۔ اس کی سرتابی پر رشید کو غصہ آگیا۔ اُسے ساٹھ لکڑیاں ماریں اور قسم کھا گیا کہ "جب تم غزل نہ کہو گے قید سے نہ چھوڑوں گا۔" خلیفہ کی یہ ضد دیکھ کے اُس نے بھی قسم کھالی کہ "اگر برس بھر تک، سوا تلاوت قرآن یا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے کے کوئی اور لفظ زبان پر لاؤں تو میری جورو کو طلاق ہے۔ اور میرے سارے لونڈی غلام آزاد ہیں۔" جب غصہ اُترا تو ہارون رشید اپنے اس فعل پر نادم ہوا اور پچھتایا۔ مگر قسم پوری کرنے کے لیے حکم دے دیا کہ "ابو العتاہیہ سال بھر تک ایک مکان میں قید رکھا جائے۔ حوائج ضروریہ بافراط مہیا کر دیے جائیں۔ اور کسی کو آنے جانے یا ملنے جلنے کی بھی روک ٹوک نہ ہو۔"

یہ ہم بیان کر آئے ہیں کہ رشید کے معزز ترین مغنی دربار ابراہیم موصلی سے ابو العتاہیہ سے پرانے دلی تعلقات تھے۔ وہ اپنی شاگرد مخارق کو جو اس زمانے کی بڑی مقبول عام مغنیہ گزری ہے جس کی شرفا اور مہذب لوگوں میں بڑی قدر تھی وقتاً فوقتاً اُس کی خبرگیری اور خیریت دریافت کرنے کو بھیجا رہتا۔ خود مخارق کہتی ہے کہ "میں جب جاتی دیکھتی کہ ابو العتاہیہ کے پاس کاغذ قلم دوات رکھے رہتے۔ میں جو کچھ پوچھتی اُس کا جواب وہ کاغذ پر لکھ دیا کرتا۔

اس لیے کہ بات کرنے کی تو قسم کھائی تھی۔ ان دنوں ابراہیم نے ایک نئی دلکش دھن ایجاد کی۔ وہ مجھ کو سکھائی اور کہا یہ دھن جا کر ذرا ابو العتاہیہ کو بھی سنا آؤ۔ میرا بے تکلف دوست ہے۔ دیکھوں وہ کیا کہتا ہے۔ پسند کرتا ہے یا نہیں۔ میں نے اُس کے پاس جا کے وہ دھن سنائی تو اُس نے کاغذ پر لکھ دیا کہ مجھے قسم کھائے پورا ایک برس ہو گیا شام کو میری قسم پوری ہو جائے گی۔ اس لیے آج رات تک تم یہیں میرے پاس بیٹھی رہو۔ باتیں کر کے جانا۔ میں ٹھہر گئی۔ یہاں تک کہ مغرب کی اذان ہوئی۔ اور نماز پڑھ کے اُس نے مجھ سے باتیں شروع کیں اور کہا "ابراہیم سے جا کے کہنا کہ ذرا مزا دے تو نے یہ دھن نہیں ایجاد کی قیامت تک کے لیے ایک فتنہ پیدا کر دیا۔ دیکھ کل قیامت کو تیرا کیا حشر ہوتا ہے۔" میں نے کہا خیر یہ تو آپ کی اور ابراہیم کی بے تکلفی کی باتیں ہیں ان کو جانے دیجیے۔ اور فرمائیے کہ اس قید سے آزادی پانے کی آرزو میں آپ نے کوئی نظم بھی کہی ہے؟ کہنے لگا "ہاں۔ اپنی جورو کے فراق میں چند شعر کہے ہیں۔" وہ اشعار مجھے سنائے میں انکو لکھ لائی اور ابراہیم کے سامنے پیش کر دیا۔

ابراہیم نے اپنے کمال موسیقی سے فوراً ان اشعار میں ایک نہایت ہی پرسوز و پُر اثر دھن قائم کی۔ اور اُسی دن جا کے وہ نغمہ رشید کو سنایا۔ رشید سن کر نہایت متاثر ہوا۔ اور پوچھنے لگا یہ دھن اور یہ اشعار کس کے ہیں؟" عرض کیا دھن تو خاکسار نے ایجاد کی ہے۔ مگر اشعار امیر المومنین کے قیدی ابو العتاہیہ کے ہیں۔" ابو العتاہیہ کا نام سنتے ہی رشید چونک پڑا۔ اور پوچھا "کیا اُس نے اپنی قسم پوری کر لی؟" کہا "جی ہاں۔" فوراً اپنے خادم مسرور کو بھیج کر اسے بلوایا اور جب وہ حاضر ہو گیا تو مسرور سے پوچھا "میں نے اس کو کتنی لکڑیاں ماری تھیں؟" اُس نے کہا "حضور ساٹھ لکڑیاں۔" حکم دیا کہ "اسی وقت ساٹھ ہزار درہم لاکے اسکو دو۔" پھر خلعت سے سرفراز کر کے اسے رخصت کیا۔ اور آزادی عطا کی۔

ایک بار رشید قیام رقہ کے زمانے میں ابو العتاہیہ سے کسی بات پر ناراض ہو گیا۔ ابو العتاہیہ نے اپنے حسب حال فضل بن ربیع کو تین شعر لکھ کر بھیجے۔

بنشایہ تھا کہ مین مورد عتاب ہون اور آپ توجہ نہین کرتے۔ فضل نے فوراً کھڑے ہو کے رشید کو صاف کر دیا۔ اور اُسے بلا کر دربار مین بٹھا دیا۔

اُن دونون یمنی اور مضری قبائل عرب مین جو عداوت پیدا ہو گئی تھی ظاہر ہے۔ مہدی عباسی کی ماں یمانی نژاد تھی۔ اور مہدی کے ماموں یزید بن منصور کا بڑا زور تھا۔ ابو العتاہیہ نے اپنے آپ کو بھی لخمی کہنا شروع کر دیا جو کہ یمنی مین کا ایک قبیلہ تھا اور مشہور کیا کہ مین یمنیون کا غلام ہون۔ یہ سُن کے یزید اُسکے حال پر بڑا مہربان ہو گیا۔ اور اُس کی شاعری مین اتنا غلو ہو گیا کہ اُسکے سامنے کسی شاعر کی ہستی نہ سمجھتا۔ مگر جیسے ہی یزید بن منصور مرا آپ پھر بنی عنزہ مین شامل ہو گئے۔ فضل بن عباس نے یہ سُن کر پوچھا "آپ تو اپنا تعلق اہل یمن سے بتاتے تھے" جواب دیا "اُن دنون اُس کی ضرورت تھی"۔

ایک روز مہدی کو شاعری کا شوق ہوا۔ تمام شعرا کو دربار مین طلب کیا۔ اُن مین بشار اور اُس کا شاگرد اشجع بھی حاضر تھے۔ ابو العتاہیہ کو دیکھ کے بشار نے اشجع سے پوچھا "یہ وہی کوفے والا ہے جو روز اپنا نسب بدلا کرتا ہے؟" اُس نے کہا "جی ہان"۔ بولا "خدا اُس سے سمجھے جس نے ہمین اور اُس کو ایک صحبت مین جمع کیا ہے"۔ اتنے مین مہدی نے ابو العتاہیہ کو قصیدہ خوانی کا حکم دیا۔ اور بشار نے برہمی کے ساتھ کہا "اور لو۔ کلام بھی پہلے اُسی کا سُنا جاتا ہے"۔ ابو العتاہیہ اپنا معرکۃ الآرا قصیدہ "الا یا لسیدتی مالہا" سنانا شروع کیا جس مین خلیفہ کی ایک خوبصورت لونڈی کی خوبیون کی تعریف شروع کی ہے۔ چند اشعار سُن کے بشار نے اشجع سے کہا "حیران ہون کہ اس قصیدے مین کس بات کا خیال کرون۔ کلام کی کمزوری اور ابتذال کا یا اس کا کہ خلیفہ کی محبوبہ لونڈی پر یہ اظہار عشق کر رہا ہے"۔ اس کے بعد جب ابو العتاہیہ نے گریز مین یہ بتایا کہ وہ محبوبۂ خلافت ہے۔ اور مدح کے پُر زور اشعار پڑھنا شروع کیے تو بشار کی یہ حالت تھی کہ وفور لطف سے مبہوت تھا۔ اور بار بار اشجع سے کہتا "دیکھنا خوبی کلام کی مسرت کے نشے مین خلیفہ گر تو نہین پڑا"۔ اور واقعی اس قصیدے مین ایسی ہی خوبیان ہین کہ اُسے سہل ممتنع کہیے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

رجا سلمی کا بیان ہے کہ ایک دن ابوالعتاہیہ اپنے کلام کی فصاحت کے نشے مین کہنے لگا "کل مین نے سورۂ "عم یتساءلون" پڑھی اور اُس کے بعد اُس سے اچھا قصیدہ کہہ لیا۔" اور اُس کا یہ فقرہ سُن کر منصور بن عمار نے جو اُس عہد کے علما مین سے تھے اُسے بہت لعنت ملامت کی۔

اسکے بعد منصور نے ایک دن عطا بن تجبر کا ایک مشہور واقعہ بیان کیا ابوالعتاہیہ نے اُس کو سُن کر کہا "اس واقعے کو انھون نے ایک کوئی شخص کے بیان سے چرا لیا ہے" یہ اعتراض منصور کے گوش گذار ہوا تو بہت بگڑے اور مجمع عام مین ابوالعتاہیہ کو زندیق و مرتد ظاہر کیا۔ اور کہنے لگے آپ لوگ دیکھتے نہین کہ اس کے کلام مین موت اور فنا کا ذکر تو ہر جگہ ہے مگر جنت و دوزخ کا کہین نام بھی نہین آتا۔ ان کی یہ نکتہ چینی ابوالعتاہیہ نے سُنی تو اُن کی ہجو مین چند اشعار کہہ کے اُن کی مٹی خراب کی۔ تھوڑے ہی زمانے کے بعد منصور کا انتقال ہوگیا۔ ابوالعتاہیہ اُن کی قبر پر گیا۔ اور اُن کی طرف مخاطب ہو کے کہا "خدا تمھارا یہ گناہ معاف کرے کہ تم نے مجھے تہمت لگائی تھی۔"

ابوالعتاہیہ کا بیٹا محمد کہتا ہے کہ والد کے پڑوس مین ایک عورت رہتی تھی جو کوٹھے پر چڑھ کے کبھی کبھی اُن کی حالت دیکھتی اور اُتر جاتی۔ اُس نے لوگون مین مشہور کیا کہ مین نے ابوالعتاہیہ کو اپنی آنکھون سے دیکھا کہ چاند کی طرف مخاطب ہو کے اُس نے ایک دعا پڑھی۔ ملحدون کے سرغنا حمدویہ نے جو یہ واقعہ سُنا تو ایک دن آکے اُس عورت کے مکان مین رات بھر رہا۔ اور برابر دیکھتا رہا۔ مگر جو کچھ دیکھا یہ تھا کہ ابوالعتاہیہ نے تہجد کی نماز شروع کی تو دیر تک پڑھتا رہا۔ پھر وتر اور قنوت پڑھی اور بچھونے پر لیٹ کے سو گیا۔

اس واقعے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ در اصل وہ نہایت صادق العقیدہ مسلمان اور دیندار شخص تھا۔ مگر عداوت کی وجہ سے لوگ بدنام کرنے کے لیے اُسکو ایسی جھوٹی تہمتین لگا دیا کرتے تھے۔

چنانچہ اس کی تصدیق نوش جانی نام اُس عہد کے ایک رئیس کے بیان سے ہوتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایک دن ابوالعتاہیہ میرے گھر پر آکے مجھ سے ملا۔

اور کہنے لگا کہ "لوگ مجھے ملحد کہتے ہیں - حالانکہ میں خدا کی قسم موحد ہوں" کسی نے کہا " تو اس مضمون کے چند شعر کہہ دیجیئے تاکہ یادگار رہیں" اس نے کہا بہت خوب - اور فی البدیہہ توحید و حمد باری میں چار ایسے شعر کہہ دیئے جو لاجواب ہیں"

ابو العتاہیہ نے " ارجوزہ ذات الامثال " کے نام سے ایک بڑی طولانی مثنوی کہی ہے - جس میں چار ہزار ضرب المثلیں مدون کر دی ہیں - مستند امام نحو و ادب جاحظ کے سامنے ایک دن لوگوں نے اس مثنوی کے اشعار پڑھنا شروع کیے - ایک مصرع پر جاحظ نے پڑھنے والے کو روک دیا اور کہا " یہ وہ مضمون ہے جس کے ادا کرنے سے زبانیں عاجز ہیں دل مزے لیتا ہے مگر اظہار سخت دشوار ہے - بہت سوچنے سمجھنے اور غور کرنے کے بعد لمبی چوڑی عبارت میں کوئی ادا کر دے تو بھی یہ خیال اتنی جلدی ذہن نشین نہیں ہو سکتا"-

ابو العتاہیہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے لوگوں سے بہت جلا ہوا تھا- کسی نے پوچھا فرمائیے میں اپنی انگوٹھی پر کون سا فقرہ کندہ کراؤں؟ کہا "خدا لو سارے آدمیوں پر خدا کی لعنت"

عمرو بن علاء کی ابو العتاہیہ نے مدح کی - وہ اس قدر خوش ہوا کہ اسے ستر ہزار درہم انعام میں دے دیے - اور شعرا نے سنا تو متحیر ہوئے اور کہنے لگے اس کوئی شخص کا کلام ایسا نہیں ہے کہ اس کو اتنا انعام دیا جائے عمرو نے سب شعرا کو اپنے گھر میں جمع کیا اور کہا " تم سب مضمون کے قریب چکر لگاتے رہتے ہو مگر اسکو پاتے نہیں - چنانچہ پچاس شعر تشبیب میں کہہ لیتے ہو تب مدح کی نوبت آتی ہے - ابو العتاہیہ کا کمال دیکھو کہ اس نے فقط دو شعروں میں تمہید - تشبیب - اور مدح سب ختم کر دی - اور ایسا کہا کہ بہت سے شاعر ان مضامین کو نہیں ادا کر سکتے"

عتابی نام اس عہد کے ایک باکمال ادیب نے کسی سے کہا " شاعر عراق کا کچھ کلام سناؤ - پوچھا " شاعر عراق کون؟" کہا " ابو نواس - اس شخص نے

کہا" میں سمجھتا تھا کہ آپ ابوالعتاہیہ کا کلام سننا چاہتے ہیں"۔ عتابی نے کہا میں ابوالعتاہیہ کو کہتا تو کوسنے کی قید نہ لگاتا اس لیے کہ وہ تو ساری نوع بشر کا بہترین شاعر ہے"

ایک دن ابوالعتاہیہ کہ رہا تھا کہ بہت سے لوگ شعر کہہ جاتے ہیں مگر وہ شاعر نہیں ہوتے۔ اتنے میں ایک بازاری پھیری والے نے ہانک لگائی۔ "کھال والے یہ کھال بیچے گا" ابوالعتاہیہ نے کہا "لو سن لو۔ اتنے میں پھر آواز آئی" نفع گر چاہتا ہے تو یاں آ" سن کے کہا" دیکھو شعر پورا ہوگیا مگر یہ شاعر نہیں ہے"

اصمعی نے اس کے کلام کی نہایت بذلہ سنجی سے تعریف کی ہے۔ کہا "ابوالعتاہیہ کا دیوان بادشاہوں کا محل ہے جس میں جواہرات۔ سونا۔ مٹی۔ ٹھیکرے اور گٹھلیاں سب ہی چیزیں موجود ہیں"

عبداللہ بن حسن سے ابوالعتاہیہ ملنے کو گیا۔ اس نے پوچھا" الفاظ کی جستجو میں آپ کو تو ایسی دشواری نہیں پیش آیا کرتی ہے کہ مجبور ہو کے غیر مانوس اور بھونڈے الفاظ استعمال کرنے لگتے ہوں"۔ اس نے کہا" نہیں"۔ عبداللہ بولے" ہاں آپ کے سلیس الفاظ اور آسان قافیے دیکھ کر میرا بھی یہی خیال قائم ہوا تھا" ابوالعتاہیہ نے کہا" تو آپ مشکل قافیہ دے کے بھی آزما لیجیے"۔ اس نے کہا "اچھا فراغ کے قافیے میں زور طبع دکھائیے"۔ اس نے برجستہ پانچ شعر کہے اور باوجود قافیوں کی کمی کے ان میں ایک بھی قافیہ ایسا نہ تھا جو غیر مانوس ہو۔

مسلم بن ولید کہتا ہے" میں ابوالعتاہیہ کے کلام کو معمولی سمجھا کرتا تھا۔ ایک دن وہ مجھے اپنے یہاں دعوت میں بلا لے گیا۔ کھانے کے بعد میں نے اپنے چند عاشقانہ اشعار سنائے اور کہا" آپ بھی اسی مذاق کے شعر سنائیے"۔ اس نے اسی وقت مشکل قافیوں میں ایسے سلیس اشعار سنائے کہ میں دنگ ہوگیا۔ اور کہا" جو ایسے اشعار کہہ لیتا ہو اسے گویا دنیا کی ساری نعمتیں مل گئیں" کہنے لگا" یہ نہ کہیے۔ شاعری بھی ایک قسم کا شکار ہے"

ایک دن ہارون رشید کے قصر مین شعرا جمع تھے - اُس نے سامنے بُلوا کے کہا اپنا اپنا کلام سُناؤ"- ابو العتاہیہ نے خود آ پڑھ کے ؟ تو اس بلا کے شعر سُنا دیے کہ رشید حیران رہ گیا - بار بار کہتا تھا " واہ واکیا خوب ! " مگر اُس دن سوا اُسکے کسی کو انعام نہین دیا -

رشید نے ایک دن گھوڑ دوڑ کی - اُس کا محبوب گھوڑا شمہ سب کے آگے نکل گیا - جب وہ جیت کے سامنے آیا تو شعرا سے کہا " اس کی تعریف کرو" اُس موقع پر بھی ابو العتاہیہ نے دو ایسے شعر سُنا دیے کہ پھر کسی شاعر کو طبع آزمائی کی جرأت نہ ہوئی - اور وہی اکیلا انعام لے گیا -

محمد بن عبد الجبار مروزی نے ابو العتاہیہ کے آغاز شاعری کا یہ نہایت دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک دن کوفے مین وہ مٹی کے برتنون کا ٹوکرا پیٹھ پر لادے بیچتا پھرتا تھا - ایک صحبت مین چند نوجوانون کو شعر خوانی کرتے سُن کے ٹھہر گیا - ٹوکرا اُتار کے زمین پر رکھا اور ان سے کہا " مین ایک مصرع پڑھتا ہون آپ اس مین مصرعے لگا کر نظم پوری کر دین تو دس درہم دون گا - لیکن شرط یہ ہے کہ مصرعے نہ لگا سکے تو دس درہم آپ سے بھرونگا" اُن لوگون کو دل لگی سوجھی - کہا منظور - اور اُسکو بنانے لگے - مگر ابو العتاہیہ نے اُن کو ایک مصرع بنایا - اور کہا اُس پر مصرعے لگائیے " - اور وقت مقرر کر دیا کہ دھوپ کے فلان مقام تک پہونچنے سے پہلے نظم پوری ہو جائے - ان لوگون نے طبیعت پر لاکھ زور ڈالا - نہ کہ سکے - اب ابو العتاہیہ کی باری تھی - اُس نے ان سب کو بنانا اور ذلیل کرنا شروع کیا - آخر اُن سے دس درہم لیے اور اُس مصرع پر اپنی نظم سُنا کے ٹوکرا اُٹھایا - اور آگے کی راہ لی -

(۳)

خود ابو العتاہیہ کہتا ہے کہ خلیفہ مہدی ایک دن مجھے اپنے ساتھ شکار مین لے گیا - وہان ایک ہرن کے پیچھے گھوڑا ڈالا تو تمام رفقا چھوٹ گئے - بس اکیلا مین تھا اور کوئی نہ تھا - اتنے مین بادل گھر آیا اور مینہ برسنے لگا -

ہم دونون گھبرا کے ایک ندی کے کنارے پہونچے جہان ایک ملاح لوگون کو پار اُتارا کرتا تھا۔ اُس سے ہم نے راستہ پوچھا تو بجاے راستہ بتانے کے وہ ہم دونون کو اُتو بنانے لگا کہ اسس مینہ مین نکلا۔ کو نکلے ہو پھر خود ہی اُسے ترس آگیا۔ ہمین ندی کے کنارے کنارے تھوڑی دور لیجا کے ایک جھوپڑے مین داخل ہوا اور ہمین اندر لایا۔ مہدی سردی سے کانپ رہا تھا۔ ملاح نے کہا "اپنا گاڑھے کا جبہ اُتار دون؟" مہدی نے شکریے کے ساتھ قبول کیا۔ اور جبہ اوڑھ کے سو گیا۔ تھوڑی دیر مین مہدی کا گھوڑا جھوپڑے کے دروازے پر دیکھ کے اُسکے تمام رفقا اور غلام آپہونچے ملاح نے جو اس گروہ کو دیکھا تو سمجھا کہ یہ خلیفہ کے سوا اور کوئی نہین ہو سکتا۔ اور بھاگ کھڑا ہوا۔ غلامون نے اندر آکے مہدی پر سے وہ میلا ذلیل جبہ اُتارا اور حریر و کمخاب کی رضائی اُڑھا دی۔ تھوڑی دیر مین مہدی کی آنکھ کھلی تو پوچھا "وہ ملاح کہان ہے؟" مین نے کہا "وہ تو بھاگ گیا۔ رات کو اُس نے بیوقوف بنایا تھا۔ اب ڈرا کہ اس گستاخی کی سزا ملے گی۔" مہدی نے کہا "ہم پر اُس کے حقوق واجب ہو گئے ہین۔ خدا کی قسم میرا ارادہ تھا کہ اُسے مالا مال کر دون گا۔ اور اُس نے غلط کون سی بات کہی تھی؟ ہم تو اس سے زیادہ کے سزاوار تھے۔ اچھا تو اب اس کی سزا یہ ہے کہ تم میری ہجو کہو۔ مین نے تامل کیا تو وہ قسمین دلانے لگا۔ مین نے کہا "امیرالمومنین۔ بھلا مجھ سے یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کی ہجو کرون؟" کہا "مین کچھ نہ سنون گا۔ بخدا تم کو میری ہجو کہنا پڑے گی۔" مین نے مجبور ہو کے اُس رضائی کی مذمت مین شعر کہا جس کو وہ اوڑھے تھا۔ بولا "یہ کافی نہین ہے اور کہو۔" مین نے ایک اور شعر کہا جو بالکل معمولی تھا۔ اس سے بھی اطمینان نہ ہوا۔ مین نے تیسرا شعر کہا۔ اب بھی اُس کا جی نہ بھرا۔ مگر اپنے ہمراہیون سے تنگ آکے کہنے لگا "خدا تم پر لعنت کرے۔ بس رہنے دو۔ اور چلو۔" آخر ہم سب نے سوار ہو کر گھر کی راہ لی۔

ایک مرتبہ مامون رشید کے پڑاؤ مین لوگون کو ایک کاغذ پڑا ملا جس پر دو شعر لکھے تھے جو کسی کی مذمت مین تھے۔ ہاشم نے اُنکو پڑھ کے کہا "یہ شعر تو ابو العتاہیہ کے ہین۔ مگر میری شان مین نہین فضیل بن سہیل کی شان مین ہین۔" فضیل نے کہا "مین

خط نہین پہچانتا - اس لیے نہین کہ سکتا کہ ابو العتاہیہ کا خط ہے یا کسی اور کا۔ یہ واقعہ مامون نے سنا تو اُس کاغذ کو منگوا کے دیکھا - فوراً پہچان گیا - اشعار کی داد دی اور ابو العتاہیہ کو انعام بھیجا -

علی بن یقطین اُس عہد کے قابل اہل دربار مین سے تھا - وہ ابو العتاہیہ کا قدردان - ہر سال تحفے کے طور پر اُسے کچھ رقم دیا کرتا - ایک سال اسکو دینے مین تاخیر ہوئی - ابو العتاہیہ یاددہانی کو جاتا تو بڑی تعظیم و تکریم سے ہاتھون ہاتھ لیتا - صدر مین بٹھاتا - اور اُس کی مروت مین ابو العتاہیہ کو کچھ کہتے نہ بن پڑتی ایک دن گیا تو ابن یقطین خلیفہ کے پاس جانے کے لیے سوار ہو رہا تھا - غلام کو بھیج کر دروازے پر رکوا دیا اور کہلا بھیجا کہ تھوڑی دیر مین پلٹا ہون اس کی ابو العتاہیہ کو برداشت کہان؟ چند شعر فی البدیہہ کہکے بھیجے - جن مین کچھ ایسی دھمکی تھی کہ جب مقررہ انعام دے کر معذرت خواہی کے ساتھ اُسے رخصت کر لیا تب دربار مین گیا -

ابو العتاہیہ کا بیٹا محمد کہتا ہے کہ عتبہ نام ایک پر جمال عورت کی تعریف مین والد نے دو شعر کہے تھے جن کا مضمون یہ تھا کہ عتبہ کا حسن راہب کا معبود ہے - خداوند تو مجھے جنت دیکر اُسے بھلانا چاہے تو بھی مین نہ بھولون گا - یہی اشعار سن کر فقیہ منصور نے اُس کے زندیق و کافر ہونے کا فتوی دیا - اسی طرح اور ایک بار اُس نے اپنے اشعار مین یہ خیال ظاہر کیا کہ "حورین دنیوی معشوقون کی صورت مین بنائی گئی ہین" لوگون نے سنتے ہی اُسکو ملحد کہنا شروع کیا - ان واقعات کو ہمارے موجودہ شعرا اگر اکثر پیش نظر رکھا کرین تو شاعری مین اس قدر اعتدال سے باہر نہ ہو جایا کرین جیسا کہ اُن کا معمول ہو گیا ہے -

کسی نے ابو العتاہیہ سے کہا "اپنا سب سے اچھا شعر سناؤ" اُس نے یہ شعر پڑھا :-

النّاسُ فِی غَفَلَاتِہِم وَرَحَا المَنِیَّۃِ تَطحَنُ

(لوگ اپنی غفلتون مین پڑے ہین اور موت کی چکی برابر پیسی چلی جاتی ہے)

معلی بن ایوب کہتا ہے کہ ایک روز مین مامون رشید کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ

ایک مہذب و شایستہ شخص سے باتین کر رہا ہے جس کا حلیہ یہ ہے کہ نہایت خوبصورت داڑھی جس مین خضاب لگا ہے۔ بہت اُجلے براق کپڑے پہنے ہے۔ کسی درباری سے مین نے جھک کے پوچھا "یہ کون شخص ہین؟" اُس نے تعجب سے کہا "آپ انھین نہین پہچانتے؟ یہ ابو العتاہیہ ہین" اب مامون نے اس سے فرمایش کی کہ "موت کے متعلق اپنا کچھ کلام سناؤ"۔ اب اُس نے جو اشعار سنائے تو وہ ایسے پُر اثر تھے کہ مین حیران رہ گیا۔ پھر جب ابو العتاہیہ دربار سے اُٹھ کے چلا تو مین بھی اُس کے پیچھے ہو لیا۔ اور ڈیوڑھی مین روک کے جب تک وہ اشعار اُس سے پوچھ پوچھ کر لکھ نہ لیے چین نہ پڑا۔

گر مامون خود ادیب بے ہمتا تھا۔ ایک دن جو ابو العتاہیہ نے اسی مضمون کے دو شعر سنائے تو مامون نے پہلے شعر کی بیحد تعریف کی اور دوسرے کے مضمون پر ایسا اعتراض کیا جس کو ابو العتاہیہ نے قبول کیا۔ اور مامون نے اُس کی منصف مزاجی کی تعریف کرکے دس ہزار درہم انعام دیے۔ اس کے بعد ابو العتاہیہ دوبارہ گیا تو اسی مضمون کو لغزش سے بچا کے کہہ لے گیا۔ مامون سُن کر نہایت محظوظ ہوا بہت داد دی۔ اور بیس ہزار درہم انعام دیے۔

باوجودیکہ بعض علما نے کفر و الحاد کا فتوے دے دیا تھا۔ گر ابو العتاہیہ کے راسخ العقیدہ مسلمان ہونے کا اس سے زیادہ ثبوت کیا ہوگا کہ ہر سال حج کو جاتا۔ جب وہان سے واپس آتا تو چند متبرک ہدیے۔ چادر۔ جوتے کا سیاہ جوڑا۔ اور پیلو کی مسواکین وغیرہ مامون کی خدمت مین پیش کرتا اور اُسی دن بیس ہزار درہم انعام ملتے۔ ایک سال انعام نہ ملا تو شکایت مین دو مذاقیہ شعر لکھ کے بھیجدیے اُن اشعار کو پڑھ کے مامون نے فوراً مقررہ رقم بھیج دی اور کہا "ہم بھول گئے تھے خوب یاد دلایا"۔

مامون کے دادا خلیفۂ مہدی کے زمانے سے وہ خلفا کے دربار مین برابر ہوپنچتا تھا۔ ایک دن اُس کے دربار مین ابو العتاہیہ حاضر تھا کہ ابو عبید اللہ نام ایک ذی اثر شخص آیا۔ مہدی اُس سے صاف نہ تھا۔ اور لوگون سے اس کی کچھ شکایت سُنی تھی۔ چنانچہ صورت دیکھتے ہی مہدی اُس کو سخت سُست کہنے اور گالیان دینے لگا

اور آخر غصہ یہان تک بڑھا کہ حکم دیا "اس کو پانون پکڑ کے کھینچتے ہوے میرے سامنے سے لیجاؤ۔ اور قید کر دو" اس حکم کی تعمیل ہو چکی تو مہدی مارے طیش کے دیر تک سر جھکائے رہا۔ اور جب غصہ فرو ہوا تو نظر اُٹھا کے حاضرین کو دیکھا۔ ابو العتاہیہ سے جیسے ہی چار آنکھین ہوئین اُس نے تین شعر سنائے جن مین مذاق کے عنوان سے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ "آپ اپنی طرف دیکھین" سن کر مہدی مسکرایا۔ اور کہا "کیا خوب کہا ہے" اب ابو العتاہیہ کو موقع ملا۔ اٹھ کر ان اشعار کو اس خوبی سے ابو عبید اللہ کی حالت پر منطبق کر دیا کہ مہدی نے جلس کر اُسے بلوایا۔ اپنی خوشنودی ظاہر کی۔ اور قصور معاف کر دیا۔ یہ ایسا واقعہ تھا کہ ابو عبید اللہ زندگی بھر ابو العتاہیہ کا احسانمند اور شکر گذار رہا۔

اسحق بن عزیز اور عبد اللہ بن مصعب گھوڑون پر سوار مہدی کے سلام کو جا رہے تھے اسحق عبادہ نام ایک مہلبیہ کنیز پر عاشق تھا جو مہدی کی خاص ملکہ خیزران کے محل کی داروغہ اور معتمد علیہ تھی۔ راستے مین اتفاقاً وہ دور پر نظر آئی جو کسی کام کو جا رہی تھی۔ اسحق سے نہ رہا گیا۔ گھوڑا بڑھا کے اُسکے قریب گئے۔ اور جی بھر کے آنکھین سینک لین۔ اُس کی اس حرکت کو ابن مصعب نے حیرت سے دیکھا۔ اور جیسے ہی مہدی کی خدمت مین پہونچا واقعہ بیان کر دیا۔ اُس کے دل مین آگئی۔ کہا "تو تم پریشان نہ ہو مین اس کو خرید کے تمھین دے دون گا" پھر اُسی وقت محل مین جا کے خیزران کے سامنے عبادہ کو بلوایا۔ اور بیوی سے کہا عبادہ کو میرے ہاتھ بیچ ڈالو پچاس ہزار درہم قیمت دون گا" خیزران نے کہا "امیر المومنین۔ اگر آپ کو ضرورت ہے تو قیمت کی حاجت نہین۔ عبادہ آپ ہی کی لونڈی ہے" مہدی نے کہا "نہین مین مول لے کر اسحق کو دون گا۔ جو اس پر عاشق ہے" یہ سن کے عبادہ بے اختیار رونے لگی۔ اور خیزران نے کہا امیر المومنین۔ آپ کو یہ پسند ہے کہ عبادہ کو مجھ سے چھین کر اسحق کے حوالے کر دین؟ حالانکہ میرا ہاتھ پانون۔ آنکھ کان جو کچھ ہے یہی ہے" پھر عبادہ سے کہا "تم روؤ نہین۔ اسحق کی اتنی مجال نہین کہ تم کو مجھ سے چھین لے جائے۔ یہ خوب بات ہے کہ جس کی کنیز پر چاہین عاشق ہو جائین۔ اور اُس کے

دعویدار نہین“ آخر مہدی مجبوراً باہر واپس آیا اور کہا ”کبھی عبادہ تو نہین ملتی۔ مگر اُس کی قیمت مین پچاس ہزار درہم جو مین خیزران کو دیتا تھا تم ہی سے لو۔ اسحق نے شکرگذاری کے ساتھ وہ رقم قبول کرلی۔ یہ حال ابو العتاہیہ نے سُنا تو اسحق کو اس معشوقہ فروشی پہ سخت غیرت دلائی۔ اور اُس کی بے انتہا ہجو کی۔

مہدی نے بھی ایک بار کسی بات پر ناراض ہو کے ابو العتاہیہ کو قید کردیا تھا اُس کی قید سے چھوٹا تو آشوب چشم کی شکایت ہونے کے باعث روز ایک کحّال کے پاس سرمہ لگوانے کو جایا کرتا۔ کسی نے کہا ”آپ کی آنکھون کی شکایت نے بہت طول کھینچا“ اس پہ اُس نے فی البدیہہ دو نہایت ہی پرلطف شعر کہکے سُنائے جو ہر شخص کی زبان پر جاری ہو گئے۔ اور ابراہیم موصلی نے تو اُن مین ایک بے نظیر دھن قائم کرکے اُن کو عام پسند راگ بنا دیا۔

مہدی کے بعد جب ہادی خلیفہ ہوا تو ابو العتاہیہ کو بڑی مشکل پیش آئی۔ اس لیے کہ اُس کو ہادی کے چھوٹے بھائی ہارون کے ساتھ خصوصیت تھی۔ اور زیادہ تر اُسی کی صحبت مین آیا جایا کرتا تھا۔ مگر مجبور تھا۔ ہادی کے دربار مین گیا۔ اتفاقاً جس روز وہ مسند نشین خلافت ہوا ہے اُسی روز اُس کے محل مین لڑکا بھی پیدا ہوا۔ ابو العتاہیہ نے حاضر ہو کے دونون باتون کی مبارکباد دی۔ اور انعام مین ایک ہزار اشرفیان اور بہت سی خوشبوئین لے کے اپنے گھر آیا۔

مگر چند ہی روز بعد ہادی نے رَے کا سفر کیا تو ابو العتاہیہ کو بھی ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ اُسے ہارون کی صحبت سے جدا ہونا گوارا نہ تھا۔ انکار کردیا مگر پھر خود ہی ڈرا کہ خلیفۂ وقت کی مخالفت کا انجام اچھا نہین ہو سکتا۔ ہادی کے سامنے چار اشعار پیش کرکے اپنا قصور معاف کرایا۔ اور اُسے ایسا خوش کرلیا کہ ہادی نے اپنے خزانچی معلّی کو حکم دے دیا کہ اسے دس ہزار درہم دے دو۔ مگر معلّی نے اس حکم کو ٹال دیا پھر جب ابو العتاہیہ کی کوشش سے یہ واقعہ ہادی کے گوش زد ہوا تو اُس نے فوراً وہ انعام کی رقم اُس کے پاس بھجوادی۔

پھر جب ہادی کے بعد ہارون رشید خلیفہ ہوا تو اُس کی مہربانی و قدردانی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ بغداد مین ہو یا کسی سفر مین یہ ممکن نہ تھا کہ ابو العتاہیہ

ساتھ نہ ہو۔ بس ایک حج مین تو ابوالعتاہیہ اجازت لے کے اکیلا چلا جاتا۔ علاوہ انعام و اکرام کے پچاس ہزار درہم بطور وظیفے کے مقرر تھے۔ اس کے بعد جب رشید رقہ مین پہونچا تو ابوالعتاہیہ نے تارک الدنیا راہبون کی طرح سوتی کپڑے پہن لیے۔ گوشہ نشین ہو گیا۔ اور رشید کی مصاحبت چھوڑ دی۔ اس پر برہم ہو کے رشید نے اُس کی نسبت قید کا حکم دیا۔ اور وہ مقید کر دیا گیا۔ قید خانے سے اُس نے کئی بار ایسے پُر سوز اور حیرتناک اشعار لکھ لکھ کے بھیجے کہ آخر رشید کا دل پسیجا اور اُس کو آزادی نصیب ہوئی۔

اور اس ضد کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ رشید نے بار بار کہا کہ عاشقانہ لطیف شعر کہو اور وہ کسی طرح نہ کہتا تھا۔ آخر رشید نے پکڑ کے اپنے داروغہ عبس سے کہا "اسے لے جا کے قید کرو۔ اور نہایت ہی تنگ کوٹھری مین بند کر دو"۔ اُس نے اسکو ایک ایسی کوٹھری مین بند کر دیا جو طول و عرض مین پانچ پانچ بالشت سے زیادہ نہ تھی۔ ابوالعتاہیہ اُس مین بند ہوا تو "ہائے مرا ہائے مرا" کا شور مچایا۔ اور کہنے لگا مجھے یہان سے نکالو۔ جیسے شعر کہو گے کہہ دون گا۔ داروغہ نے اس کال کوٹھری سے نکالا۔ اور کہا "عاشقانہ شعر کہو"۔ کہنے لگا "ذرا دم لے لون۔ تھوڑی دیر کے بعد دوات اور کاغذ لے کر دو عاجزانہ شعر لکھ دیے۔ جس مین اظہار مصیبت کے ساتھ عفو کی تمنا تھی۔ داروغہ نے وہ اشعار سرور کے ہاتھ رشید کی خدمت مین بھیجدیے۔ وہ اشعار رشید نے ابراہیم موصلی کو دیے اور اُس نے اُن مین دُھن قائم کر کے گائے تو رشید نے ابوالعتاہیہ کو بھی بلوا کے وہ نغمہ سُنوایا اور اُس کے بعض اور اشعار بھی پڑھوا کے سُنے۔ اور اُس کو پچاس ہزار درہم دے کے رخصت کیا۔

ہارون رشید کا بیٹا قاسم نہایت ہی متکبر شاہزادہ تھا۔ ایک دن بڑی شان و شوکت سے اُس کی سواری نکلی۔ راستے مین سرراہ ایک مقام پر ابوالعتاہیہ اور چند اور اشخاص بیٹھے ہوے تھے۔ قاسم کو دیکھ کر سب اُٹھ کھڑے ہوے۔ مگر قاسم نے کسی کی طرف آنکھ اُٹھا کے بھی نہ دیکھا۔ اور نہایت ہی نخوت کے ساتھ گذر گیا۔ ابوالعتاہیہ جس کی خود خلیفہ وقت عزت کرتا تھا بھلا اس کی تاب کیسے لاتا؟

بے اختیار ایک شعر پڑھا جس کا مضمون یہ تھا کہ "ابن آدم نادانی سے نخوت کرتا ہے گویا موت کی چکی اس کو کبھی نہ پیسے گی"۔ جلوس والون مین سے کسی نے یہ شعر سن پایا۔ فوراً قاسم تک پہونچا دیا۔ اُس نے گھر پہونچتے ہی ابو العتاہیہ کو پکڑ بلایا۔ سو ڈنڈے مارے۔ اور قید کرلیا۔ زبیدہ خاتون کی ابو العتاہیہ پر خاص عنایت تھی اپنی مصیبت کی خبر زبیدہ کو کی۔ اور شکوے مین چند شعر لکھ بھیجے۔ زبیدہ نے اُسی وقت رشید کو خبر کی۔ اُس نے فوراً قید سے نکلوا کے اپنے سامنے بلوایا۔ خلعت و انعام سے سرفراز کیا۔ اور قاسم سے اس قدر ناراض ہوا کہ جب تک اُس نے ابو العتاہیہ سے معافی نہ مانگ لی اُس سے ناراض رہا۔

ایک بار علاقۂ موصل کے خراج کی بہت بڑی رقم رشید کی ڈیوڑھی پر آئی اور رشید نے نہایت استغنا سے حکم دے دیا کہ وہ ساری رقم اُس کی ایک محبوبہ کنیز کو دیدی جائے۔ یہ بیحساب فیاضی سب ہی کو گران گذری تھی۔ مگر ابو العتاہیہ کی یہ حالت ہوئی کہ جیسے مجنون و دیوانہ ہوگیا۔ کسی نے پوچھا "تمھین اس قدر بیقراری کیون ہے؟" جواب دیا کہ "افسوس اتنا بڑا خزانہ ایک عورت کو مل جائے اور میرے ہاتھ جھنجھی کوڑی بھی نہ آئے؟" چار پانچ روز بعد رشید کے سامنے جاکے تین شعر پڑھے جن کا مضمون یہ تھا "خدا نے دنیا کو تیری نظر مین ذلیل کردیا۔ اور تجھے اس سے نفرت ہے۔ کیسی ہی قیمتی چیز تیرے ہاتھ آئے تو اُس کو حقیر جانتا ہے اور دنیا آج تک کسی کی نظر مین اتنی ذلیل و خوار نہ تھی جتنی تیری نظر مین ہے" فضل بن ربیع نے یہ اشعار سُن کر کہا "امیر المومنین۔ اتنی سچی تعریف آج تک کسی خلیفہ کی نہین کی گئی تھی"۔ رشید نے اس کی تصدیق کی۔ اور ابو العتاہیہ کو بیس ہزار درہم انعام مین دیے۔

دوسرے روز شکریہ ادا کرنے کے لیے فضل کے پاس گیا۔ اور اُس کی مدح مین بھی چند اشعار سنائے۔ اُس نے کہا "امیر المومنین کی برابری کرنے مین مضائقہ نہ ہوتا تو مین بھی تم کو اُتنا ہی انعام دیتا۔ مگر نہین۔ مین دون گا۔ لیکن کئی دفعہ کرکے"۔ اور اس طریقے سے اُس نے پانچ ہزار بڑھا کے پچیس ہزار درہم دیے۔

اس مین شک نہین کہ خلفا و اُمرا ہی کے دربارون مین نہین عوام الناس مین

بھی ابو العتاہیہ کی بڑی قدر تھی - علی بن عیسی کا بیان ہے کہ بچپن میں جب میں رشید کے محل میں رہتا تھا - ایک دن دیکھا کہ ایک معزز شخص شعر خوانی کر رہا ہے اور لوگ چاروں طرف سے پروانہ وار گر رہے ہیں - ایک ہاشمی شخص سے میں نے کہا "اس شخص کے اشعار پر لوگ کیسے ذوق و شوق سے گر رہے ہیں!" اُس نے کہا "بیٹا - یہ وہ طبیعت ہے جو شوق میں گردنیں کٹوا دیتی ہے" بعد معلوم ہوا کہ یہ شاعر ابو العتاہیہ تھا - اور جس سے میں نے پوچھا وہ رشید کا بھائی ابراہیم بن مہدی تھا -

اس زمانے کے ایک مشہور شخص ابن ابی الابیض کا بیان ہے کہ میں نے ایک بار ابو العتاہیہ سے جا کے کہا "میں زہد و تقوے کے اشعار کہا کرتا ہوں - یہی میرا مذاق ہے - اس لیے کہ اس میں گناہ بھی نہیں ہوتا - اور طبع آزمائی ہو جاتی ہے سنتا ہوں اس مذاق میں آپ بھی کہتے ہیں - اس لیے آیا ہوں کہ آپ کے اشعار سنوں اور طبیعت پر زور ڈال کے اُن سے اچھے کہوں" ابو العتاہیہ نے کہا "میرا کلام نہایت ہی لغو ہے" میں نے کہا "یہ کیسے؟" کہا "سنو - شعر کو چاہیے کہ یا تو سلف کے نامور شعرا کا سا ہو - یا موجودہ شعرا بشار اور ابن ہرمہ کا سا ہو - یہ بھی نہ بن پڑے تو شاعر کو چاہیے کہ ایسے عام فہم بازاری الفاظ استعمال کرے جیسے کہ میرے اشعار میں ہوتے ہیں خصوصاً وہ اشعار جو زہد و تقوی میں ہیں - اس لیے کہ زہد نہ بادشاہوں کے مذاق کی چیز ہے - نہ راویانِ اخبار کے مذاق کی چیز ہے - اور نہ جویائے لغت طلبہ کے مذاق کی - یہ تو فقط عباد و زہاد - فقہا و محدثین اور عام بازاری لوگوں کا مذاق ہے" میں نے کہا "آپ بجا فرماتے ہیں - مگر اس رنگ کا کچھ کلام تو سنائیے" اُس نے عام فہم تین شعر سنا دیے - میں اُن شعروں کو لے کر ابو نواس کے پاس گیا اور وہ اشعار اُس کو سنائے - اُس نے متحیر ہو کے کہا "ان میں تو تُھے ایک شعر بھی خود اُس کا نہیں معلوم ہوتا" میں پھر ابو العتاہیہ کے پاس گیا - اور ابو نواس کا یہ قول بیان کر دیا - اُس نے کہا "اُن کو سنانا ہو تو یہ شعر ہیں" اور اسی زہد و تقوے میں چند ایسے پُر زور اشعار سنائے کہ اُن میں شوکت الفاظ کی کوئی انتہا نہ تھی - اب یہ اشعار میں نے جا کے ابو نواس کو سنائے تو اُس کی عجیب حالت

ہوئی۔ رنگت اُڑ گئی اور معلوم ہوا کہ ہوش نہین ٹھکانے ہین۔

ابو نواس بڑے دعوے کا شاعر تھا۔ اور کسی کی اپنے سامنے ہستی نہ سمجھتا تھا۔ ایک شخص کا بیان ہے کہ مین ایک بار اُس کے پاس بیٹھا تھا۔ وہ تکیہ لگائے اور پاؤن پھیلائے کبر و نخوت کے انداز سے سرراہ بیٹھا تھا۔ سامنے سے سرداران فوج۔ منشیان سحر نگار۔ بنی ہاشم اور دیگر معزز خاندانون والے گذرتے اور اُسکو سلام کرتے۔ مگر کیا مجال کہ کسی کے لیے وہ ذرا سی حرکت بھی کرتا ہو۔ مین دیر تک اُس کے غرور کا یہی تماشا دیکھتا رہا۔ اتنے مین اُس نے گھبرا کے پاؤن سمیٹے۔ اضطراب کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ سامنے سے ایک شخص گدھے پر سوار آ رہا ہے۔ اور وہ بے اختیار دوڑ کے اُس کی رکاب کے برابر کھڑا ہو گیا اور وہ گدھے کو روک کے اُسی طرح اُسکی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے ابو نواس سے باتین کرنے لگا۔ ابو نواس موٹا بھدا آدمی تھا۔ زیادہ دیر تک کھڑا رہنا اُس کے لیے نہایت دشوار تھا۔ اور اُسوقت مین برابر دیکھ رہا تھا کہ کبھی ایک پاؤن پر زور دیتا کبھی دوسرے پر۔ کبھی تھکن مٹانے کے لیے ایک کو اُٹھا لیتا اور کبھی دوسرے کو۔ مگر یہ مجال نہ تھی کہ خود سے اُسے رخصت کرے۔ دیر کے بعد جب آیا تو کسی نے کہا "یہ ابو العتاہیہ آپ کا ہمرتبہ نہین۔ آپ تو اس سے اچھا کہتے ہین" کہنے لگا "تم اسکی قدر کیا جانو؟ مین نے جب کبھی اس کی صورت دیکھی یہی خیال گذرا کہ یہ آسمان رفیع ہے اور مین زمین لیست اور ذرۂ بیمقدار ہون"

بشار اُس عہد کے نامور و مستند ادیب اور علم زبان کے امام کے تھے۔ کسی نے اُن سے پوچھا "ہمارے زمانے کا سب سے بڑا شاعر کون ہے؟" کہا "یہی بغداد کا مخنث" پوچھا "وہ کون؟" کہا "ابو العتاہیہ"

خود ابو العتاہیہ کہتا ہے کہ "خلیفہ مہدی کی بیٹی مر گئی۔ اور اُس کو اس قدر صدمہ ہوا کہ کھانا پینا چھوڑ دیا۔ مین نے جو یہ حالت دیکھی تو تعزیت مین چند ایسے اشعار سنائے جن سے اُس کے دل کو بڑی تسلی ہوئی۔ مسکرا کے دسترخوان بچھوایا۔ مگر دل پر غم اس قدر چھایا ہوا تھا کہ کھایا نہ جاتا تھا۔ اور عبرت اور بے ثباتیِ عالم کے سوا کوئی بات نہ کرتا۔ مین نے اُس کو ان باتون مین اس قدر منہمک

پایا تو فوراً چند اشعار موزون کیے - اور عرض کیا "اجازت ہو تو اسی مضمون پر کچھ عرض کروں" - کہا "سناؤ" میں نے پانچ شعر پڑھے سن کے بیحد تعریف کی - اور کہنے لگا "جو باتیں میرے دل میں تھیں تم نے ان کو سامنے رکھ دیں - اور پھر ایسے اختصار کے ساتھ اور ایسے موثر و عبرتناک الفاظ میں کہ اس سے بہتر کہنا غیر ممکن ہے - پھر ہر ہر شعر پر مجھے ایک ایک ہزار درہم انعام دیے -

(۴)

رشید نے جو اس کو گرفتار کیا تھا اس کے متعلق بہت سی روایتیں، وہبت سے واقعات مشہور ہیں - چنانچہ ایک یہ بھی ہے کہ جب رشید کا بھائی موسی ہادی مر گیا تو رشید نے ابو العتاہیہ کو عاشقانہ اشعار سنانے کا اور ابراہیم موصلی کو گانے کا حکم دیا - مگر دونوں نے انکار کیا - ابو العتاہیہ نے کہا "ایسے غم کے موقع پر تو مجھ سے اس قسم کے اشعار نہ کہے جائیں گے" اور وجہ یہ تھی کہ موسی ہادی کے دونوں پر احسانات تھے - پھر جب رشید رقہ میں گیا اور دیکھا کہ یہ دونوں کسی طرح اس کا حکم نہیں مانتے تو زمین میں ایک گڑھا کھدوایا - اس کے بیچ میں دیوار اٹھوائی - اور دونوں کو دونوں جانب ڈال کے کہا "جب تک تم دونوں کو شعر سنانے اور گانے سے انکار ہے اسی میں پڑے رہو" چنانچہ کئی روز تک دونوں اس میں پڑے رہے -

ایک روز رشید نے نبیذ پی - جعفر برمکی انیس صحبت تھا - کسی مہ جبین کنیز نے ایک دلکش دھن میں ایک شعر گایا - جس کو سن کے دونوں از خود رفتہ و بیقرار ہو گئے - رشید نے کہا "کاش اس شعر کے ساتھ اور بھی شعر ہوتے جو اسی دھن میں گائے جاتے" جعفر نے کہا "تو مشکل کیا ہے؟ ابو العتاہیہ کو حکم دیجیے اس سے اچھے شعر کہہ دے گا - اس سے بڑا قادر الکلام کون ہو سکتا ہے" رشید نے کہا "وہ تو ہماری سنتا ہی نہیں - علاوہ بریں وہ قید میں پڑا ہے اور ہم عیش منا رہے ہیں" یحیی نے کہا "مجھے اس سے ایسی امید نہیں کہ آپ کا حکم نہ مانے" رشید نے کہا "تو دشواری کیا ہے؟ جاؤ اس سے کہہ کے دیکھ لو" جعفر نے اسی وقت ایک رقعہ لکھ کر ابو العتاہیہ کے پاس بھیجا - اس نے جواب دیا کہ میں اپنی مصیبت میں

مبتلا ہوں۔ آپ کو شعر کہنے کی پڑی ہے۔" یہ جواب سن کر رشید نے کہا "میں نہ کہتا تھا کہ وہ اطاعت نہ کرے گا۔" جعفر نے کہا "تو اس کو پہلے قید سے آزاد کیجیے۔ پھر دیکھیے گا کہ ضرور کہے گا۔" رشید بولا "یہ نہیں ہو سکتا۔ میں قسم کھا چکا ہوں کہ جب تک شعر نہ کہے گا نہ چھوڑوں گا۔ پہلے وہ شعر خوانی کرے گا۔ اور اسکے بعد آزادی ملے گی۔"

اس کو بھی ایک زمانہ گذر گیا۔ آخر ابو العتاہیہ نے قید سے عاجز آکے ابراہیم سے کہا "اب ہم کب تک یہاں پڑے سڑا کریں گے؟ اب میں چند شعر کہتا ہوں تم ان میں وصل قائم کر لے گا۔" غرض یہی ہوا۔ اور لوگوں نے رشید کو خبر کی کہ ابو العتاہیہ نے شعر کہے اور ابراہیم انکو گا رہا ہے۔ فوراً دونوں کو بلوا کر وہ اشعار سنے اور اس کا نغمہ سنا۔ پھر دونوں کو آزادی دی۔ اور ایک ایک لاکھ درہم اور کپڑے کے سو سو تھان دے کر رخصت کیا۔

اس کے بعد ایک بار رشید اپنی کسی محبوبہ کنیز سے ناراض ہوا۔ اور قسم کھا گیا کہ اب کبھی اس کے پاس نہ جاؤں گا۔ چند روز بعد جب اس کی محبت کا جوش بڑھا تو دو شعر کہے جن کا مضمون یہ تھا کہ "محبت نے مجھے باوجود خلیفہ اور مالک ہونے کے اس نازنین کا مملوک اور غلام بنا دیا ہے۔" اور یہ شعر اس قدر پسند آیا کہ جعفر برمکی سے کہا کسی شاعر کو بلاؤ کہ اس شعر میں اور اشعار لگا دے۔ چنانچہ ابو العتاہیہ بلایا گیا۔ اس نے ایسے شعر کہے جو رشید کو پسند آئے۔ اور بہت کچھ انعام دیا۔

اب اس کو قصر خلافت میں اس قدر رسوخ حاصل تھا کہ ادھر اس کی صورت دیکھی اور لوگ اپنی غرضیں لے کے دوڑے۔ اس لیے کہ اس کے کہنے سننے سے اکثر کام نکل جاتا تھا ایک دن گدھے پر سوار ایوان خلافت کے دروازے پر پہونچا۔ تو لوگوں نے ہر طرف سے گھیر لیا۔ اور سب اپنی اپنی غرضیں پیش کرنے لگے اس نے برجستہ دو شعر پڑھے۔ جن کا مضمون یہ تھا "ساری دنیا ڈھونڈھ ڈالی کسی کو مطمئن اور خوش نہ پایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ساری دنیا ایک ہی سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے۔"

اس کے اشعار خلفا کی زبان پر جاری ہو کے ضرب المثل بن گئے تھے۔ سلم کی ہجو

میں ابو العتاہیہ نے ایک شعر کہا تھا جس میں اُس کی حرص و طمع دکھائی تھی
مامون نے اس شعر کو پڑھ کے کہا "واقعی حرص اخلاق اور دین دونوں کو غارت
کر دیتی ہے۔ جیسی حرص سلم میں ہے نہ کسی میں دیکھی تھی نہ سنی تھی" یہ خبر سلم تک
پہونچی تو کہنے لگا "اس کمبخت مخنث و زندیق ابو العتاہیہ نے آگ میں دم کر دیا۔
خود مال جمع کرتا ہے۔ اور صندوقوں میں توڑے جوڑ جوڑ کے رکھتا چلا جاتا ہے۔
اور ریاکاری و منافقت کی شان سے زاہد و تارک الدنیا بنا ہے۔ مگر میں جو
اُسی دولت کو جس کا وہ مجھ سے زیادہ حریص ہے رو رو کے کھاتا ہوں تو مجھے
بدنام و رسوا کرتا ہے"۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلم مذکور کا بھانجا جماز خود ابو العتاہیہ کی خبر لیتا۔ اور اُسے
گالیاں دیتا پھرا کرتا تھا۔ ایک دن تمیم بن جعفر کی صحبت میں ابو العتاہیہ زہد و تقوی
کے اشعار سنا رہا تھا۔ تمیم کے اشارے سے لوگ جماز کو ڈھونڈھ لائے اور ایک
گوشے میں بٹھا دیا۔ اب جو ابو العتاہیہ نے اس مضمون کے اشعار پڑھے جماز نے اُس کی
ہجو میں اپنے اشعار پڑھنا شروع کر دیے۔ جن میں اُس واعظ پر لے دے کی
گئی تھی جو زہد کا مدعی اور خود ریاکار سگ دنیا ہے۔ یا قناعت کا مداح اور خود بخیل و
کنجوس ہے"۔ ابو العتاہیہ سنتے ہی چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ اور پوچھا
"یہ کون ہے؟" لوگوں نے کہا "سلم کا بھانجا جماز ہے جو آپ سے اپنے ماموں کا بدلہ
لے رہا ہے"۔ فوراً اُس کی طرف رُخ کر کے کہا "بھیا میری نسبت تمہارا گمان
غلط ہے۔ اور نہ مجھ پر ایسی بدگمانی تمہارے ماموں کو ہے۔ میں نے اُن کو بدنام
کرنے کا کبھی خیال بھی نہیں کیا میں تو اُن کا دوست ہوں"۔ یہ کہہ کے اٹھا اور
چلا گیا۔

مخارق مغنی سے ابو العتاہیہ کو بڑا اُنس تھا۔ ایک جمعے کو اُس کے پاس گیا
اور کہا "مجھے تم سے کام ہے۔ کہیں جانا نہیں۔ میں جمعے کی نماز پڑھ کے آتا ہوں"
نماز پڑھ کے آیا تو کپڑے اتار کے منہ دھویا۔ اور اُس سے کہا "میرے ان
شعروں کو ذرا مجھے گا کے سنا دو۔" اُس نے قلم دوات لے کے وہ اشعار لکھ لیے کہ
سامنے رکھ کے گائے۔ لکھتے میں اُس کے کپڑوں پر روشنائی گر پڑی۔ مگر ابو العتاہیہ

نے اس کا کچھ خیال نہ کیا - تین بار وہ اشعار سُنے اور چلتے وقت کہنے لگا۔ "یہ عجیب شعر ہیں۔ جب سُنیے کوئی نقصان ضرور ہو جاتا ہے۔"

یہی مخارق کہتا ہے کہ ایک بار پل پر مجھے ابوالعتاہیہ ملا - میں نے کہا "حضرت اپنے وہ اشعار مجھے نہیں سُناتے جن میں آپ نے دنیا بھر کے آدمیوں کو بخیل بتایا ہے۔" سُن کے ہنسا۔ اور پوچھا "یہیں سُناؤں؟" میں نے کہا "جی ہاں یہیں۔" اُس نے اپنے چھ شعر سُنائے جن میں ساری دنیا کو خست کا الزام دیا تھا۔ میں نے سُن کر کہا "مگر آپ نے اس میں مبالغہ کیا ہے۔" کہنے لگا "تم نہیں مانتے تو دنیا میں کوئی فیاض دکھاؤ اور مجھے جھوٹا ثابت کرو۔" مجھے مخالفت منظور نہ تھی۔ اِدھر اُدھر دیکھ کے کہا "واقعی مجھے دنیا میں کوئی نظر نہیں آتا۔" اس پر بہت ہی خوش ہوا۔ اور میری پیشانی چوم لی۔

ابوالعتاہیہ کو سب سے زیادہ نفرت مغرور و متکبر لوگوں سے تھی۔ جس کا بیسیوں واقعات سے ثبوت ملتا ہے۔ احمد بن یوسف اُس کا بڑا گہرا دوست تھا۔ جب وہ مامون کے مخصوصین میں شامل ہوا تو اُسکے ساتھ کج خلقی برتنے لگا۔ یہ دیکھ کر ابوالعتاہیہ نے اُس کو تین شعر لکھ بھیجے جن کا مضمون یہ تھا کہ "ابوجعفر (یہ احمد کی کنیت تھی) اگر تجھے غنا پر غرور ہے تو مجھے اپنے صبر و تحمل پر غرور ہے۔" اُس نے فوراً دو ہزار درہم بھیجے اور معذرت خواہ ہوا۔

ایک سال حج سے واپس آیا تو سیدھا فضل بن ربیع کے پاس پہونچا۔ فضل کے حاجب عون نے جب اُس کے آنے کی اطلاع کی تو اُس نے کہا "اس وقت معاف کرو مجھے دربار جانے میں دیر ہو جائے گی۔" تب ابوالعتاہیہ نے نعلین کا ایک جوڑا بھیجا۔ جس کے تسمے پر دو شعر اس مضمون کے لکھے تھے کہ "میں نے وہ جوتا بھیجا ہے جس کو پہن کر آپ ترقی کی شاہراہ پر چلیں۔ اور اگر مجھ سے ممکن ہوتا تو میں اس کے بدلے میں اپنے رخسار دن کو لگا دیتا۔" فضل اس جوڑے کو دربار میں ساتھ لیتا گیا۔ یہ امین الرشید کا عہد تھا۔ باریاب ہوا تو عرض کیا "ابوالعتاہیہ نے حج سے واپس آ کے مجھے نعلین کا ایک جوڑا بھیجا ہے۔ مگر اس پر دو ایسے شعر لکھ دیے ہیں کہ امیرالمومنین کے سوا اور کسی کو ان کا پہننا زیب نہ دے گا۔" امین

نے پوچھا "کیوں؟" اور جب اُس جوتے کو دیکھ کر وہ اشعار پڑھے تو پھڑک
گیا۔ اور کہا "خوب کہا ہے۔ کسی کو یہ خیال نہیں سوجھا تھا"۔ اور اُسی وقت
حکم دے دیے کہ دس ہزار درہم ابو العتاہیہ کو انعام کے طور پہ عطا کر دیئے۔ وہ
دروازے پہ موجود تھا۔ رقم کو گدھے پر لاد کے لے گیا۔

ایک دن ابو العتاہیہ احمد بن معبد کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے اور سر جھکائے ہوئے
جا رہا تھا۔ اور جو لوگ راہ میں گذرتے تھے اُن پر غور کرتا جاتا تھا۔ آخر احمد سے
کہنے لگا "لوگوں کی حالت دیکھتے ہو؟ ایک صاحب مارے غرور کے بات نہیں
کرتے ایک صاحب باتیں کرتے ہیں مگر بجز بدگوئی و عیب چینی کے اچھی بات
اُنکی زبان سے نہیں نکلتی"۔ پھر کہنے لگا "ایک دن مہلب کا کوئی لڑکا مالک
بن دینار کے سامنے سے گذرا جو نہایت ہی نخوت و تکبر سے قدم اُٹھاتا تھا۔ (یہ
خیال رہے کہ مہلب بڑا بھاری رئیس خراسان و دیگر ممالک کا والی تھا۔ اور مالک
بن دینار اتقیائے امت و ائمہ حدیث میں سے تھے) مالک نے کہا "صاحبزادے
تم اس غرور کو ذرا دبا دیتے تو اُس شہرت کے حق میں اچھا ہوتا جو تم کو حاصل
ہے"۔ صاحبزادے نے تمکنت کے انداز سے کہا "جانتے بھی ہو کہ میں کون ہوں"
مالک نے جواب دیا "خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔ تمہاری ابتدا ایک ذلیل
قطرہ آب ہے۔ اور انتہا ایک نجس سڑی ہوئی لاش۔ اور ان دونوں حالتوں
کے درمیان ایک گناہوں اور بداعمالیوں کے بوجھ سے کچلتا ہوا انسان"۔ یہ سُن
کے وہ نوجوان کان دبا کے بھاگا۔ اور ان حرکتوں سے باز آ گیا"۔

ابو دُلف عجلی کا بیان ہے کہ میں نے ایک بار ابو العتاہیہ کو دیکھا کہ ایک
اعرابی بدوی کے پاس کھڑا اُس سے باتیں کر رہا ہے۔ سر راہ میل کا ایک ستون
بنا ہوا تھا۔ اُس کے سائے میں وہ بدوی کھڑا تھا اور ایک کپڑے میں بدن
چھپائے تھا۔ جس سے سر ڈھانکتا تو پاؤں کھُل جاتے۔ اور پاؤں ڈھانکتا
تو سر کھُل جاتا۔ یہ حالت دیکھ کر ابو العتاہیہ نے کہا "آخر تم نے یہ بنجر زمین
کیوں اختیار کی ہے جس میں کچھ نہیں پیدا ہوتا؟ زرخیز اور آباد زمینوں میں
چل کے رہو"۔ اُس نے کہا "خدا اگر ہمارے چند بندے نہ پیدا کرتا تو

ان بے حاصل زمینوں مین قناعت کرتے ہین تو پھر آباد زمینوں مین رہنے کو جگہ ملتی"
ابو العتاہیہ نے پوچھا "تو پھر تمھارا ذریعۂ معاش کیا ہے؟" بولا "صاحبو۔ تم ہی ہمارا
ذریعۂ معاش ہو۔ جو آنے جانے مین ہمین ایسا کچھ دے جاتے ہو کہ اس پر بسر کرتے
ہین۔" ابو العتاہیہ نے کہا "اجی ہم تو چند روز کے لیے آتے ہین۔ سال بھر تمھاری
کیسے بسر ہوتی ہے؟" اس کے جواب مین بدوی نے ذرا سر جھکا کے غور کیا۔ پھر بولا
"واللہ سمجھ مین نہین آتا کہ کیا جواب دون۔ بجز اس کے کہ ہمین ان چیزون سے
رزق مل جاتا ہے جن سے ہمین کچھ ملنے کی امید نہین ہوتی۔" اس کے اس
جواب نے ابو العتاہیہ پر ایسا اثر ڈالا کہ واپس آتے ہی اس مضمون کو نہایت ہی
عمدگی کے ساتھ موزون کیا اور نہایت پر اثر و نصیحت خیز اشعار کہے۔

حرازی جو اس زمانے کے معمر لوگون مین تھا کہتا ہے کہ مین نے ایک صحبت
مین ابو العتاہیہ اور ابو نواس دونون کی طبیعت کا مقابلہ و موازنہ کیا۔ وہان
دونون جمع تھے۔ ابو العتاہیہ باتون اور بحث مین بہت تیز تھا۔ اُسے ہر بات کا
جواب برجستہ سوجھتا۔ اور ایسی بات کہہ دیتا کہ انسان سے بجز خاموش ہو جانے
کے کچھ نہ بن پڑتا۔ اس کے مقابل ابو نواس سوچ کر شعر کہنے مین بڑھا ہوا تھا۔
لہذا باتون اور بذلہ سنجی مین ابو العتاہیہ ہمیشہ غالب رہتا۔ اور صحبت پر چھا جاتا۔
گر جیسے متانت کے ساتھ فکر و خوض کا موقع ملتا تو ابو نواس بڑھ جاتا۔

ایک صاحب موسم حج مین مکۂ معظمہ مین کسی جنازے کے ساتھ گئے تھے کہتے ہین
کہ ایک شخص کو پر لطف باتین کرتے دیکھ کے کسی رفیق سے پوچھا "یہ کون صاحب
ہین؟" اُس نے کہا "ان کو آپ نہین جانتے؟ یہ ابو العتاہیہ ہین۔" تھوڑی
دیر کے بعد مین اُس کے قریب گیا اور کہا "آپ ابو العتاہیہ ہین؟" کہا "نہین
مین ابو اسحٰق ہوون۔" (یہ بھی ابو العتاہیہ ہی کی کنیت تھی) تب مین نے کہا نہایت
مشتاق ہون۔ اپنا کچھ کلام سنائیے۔ بگڑ کر کہنے لگا "تم جیسا احمق ہو۔ دیکھتے ہو کہ
ہم سفر مین ہین۔ ایک قبر کے کنارے کھڑے ہین۔ ایسے ہی موقع شعر پڑھا ہین۔ حج
کا زمانہ ہے۔ اور کہتے ہو شعر پڑھو" یہ کہہ کر اس کی طرف سے منھ پھیر لیا۔ پھر
خود ہی مُڑا۔ اور کہا "اور ہان سنو۔ مین نے خدا کی قسم سارے بنی آدم مین تم سے

زیادہ بد قطع آدمی نہین دیکھا - ایسے کو مین اپنا کلام نہین سنا سکتا"
ایک دن ابو العتاہیہ یحییٰ بن خاقان سے ملنے کو گیا جو اعلیٰ طبقے کے دولتمند امرا مین تھا ۔ مگر حاجب نے اندر جانے کی اجازت نہ دی - وہ بہری وہ اندر ایسے موقع پر ہونچا جب کہ خاقان گھوڑے سے اتر کے محل مین داخل ہوتا تھا - اُس نے صاحب سلامت کی اور پھاٹک کے اندر ہو رہا - اور ابو العتاہیہ کو اندر آنے کی اجازت نہین دی - یہ حالت دیکھ کر ابو العتاہیہ نے جیب سے کاغذ نکالا - اور اُس پر چار شعر فی البدیہہ تصنیف کر کے لکھ دیے جن کا مطلب یہ تھا "یحییٰ مین دیکھتا ہون کہ تو مجھ سے ڈرتا ہے - شاید تجھے دھڑکا لگا ہوگا کہ مین سوال کا حربہ کرون گا - ڈر نہین - مین تجھے اطمینان دلاتا ہون - اور وعدہ کرتا ہون کہ تجھ پر اپنے سوال کا حربہ نہ کرون گا" یہ شعر یحییٰ نے پڑھے تو گھبرا کے آدمی کو دوڑایا کہ "بلا لاؤ" - مگر اب ابو العتاہیہ کو جانے مین عذر تھا - ہزار اصرار کیا نہ گیا اور زندگی بھر اُس سے نہ ملا -

اُن دنون ایک شاعر تھا ابو الشمقمق - جو بڑا دریدہ دہن اور ہجو گو تھا - اُس سے ابو العتاہیہ سے اَن بن تھی - اور ابو العتاہیہ اُس کی صحبت سے بھاگتا تھا - ایک دن چند دل لگی بازون نے ابو الشمقمق کو کوٹھری مین چھپا کے بٹھا دیا اور ابو العتاہیہ کو بلا کے اُس سے باتین کرنے لگے - اس صحبت مین چند خوبصورت نو عمر لڑکے عورتون کے لباس مین خادمون کا کام دے رہے تھے - ابو العتاہیہ اُن کو کنیزین سمجھا - اُن کی تعریف مین ایک شعر کہا جس مین خوش اسلوبی کے ساتھ سوال بھی تھا - یہ شعر سنتے ہی ابو الشمقمق نے کوٹھری مین سے بہ آواز بلند اسی بحر و قافیہ مین ایک ایسا فحش شعر پڑھا جس سے ابو العتاہیہ کی سخت تذلیل ہوتی تھی - چونک پڑا - اور کہا "خدا کی قسم یہ ابو الشمقمق ہے" اور فوراً اُٹھ کے چلا گیا -

مگر اس کے ساتھ وہ قابل اور خوش گو شاعرون کی قدر بھی بے انتہا کیا کرتا تھا - ایک دن جعفر بن یحییٰ کی صحبت مین تھا - اُس سے کہنے لگا "سنتا ہون آپ کے پاس ابن اُمیہ نام ایک بہت اچھا شاعر ہے - اُس کے دیکھنے کا مجھے

بڑا شوق ہے۔" جعفر نے کہا" وہ تمھارے برابر ہی بیٹھے ہیں" فوراً اُس سے ملا
اور اُس کا کلام سُنا۔ ابن ابی اُمیہ نے انسان کی ناکامی و نامرادی اور زمانے
کی بیوفائی پر چند شعر پڑھے۔ آخری شعر کا مضمون یہ تھا" زمانے کی حالت یہ ہے
کہ جس کی تمنا ہے اُسکو تو کسی طرح پاس نہیں لاتا اور موت کی گھڑی کو ساعت
بہ ساعت قریب کرتا جاتا ہے" یہ شعر سنتے ہی ابو العتاہیہ بیتاب ہو گیا۔ بار بار
ابن ابی اُمیہ کی پیشانی چومتا اور کہتا کہ" کاش کوئی میرے بہت سے شعر لے لیتا
اور اُن کے عوض یہ شعر مجھے دیتا۔"

ابو العتاہیہ کی دو بیٹیاں تھیں۔ آپ نے ایک کا نام "للہ" اور دوسری کا "باللہ"
رکھا تھا۔ منصور بن مہدی نے جو خاندان عباسی شہریاری سے تھا "للہ" کے ساتھ
شادی کرنا چاہی اور پیام دیا۔ کہنے لگا" یہ نہ ہو گا۔ اس کی غرض یہ ہے کہ ابو العتاہیہ
کی بیٹی کو جورو بناؤں۔ پھر چند روز میں جب جی بھر جانے کا اُس کی طرف سے
بے پروا ہو جائے گا اور اُس وقت یہ بھی ممکن نہ ہو گا کہ عدالت میں مقدمہ دائر
کرکے میں اپنی فریاد کو پہونچوں۔ اُس کے مقابلے میں میری کون سنے گا؟ نہیں یہ
نہیں ہو سکتا۔ میں تو اپنی بیٹی کہاروں میں بیاہوں گا۔ جو میرے ہم درجہ ہیں مگر
ہاں یہ دیکھ لوں گا کہ کس کے ہاتھ میں اُس کا ہاتھ دوں گا وہ کھاتا پیتا اور
خوش حال ہو۔"

اُس کا ایک بیٹا بھی تھا جس کا نام محمد تھا۔ وہ بھی شاعر تھا۔ اور اُسکا کلام
بھی موجود ہے۔ مگر مقبولیت اور کمال جو ابو العتاہیہ کو نصیب تھا وہ کوئی ورثے
میں ملنے والی چیز نہ تھی۔ لہذا اُس کو بالذات کوئی نہیں جانتا۔ صرف ابو العتاہیہ
کی نسبت سے کتابوں میں اُس کا نام بھی آ گیا ہے۔

(۵)

ابو العتاہیہ سے فضل بن ربیع سے بڑی دوستی تھی۔ ہارون رشید کی وفات
کے بعد جب فضل خراسان سے واپس آیا تو ابو العتاہیہ کے چند شعر سنے جن میں بے
ثباتی عالم فانی دکھائی گئی تھی۔ دو چار روز بعد پھر اُس کے چند شعر سنے تو اُن میں
اُس نے بے وفائی زمانہ کی نظیر میں خاندان برامکہ کی تباہی کو پیش کیا تھا۔ فضل

کو اُن لوگوں سے نفرت تھی۔ اُن کا نام سنتے ہی سخت ناراض ہو گیا۔ اور اس واقعے کے بعد سے پھر اُس میں اور ابو العتاہیہ میں وہ تعلقات نہیں باقی رہے۔ ابو العتاہیہ نے نفیل کی ناراضی کا حال حسن بن سہیل سے بیان کیا۔ اس نے کہا نفیل ان اشعار سے ناراض ہو گئے تو مضائقہ نہیں۔ میں تو بہت خوش ہوں۔ یہ کہ کے ابو العتاہیہ کو دس ہزار درہم اور دس قیمتی تھان عطا کیے۔ اور ماہوار تین ہزار درہم مقرر کر دیے۔ اور مرتے دم تک دیتا رہا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ شعرائی اُن دنوں کس قدر قدر تھی۔ اور یہی چیز ہے جس نے عربی ادب و شاعری کو اس قدر نشو و نما دیا۔

اُس عہد کا ایک نامور شخص رجاء بن سلمہ کہتا ہے کہ مامون رشید کسی بات پر مجھ سے ناراض ہو گیا۔ میں نے سامنے سے ٹلنے کے لیے حج کی اجازت مانگی اور اُس نے دے دی۔ میں بغداد سے روانہ ہو کے بصرے میں آیا۔ اور وہاں کے حاکم عبید اللہ بن اسحٰق سے ملا۔ وہی اُس سال امیر حج مقرر ہوا تھا۔ لہذا اُس کی ہمراہی میں میں نے ارض حجاز کی راہ لی۔ مکہ معظمہ میں ایک روز طواف کر رہا تھا کہ دیکھا ابو العتاہیہ بھی مصروف طواف ہے۔ میں نے عبید اللہ کو دکھایا کہ "وہ دیکھیے ابو العتاہیہ طواف کر رہا ہے"۔ اس نے کہا "مجھے اُس سے ملنے کا شوق ہے۔ چاہتا ہوں کہ اُس کی صحبت سے لطف اُٹھاؤں"۔ میں نے کہا "تو اچھا اسے طواف سے فارغ ہو لینے دیجیے اور آپ تھوڑی دیر کے لیے میرے پاس سے ٹل جائیے"۔ وہ چلا گیا۔ اور میں نے بڑھ کے ابو العتاہیہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہا "ابو اسحٰق۔ بھلا آپ بصرے کے ایک شخص سے ملیں گے جو شاعر ہے ادیب ہے اور ظریف ہے؟" کہنے لگا "ایسا شخص بھلا کہاں نصیب ہو سکتا ہے؟" میں نے اُس کو لیجا کے عبید اللہ کے سامنے کھڑا کر دیا اور کہا "دیکھیے وہ یہ ہیں"۔ اس تعارف کے بعد دونوں ملے۔ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اور آخر ابو العتاہیہ نے کہا "میں دو شعر پڑھتا ہوں۔ آپ اُن میں دو شعر اور بڑھا دیجیے"۔ عبید اللہ نے قرآن کی آیت پڑھی کہ "لَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ" (حج میں نہ فحش ہونا چاہیے نہ

بدکاری نہ چھوڑا)" ابو العتاہیہ نے کہا "ان مین سے کوئی بات نہ ہوگی"۔ اور اپنے دو شعر سُنائے۔ عبیداللہ نے تھوڑے تامل کے بعد اُسی وزن و قافیے مین دو شعر کہہ کے سُنائے۔ ابو العتاہیہ نے بجد پسند کیا اور زمانۂ مابعد مین اُن دونون شعرون کو بھی لوگ ابو العتاہیہ کی طرف منسوب کرنے لگے۔

مختلف واقعات کے جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہارون رشید نے ایک ہی دفعہ نہین کئی بار اُسے قید کیا۔ چنانچہ ایک بار کا واقعہ یہ ہے کہ قید خانہ نہایت تاریک تھا اور اُسے قید خانے مین داخل ہوے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ کسی شخص کو اپنے قریب دو شعر پڑھتے سُنا۔ بے اختیار بول اُٹھا "خدا تم پر رحمت کرے ذرا پھر تو پڑھنا"۔ اُس شخص نے آواز سے پہچان کے کہا "کمبخت ابو العتاہیہ تو بڑا بدتمیز اور بے عقل ہے۔ مین قید خانے مین آیا تو نہ تو نے سلام کیا جو مسلمان کا مسلمان پر حق ہے۔ نہ مزاج پُرسی کی جو ہر شریف شریف سے کیا کرتا ہے۔ نہ کسی قسم کی ہمدردی کی جو ہر مصیبت زدہ کو مصیبت زدہ کے ساتھ کرنی چاہیے۔ مین نے اظہار حسرت و اندوہ مین شعر پڑھے تو کہنے لگا پھر سُنانا"۔ جواب دیا "بھائی۔ مین ایسی مصیبت مین مبتلا اور دہشت زدہ تھا کہ ان تمام فرائض انسانی کو بھول گیا۔ لہذا میرا قصور معاف کرو۔ اور زیادہ ملامت نہ کرو"۔ اُس نے کہا "بخدا مین تم سے زیادہ دہشت زدہ اور پریشان ہون۔ تم تو شعر نہ کہنے پر قید ہوے ہو۔ جب شعر کہوگے آزاد ہو جاؤگے۔ مگر مین اس جرم مین ماخوذ ہون کہ قاتل کو ابن رسول اللہ صلعم کے سر پر لیجا کے نہین کھڑا کر دیتا کہ اُنھین قتل کرے۔ اور صاف کہدیا گیا ہے کہ اگر مین نے یہ کام نہ کیا تو قتل کی سزا پاؤن گا۔ مگر یہ کام خدا کی قسم مجھ سے نہ ہوگا۔ اس لیے یقین جانو کہ جب اس قید خانے سے نکلون گا تو قتل ہونے کے لیے نکلون گا۔ اب تم ہی بتاؤ کون زیادہ دہشت زدہ ہے؟ مین یا تم؟" ابو العتاہیہ نے کہا "خدا کی قسم آپ زیادہ خوفناک حالت مین ہین"۔ ان باتون کے بعد اُس نے وہ دونون شعر سُنا دیے۔ اور ابو العتاہیہ نے یاد کرلیے۔ اور پوچھا "آپ کون ہین؟" کہا "مین عیسیٰ بن زید اور اُن کے فرزند احمد کا داعی ہون"۔

یہ تمنا ہو ہی رہی تھی کہ مجلس کے قفل کے کھلنے کی آواز آئی۔ اس شخص نے پانی سے جو پاس رکھا تھا وضو کیا۔ پاک و صاف کپڑے پہنے۔ اتنے میں بہت سے فوجی لوگ ایک شمع لیے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ اور ہم سب کو باہر نکال کے لے گئے۔ اور مجھ سے پہلے اس شخص کو ہارون رشید کے سامنے پیش کیا۔ رشید نے صورت دیکھتے ہی اس سے کہا "احمد بن عیسیٰ کا پتہ بتا دو۔" اس نے کہا "جو چاہیے پوچھیے مگر یہ نہ پوچھیے۔ آپ کا جو جی چاہے کریں مگر اسکی امید نہ کیجیں۔ اس لیے کہ وہ اگر میرے ان کپڑوں کے اندر بھی چھپے ہوتے تو میں نہ بتاتا۔" اس جواب کا یہ قطعی نتیجہ تھا کہ رشید کے حکم سے اس کی گردن ماری گئی۔

اب رشید نے ابوالعتاہیہ کو سامنے بلوایا۔ اور کہا "معلوم ہوتا ہے تم ڈر گئے" اس نے کہا "جی ہاں یہ واقعہ ہی ایسا تھا۔ یہ تو بڑا اہم معاملہ تھا۔ اس سے چھوٹی چھوٹی باتوں سے انسان کا دل پانی پانی ہو جایا کرتا ہے۔" یہ سنتے ہی رشید اس قدر برافروختہ ہوا کہ کہا "انھیں پھر قید خانے میں لیجا کے بند کرو۔" چنانچہ وہ پھر اسی قید خانے میں بند کر دیا گیا۔ جہاں اس کا بیان ہے کہ میں بار بار ان اشعار کو پڑھتا اور ان پر اور شعر لگاتا تھا۔ یہاں تک کہ قید سے آزادی نصیب ہوئی۔

سلم خاسر اس عہد کے دربار میں لوگوں میں تھا کہتا ہے ایک بار ابوالعتاہیہ میرے پاس آیا۔ میں نے پوچھا "آپ کیوں تشریف لائے ہیں؟" کہا "آپ کی زیارت کو۔" میں نے مسکرا کے کہا "تو زیارت مقبول و مشکور ہوئی۔ آیئے بیٹھیے۔" بولا "یہ تو میرے لیے بہت ہی دشوار ہے۔" میں نے کہا "آخر دشواری کی وجہ؟ ساری دنیا میں کسی کو یہاں بیٹھنا دشوار نہیں اور آپ کو دشوار ہے" کہا "ہاں ایسا ہی ہے۔ دنیا بھر میں کسی کو آپ کی تنگدلی کی خبر نہیں اور میں اس سے واقف ہوں۔" یہ سُن کے مجھے ہنسی آ گئی۔ اور دیر تک اس سے بحث کرتا رہا۔ آخر اس نے کہا "بس اب فضول باتوں کو چھوڑ کر میرے چند اشعار سُن لیجیے۔" میں خاموش ہو گیا۔ اور اس نے سات آٹھ اشعار سنا کے کہا "کیوں کیسا کہا ہے؟" میں نے کہا "ہاں کہا تو اچھا ہے مگر کاش ان شعروں میں

بتندل بازاری الفاظ نہ ہوتے۔" بولا "اس کی وجہ نہ پوچھیے - جیسے مذاق اور جیسی باتوں مین آپ کو مشغول پایا ویسے ہی محاورے بھی اختیار کیجیے۔"

ابو العتاہیہ کے بخل کا تذکرہ گذر چکا ہے۔ کسی نے اُس سے کہا "خدا نے آپ کو جو رزق دیا ہے اُس مین آپ بخل کیون کرتے ہین؟" کہا "خدا کی قسم مجھے جو رزق ملا ہے اُس مین مین نے کبھی بخل نہین کیا۔" اُس نے کہا "گھر مین بیشمار دولت بھری ہے وہ کس دن کے لیے ہے؟" کہا "وہ میرا رزق تھوڑا ہی ہے۔ میرا رزق ہوتا تو مین اُسے خرچ نہ کرتا؟"

لیکن اصل یہ ہے کہ وہ چاہے جیسا اور جن صفات کا آدمی ہو اُس کے اشعار نے عام مسلمانون اور خلفاے بنی عباس پر بڑا اثر ڈالا تھا - عموماً وہ اخلاقی نصیحتون کو ایسے دلکش عنوان سے نظم کرتا کہ جو سنتا اُس کے دلنشین ہو جاتین - رشید ایک روز دو کاغذ ہاتھ مین لیے ہوے محل سے نکلا جن مین اُس کے چند اشعار لکھے ہوے تھے - اور اپنے بیٹے کے معلم کو ایک کاغذ دے کے کہا "یہ اشعار میرے فرزند کو یاد کرا دو۔" اور دوسرا کاغذ اپنے نامور مغنی اسحاق کو دے کے کہا "ان شعرون مین اچھی سی دُھنین قائم کر کے مجھے سُناؤ۔"

مامون رشید کو اُس کے اشعار کثرت سے ازبر تھے۔ اور وقتاً فوقتاً اُسکی زبان پر جاری ہو جاتے معتصم باللہ اگرچہ اَن پڑھ جاہل تھا مگر جب اُس کے مرنے کا وقت آیا تو اپنے ولیعہد فرزند الواثق باللہ کو بلا کے کہا "اب تمھارے باپ کی خیریت نہین ہے۔" اور اس کے بعد بیوفائی دنیا پر ابو العتاہیہ کے دو شعر پڑھے۔

ابو تمام طائی جو نامور ترین ادباے زبانِ عرب مین گذرا ہے اکثر کہا کرتا کہ ابو العتاہیہ نے پانچ ایسے شعر کہے ہین جن سے اچھے دنیا مین آج تک نہ کوئی کہہ سکا ہے نہ آیندہ کہہ سکے گا۔

ایک شخص مرگیا جنازے پر اُس کا بھائی زار و قطار رو رہا تھا۔ لوگ ہزار سمجھاتے تھے مگر اُس کے دل کو کسی طرح تسلی نہ ہوتی تھی اتنے مین ابو العتاہیہ نے آ کے بے ثباتی عالم پر ایسے دو شعر پڑھ دیے کہ اُس کو سارا غم بھول گیا - اور دفن کے بعد یہ حالت تھی کہ جتنے آدمی جنازے مین شریک تھے اُن کو سوا اُن

.. شعروں کے کچھ یاد نہ تھا۔

کوئی مسلمان عابد کسی نصرانی راہب کی خانقاہ میں گیا اور اُس سے کہا "مجھے کچھ نصیحت کیجیے۔" اُس نے کہا "تم پر قرآن اُتر چکا ہے اور تمہارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی تھوڑا ہی زمانہ ہوا ہے۔ بھلا میں تم کو کیا نصیحت کروں گا؟" اُس نے کہا "یہ سب درست ہے۔ مگر اسوقت تو میں آپ ہی سے نصیحت سننا چاہتا ہوں۔" اُس نے کہا "تو پھر میں تم کو تمہارے ہی ایک شاعر ابو العتاہیہ کا ایک شعر سنائے دیتا ہوں اُسکو یاد کر لو۔ اس لیے کہ اُس سے اچھی نصیحت نہیں ہو سکتی۔ وہ شعر یہ ہے

تجرّد من الدنیا فانک انّما وقعت الی الدنیا وانت مجرّد

(تو دنیا سے مجرد (الگ) ہو جا اس لیے کہ تو دنیا میں مجرد ہی آیا تھا) اس واقعے سے صاف ظاہر ہے کہ ابو العتاہیہ کے اشعار اُسی زمانے میں امرا، شعرا و علما و اتقیاے اسلام کے دائرے سے گذر کے نصرانی راہبوں تک پہونچ گئے تھے۔

عتابی شاعر مامون کے پاس آیا اُس نے اس کو اسحق کے پاس ٹھہرایا۔ اور اسحق نے اُسے اپنے کاتب ثیابہ کے پاس ٹھہرا دیا۔ اس لیے کہ ثیابہ کے گھر میں اکثر شعرا اور ادیبوں کی صحبت رہا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک دن عتابی کی موجودگی میں کچھ شاعروں کا تذکرہ ہوا۔ عتابی نے کہا "تمہارا وہ معیوب کنیت والا شاعر کہاں ہے؟" لوگوں نے ابو نواس کا ذکر کیا تو اُس نے ناگواری سے کہا "میں اُسے کیا جانوں؟" چند منٹ کے بعد کسی نے کہا "شاید آپ کی مراد ابو العتاہیہ ہیں؟" کہنے لگا "ہاں وہ شاعر ہے جو تمام اگلے پچھلے شاعروں سے بڑھا ہوا ہے۔"

ابو نواس نہایت ہی رند مشرب اور بدکار شاعر تھا۔ ہمیشہ رندوں کی صحبت اور عیش و طرب کی محفلوں میں رہا کرتا۔ اس پر ایک دن ابو العتاہیہ نے اُسکو بڑی لعنت و ملامت کی۔ ان نصیحتوں پر ابو نواس نے رندانہ مذاق اور بیباکانہ آزادی کے دو ایسے شعر پڑھے کہ ابو العتاہیہ غصے میں آ کے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور اُسکو گالیاں دیتا ہوا چلا گیا۔ مگر ابو نواس اُس کے بگڑنے پر بیٹھا ہنستا رہا۔

ہارون رشید کو ملاحوں کا نغمہ بہت پسند تھا جو دجلے میں کشتیاں چلاتے وقت گایا کرتے۔ لیکن اُنکی لے اور دُھن تو پسند تھی جن اشعار کو وہ گاتے وہ ایسے

بیہودہ اور مبتذل تھے کہ اُن سے تکلیف ہوتی - چنانچہ اُس نے اپنے شعرا کو حکم دیا کہ ان لوگون کی دُھن اور لے مین کچھ اشعار کہ دین - کسی نے کہا "یہ کام تو سوا ابو العتاہیہ کے اور کسی سے نہ ہوسکے گا" مگر وہ قید خانے مین تھا رشید نے قید خانے ہی مین اُس سے یہ فرمایش کردی - ابو العتاہیہ کو بڑا غصہ آیا کہ "شعر کی تو فرمایش کردی مگر اس کی توفیق نہ ہوئی کہ مجھے آزادی دیجاتی" جھنجھلا کے کہا "اچھا ایسے شعر کہون گا کہ رشید کو بجاے دلچسپی اور لطف کے بے انتہا صدمہ ہو" چنانچہ سولہ سترہ شعر کہہ کے ملاحون کو دیے اور اُن کو خوب یاد کرادیے - اسکے بعد رشید ایک دن بجرے پر سوار ہوکے سیر دریا کو نکلا تو اُن ملاحون نے وہ شعر اپنی لَے مین گانا شروع کیے - رشید کی نسبت کہتے ہین کہ نہایت سخت دل آدمی تھا اور چاہے کیسی ہی مصیبت پیش آئے آنکھون سے آنسو نہ نکلتے - یہ نغمہ جو سُنا تو دل پر قیامت کا اثر ہوا - تھوڑی ہی دیر مین آنکھون سے سیل اشک جاری ہوگیا - اور ایسی بیتابی و بیقراری سے رونے لگا کہ لوگون کو اندیشہ ہوا کہ اُسکو کوئی صدمہ نہ پہونچ جائے - چنانچہ فضل بن ربیع نے جو بجرے پر ساتھ تھا ملاحون کو اشارہ کیا کہ گانا موقوف کرو - جب اُنھون نے وہ نغمہ موقوف کیا تو رشید کو سکون ہوا - اور ابو العتاہیہ کے کلام کے اثر پر تمام لوگون کو تعجب ہوا -

یہ اشعار عربی کتب حالات عرب مین موجود ہین - جن کو عربی کا ذوق ہو خود پڑھ لین - ترجمے مین لطف نہ آئے گا -
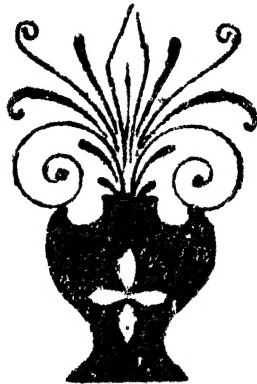
سند الوقت علّامۂ عصر
مولانا محمد عبد الحلیم صاحب شرر مدظلہ
کی
مشہور و معروف مقبول عام
موجودہ
تصنیفات ملنے کا پتہ یہ ہے
ایس عبد الرشید اینڈ برادرز
تاجران کتب
اندرون لوہاری دروازہ لاہور